

بعونہ تعالیٰ شانہ جلد اول کتاب

۷۷۸  
اخلاق

# اخلاق احمدی

تصنیف حاوی المفارح والمحامی الفضل الاستاذ الشرف الامجد

Checked  
1987

میرزا سلطان احمد صاحب

رئیس قصبہ قادیان تحصیل ٹبائے ضلع گورداسپور ملک پنجاب

اس کتاب میں معصّل حور پر سائیں ہندیہ اخلاق کو تحریر کیا ہے اور

حسب دل زمانہ بابت ملک و قوم کے اردو زبان میں بحث کی ہے

میں واقعہ میں لکھنؤ میں تمام میر احمدی کے نام سے

صَلَاةُ الْعِيشِ لِتَذَكُّرِهِ

Checked

1987

و تائید خلاق سرمدی کتاب

# اخلاق احمد

تصنیف حادی الفضائل و القیو اعلیٰ فیہ المشرق الامجد

مرزا سلطان احمد صاحب صنف مرآت الجنات

معیار الاصول بسبب الحق و اصول تحقیق

وغیره

در مطبع محمی واقع کله بنجاسین دید نامہ لوی مرزا محمد علی لک مطبع مطبعہ



# صنف کی ضروری تہاس

انسان کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسکو دنیا میں رہ کر دو قسم کے عوارض اور مزاحمتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ایک جسمانی اور دوسری روحانی چونکہ انسان کے مختصر زندگی کا مدار انہیں دونوں جسمانی اور روحانی صورتوں پر منحصر ہے جب تک یہ دونوں حالتیں اپنے حقیقی مرکز پر قائم نہ ہوں تب تک انسان سوسائٹی میں عمدہ طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا اور نہ اپنی سوسائٹی کو فائدہ پہونچا سکتا ہے اور نہ خود کو کوئی فائدہ پہونچا سکتا ہے اور نہ خود کو کوئی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اسلئے ان دونوں صورتوں کی اصلی اور ٹھیک مرکز پر قائم رکھنے کے واسطے خاص کر انسان میں سے ہی دو قسم کے فرقے پیدا ہو گئے ہیں ایک فریق کو جسمانی محافظ یا طبیب کہا جاتا ہے اور دوسرے کو روحانی مصلح یا روحانی طبیب جس طرح برصحت کے قائم رکھنے اور امراض لاحقہ یا اسباب امراض کے زائل اور دور کرنے کے واسطے طبیب صحت کے اسباب اور صورتوں اور ضرورتوں اور امراض کی حالتوں خستوں اور تغیر و تبدل اور اصول علاج کو بالتفصیل بیان کرنا پڑتا ہے اسی طرح پر روحانی مصلح یا روحانی طبیب پر فرض اور لازم ہے کہ اپنے معلومات کے موافق روح کی کل بیماریوں اور انکی صورتوں اور حالتوں اور ادائیگی مضار اور نقصانات کو بیان کرے۔ گو یہ تفصیل اور طوالت ایسا ہر بعض نازک طبائع کو اچھی اور موزون نہیں معلوم دیتی مگر چونکہ جسمانی اور روحانی مصلحین اور طبیبوں کا کام کسی ایک خاص شخص یا گروہ سے مخصوص نہیں ہونا اسواسلئے اوکو اس تفصیل اور طوالت سے مرگزنا اچھا نہیں ہے اگر جسمانی طبیب انسان کی جسمانی بیماریوں اور عوارض کو تشریح اور تفصیل

نہ بیان کرے تو اسکی تحریر اور شب و روز کی کوشش سے ہر ایک شخص فائدہ پہنچا  
 اوٹھا سکتا۔ کیونکہ اس کے جسمانی عوارض اور مزاج میں یکساں نہیں ہوتے جس  
 ضرورت اور مجبوری سے جسمانی طبیب تفصیل اور مناسب تشریح کو ہاتھ سے نہیں دیکھتا  
 وہی روحانی طبیبوں کے واسطے موجود ہے اگر روحانی مصلحین یا طبیب روح کے  
 متعلق عوارض اور بیماریوں اور خرابیوں کو اپنی معلومات کے موافق ایک خاص درجہ  
 کی طوالت اور تفصیل سے نہ بیان کریں۔ تو وہ فائدہ جو روحانی طبیبوں کی دہانت  
 میں انسانی نسلوں کو پہنچنا چاہیے تشریب نہیں ہو سکتا۔ اس عمدہ اصول نے  
 مجھ کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ میں اخلاقی اور مارل اصلاحات کو اپنی استعداد  
 اور معلومات کے موافق ایک خاص درجہ کی تفصیل اور تشریح سے بیان کروں گا  
 اس بات کو اچھی طرح سے خیال کر سکتا ہوں کہ اس تفصیل اور تشریح سے یہ کتاب  
 طویل طویل ہو جائیگی اور بعض لوگ طوالت کو مد نظر رکھ کر اس کا قبولیت کے درجہ  
 گرانے کی کوشش کریں گے مگر میری طبیعت نہیں چاہتی کہ اس ایک خفیت کو چھپنے کے  
 خوف سے روحانی امراض اور اخلاقی مسائل کو مختصر طور پر بیان کروں۔ اس کتاب  
 میں میں نے اخلاقی مسائل اور صورتوں کو جس طرز پر بیان کیا ہے وہ اس خیال  
 اور جوش کے وسعت کے مطابق نہیں ہیں کہ جو میرے دل میں پایا جاتا ہے۔  
 میں نہایت ادب سے اس کتاب کے ناظرین سے متوقع ہوں کہ اس ضروری تفصیل اور  
 جائز طوالت کو درکار کر کے اخلاقی ضرورتوں پر نظر کریں گے اخلاقی ضرورتوں پر نظر کر کے  
 ناظرین اس امر کو معلوم کر لیں گے کہ مارل فلاسفی کو نہایت وسعت سے ادا کرنا چاہیے۔  
 اس کتاب میں میں نے جب قدر مضامین لکھے ہیں وہ میری نظر میں (بیشماریکہ وہ خود  
 غلط تھو) اخلاقی زندگی کو عمدہ طور پر گزارنے کے واسطے نہایت ضروری ہیں  
 تو یہ خیال ہے کہ اخلاقی ضرورتوں اور مارل اصول محدود ہو ہی نہیں سکتے ہر ناظر

کوئی نہ کوئی جدید صورت شکل ہی آتی ہے آج تک انسانوں کے واسطے جتنے مائل حاصل  
تسلیم کیے گئے ہیں وہ سب یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے رہے ہیں اگر ہم ابتدائے زمانہ  
کے انسانی نسلوں کی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ اونکو بہ نسبت ہماری مارل  
لائف کے بسر کرنے کے واسطے تھوڑے سے وسائل حاصل کرنے پڑتے تھے اور باوجود اسکے  
اونکو سوسائٹی کی طرف سے کوئی وقت نہ اوٹھانی پڑتی تھی مین یہ پیشین گوئی کہ انسان  
کہ آٹھ والی نسلوں کو جسے بھی زیادہ مارل وسائل کی احتیاج اور ضرورت ہوگی  
زمانہ عظم و فضل میں جن جن ترقی کرتا ہو دون دون انسان کی مارل ضرورتیں بھی  
زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے واسطے یہ بڑی عمدہ زندہ نظیر ہے کہ انجی  
جن قوموں یا ملکوں کے لوگ زمانہ کی ترقی سے پیچھے ہٹے ہوئے ہیں۔ اونکو اخلاقی  
زندگی کے حاصل کرنے کا بہت کم خیال ہے۔ تفصیل اور طوالت کا دوسرا بڑا سبب  
یہ ہے کہ اس زمانہ میں ملک ہندوستان کے لوگوں کی اخلاقی طاقتوں اور اہل مالہ  
میں دیروز ابتری اور ضعف آتا جاتا ہے لوگوں نے مارل فلاسفی کو پند عام اور مرد و جانوں  
میں محدود کر رکھا ہے جو مارل فلاسفی کا ہزاروں حصہ بھی نہیں ہیں علمی لوگوں کے آپس  
خیالات لکھنے والیکو اس بات پر زور سے آمادہ کرتے ہیں کہ زمانہ موجودہ کی فزوق  
کے موافق مارل فلاسفی میں بحث کیجاوے۔ یہ دونوں وجہیں خاص طور پر  
اس اخلاقی کتاب کے طوالت کا باعث ہوئی ہیں امید ہے کہ دور اندیش ناظرین  
کو بجاے نکتہ چینی کے ان وجوہ پر خیال رہیگا۔

میں اپنے اس ضروری التماس کے دوسرے نمبر میں یہ بات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ  
میں نے اس کتاب میں اگرچہ سنگین الفاظ سے کام نہیں لیا اور اگر بعض موقعوں پر  
کوئی سنگین لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اسکا یہ سبب ہے کہ ایسے لفظوں کے استعمال  
بغیر کام نہیں جلتا بقول ایک بڑے متبحر عالم اور برگزیدہ فلاسفر کی کسی عبارت میں

جیسے وحشی اور غیر مانوس الفاظ کا لانا سیوہ ہی ایسے ہی خاص مستعمل الفاظ کی استعمال  
بچنا سیوہ ہے۔ اخیر پرین اس امر کے اظہار کی اجازت مانگتا ہوں کہ میں نے اپنی  
استعداد اور لیاقت کے موافق ملک و قوم کی خدمت میں اس کتاب کا پہلا حصہ  
پیش کیا ہے۔ اگر قوم نے اسکو پسند کیا تو دوسرے حصہ بھی خدا کے فضل و کرم سے  
تیار ہو کر قوم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور اگر میری محنت کسی غلط اصول پر  
ہوئی ہو تو میں ادب کے ساتھ اپنی فضول گوئی کی بابت معافی مانگتا ہوں \*

## المتمم من مرزا سلطان احمد عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### پہلا حصہ

تعریف علم اخلاق۔ علم اخلاق بلحاظ اپنی معانی اور اعتبارات کے وہ علم ہے  
کہ جس سے ہر ایک انسان بلا لحاظ رنگ و مذہب ملک و قوم اپنے خیالات اور اقوال  
و افعال کو فطرتی اور طبی قوانین کے مطابق استعمال میں لاسکتا ہے۔ یا یہ کہ حقیقی  
حیثیت اور ذاتی حالت پر ایک عمدگی اور صحت سزا بت اور قائم رکھ سکتا ہے  
یوں کہ وہ اسکو بالجوہریت یا بالکلیت خیالات اور اقوال اور افعال کے برائی یا  
جلالی کی بابت ایک مادہ متمیز اور طاقت متغیرہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور زندگی کے  
باقاعدہ بسر کرنے کا طریق اور اصول میسر ہو جاتا ہے۔

### ضرورت علم اخلاق

آپ شیخ یا علم کا ضروری یا لازمی یا غیر ضروری یا لازمی ہونا اور سوقت معلوم ہوتا ہے

کہ جب اُس شے یا دوس علم کی نسبتی فوائد اور مضرتوں کو معلوم یا وزن کیا جاوے جس تک  
 کسی شے یا کسی علم کے نسبتی فوائد اور مضرتوں کا علم نہ ہو تب تک بالاتفاق نہیں کہا جا  
 کہ غلام شے یا غلام علم ضروری یا غیر ضروری ہے کسی شے کی ظاہری صورت یا کسی علم کا  
 مخصوص یا مشہور نام اس بات کے ثابت کرنے کے واسطے (کہ وہ ضروری یا غیر ضروری  
 لازمی یا غیر لازمی ہے) مفید اور کار کا فی نہیں ہے۔ شیئوں یا علموں کی ظاہری صورتیں  
 یا نام کسی صورت میں اپنا ضروری یا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں کر سکتے اگر ہم ظاہری  
 صورتوں یا مخصوص اور مشہور ناموں کے موافق بے عمل درآمد کرینگے تو ہر کسی حالت  
 میں سچی کامیابی کی ڈگری نہ ملیگی ہم اپنے ارادوں پر تب ہی کامیاب ہونگے کہ  
 جب شیئوں یا علموں کے نسبتی فوائد اور مضرتوں کا علم حاصل کر لینگے اگر طبیب مختلف  
 دواؤں کی ظاہری صورت اور حالت پر ہی اکتفا کر کے مریضوں کا معالجہ شروع  
 کرے تو کیا اوسکے ہاتھ میں شفا ہوگی ہرگز نہیں معالجہ وہ ہی مفید اور شفا بخش ہوگا  
 کہ جو مریض کے مرض اور دوا کے نسبتی فوائد اور مضرتوں کو ملحوظ رکھ کر کیا جائے  
 وہ معالجہ معالجہ اور وہ طبیب طبیب نہیں کہ جو علاج کرنے کے وقت مرض اور  
 دوا کی نسبتی فوائد اور مضرتوں کو زیر نظر اور ملحوظ نہ رکھے ایسی خوش فہم طبیب کے  
 حق میں یہی بات بہتر ہے کہ معالجہ سے دست کش ہو جب یہ بات معلوم ہوگی شیئوں  
 یا علموں کے نسبتی فوائد اور مضرتوں کا معلوم کرنا ضروری ہے تو اب اس مرحلہ کو طے  
 کرتے ہیں کہ تمام شیئوں اور سارے علموں کی حالتیں باعتبار خیالات عام نہ تو اپنی  
 ذات میں بالکلیت مفید خیال کیجاتی ہیں اور نہ مضربعض شیئیں اور علم اس قسم  
 ہیں کہ ہم انکو ایک جہت سے تو مفید کہتے ہیں اور دوسری جہت کے اعتبار سے  
 اونیضین کہ مضر کہنا پڑتا ہے علم نجوم کو اسواسطے تو اچھا کہتے ہیں کہ اس میں اجرام  
 سماوی کی بابت خبر بحث ہوتی ہے اور اس جہت سے برا کہتے ہیں کہ اوس سے

لوگوں کی اعتقاد میں حالتیں بگڑ کر فساد پیدا کرتی ہیں زہر کو اس واسطے مہلک اور بُرا کہا جاتا ہے کہ اس کے کھانے سے کھانے والے متضرر یا ہلاک ہو جاتے ہیں اور کبھی ضرورت کے وقت جب اس کو ہندی طبیعوں کی تدبیر کے موافق استعمال کیا جاتا ہے اچھا کہتے ہیں کیونکہ اس کے استعمال سے بعض فرس اور روی بیمار یاں دور ہو جاتی ہیں بہت سی شعیون یا علموں کا سفید یا مضر خیال کیا جانا لوگوں کے اس استعمال کرنے کا جو یا ضابطہ اور بالاصول نہیں ہوتا اور حسین واقعی مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ثمرہ اور نتیجہ ہے علم نجوم اپنے حقیقی غایت کے اعتبار سے سراسر مفید ہے مگر لوگوں کے اولے استعمال نے اس کو نقصان رسان اور بدنام کر رکھا ہے سیکھنا اس واسطے نہیں کہ اس کو خدا کے بندے کہا کر موت سے ہاتھ ملائیں بلکہ اس واسطے کہ پُرانے مرضوں اور فرس عوارضات کی ازالہ کے واسطے استعمال کیا جاوے جس طرح پر مختلف شیعین اپنی ذات میں قدرتی خواص کا خزانہ رکھتی ہیں اسی طرح پر انسان کی طبیعتوں میں خداوند کریم نے قسم قسم کے خواص ودیعت کر رکھے ہیں انسان اپنی حالت پر خیال کر کے تسلی پاسکتا ہے کہ اس کی حالتیں دن میں کتنی دفعہ بدلتی ہیں دیکھو جب قوت و ہمہ کا غلبہ ہوتا ہے تو ہم کیسے جوان السیرت بن جاتے ہیں اور جب قوت لکیہ ستولی ہوتی ہے تو ہمارے خیالات اور دلی حالتیں کیسی صفات اور پاکیزہ ہو جاتی ہیں اگر یہ صورتیں مختلف الاثر و نتیجہ خواص طبعیہ کا اثر ہیں ہیں تو اور کیا ہے جیسے انسان دن میں بیسوں دفعہ نیک بنتا ہے اور بیسوں دفعہ بد ایسا ہے شعیون اور علموں کو اولے استعمال سے مختلف تاثرین قبول کرنے پڑتی ہیں شاید کوئی معترض اعراض کرے کہ انسانی خواص متغیر الحالت ہوتے ہیں اور ان کو اگر انسان عمدہ اور معقول حالت پر لانا چاہے تو اس کے ہاں اس کے خواص یا خصائص العلوم سے کیا نسبت۔ نسبت اور مقسود میں مناسبت کا ہونا شرط۔

سویان وہ مقصود ہے فثبت ان خواص طبائع الانسان متغائر من  
الاشیاء والعلوم اور برخلاف اونکے خواص الاشیاء و العلوم اپنی ایک ہی حالت پر قائم  
رہتی ہیں اس اعتراض کا جواب میرے خیال میں اسطور پر دیا جاسکتا ہے کہ نسبتاً  
کی ایک قسم نہیں ہے بلکہ اسکو متعدد صورتوں اور مختلف قسموں پر استعمال کیا جاتا  
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نسبت صرف خبریات میں ہی محدود ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے یہاں کہ  
فلان شے کو بلحاظ رنگت کے فلان شے سے نسبت ہے اور کبھی دو چار صورتوں کو محتوی  
ہوتی ہے جیسا کہ جاتا ہے کہ فلان آدمی بد مزاجی اور شجاعت اور بے مردتی میں فلان  
آدمی سے نسبت رکھتا ہے کبھی دوسری شے کی ساری باتوں پر محیط ہوتی ہے جیسے  
کہتے ہیں کہ فلان شے ہو ہو فلان شے سے نسبت رکھتی ہے پہلی دو صورتیں شے و شے  
کی تمام صفاتوں پر محتوی نہیں ہوتیں اور نہ احتوائے صرف اسی حد تک ہوتا ہے  
کہ جہاں تک نشان دیا جاتا ہے اور تیسری صورت ساری صفاتوں کو محیط ہوتی ہے  
پہلی دو صورتوں کو جزوی یا محدود نسبت سے موسوم کرتے ہیں اور صورت ثالث کو  
کلی سے کیونکہ وہ کل پر حاوی ہوتی ہے نسبت اور منسوب میں صرف انتسابی تعلق ہوتا ہے  
یہ نہیں کہ شے منسوب کی حالت سے ہو ہو ٹکا کھائی جب ہم کہتے ہیں کہ فلان آدمی شے سے  
نسبت رکھتا ہے تو اس سے صرف شے کی شجاعت ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ شے کی ہیئت  
کدائی اور شجاعت بھی آدمی کی شجاعت سے نام ہی کے اعتبار سے مشترک ہوتی ہے  
نہ کہ وضع اور ڈھنگ میں آدمی اپنی بہادری کو اور طریق پر ظاہر کرتا ہے اور شے  
وضع پر اکثر موافقہ میں دو شبیوں میں مناسبت کا ہونا صرف جزوی اور بھی انتسابی  
سے ہی ہوتا ہے جتنے خواص الاشیاء و العلوم کو خواص الانسان سے نسبت کی  
یہ نسبت بھی صرف جزوی اور اسی نسبت ہی ہے اس میں اتحاد وضع اور ڈھنگ کو دخل نہیں  
بلکہ یہ نسبت مذکور کو صرف جزوی اور اسی سے موسوم کرتے ہیں تو اعتراض صاحب کا



اعراض ہمارے قتل مذکور پر وار و اور موثر نہیں ہو سکتا جسے کب کہا کہ خواص الاشیا  
والعلوم انسانی خصائص سے نسبت تامہ رکھتے ہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خواص الاشیا  
والعلوم کو خواص الانسان سے باعتبار تغیر و تبدل اثبات و نتائج ایک ہی اور جزوی  
نسبت ہر جتنے اوپر کی سطرون میں انسانی خواص کے تبدیل کا واسطے ذکر نہیں کیا  
کہ اس سے خواص الاشیا کے تبدیل کا استدلال کریں ذکر مذکور صرف اس  
امر کے اثبات کے واسطے ہے کہ سطح خواص الانسان بدل کر اور حالت قبول کر لیتے ہیں  
اسی طرح پر خواص الاشیا و العلوم استعمال کی صحت یا غلطی کے باعث اور حالت تبدیل  
کر لیتی ہیں جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اکثر غیثیوں کی قباحین یا برائیان یا فو  
اور محاسن صرف لوگوں کے اعتبارات اور استعمالات کا اثر اور نتیجہ ہوتے ہیں تو  
اب اس سلسلہ کو اس پہلو سے کہ علم اخلاق نسبتی فوائد یا مضرتوں کے اعتبار سے  
انسانی جماعتوں کے حق میں ضروری ہے یا غیر ضروری چھیڑا جاتا ہے۔ پہلا اسکے  
کہ ہم علم اخلاق کے نسبتی فوائد یا مضرتوں کو بیان کریں اس امر کو باختصار بیان کرے  
ہیں کہ نسبتی فوائد یا نسبتی مضرتیں کیونکر اور کس طرح پر معلوم ہو سکتی ہیں واضح ہو  
کہ ہر ایک شے کے نسبتی فوائد یا نسبتی مضرتیں اس طرح پر معلوم ہو سکتی ہیں کہ جس شے یا  
جس امر کے واسطے کسی دوسری شے کو استعمال کرنا ہو قبل از استعمال اس شے کے  
حالت معلوم کریں اور سوچیں کہ غلام شے یا غلام علم اس شے کے مناسب حال ہے  
یا نہیں اور ساتھ ہی اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس شے کو اس شے کے جسکو  
استعمال کے واسطے مخصوص کیا گیا ہے ضرورت ہی یا نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس  
شے یا اس علم کے نتائج کو بھی جو استعمال کے واسطے مخصوص ہے وزن کر لینا ضروری  
ہے جب یہ باتیں حاصل ہو جائیں گی تو اس شے یا اس علم کے جسکو استعمال کے واسطے  
مخصوص کیا گیا ہو نسبتی فوائد یا نسبتی مضرتیں خود بخود معلوم ہو جائیں گی علم اخلاق کے

نسبتی فرائد یا مفرقین انسانی جماعتوں کے حق میں اس صورت میں ثابت ہو سکتے ہیں کہ جب انسانی جماعتوں کے حالات اور ضروریات اور علم اخلاق کے نتائج معلوم کیے جائیں انسانی جماعتوں کو زور دیکر یہ بات معلوم کرنی لازم ہے کہ ان کے حالات کس نقشہ یا کس پٹری پر چھنے چاہئیں اس بات کو دل لگا کر سوچیں کہ وہ کون راستہ ہے کہ جو تہذیب کے مقدس منزل پر پہنچا سکے ہم جب انسانی جماعتوں کے حالات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خداوند کریم نے مدنی الطبع پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی کے درخت کے ساتھ مختلف ضرورتوں کی اس قدر شاخیں لگائی ہیں کہ جس کا کچھ اندازہ نہیں جہن سے انسان پیدا ہوتا ہے اس بدن سے ہی اس کی ضرورتوں اور انواع و اقسام کی مصیبتوں اور طرح طرح کی آزمائشوں کا شروع اور نزول ہوتا ہے تو اگر لکھتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر تھوڑی سی عزیز زندگی بسر کرنا کوئی مشکل بات نہیں مگر یہ بالکل جھوٹ اور خلاف واقع ہے انسان کو اس تھوڑی سی زندگی کو بھی مختلف شرائط اور مشقت پابندیوں سے کاٹنا پڑتا ہے ان اگر شرائط اور پابندیوں کو جواب دیا جاوے تو کچھ مشکل اور دشوار نہیں سو سا بڑی یا گھر کے لوگوں سے برتاؤ کی حالت میں کیسی کشمکشیں اور دو تین پیش آتی ہیں دو تین آدمیوں یا گھر کے لوگوں کے مراتب اور ضروریات اور خیالات کو مد نظر رکھنا اور اعلیٰ درجہ کی مشکل بات ہے کہ کیوں بگڑ جاتے ہیں احباب میں کیوں ناچاقی ہو جاتی ہے باپ سے بیٹا اور بیٹے سے باپ بہن سے بھائی اور بھائی سے بہن وغیرہم بگڑ کر کیوں الگ ہو ڈیرہ اینٹ کی مسجد کھڑی کرتے ہیں بھائیے دو تین آدمیوں میں ایسے مفید منصوبے کیوں کہنے لگتے ہیں یہ کیا غضب ہوا گوشت پوست خاندان عورت اور گھرانے کے اعتبار سے تو ایک اور عداوت اس قدر جب انسان دو تین آدمیوں کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتا تو پھر تمام لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا کیوں کر انسان خیال کیا جاوے اور لوگوں اور انسان

کے ساتھ زندگی بنا ہوتا ہے تو جدارِ با انسان اپنی ذات ہی میں پورا نہیں اور توجہ  
 قوتِ ہیمہ کا غلبہ ہوتا ہے تو کیسا ناچار ہوتا ہے گو یا حیوان التیرت اور مخبوط الحواس  
 ہو جاتا ہے جب غصہ آتا ہے تو کچھ سوچتا ہی نہیں اپنی جان پر بھی وار کر گزرتا ہے خودی  
 کی وار داتہن اس امر کو بوری وضاحت سے ثابت کر سکتے ہیں آپ ہی گمرون کا پو  
 دینا کپڑوں کا بھاڑ ڈالنا علیٰ ہذا القیاس اور کئی ایک قسموں کے نقصان کر دینا گاؤں  
 کیا یہ بیضا بلیاں اس بات کو یاد نہیں دلاتی کہ دنیا میں رہ کر تھوڑی سی زندگی بڑی  
 بڑی شکل سے گنتی ہے جب انسان اپنی زندگی کو جو فی الحال ایک چند روزہ مسافت  
 خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ بوقتِ تمام بسر کرتا ہے تو انسانی جماعتوں کے واسطے  
 بڑے رنج اور افسوس کی بات ہے کیونکہ جب چند روزہ کی زندگی ہو عمدگی اور خوش اسلوبی  
 سے نہ گزری تو پھر زندگی سے مزہ کیا حاصل ہوا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ حیوانات  
 لا یعقلون کے قابو میں ہی رہتے۔ خداوند کریم نے کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جو  
 بیکار درست نہ ہو سکے انسان کو مختلف عوارض لاحق ہوتے ہیں مگر صحیح علاج کرنے سے  
 ہٹ بھی جاتے ہیں معیشتیں نازل ہوتی ہیں۔ مگر صبر اور تہجد سے دوزخ بھی ہو جاتی  
 ہیں انسان بڑے کام اور گناہ کرنے لگ جاتا ہے مگر جب خیال کرتا ہے تو پاکیزگی اور  
 صفائی بھی حاصل کر لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سطح پر عجزِ زندگی بسر کرنے کے واسطے  
 کوئی مفید نسخہ موضوع ہو وہ کون مرض ہے جس کے واسطے حافظِ طیبوں نے کوئی علاج  
 پیدا یا خاص نہیں کیا بلکہ صداقت سے ایسے نسخہ کی تلاش کرنی چاہیے۔ جب ہم  
 دنیا کے مختلف علمی طاقتوں اور علمی اصولوں پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا پتہ  
 ملتا ہے کہ علمِ اخلاق انسانی جماعتوں کے حق میں من کل الجہت مفید ہے۔ علمِ اخلاق  
 ایسے ایسے جہتہ اور نادر الاصل اصول موضوع اور مدون ہیں کہ جو بالطبع انسانی  
 زندگی کے واسطے فائدہ بخش ہیں۔ علمِ اخلاق کا یہ پہلا اصول ہے کہ دنیا میں رہ کر

کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے اپنے اور غیروں کے مراتب کو کس طور پر ملحوظ رکھنا لازم  
 ہے۔ احباب سے کس طرح پریش آنا چاہیے اپنی ذاتی یا اندرونی طاقتوں کی کس طرح  
 نگرانی اور حفاظت اور استعمال کرنا لازم ہے۔ علم اخلاق کا اثر اور نتیجہ یہ ہو کہ انسان  
 اپنے عویز اور متعویزی سے زندگی کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی اور خوش سلوکی سے بسر کرے  
 جب علم اخلاق کا آخری اثر اور نتیجہ یہ ہو کہ اسکے ذریعہ سے انسانی جماعتیں ایک عملی  
 سے زندگی بسر کریں اور انسان اپنی سوسائٹی میں اس طرح پر عمر گذرانی کہ جو سراسر  
 ضروری اور مفید ہو تو معلوم ہو کہ علم اخلاق کے نسبتی فوائد انسانوں کے حق میں ضروری  
 اور لازمی ہیں۔ جب علم اخلاق باعتبار اپنی نسبتی فوائد کے انسان کے حق میں ضروری  
 اور لازمی ہے تو ضرور اور لازم ہے کہ اسکے حاصل کرنے کو ضروری اور لازمی قرار دیا جاوے  
 تاکہ انسانی جماعتوں کے خیالات اقوال افعال طرز اطوار و مصالح اشکال و مذاہب  
 شائستہ ہوں۔ انسانی خیالات و غیر ہم بنجرل طور پر مختلف قسموں کے ہوتے ہیں کوئی  
 قسم کا اور کوئی کسی طرز کا ضروری ہو کہ ان کے الفراق اور امتیاز کے واسطے اخلاقی فوائد  
 سے مدد لیا جاسکے تاکہ ان کے امداد سے ہر ایک خیال اور فعل میں باعتبار برائی و سچائی  
 بطریق عامہ تمیز و تفریق ہو سکے اخلاقی قوانین ایسے برجستہ قوانین ہیں کہ جو اپنے وقت  
 و ائید اور کیفیت حقیقیہ کے اعتبار سے انسانوں کے خیالات کی تہذیب اور تقویٰ کے  
 واسطے پوری طور پر موید اور معاون ہیں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ہر ایک خیال یا قول اور  
 فعل کی تشخیص اور تحقیق کو وہ خیال یا قول یا فعل اپنی ذاتی حیثیت میں کسی قسم کا ہم  
 سر ہی طور پر نہیں کی جاسکتی چھوٹے سے چھوٹے خیال یا قول یا فعل کی تشخیص اور  
 تحقیق کے واسطے ایسے فوائد اور ضوابط کا نتیجہ ضروری اور لازمی ہے کہ جو ذاتی تاثیر  
 کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا رہتے ہوں قواعد اخلاقیہ کی انسانی جماعتوں کو اقتدار  
 ضرورت ہو کہ اسکے انہر انسان علاوہ برتاؤ عامہ اپنی ذاتی خیالات اقوال افعال

کی بابت بھی ٹھیک ٹھیک رائے قائم نہیں کر سکتا اپنی ذاتی قوتیں جو گویا انسانی قول اور افعال کے مخزن اور مصدر ہیں اسی وقت اچھی طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں کہ جب اخلاقی قوانین اور ضوابط کا علم ہو ہر ایک فرد انسان پر لازم اور واجب ہو کہ اخلاقی قواعد سے اگر پورے طور پر نہیں تو بالآخر بہت تو ضرور ہی واقفیت اور محارت پیدا کرے تاکہ اولن اغلاط اور اسقام کے حدوث اور طوق سے کہ جو عدم واقفیت کی صورت میں ظہور پذیر ہو سکتی ہیں مامون اور مصلون رہے اہل ہندوستان کی اخلاقی طاقتوں میں اسی واسطے ناطاقتی اور کمزوری کی ترقی ہے کہ انہیں اخلاقی طاقتوں کو اس قدر ضروری اور عزیز خیال نہیں کیا جاتا کہ جب قدر اور نکاحا استحقاق ہے ہماری توجہ کا اس قدر وزن اور مقدار نہیں کہ جو ہماری اخلاقی طاقتوں اور مورل ضرورتوں کو بوجہ احسن پورا کر سکے میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں علم اخلاق کو کچھ نہ کچھ عزت حاصل ہو مگر اس قلیل المقدار اعزاز اور احترام اور توجہ سے اس قدر منافع اور فوائد حاصل ہونے کی امید کہان کہ جب قدر ضرورت ہو ہمارے ملک میں علم اخلاق کی طرف جب قدر توجہ بھی کی جاتی ہے تو اس میں بھی غلطیاں بہت ہیں جس سے توجہ مذکور کا عدم وجود مساوی خیال کیا جاسکتا ہے ہمارے ملک والوں نے اخلاقی طاقتوں اور مورل رولز کو اولن حدود اور قیود میں محدود اور مقید کر رکھا ہے کہ جس سے اونکی اغراض میں کمزوری اور درگروئی پیدا ہو گئی ہے ہمارے ملک کے مورل اصطلاح میں ایسی محدود الفاظ میں بیان ہوئی ہیں کہ جس سے ہمارے حقوق اور فرائض کے پورے طور پر محافظت ہو نہیں چارے ملک کا علم اخلاق خفیف خفیف باتوں سے منسوب کیا گیا ہے کہ جو مورل لالیف کے حاصل کرنے کے واسطے کافی نہیں ہے ملک کا فرض ہے کہ مورل اغراض کے انجام اور انصرام کے واسطے اولن وسیع اور مضبوط اخلاقی اصولوں سے

واقفیت اور جہالت پیدا کر کے جو ہمارا اور ہمارے ملک اور اغراض اور ضروریات اور حالات کے موافق ہوں۔

## وسعت علم اخلاق

یہ بات انہر من الشمس و امین من الاس ہے کہ دنیا کے ہر ایک معاملہ اور قضیہ میں ضرور ہر دور کے باعث اس اس قسم کے تبدلات اور تغیرات واقع ہوتے ہیں کہ ان کی اصلی ہیئت اور کیفیات میں ایک دگرگونی اور انقلاب معلوم ہوتا ہے جو معاملات اور قضیہ کسی وقت میں نہایت وسیع الحالت اور بارونق و کمالیت تھی وہ دوسرے وقت یا زمانہ میں اس قدر قصیر الحالت اور محدود اور بے رونق ہو گئے کہ ان کی ذاتی کیفیات اور حقیقی تاثیرات کا معلوم ہونا ایک دشوار امر دکھائی دیتا ہے برخلاف اسکے بعض معاملات اور قضایا اس قسم اور وضع کی ہیں کہ جو اپنی ابتدائی حالت کے لحاظ سے محدود اور بے رونق تھے مگر ایک زمانہ گزرنے پر ان کی حالتیں اس قدر اور ایسی بڑھتی ہوئیں کہ گویا ان کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہو گیا یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک معاملہ اور قضیہ کی حالتیں اور صورتیں تمام ملکوں میں ایک ہی دفعہ تبدیل اور تغیر ہو جائیں عام اس سے کہ وہ تغیر اور تبدیل کسی قسم میں داخل ہو یا ہر ایک معاملہ کے تغیر اور تبدیل کا اثر ہر ایک ملک کی قوم پر بالتساوی تقسیم ہو یا ہر قوم پر اسناد تا ریخہ نہایت صداقت سے شہادت دیتے ہیں کہ تمام معاملات اور قضیہ کا تغیر اور تبدیل ہر ایک ملک یا قوم میں ایک ہی دفعہ یا ایک صورت پر واقع نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک ملک یا قوم کے معاملات اور قضایا کا (خواہ وہ قضایا معاملات اخلاقی ہوں یا علمی یا ملکی یا قومی) تغیر اور تبدیل مختلف اوقات اور متفرق صورت پر واقع ہوتا ہے جو وقت ہم اپنے ملک یا قوم کی ابتدائی حالات کو تعمق اور غور کی نظر سے دیکھتے ہیں تو وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ملک یا قوم ابتدائی دنوں میں اخلاقی طاقتوں اور قوا کے پوری

عزت اور بزرگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور اداون طاقتوں اور قواعد کے ہمارے اور وہاں  
کو ایک ضروری امر خیال کرتے تھے مگر زمانہ کو تغیر اور ملک و قوم کی بے علمی اور قسم  
کے باہمی فسادوں اور طرح طرح کے خانہ جنگیوں اور غفلتوں کے باعث اخلاقی طاقتوں  
اور اصول قواعد میں دن بدن کمزوری اور نا طاقتی اور بے روئی واقع ہوتی گئی یہاں  
کہ ہم اور ہمارے ملک اور قوم نے اخلاقی قوانین اور اصول طاقتوں کو ایسی تعریف  
سے معرفت کیا کہ جس سے اخلاقی قوانین کے واقعی ہیئت میں ہی فرق آگیا اور علم اخلاق  
جب قدر وسیع الحالت تھا اور مستقرا و سکون و محصور کو یا علم اخلاق باعتبار اپنی صورتوں اور  
مسائل کی نہایت وسیع و گہرا ہم لوگوں کو اس قسم کے خاص محدود اور شرائط محدود اور مشروط  
کر رکھا کہ جس سے اس وقت میں بالکل فرق آگیا ہم لوگوں کو علم اخلاق کو صرف چند بیجا اور جھٹ  
ختی سے ہی مربوط اور وابستہ سمجھ رکھا حالانکہ یہ دونوں باتیں علم اخلاق کی حیثیات اور اثرات  
صرف دو جز ہیں یا وہ فرد ہیں علم اخلاق صرف انھیں دو تین باتوں سے مربوط اور مشروط نہیں  
صد ہا قسم کی اور باتیں اور ضروریات بھی ہیں جنکا پورا کرنا نہایت ہی ضروری اور  
لازمی ہے میرے خیال میں اصول ضرورتوں اور اصلاحات کا کلی یا قطعی طور پر  
جمع کرنا نہایت ہی دشوار اور مشکل ہے پچھلے زمانوں میں اس قدر اصول ضرورتیں  
نہ تھیں کہ جب قدر اس موجودہ زمانہ میں نظر آتی ہیں ہو سکتا ہے یا یہ کہ ممکن ہے کہ  
آنے والے دنوں میں اس سے بھی زیادہ ضرورت ہو جیسے انسانی جماعتوں میں  
علم اور عقل اور تین بڑھتی جاتی ہے ایسی ہی اصول ضرورتوں کی تعداد اور ضرورت  
زیادہ ہوتی جاتی ہے اس قول کی تشریح کے واسطے شاید اس زندہ نظیر کا پیش کرنا  
نا جائز نہ ہو گا کہ ایک دنیا کے جس حصہ میں پرانی جمالت اور وحشت کا نام و نشان اب  
اثر باقی ہے اوسمیں بالمقابل ادن ملکوں اور حصوں کے کہ جنہیں جمالت اور وحشت  
بالکل نہیں یا کہ کمی یا کمزوری پر ہے اصول ضرورتیں نہایت ہی محدود اور کم کہانی ہیں



اس زندہ نظیر سے واضح طور پر استدلال ہو سکتا ہے کہ کثرت یا ترقی وحشت اور جہالت سے مورل ضرورتوں کی خواہش یا ضرورت بہت ہی کم ہوتی ہے اور ترقی علم و فضل اور فہم و عقل سے مورل ضرورتوں کی ضرورت اور مانگ زیادہ ہوتی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں وحشت کی نامبارک آثار محو اور کالعدم ہوتے جاتے ہیں اور علم و فضل اور فہم و عقل کو روز بروز رونق اور ترقی ہو لازم ہے کہ ہم مورل ضرورتوں کے حاصل کر لے میں اعلیٰ درجہ کی سعی اور کوشش کریں اور جبکہ علم اخلاق وسیع ہے اوسیکے موافق ہماری کوششوں اور سعی کا پلہ ہوتا کہ ہم اور قوموں کی طرح

سچے خلیق اور مہذب بنیں

### تبدیل اخلاق

اس امر میں فلاسفوں اور حکیموں کے آپس میں مدت سے بحث ہو کہ آیا بدل یا تبدیل اخلاق ممکن ہے یا نہیں بہت سی فلاسفہ اور حکیم مثل پلو تارخ صولون اور طوکیدید لیس اس بات پر متفق ہیں کہ بعض اخلاق نیچرل یعنی طبعی ہیں اور بعض ان نیچرل یعنی دوسرے سببوں سے پیدا ہو کر نیچرل اخلاق کی طرح حکم اور مضبوط ہو جاتے ہیں اور بہت سے فلاسفہ مثل فرکوس ارسطاطالیس اور قراطس وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ تمام اخلاق نیچرل ہیں اور نکاح اور نیچرل ہونا وغیرہ ہے اور بعض حکیم مثل فیثاغورس اور فرزانہ لاوری یہ مذہب رکھتے ہیں کہ کوئی خلق نہ نیچرل ہے اور نہ مخالفت نیچرل حکیموں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی خلقت ایسی طور پر واقع ہوئی ہے کہ ہر ایک خلق کو جب چاہتا ہے خواہ بآسانی اور خواہ بدشواری اپنے مزاج کی خامیت کو تقاضا سے حاصل کر لیتا ہے حکماء روایان کا یہ قول ہے کہ خداوند کریم نے ہر ایک انسان کو نیچر میں ہر سو نمیر پیدا کیا ہے مگر وہ شریر دنیا صحبت اور شہوات مختلفہ کے دام میں پھنس کر ایسے عجیب اور مضبوط القوی ہو جاتے ہیں کہ

اونکے کائنات نش یعنی قوت ضمیری میں ذرا بھی ملاقت نہیں رہتی یہاں تک کہ عام باتوں سے  
 حسن و قبح کو بھی دریافت نہیں کر سکتے ایک گروہ اور دوسرے جنکو حکماء سے اثر اقبال کے نام  
 سے موسوم کرتے ہیں اور حکمایہ مذہب ہے کہ خدا نے انسان کو حبشیہ الطبع پیدا کیا ہے  
 سولیسریشن اور نیکی کو بہت وقت اور دشواری سے قبول کرتا ہے کبھی کوئی انسان  
 جو اصلاح پذیر ہو کر سولیسر دین جاتا ہے تو یہ مختلف مجتہدین اور لوگوں کے مختلف الحاحات  
 عہد گیوں اور نیکیوں کا اثر ہے نئے زمانہ کے حکیم اور فلاسفر مثل نیوٹن اور بیکن اور  
 مسکالی وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ اخلاق کا تغیر یعنی نیک سے بد اور بد سے نیک  
 ہونا ممکن ہے اوپر کی سطروں میں امکان تغیر اخلاق کی نسبت جسقدر مذاہب بطور  
 خلاصہ بیان ہوئے ہیں ان سب میں سے اخیر کا مذہب میرے خیال میں ایک ایسا  
 مذہب ہے کہ جو تقاضا ہے لازماً فی نیچر اور دنیا کے پرانے سے پرانے سچر بلوں  
 اور انسانی جماعتوں کے واقعی حالات کی تصدیق یا تائید کرتا ہے باقی مذاہب ان  
 ضروری باتوں کو پورا نہیں کرتے بلکہ انکی تکذیب کرتے ہیں گو ان مذاہب کے  
 باقی مابقی فلاسفر اور حکیم مزاج لوگ ہی ہیں مگر یہ بات کچھ ضروری ہی نہیں ہے  
 کہ ایک مذہب کو باوجود اسکے کہ اوپر کوئی سچی شہادت قائم نہیں ہو سکتی صرف  
 اس واسطے قبول کیا جاوے کہ اسکا بانی ایک فلاسفر یا حکیم ہے اگر کوئی شخص کسی امر کو  
 باوجود اسکے کہ وہ کمزور اور ضعیف ہے صرف اس واسطے تسلیم کرے کہ وہ کسی حکیم یا فلاسفر  
 کی طرف منسوب ہے تو اسکو ہم کی صورت میں عقیل اور دودھ اندیش نہیں کہہ سکتے قبل  
 اسکے کہ ہم مذہب اخیر کو ایر اور دلائل قطعیہ اور براہین یقینیہ سے باہر ثبوت پر پہنچائیں  
 ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باقی مذاہب کے اصولوں عن الاغلاطہ ہونے پر  
 مختصر الفاظ میں بحث کریں تاکہ ناظرین کتاب ہذا کو بھی اسے ذہن کا موقعہ میر آئے  
 الفہم حکیم بلو تارخ اصولوں اور طوکید نش کا یہ مذہب کہ بعض اخلاق طبعی

ایک اور بعض غیر طبعی سے خیال میں دلائل مندرجہ ذیل کے ایراد سے مخدوش اور  
غیر واقعی معلوم ہوتا ہے پہلے اسکے کہ میں دلائل ضروریہ کو پیش کر دین اس امر کو سمجھ لینا  
لازم ہے کہ حکماء مذکور نے اپنے قول اور دعویٰ میں دو لفظ یعنی تخیل اور ان تخیل  
کو استعمال کیا ہے اور یہ دونوں ایسے لفظ ہیں کہ اس موقع پر جنکی تعریف اور تشریح کو دنیا  
دلائل کے سمجھنے کے واسطے نہایت لازم اور ضروری ہے۔ واضح ہو کہ تخیل یعنی تصور  
وہ امور ہیں کہ جو موجودات کی فطرت یعنی شریعت میں داخل ہوں جنکا دور اور زائل کرنا  
یا ہونا کسی صورت میں ہی ممکن نہ ہو خواہ کیسے ہی شدید الاثر اسباب بہم پہنچائیں جان  
یا یہ کہ خود ہی ہم پہنچ جائیں تب بھی امور مذکور بشرطیکہ فطرت میں داخل ہوں دور  
اور زائل نہیں ہو سکتے مثلاً سانپ کا کاٹنا ایک طبعی امر یا طبعی خاصہ ہے جب تک  
سانپ سانپ رہیگا یا کہ کاٹ کھانے یا دہنے کا آگہ باقی رہیگا تب تک یہ طبعی امر یا طبعی  
خاصہ دور اور زائل نہیں ہو سکتا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ آگ کا یہ ایک طبعی خاصہ  
ہے کہ وہ ہر یک شے کو اپنے ذاتی حرارت سے جلائے اور کرے جب تک کہ آگ آگ  
رہیگی اور اسکا یہ طبعی امر یا طبعی خاصہ کسی حالت میں رفع اور دور نہیں ہوگا یا  
اگر آگ کو آگ نہ رہنے دیا جاوے تو اسکا یہ طبعی خاصہ ضرور منکسر اور دور ہوگا  
تیسری مثال یہ ہے کہ پتھر یا اون شیئوں کا جھکا کر مرکز اور کونچے کو یہ ایک طبعی امر  
یا تخیل خاصہ ہے کہ جب اوپر کو پھینکی جاوے تو نیچے کو آئیں ایک پتھر یا اسی قسم کے  
کوئی اور چیز کو اور اسکو اوپر کی طرف پھینکو اگرچہ ہزار فٹ تک اونچی جلی جاوے  
مگر اخیر کو نیچے ہے اگلی۔ چوتھی مثال یہ ہے کہ آگ کا یہ ایک تخیل خاصہ ہے کہ ہمیشہ  
اوپر کو صعود کرے چنانچہ تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ ہمیشہ آگ اوپر کو صعود کرتی ہے  
اوپر کی ہر چار مثالوں میں ایسے امور بیان ہوئے ہیں کہ جو ٹھیک امر طبعی ہیں اور انکے  
دور کرنے کے واسطے اگرچہ کیسے ہی شدید الاثر اسباب بہم پہنچائیں جاوے تب بھی

شک نہیں ہو سکتے اور پھر یہ کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صداقت میں خاص ملک یا خاص خطہ سے جو مخصوص نہیں بلکہ اونکا وجود ساری دنیا میں پایا جاتا ہے ان پر تمام چھوٹے بڑے شہادت دیتے ہیں اس موقع پر ضمتا اس بات کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ طبعی امور کا ازالہ اس واسطے صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اونکے اسباب اس قسم کے ہیں کہ وہ بجای خود زائل نہیں ہو سکتے جس امر کے اسباب ہی قائل الزوال ہوں وہ کیونکر دور یا زائل کیا جاسکتا ہے ہر ایک امر کے دور کرنے کے واسطے اعلیٰ درجہ کی یہ تدریس ہے کہ اوسکے اسباب دور کیے جائیں۔ امور غیر طبعی وہ امور ہیں کہ جو نہ موجودات کی فطرت میں داخل ہوتے ہیں اور نہ دوسرے اسباب کی تہتہ سے فطرت میں دخل ہو سکتے ہیں انکا عدم اور وجود صرف دوسرے اسباب کے عدم اور وجود پر ہے موقوف اور منحصر ہوتا ہے۔

پہلی دلیل۔ اگر اس بات کو مان لیا جاوے کہ بعض اخلاق نیچرل میں تو یہ استحالہ لازم آتا ہے کہ ایسے اخلاق کہی اور کی صورت میں اپنے طبعی امر یا طبعی چھ کو نہ چھوڑیں حالانکہ براہتہ یہ امر ثابت ہے کہ وہ اخلاق کہ جنکو نیچرل قرار دیا جاتا ہے فطرتی خاصہ چھوڑ کر اور محل پر جا پڑتے ہیں یہ تبدل اس امر پر صاف شہادت دیتا ہے کہ کسی صورت میں اخلاق کو خیر بدل نہیں کہا جاسکتا۔

دوسری دلیل۔ اس امر کو پتہ تانے اور حصول و غیرہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نفس نامطقہ کو جو گویا انسانی اخلاق کا محصل یا موجد یا محل ہے ترقی اور نقصان قبول کرتا رہتا ہے کہی ترقی کی حالت میں ہوتا ہے اور کہی تنزل میں جبکہ اخلاق محصل یا موجد یا محل خیر بدل خاصیت نہیں رکھتا تو اخلاق کو کیونکر نیچرل قرار دیا جاوے مگر نفس نامطقہ کو کمال اور نقصان حاصل ہوتا رہتا ہے اس طرح ہر اخلاق میں حالت تغیر اور تبدل ہوتی رہتی ہے جو مستلزم ہے اس بات کی کہ اخلاق ان نیچرل

تیسری دلیل اگر بعض اخلاق نیچرل ہوں تو لازم ہے کہ بلا اسباب خارجیہ ہوں  
ہو جاوین مگر ایسا نہیں ہوتا جن اخلاق کو نیچرل قرار دیا جاتا ہے وہ کسی صورت میں  
بلا مد اسباب خارجیہ ظہور پذیر اور کامل نہیں ہوتی جبکہ انکا ظہور اور کمال اسباب  
خارجیہ سے مربوط اور وابستہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان نیچرل ہیں کیونکہ ان نیچرل ہی  
اخلاق ہیں کہ جنکا ظہور اور کمال اسباب خارجیہ سے وابستہ ہے۔

حکما سے مذکور کا یہ قول کہ بعض اخلاق ان نیچرل بھی ہیں صحیح ہے مگر اس قول کا  
یہ جزو کہ ایسے اخلاق فطرت میں داخل ہو جاتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ ب  
پرفریوس اور قراطیس اور ارسطاطالیس کے مذہب کی تردید کیواسطے اوپر  
کے ہر تہ دلیلین کافی ہیں کیونکہ ان حکیموں کا مذہب بعینہ پلوتارخ اور صولو  
کا مذہب ہے کوئی نیا مذہب نہیں۔ ج۔ حکیم فثیاغرس اور حکیم فرزانہ تو  
کا یہ قول کہ بہت ٹھیک ہے کہ کوئی خلق نیچرل نہیں ہے لکن یہ قول کہ کوئی خلق  
مخالف نیچر ہی نہیں ہے یہ خیال میں مخدوش بہت سی ایسے خلق ہیں کہ باوجود  
ان نیچرل ہونے کے لازات نیچر کے خلاف ہیں اخلاق کا نیچرل ہونا اس  
بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اخلاق لازات نیچر کے مخالف ہوں بہت سی ایسے خلق  
ہیں کہ لوگ جنکو ان نیچرل اخلاق خیال کر کے قبول کرتے ہیں مگر وہ لازات نیچر کے  
مخالف ہوتے ہیں حکما سے مطلقہ کا قول مذکور بحسبہ ہر ایسا ہی کہ جیسا ہم کہیں کہ  
انسان کا کوئی فعل نیچرل نہیں ہے اور نہ مخالفت نیچر سے یہ قضیہ بالکل خلاف واقع ہے  
اگرچہ انسان کا کوئی فعل نیچرل نہ ہو مگر ہو سکتا ہے کہ انسان کے بعض افعال تقاضا  
قانون قدرت کے مخالف ہوں مخالفت قانون قدرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ فعل  
مخالف قدرت نیچرل ہو جاوین۔ ج۔ حکما سے روایان کا یہ مذہب کہ ہر ایک  
انسان نیچر ہی ہیں سولیزڈ پیدا کیا گیا ہے ایک کمزور اور ناقص الاصول

ضعیف النبیاء مذہب ہے کوئی انسان نیچرل طور پر نہ سولیزڈ پیدا کیا گیا ہے اور نہ ان  
 سولیزڈ انسان کی حالت ان دولوں سے الگ اور جدا ہے کیا ہم بچہ کو کہہ سکتے ہیں  
 کہ وہ سولیزڈ ہے یا ان سولیزڈ نہیں اور پھر ان دولوں شقون میں سے کسی شق کا  
 اطلاق نہیں ہو سکتا انسان کا دنیا میں پیدا ہو کر سولیزڈ یا ان سولیزڈ بننا ایک معمول  
 مدت اور عرصہ کے بعد ہوتا ہے ولادت کے بعد ہی ادھر سولیزڈ یا ان سولیزڈ کا فیزی  
 نہیں دیا جاسکتا دنیا میں پیدا ہو کر سولیزڈ ان سولیزڈ بننا ان اسباب کی ہمہ پہنچ  
 یا عمل میں لگے ہوئے ہے کہ جو خود دنیا داروں نے سولیزڈ یا ان سولیزڈ بننے کے واسطے وضع کر  
 رکھا ہے اگر دنیا داروں کے مقررہ یا موضوع قواعد اور اصولوں پر عمل نہ کیا جاوے  
 تو کسی شخص کو سولیزڈ یا ان سولیزڈ کی ڈگری نہیں دی جاسکتی اگر انسان نیچرل  
 پر ہے سولیزڈ ہو تو لازم ہے کہ اس کے دل سے سولیزڈ کے خیالات کبھی بھی دور  
 نہ ہوں کیونکہ اگر سولیزڈ انسان کا نیچرل خاصہ ہے تو ضرور ہے کہ اور خواص نیچرل  
 کی طرح وہ بھی ذائل اور دور نہ ہو مگر تجربہ شہادت دیتا ہے کہ جن اخلاق کو نیچرل  
 اخلاق قرار دیا جاتا ہے وہ بھی ذائل اور دور ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی حالت ممنوع الزوال  
 نہیں ہے تو پھر ان کو کیونکر نیچرل کہا جاوے؟ شریرون کی صحبت اور شہوات مختلفہ  
 اثر اس قدر زور آور نہیں ہیں کہ نیچرل خاصہ کو دور کر سکیں نیچرل خواص کے لازمی اثر  
 ممنوع الزوال ہوتے ہیں ان کو ایسی شے کہ جس کے اسباب قابل الزوال اور ضعیف  
 ہوں کیونکہ دور اور منفاک کر سکتے ہیں بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ انسان  
 نیچرل سولیزڈ ہو اور شریرون کی صحبت اور شہوات مختلفہ کی تاثیر سے اس کے  
 کائنات یعنی قوت ضمیر کی اس قدر سن اور عیس ہو جاوے کہ حسن و قبح میں  
 تمیز نہ کر سکے یہاں تک کہ عام باتوں کے سمجھنے سے بھی عاری ہو جاوے نیچرل خاصہ  
 کی مثال آفتاب کی مثال ہے اگرچہ اس پر خارجی اسباب کے اثر دن کا بدلہ ہوتا ہے

نہ چھا جائے تب ہی اس کے کرین کبھی نہ کبھی ظاہر ہوتی رہی افسوس حکماء و واقعین  
 نے اس ضروری مسئلہ پر بالکل غور نہیں کیا اور نام ہی ایک مذہب قرار دے لیا۔  
 ۲۔ حکماء اشراقیان کا قول ہے کہ خدا نے انسان کو ان سولیز ڈیڈ کیا ہے  
 یہ مذہب بھی کسرا لخواہ لوج ہے اگر خدا نے انسان کو ان سولیز ڈیڈ کیا ہو تو  
 اس سے لازم آتا ہے کہ انسان کبھی بھی سولیز ڈیڈ ہو کیونکہ جب ان سولیزش ایک  
 نیچرل خاصہ ہے تو وہ کیونکر ازالت پذیر ہوگا فطرتی خاصے تو ممتنع الزوال اور  
 مضبوط الانبیہ ہوتے ہیں وہ کیونکر دور ہو سکتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان سولیز ڈیڈ  
 آدمی سولیز وین سکتا ہے اہل فضیلت کی کشش اور صحبت نیچرل نہیں ہوتے وہ  
 نیچرل ان سولیزش کو کیونکر دور کر سکتی ہے اور دوسرا اس سے خداوند کریم کی عدالت  
 اور حکمت پر ایک بڑا سمجھنا اعتراض وارد ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر اور مسلم ہے کہ  
 خدا کی عدالت اور حکمت ہر گز نہیں ہو سکتی زمانہ حال کے فلاسفر مثل لارڈ مکالی  
 بیکن اور نیوٹن کا یہ مذہب کہ اخلاق کا تفسیر لینے بد سے نیک اور نیک سے بد ہونا  
 ممکن ہے بالکل صحیح اور درست مذہب ہے فلاسفر ان مذکور کا خیال مذکور ایسا صاف  
 اور بدیہی الصداقت ہے کہ بلا ایراد دلائل ہی مانا جاسکتا ہے انسان کا کیسے پس لینے  
 تجربہ اس بات پر زور سے شہادت دیتا ہے کہ اخلاق کا تفسیر اور تبدل ممکن ہے  
 جب ہم خود ذاتی طور پر اپنے ہی تجربہ پر خیال کرتے ہیں تو قبول کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے  
 وجود میں ہی ایک ایسی حالت موجود ہے کہ جبکہ وجود سے تغیر اخلاق کا مسئلہ متحول  
 اور سچا معلوم ہوتا ہے تجربہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو اپنے ذات سے ہے مربوط  
 اور دوسرا وہ کہ جو سموعات سے متعلق ہو یہ دونوں قسم کے تجربے مسئلہ مذکور کا ایک  
 عملگی سے ثابت کرتے ہیں ہر ایک انسان پر زندگی میں کئی ایک وقت آتی ہیں ایک  
 وقت ایسا آتا ہے کہ بد سے بد اور برے سے برے خیال کی پیروی کرتا ہے اور ایک وقت



ایسا تاہو کہ اوس پہلے خیال کو بد اور بُرا جانکر بالکل ترک کر دیتا ہوا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان ان سولیزم نہ ہوتا ہوا اور دوسرے وقت میں وہ ہی انسان اعلیٰ درجہ کا سولیزم بن جاتا ہوا یہ ذاتی تجربہ بالوضاحت ثابت کرتا ہوا کہ انسان کے اخلاق ہمیشہ بین علی ہذا القیاس مسموعی تجربات ثابت کرتے ہیں کہ اخلاق کا تغیر ممکن ہوتا ہے نہ بخیر نہ بھری پڑی ہیں تشریح کی کچھ ضرورت نہیں ہر ایک ملک اور قوم میں سے صد ایک ہزاروں اس قسم اور اس حالت کی آدمی ہونگے کہ انکے اخلاق کا تغیر و تبدیل آفتاب غمزدگی طرح روشن اور ثابت ہر بعض امور اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ ایک ہی طرح سے ثابت ہو سکتے ہیں مگر یہ مسئلہ ایسا صاف اور بدیہی الصداقت ہے کہ ایسا پہلو سے ثابت ہو تمام دنیا اس امر پر شہادت دیتی ہے جو لوگ اسکے مخالف ہیں خود اذ کو ہی اپنے زندگی میں بار بار ایسا اتفاق پڑا ہوگا کہ انکے اخلاقی حالت ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹی کھا گئی بعض امور ان کو لوگ اس واسطے نہیں مانتے کہ ان پر بدیہی طور پر شہادت قائم نہیں ہو سکتی مگر یہ امر اس قسم کا نہیں ہے کہ اسکو اس آثر میں چھوڑ دیا جاوے اس پر تو اس قسم کی بدیہی شہادتیں قائم ہو سکتی ہیں کہ کسی اور امر پر اس طرح بر قائم ہونا ناممکن ہے اس سے زیادہ اور کیا بدیہی شہادت ہوگی کہ ہر ایک انسان ہر اخلاق کے تغیر اور تبدیل کی حالت وارد ہوتی ہے دنیا میں لاکھوں ایسے بشر ہیں کہ جنکا وجود اور ذات ہو اس امر کے اثبات کے واسطے ایک نئے نظیر اور سچی شہادت ہو جب ہر ایک انسان اپنے ذات میں ہو مسئلہ مذکور پر شہادت حاصل کر سکتا ہو تو بہر بیرونی شہادتوں کی کیا ضرورت ہو ہمارا یہ تجربہ علم الیقین نہیں بلکہ عین الیقین ہے جب ہم نے بار بار اپنے آپ کا ہی یہ حال دیکھا ہوا کہ اخلاق متغیر ہوتے رہتے ہیں تو پھر مسئلہ مذکور کے عین الیقین ہونے میں کیا شک و شبہ ہے تجربہ سے اور پردہ تجربہ کثیر الوقوع ہو صاف ثابت ہوا کہ اخلاق کا تغیر و تبدیل

اگر ناممکن ہو تو پھر اس امر میں کیا شک و شبہ ہو کہ دنیا کی ساری عبرتی نمونوں اور مفید واقعات اور تمام نامحسین کی نصیحتوں اور ساری مذہبی اصولوں اور ریاضتوں اور عبادتوں اور تعلیمات اور ترتیب کی حالت بالکل غیر مفید اور لغو ہو کیونکہ جب خلاق کا تغیر اور تبدل ہی دشوار اور ناممکن ہے تو پھر اوپر کی باتوں کی کیا ضرورت ہے

**انسان کی طبیعت پر تربیت کا اثر**

علم اخلاق کا ایک حصہ تربیت سے بھی علاقہ رکھتا ہے اس واسطے لازم اور ضروری ہے کہ آثار تربیت کی بابت بھی بحث کجائے تاکہ ناظرین کتاب ہذا اس ضروری اظہار شوق سے محروم نہ رہیں اصلی مقصد کے شروع کرنے کے پہلے ہم ناظرین و ملاحظین کتاب ہذا پر اس بات کا ظاہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ انسان کی طبیعت کسی قسم کے اثر قبول کرنے کی طاقت رکھتی ہے یا نہیں واضح ہو کہ خداوند کریم نے انسان کی طبیعت میں دو قسم کی طاقتیں ودیعت کر رکھے ہیں ایک کو طاقت موثرہ کہتے ہیں اور ایک کو طاقت متاثرہ۔ طاقت موثرہ وہ طاقت ہے کہ جو ادرون پر اثر کرتی ہے اور طاقت متاثرہ وہ طاقت ہے کہ جو ادرون کا اثر قبول کرتی ہے یعنی ان دونوں کے وجود پر تجربے اور ذاتی شہادتوں سے استدلال کیا ہے انسان کے طبیعت قدرتی طور پر اس امر کی طرف مائل ہے کہ مختلف الحیثیت اثرات کو اور طبیعتوں سے قبول کرے اور آپ قبول کرے جب انسان کسی شے کو دیکھتا یا سنتا ہے تو اسکی صورت اور حالت کو سمجھ کر عام اس سے کہ وہ سمجھ موافق واقعہ ہو یا کہ مخالف واقعہ اپنے دل میں ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور اس نتیجہ سے اثر قبول کر کر متاثر ہوتا ہے بعض انسان کسی کلام کے سننے سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ انکی حالت ہی شہادت دیتی ہے جیسا کسی کلام کے سننے سے انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کسی شے کے دیکھنے سے اثر ہو جاتا ہے بلکہ کئی دفعہ روت سماع سے زیادہ تر متاثر ثابت ہوئی ہے

انسان کا کسی دردناک موقع پر متاثر ہو کر سبک ہو جانا یہ بات یاد دلانا ہی کہ ضرورتاً  
 براثر پڑتا ہے جس سے اس کے حالت و گروں اور منقلب ہو جاتی ہے یہ کچھ ضرور اور لازم  
 نہیں کہ انسان ہمیشہ عارضی باتوں سے ہی متاثر ہو اور اوپر ایسی باتوں کا ہی اثر  
 پڑے کہ جو کسی بخشش یا مصیبت کا باعث ہوں۔ نہیں یہ بات مان لیگی ہے کہ انسان  
 ایسی باتوں سے ہو کہ جس سے اس کے اصلاح اور تربیت متاثر ہے ایک زور کے ساتھ اثر  
 قبول کرتا اور کرتا ہو جب انسان کی طبیعت اثر قبول کرنے اور کرنے کی طاقت رکھتی  
 ہے تو یہ بات قابل اظہار ہو کہ انسان کی طبیعت پر تربیت پوری زور سے اثر کرتی ہے  
 اگر انسان کی تربیت اچھی ہو تو اس کا نتیجہ بھی اچھا پیدا ہوگا اور اگر تربیت ناقص اور  
 غیر معقول ہو تو نتیجہ بھی ناقص اور بُرا ہوگا۔ انسان سے زمانہ آنسو میں حقیقت  
 قتل و قتل سرور ہوتے ہیں اول سب میں ایک شدت کے ساتھ یا کمزورتی تربیت  
 کا اثر موجود ہوتا ہے تربیت انسان کے اقوال اور افعال پر پڑاؤ اور تربیت  
 ہونے کے زمانہ میں انسان اپنی ذات پر اس کو چندان موثر بنائی نہیں کرتا مگر جب  
 تربیت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو سب کام اور باتیں اس کے سامنے میں دھل کر جاتی  
 ہیں جب انسان پر تربیت بہت زور سے ہو تو لازم ہو کہ اس کے اصلاح اور سبکی  
 میں کوشش کی جائے تربیت کا لفظ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ اس کے حالت  
 معقول ہی ہو اگر ہی ہے ثابت ہو چکا کہ بعض اوقات تربیت انسانوں کے حق میں  
 بالکل مضر اور نقصان رسان ثابت ہوتی ہے اصل میں پوچھو تو انسانوں کی خرابی  
 اور بدی کا زمانہ تربیت کی غلطی سے ہی شروع ہوتا ہے بعض وقت ایک تربیت کو بغیر  
 خیال کیا جاتا ہے مگر اصل میں اس قسم کی تربیت مضر اور ناقص ہوتی ہے تربیت کے  
 اصولوں کے غلط فہمی یا غلط بیانی سے تربیت کا سرے سے ہی نہ ہوتا ہے جسے کسی دوا  
 یا علاج کا مشورہ نہ ہو نہ دوا نہ دینے یا علاج نہ کرنے کے مفید نہیں ہوگا اگر کسی دوا

نے مریض کی حالت کو گھاڑ دیا ہے تو اس سے یہ بہتر ہو کہ اس مفرد کو استعمال ہی نہ کیا جاوے اگر کوئی تربیت اپنے اصولوں کی حیثیت یا اعتبار سے لوگوں کے حق میں مفرد اور غیر مفید ہو تو لازم ہے کہ اس سے کلیتاً احتراز کیا جاوے جیسا اچھی تربیت انسانوں کے حق میں موثر ثابت ہوئی ہے ایسا ہی بری تربیت کو موثر مانا گیا ہو ہر ایک فعل جو انسان سے صادر ہوتا ہو چار صورتوں سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ باعث انسانوں کے کاموں کا اکثر سبیل طبیعت یا عادت یا بیاختلافت ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ انسان ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ سوم بیم و امید عاقبت کے بھروسہ پر۔ چارم اولیٰ اثر اور خواہش زر یا نیک نامی اور آسائش کے واسطے۔

یہ ہر چار صورتیں تربیت سے علاقہ رکھتی ہیں ان چاروں میں کوئی ایسی صورت نہیں کہ جہین ابتدائی یا بچپن کی تربیت کو وقت اور دخل نہ ہو ہر ایک صورت کا شروع یا ظہور ابتدائی یا بچپن کی تربیت سے ہے ہوتا ہو اگر تربیت میں اولیٰ باتوں کو جکڑنے اور پرکے جملوں میں بیان کیا ہے ملحوظ رکھا جائے تو انسان کی بہتر اور نیک نامی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں ہم نے انسانی افعال کو چار صورتوں پر تقسیم کیا ہے اب یہ بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اولیٰ چار صورتوں سے انسان کی حالت پر کیونکر اثر ہوتا ہے۔ پہلی بات اور صورت کی تشریح یوں ہے کہ اگر ہم کسی انسان کی تربیت میں تعصب یا مخالفت کو امور تربیت کا ایک جزو قرار دیں گے اور اس کو ایسے پہلو پر لگانے کے جس سے اس کی حالت میں تعصب اور مخالفت یا کسی کی کاوش کا دخل ہو جائیگا تو اس کے افعال اور احوال سب کے سب ایسی ہی صورتوں اور حالتوں سے معمور ہونگے تمام کاموں میں تعصب اور مخالفت کا اثر پائے جائیگا جب کسی آدمی کے دل میں بچپن سے ہی تعصب یا کسی مخالفت کا خیال پیدا ہو جائے

تو آنے والے زمانہ یا عمر کے سارے خیالات اور کام اونہیں سے سمجھ رہے ہیں  
ایسی صورت میں انسان خیال کر لیتا ہے کہ تعصب یا مخالفت آمیز کاموں کا کرنا بھی  
عمدہ تربیت کا نشان ہو اور اسکے خیال میں یہ بات مرکوز ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ  
انہیں اصولوں کی مدد سے برتاؤ کرنا لازم ہو یہی اصول ہیں کہ جس سے اخلاقی زندگی  
اور عام رضا مندی کی نعمت حاصل ہوتی ہے اس قسم کے کمزور خیالات صرف  
اس واسطے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگوں کو تربیت کے زمانہ میں ان کے حسرت اور غمی کا  
تعلین ہوتا ہو ایسا یقین جو تربیت کے زمانہ میں تربیت کے اصولوں سے آمیزش  
رکھتا ہو انسان کے حق میں بہت مفسر ثابت ہوا ہے ہر ایک مدرسہ اور اندیشہ انسان  
لازم اور واجب ہو کہ تربیت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں اور اصولوں کو تربیت  
میں داخل کرے اور جس شخص کی تربیت ہوتی ہو اسکے دل پر بھی اس قسم کے  
مفسر خیالات کا اثر اور گہر نہ ہونے دے اس کو زور سے اس بات کا قائل کرنا لازماً  
ہے کہ اس قسم کے خیالات انسانیت اور اخلاق کے زندگی محض خلاف ہو نہیں بلکہ  
اعلیٰ درجہ کے نقصان دہ ہیں انسان کی تربیت میں صرف سچے اصولوں کا شامل  
کرنا لازم ہے انہیں کسی بھی مخالفت یا تعصب کو ہرگز دخل نہ دینا چاہیے ہمارے  
تربیت کے اصول لوگوں کی مخالفت سے بالکل مصئون اور محفوظ ہونی چاہیے  
اونہیں صرف انسانیت کے اصولوں اور ضروریات کی تعلیم دے کر رہے ہیں کوئی آدمی  
صرف انسانیت کے اصولوں کے تربیت حاصل کر کے ہوشیار ہوگا تو اس کی ذات میں  
شرارت کے خیالات کا اثر اور زام بھی نہ ہوگا اور سچا کام ہوگا اور سچا سادگی اور سچائی  
کا بہت روز ہوگا اگر ہم تربیت کے زمانہ میں انسان کو برے اصولوں اور تعصبی باتوں  
سے مانوس نہ بنا دیں گے تو یقیناً اسکے واسطے ایک صاف اور سیدھا راستہ کھل  
دینگے کہ جس پر کوئی بھی اخلاقی اعتراض وارد نہ ہوگا اور انسان کی ساری عمر نیک نیتی اور

سادگی سے گذر جائیگے جو اور انسانوں کے واسطے بھی ایک عمدہ نمونہ ہوگی اور خود کو  
 اور اور دن کو آرام اور آسائش بھی رہیگی انسانی دقتوں اور مصیبتوں کا شروع و ترقی  
 کی خرابی سے ہی ہوتا ہے اگر تربیت کے اصول بہتر اور خراب ہوں تو کوئی بھی مشکل  
 پیش نہ آوے تربیت کے زمانہ میں انسان کا کسی فعل یا خیال کی جانب میل طبیعت  
 ہو جانا یا کسی عادت کا پڑ جانا بھی تربیت میں داخل ہے میل طبیعت اور عادت  
 بھی تربیت کے زمانہ میں شروع ہوتی ہے اکثر عادتیں اور میل طبیعت تربیت و ترقی  
 کی غلطی اور لا پرواہی کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہے تربیت دینے والی اکثر عادتوں اور  
 طبیعت کی نگرانی اور اصلاح نہیں کرے اس واسطے اکثر نوجوان اونکو سلسلہ تربیت میں  
 ہی شمار کرنے لگ جاتے ہیں نوجوانوں کو اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اگر یہ میل  
 یا یہ عادتیں معیوب ہوں تو اونکی بابت تربیت کرنے والے یا اصلاح کنندگان موقع  
 گرفت کیون نہ کرتے تربیت کرنے والوں کے بڑی غلطی ہے اور لا پرواہی بھی رہتا  
 کی پچھلی عمر کے واسطے آفت کا اثر پیدا کرتی ہے تربیت کے زمانہ میں انسان کو کسی عادت  
 کا خوگیر ہو جانا یا کسی امر کی جانب طبیعت کا میل ہونا کوئی مشکل امر نہیں ہے ہر ایک  
 انسان تربیت کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی عادت یا کسی نہ کسی امر کی جانب میل طبیعت  
 حاصل کر سکتا ہے جب کسی انسان کو تربیت کے زمانہ میں یہ دونوں باتیں حاصل  
 ہو جاتی ہیں تو تربیت کے بعد زمانہ میں جو گویا شجر التربیت کے پھل لانے کا وقت  
 ہوتا ہے اور پھر علمد آمد شروع ہوتا ہے تربیت کے زمانہ میں جو عادت پڑ گئی ہو جس  
 شے کی طرف طبیعت کا میل ہو گیا ہو وہ ہی عادت یا وہ ہی میل طبیعت ہمیشہ کو  
 ساتھ رہتا ہے انسان خواہ کتنا ہی دور اندیش اور دانا ہو کسی صورت میں اپنی  
 عادت سے باز نہیں رہ سکتا البتہ بعض اوقات میں میل طبیعت کی صورت میں  
 یا دور ہو گئی ہے سو یہ نادراستہ میں ہے ہر تربیت کے زمانہ میں جو عادتیں انسان

ملاحظہ فرمائیے کہ نوجوانوں کی عادتوں یا میل طبیعت یا اصلاح طبیعت کے اصلاح و ترقی کو  
 ضروری نہیں خیال کرتے زمانہ تربیت کی ادنی غلطی۔

کی طبیعت پر نقش پڑ جاتے ہیں یا جن جن باتوں کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے وہ اپنی ابتدائی حالت میں واضح طور پر معلوم نہیں ہوتیں تربیت دینے والی اونکو دیر پا خیال نہیں کرتے جانتے ہیں کہ یہ عادتیں خود بخود دور ہو جائیں گے اور انکا ایسا سمجھنا اعلیٰ درجہ کی غلطی ہے کوئی ایسی عادت یا کوئی ایسا میل طبیعت جو انسان کے دل میں ممکن ہو گیا ہو جلدی اور آسانی سے دور نہیں ہو سکتا تربیت دہندوں کا فرض ہے کہ تربیت کے زمانہ میں ہی اونکی ازالہ میں مناسب کوشش کریں کسی انسان کی طبیعت کا مغلطات استعمال پر تربیت کے زمانہ میں مائل ہو جانا تربیت دہندوں کو اس امر کی طرف رجوع دلالت کرتا ہے کہ یہ استعمال کسی دن کو خود بخود دور ہو جائیگا مگر یہ ارجاع اور تسلی تجربہ کے خلاف ہے تجربہ کہہ دیتا ہے کہ ایسی عادتیں اکثر انسانوں کی طبیعتوں سے دور بھی نہیں ہو کر تین انسانی جماعتوں میں بہت ایسے انسان بھی ملینگے کہ جو باوجود تربیت یافتہ ہونے کے اپنی بعض عادتوں سے تمام عمر تنگ اور محبور اور مطعون رہتی ہیں ایسے انسان تربیت خالوں میں تو ضرور کسی وقت داخل ہوئے یا گئے ہونگے مگر اس زمانہ کے بعض عادتیں تمام عمر ساتھ لگی رہیں بہت سی ایسے تربیت یافتہ انسان بھی ہیں کہ جو اعلیٰ درجہ کے سخت مزاج اور بدخلق ہیں ایسے انسانوں کے اعلیٰ درجہ کی سخت مزاجی اور بد خلقی تربیت کے زمانہ کا ہی سرمایہ یا اندوختہ ہوتی ہے تربیت دہندوں کی جانب سے تربیت کے زمانہ میں اسکی درستی اور اصلاح نہیں ہوتی اس واسطے وہ تمام عمر سایہ کی طرح ساتھ لگی پھرتی ہے جن لوگوں کو اس قسم کے مکروہ عادتیں پڑ جاتی ہیں یا جن پر سخت مزاجی اور بد خلقی کا اطلاق ہوتا ہے اونکا چند ان قصور نہیں ہوتا۔

تربیت دہندگان کی غفلت اور لاپرواہی کا ہی ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے اگر تربیت دہندگان کے جانب سے تربیت کے زمانہ میں مکمل نگرانی یا اصلاح ہوتی تو اونکی عاقبت نہ بگڑتی



جن عادتوں پر یہیہ جملہ اطلاق ہوتا ہے کہ العادتۃ لا ترد الا بالاموت وہ یہی عادتیں ہیں کہ جو تربیت کے زمانہ سے ساتھ لگی آتی ہیں اور جنکو انسان اپنی تربیت کے اصولوں میں سے ایک اصول اور تہذیب کے اجزاء میں سے ایک جزو خیال کرتا ہے تربیت کے زمانہ میں انسان کا لوگوں کی شکایت کرنا یا لوگوں کے ساتھ بد خلقی سے برتاؤ کرنا یا اسپیج پر اور برسی باتوں کو اچھا سمجھ کر استعمال میں لانا اور پھر اونکی بابت تربیت دہندہ کو مزاحم یا مانع ہوتے نہ دیکھتا اس بات کی علامت یا پیشین گوئی ہے کہ وہ برسی عادتیں جنہر تربیت کے زمانہ میں تربیت دہندہ کی طرف سے کہی بھی گرفت یا نکتہ چینی نہیں ہوئی ہمیشہ ثابت اور قائم رہینگے اور اونکی بابت ضرورتاً کہنا پڑیگا کہ ایسی عادتیں اور سیل طبیعت وقوع موت کے ساتھ دور ہونگے وانا اور دورانہ لیش تربیت دہندگان پر لازم ہے کہ تربیت کے زمانہ میں ایسے عادتوں کی اصلاح کرتے جائیں تاکہ پچھلے زمانہ میں تربیت پر واقع نہ لگے اگر تربیت کے زمانہ میں اس قسم کی برسی یا مذموم عادتوں کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی تو تربیت کا اثر بالکل ایک بڑا اثر ظاہر ہوگا تربیت کے زمانہ میں برسی عادتوں کی اصلاح بہت پچھلے زمانہ کے بہت سہل اور آسان ہے تربیت کے بعد برسی عادتوں کا دور کرنا سخت دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے ہر ایک امر اسی حد تک آسانی سے درست کیا جاسکتا ہے کہ جب تک اونکی درستی یا اصلاح کا زمانہ موجود ہے جب کسی امر کی اصلاح یا درستی کا زمانہ گزر جاوے تو پھر اوسکا آسان اور سہل طور پر درست کرنا دشوار ہو جاتا ہے تربیت کا زمانہ امور اور ضروریات تربیت کو واسطے قدرتا موزون ہوتا ہے جو کچھ درستی یا اصلاح کرنی ہو اوسے موزون زمانہ میں کرنی چاہیے۔

دو شے ہی شغ کی تشریح یوں ہے کہ جب تربیت کے زمانہ میں انسان کے دل میں بعض امور کا کرنا یا نہ کرنا فریض اور ضروری ضروریات سے مرکوز ہو جاتا ہے۔

تو اونکی بھلائی یا بُرائی پر نظر نہیں رہتی بہر حال یہی بات ضروری معلوم دیتی ہے  
 کہ اونکو کسی نہ کسی طرح کیا ہی جاوے تربیت کے زمانہ میں کسی تربیت پانے والے  
 انسان کے دلیں اگر یہ بات مرکوز ہو جاوے کہ ہمیشہ اپنے سے دوسرے لوگوں کو  
 حقیر ہی جاننا لازم ہے تو تربیت کے بعد بھی اوس بُری خیال کا استعمال ایسے شخص کو  
 ضروری ہے معلوم دیگا جو شخص کسی بات کو فرضی یا ضروری سمجھ کر کرتا ہو اور پھر  
 اوس بات کی قباحت یا بھلائی نہیں کھلتی کسی شے کا محمود یا مقبوح ہونا اوس میں  
 میں معلوم ہو سکتا ہے کہ جب اوسے پھر ضرورت اور فرضیت سی الگ ہو کر غور  
 کیجائے وہی ضرورت اور فرضیت کہی حق کو نہیں پہنچنے دیتے اگر ایک لڑکے کو  
 خوب طرح سمجھایا جاوے کہ فلاں بات کا کرنا یا نہ کرنا فرض ہے اور اوسکے دل میں بھی  
 اوسکی فرضیت کا یقین ہو جاوے تو وہ لڑکا کہی بھی اوسکی برائیوں اور بھلائیوں  
 پر غور نہ کریگا غور کسی طرح پر کرے وہ تو اوسکی بابت بولنا ہی گستاخی خیال کرتا ہے  
 اوسکو لاکھ سمجھاؤ کہ دیکھ بابا بد اہتہ غلات امر یا فلاں اصول کی بُرائی ثابت ہے  
 وہ کہی خیال ہی نہ کریگا بلکہ تیور چڑھا کر کہہ اٹھے گا کہ میں اسکا کرنا یا نہ کرنا فرض  
 فرض خیال کرتا ہوں لاکھ برائیوں نکالیں لاکھ عیب جہائیں میں کہی نہ مانو لنگا  
 اس ہٹ سے لوگ ضرور خیال کرتے ہوں گے کہ فلاں لڑکا بُرا ہی سخت طبیعت اور  
 ضدی ہے مگر میں تو اوس لڑکے کو کس صورت میں لازم نہ بناؤ لنگا ہاں یہ کہو لنگا کہ  
 اوس لڑکے کا کچھ اختیار نہیں ہے اوسکی تربیت اور اوسکے تربیت کے اصول سخت  
 اور ضدی ہیں اگر تربیت کے زمانہ میں اوسکی طبیعت میں ایسا سخت اصول نہ جایا جاتا  
 تو وہ کیوں آج کے دن جم غفیر کے مخالفت اور امور بدیہی کے منافرت پراڑا نہ رہتا  
 اگر اوسکے طبیعت کی زمین میں تربیت کے زمانہ میں تحقیق اور سلامتی کا بیج بویا جاتا تو  
 وہ کیوں حیران اور ضدی ہوتا جب تربیت کے زمانہ میں ہی اوسکے دل میں بلا و لعل لعل

کا فرض یا رشد ضروری ہونا قائم کیا گیا ہو تو اس کا کیا قصور ہے کیا یہ بات حق اور محکم  
 نہیں ہو کہ جو ہم بچپن کے ہی کاٹینگے انسان پر جو مصیبت اور خوشی آتی ہے وہ سب  
 اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی اور اندوختہ ہوتا ہے اگر انسان ٹھوکر کھاتا ہے تو اپنے ہی  
 ہاتھوں سے اور اگر خوشی حاصل کرتا ہے تو اپنی زور اور مفوضوں سے تربیت کے  
 زمانہ میں کسی انسانی تربیت پانے والے کے طبیعت یا دل پر تقلید سی یا رسمی طور پر  
 یا غلطی یا اصولوں کے بے ڈھنگی ہونے کے باعث کسی بات یا کسی عادت کا رشد  
 ضروری یا فرض مرکوز کر دینا نہایت ہی معیوب ہو کہ وہ باتیں یا وہ عادتیں جو انسان  
 کے دل پر تربیت کے زمانہ میں نقش پکڑ جاتی ہیں نہایت دشواری اور مشکل سے دور  
 ہوتی ہیں ایسی وہی باتوں یا مفروضہ عادتوں کو انسان کبھی تحقیقی احاطہ میں لانا  
 پسند نہیں کرتا کیونکہ اس کے دل کو وہ باتیں یا وہ عادتیں خارج من اور مستثنیٰ  
 من تحقیق ہوتی ہیں تربیت کے زمانہ کے مفروضہ اصول اس کے دل و دماغ میں جتنی  
 خیالات کو کم زور یا دور کر دیتے ہیں اس کے نزدیک یہ بات مضبوط ہوتی ہو کہ ایسی  
 عادتوں یا باتوں کی بابت غور تک کرنا بھی فضول اور لا حاصل ہے ایسے پلچ اور کھڑو  
 خیالات انسان کی عقل اور فکر کو برباد کرتے ہیں اور ایسے خیالات والوں کے نزدیک  
 عقل و دانش کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہوتی یا یوں کہو کہ ایسے لوگوں کی عقل ہی  
 ماری جاتی ہے اصحاب الاصلاح و التربیت کو لازم ہے کہ تربیت اور اصلاح کے  
 زمانہ میں ایسے خیالات اور باتوں کا ضرور خیال رکھیں کہ جو تربیت کے بعد فرض اور  
 رشد ضروری ہونیکا رتبہ رکھتے ہیں تربیت کے سبب کھوں کو ایسی ثقیل غذا نہ دیں کہ  
 جو اصلاحی یا عقلی مسئلوں کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہو کہ دم زندگی تک معصومین  
 قائم رہ کر قسم قسم کے امراض اخلاقیہ اور عوارض دینیہ پیدا کرے۔ تربیت کے زمانہ میں  
 بعض باتوں کے کرنے یا نہ کرنے کا خیال چار طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک خاص قاعدہ

اور ایک عام قاعدون سے ایک ذاتی غلطی اور ایک ضرورت کی حالت سمجھنے کی باعث خاص قاعدون سے وہ قواعد مراد ہیں کہ جنگ و دوسری لفظوں میں خاص رسوم سے تعبیر کر سکتے ہیں جہن ایک خاص قوم یا ایک خاص خاندان کے کو دخل اور شرکت ہوتی ہے خاص رسوم یا خاص قاعدون کا تربیت پانے والے کی ذات پر دو طرح پر اثر ہوتا ہے ایک اس طرح پر کہ تربیت دینے والا بعض باتوں کو فرض یا ضروری خیال کر کے زمرہ تربیت میں داخل کرتا ہے مگر ایسی صورت اور وقت واقع ہو سکتی ہے کہ جب تربیت دینے والا یا صلح تربیت پانے والے کی خاص رسوم میں مشارکت ہو یا اگر مشارکت نہ ہو تو اپنے خاندان یا قوم کی رسوم کو تربیت پانے والے کی طبیعت میں مرکوز کرنے کا خیال رکھتا ہو جیسا کوئی عیسائی یا محمدی کسی ایسے لڑکے کی تربیت کرتا ہو اور حالت یا زمانہ تربیت میں اس ایسے لڑکے کو دوسری قوموں کے ساتھ خورد و نوش کی تعلیم دے اور اسکے دل پر بخوبی اور زور کے ساتھ نقش کر دے کہ انسان سب ایک ہیں ہندو شکا اور قوم والوں سے کھاپی لینا ممنوع نہیں ہے۔ دوسرے صورت یہ کہ تربیت پانے والا خود اس امر کا استدعی اور خواہان ہو یا یہ کہ اسکے وارثوں نے تربیت دینا کو مجبور کیا ہو کہ تربیت کے حصول اس قسم کے ہوں اور تربیت دینے والا وہی علیحدہ کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تربیت پانے والا خود یا اسکے وارث تربیت کے سلسلہ میں اول باتوں کو شامل کرنا چاہتے ہیں کہ جو انکے خیال میں رسمی یا بندیان ہوتی ہیں اور جنکا ترک کرنا انکے نزدیک ایک نا واجب امر خیال کیا جاتا ہے ہم اس بات کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ خاص رسوم میں سے جو ایک خاص قوم یا ایک خاص خاندان مخصوص ہوتے ہیں چند رسمیں ضرور ایسے ہی ہوتے ہو گئے کہ جو انسانی زندگی کو دبا ل میں نہ ڈال سکے ہوں مگر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اولیٰ حرد و اعظم ضرور ایسا ہوتا ہے کہ جسکا تربیت کرنا نہ میں ضروری یا فرض قرار دینا تربیت کو کم زور کرتا ہے اول رسوم میں سے

جو ایک خاص خاندان یا ایک خاص قوم سے مخصوص ہوتے ہیں باوجود اسکے کہ اونکا جزو قلیل یا بعض رسموں کا اصول مفید ہوتا ہے مگر اونکو تربیت کے زمانہ میں فرض یا ضروری جانکر مروج رکھنا ایک سخت غلطی ہے ایک تو تربیت پانے والا اپنے اقارب اور اپنی قوم یا خاندان کے اصاغر اور اکابر کو اونکا معتقد اور عامل یا منکر اور غیر عامل پاتا ہے اور سلسلہ تربیت میں بھی اسکے لوح ذہن پر اس بات کو نقش کیا جاتا ہے کہ ضروریہ باتیں کرنے یا نہ کرنے کے لائق ہیں یہ دو کششیں متحدہ لاثر تربیت پانے والے کی طبیعت کی قائمی کے واسطے مکتفی ہیں جب ایک انسان کی طبیعت میں دو متحدہ کششیں جمع ہو جاتی ہیں تو اور کی حالت یا لون کہو کہ وہ ہی طبیعت ایک بات پر قائم ہو جاتی ہے خواہ فی النفی ہو اور خواہ فی الاثبات تربیت دینے یا دلانے والوں یا تربیت پانے والوں پر اس حیثیت سے کہ اوپر بھی ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ اسکی طبیعت کو بھی امور تربیت میں کچھ دخل ہوتا ہے لازم ہے کہ اس قسم کی رسمی رنگا و لون سے اپنی تربیت کو اصولوں کو معنوں اور محفوظ رکھے تاکہ تربیت کا پورا پورا اثر ظاہر ہو۔

عام قاعدوں سے وہ قاعدے مراد ہیں کہ جنکو دوسرے الفاظ میں ملکہ یا کثیر الوقوع رسمیں کہہ سکتے ہیں کثیر الوقوع یا کثیر الوجود رسموں میں سے بہت سی ایسی رسمیں ہیں کہ جنکو تربیت کے زمانہ میں ضروری یا فرض قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اونکا وجود عام ہوتا ہے اور ایک طرح سے ایک عام دباو سے اونکا کرنا یا نہ کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے اس عام دباو سے ضرور احتراز کرنا لازم ہے کیونکہ امور تربیت میں عام رسموں یا عام دباو کا دخل کر لینا تجربہ سے نہایت ہی نقصان رساں ثابت ہوا ہے ذاتی غلطی سے تربیت دینے والے کی غلطی مراد ہے جو اکثر واقع ہوتی رہتی ہے تربیت دینے والے کی ذات سے غلطیوں کا وقوع اور صدور کوئی عجیب بات نہیں ہے

کیونکہ یہ بات ممکنات سے ہر البتہ تربیت دینے والے کا اپنی غلطیوں کو ترتیبی اصولوں  
میں داخل کرنا اور انکو تربیت کا ایک جز و خیال کرنا ایک عجیب بات ہے اسی قسم کی  
غلطیوں سے تربیت میں ہزاروں قسم کی خرابیاں اور اتیریاں پڑنے کا سخت احتمال  
گزرتا ہے تربیت دینے والے کو اپنے اوں راولو نکا جو تربیت کے متعلق ہوتی ہیں  
عقل اور فکر کے ساتھ سلامتی سے مقابلہ کرنا لازم ہے جہاں تک ہوسکے وقوع اغلاط  
بچنا چاہیے اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت دینے والے بھی انسان ہوتے ہیں اوّلی  
ذات سے ابھی اغلاط اور اسقام کا وقوع میں آنا اور صدور یا نامکمل ہونا اور اس میں  
بھی کچھ شک نہیں کہ اکثر وقت انسان کو باوجود صدور غلطی کے اپنی غلطی کا علم نہیں  
ہوتا اگر جب فکر اور عقل کو ساتھ ساتھ رکھا جاوے تو باوجود صدور اغلاط اپنی ذاتی  
غلطیوں پر واقف ہو جانا ایک آسان بات ہے موقوفہ یا مصدورہ غلطیوں کے  
علم کے واسطے فکر اور عقل اور دور اندیشی کو معاون بنانا ضروری بات ہے جب تک  
عقل اور دور اندیشی سے مدد نہ لیجاوے تب تک کامیابی کا ہونا مشکل ہے ضرورت  
کی حالت کو نہ سمجھنے سے یہ مراد ہے کہ تربیت کے زمانہ میں اوّل باتوں کے کرنے یا  
نہ کرنے کی بابت کہ جو حالت تربیت میں پیش آتے ہیں ایک عام طور پر کلیہ قائم کر کے  
تربیت پانے والے کے دل پر اس امر کو نقش کر دینا کہ فلاں امر کا کرنا یا نہ کرنا فرائض  
ضروریات میں سے ہے اکثر تربیت پانے والے فرائض یا اوّل باتوں کے جنکو تربیت  
دینے والے اس کے واسطے لازمی اور ضروری قرار دیتے ہیں ضرورت کو خیال میں  
نہیں لاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ فرائض یا ضروریات کی ضرورت کا سمجھنا یا نہ سمجھنا  
تربیت دینے والے کی ذات سے ہی وابستہ ہوتا ہے تربیت دینے والے کو تربیت پانے  
والے کی اوّل امور اور ضروریات کی بابت جو تربیت کی جزو یا حصہ ہیں ایک مستقل  
اختیار دیا جاتا ہے گویا اس کے ہاتھ میں تربیت پانے والے کی ترتیبی امور اور ضروریات

کو سوچ دیا جاتا ہے ایسی حالت میں تربیت دہندگان کا فرض ہے کہ اولاً باتوں کی ضرورت کو کہ جنکو تربیت پانے والے کے حق میں لازمی امور اور حقیقی فرائض سے قرار دیا جاتا ہے عمدہ اور معقول طور سے سمجھ لیا کریں فرائض کی ضروریات کا سمجھنا ذرا مشکل امر ہے ایمین اعلیٰ درجہ کے ہمدرد اور دوراندیشی درکار ہے جو اکثر تربیت دہندگان کو شاق گذرتی ہے بہت دفعہ یہ مشکل پیش آتی یا پیش آنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ تربیت دینے والا ایک امر کو تربیت پانے والے کے حق میں لازمی اور فرض خیال کرتا ہے اور دراصل اس کی رائے غلطی پر ہوتی ہے اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تربیت دینے والا ایک امر کو تربیت پانے والے کے واسطے ضروری اور اور فرض خیال نہیں کرتا ہے اور فی الاصل وہ امر تربیت پانے والے کے حق میں ضروری ہوتا ہے اس قسم کی مشکلیں تربیت دینے والوں کو تربیت کے زمانہ میں اکثر پیش آنے رہتے ہیں ان کے حل اور آسان کرنے کے واسطے بجز اسکے اور کوئی سبیل نہیں کہ تربیت دہندہ اپنے منصبی فرائض کو کوشش اور سوچ سمجھ اور اعلیٰ درجہ کی ایمان داری سے انجام دے بحیثیت اسکے کہ تربیت دہندگان بھی انسان ہوتے ہیں اولیٰ حالت یا زمانہ تربیت میں اغلاط کا سرزد ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے البتہ اونکا باوجود اسکے کہ تربیت دینے والے ہیں سوچ سمجھ کر نام نہ کرنا بعید از ایمان داری ہے تربیت پانے والوں کی عقلیں اور ذہنی طاقتیں تربیت پانے والوں میں اس قدر بچھڑ اور مضبوط نہیں ہوتیں کہ اپنے طور پر کسی امر مشمولہ تربیت کی ضرورت یا عدم ضرورت کی حالت کو سمجھ سکیں تربیت پانے والوں کی طبیعتیں صرف اثر قبول کرنے والی ہی ہوتی ہیں اونہیں اثر کرنے کا مضبوط مادہ نہیں ہوتا اثر قبول کرنا اور شوہے اور اثر کرنا اور اثر جب تک کسی شخص کی طبیعت میں اثر کرنے کا مادہ نہ ہوگا ہو تب تک امور مشمولہ تربیت کی حالت کا سمجھنا اسطور پر کہ اونکا کرنے یا نہ کرنے پر

خاص تربیت پانیوالوں کی جانب سے وزن دار سے قائم ہونے کے ایک مشکل اور مشکل  
 امر ہے تربیت دینے والوں کی طبیعتوں میں دو وزن قسم کے اثر پائی جاتی ہیں اثر کرنا  
 بھی ہوتا ہے اور اثر قبول کرنا بھی پہلی قسم کے اثر سے ایک حالت کا سمجھا دینا مراد کر  
 اور دوسری قسم کے اثر سے سمجھ لینا مراد ہے جبکہ یہ دونوں امر جو نہایت ضروری بلکہ  
 لازمی ہیں تربیت دہندگان کی طبیعت میں موجود ہوتی ہیں (کیونکہ اوہ کی عقل  
 اور دیگر ذہنی طاقتیں سلیم اور مضبوط ہوتی ہیں) (اؤنکا امور مشمولہ تربیت کی  
 ضرورتوں کے کرنے یا نہ کرنے کی حالتوں کو سمجھ لینا یا تربیت پانے والوں کو سمجھا دینا  
 کوئی مشکل امر نہیں ہے تربیت دینے والوں پر لازم ہے کہ اپنے منصبی فرائض کے  
 انجام دینے میں اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور استقامت اور استقلال سے کام لیں  
 اگر تربیت کر زمانہ میں ایمانداری اور استقامت اور استقلال سے کام نہ لیا جاوے  
 تو بہتری کی صورتوں کا اعدام لازم آئیگا۔ تیسری شق کی تصریح یوں ہے کہ انسان  
 کے اکثر کام عاقبت کے بیم و امید پر بھی منحصر ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا کے پردے پر  
 ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو عاقبت کے بیم اور امید پر اعتبار نہیں رکھتے مگر چونکہ اونکے  
 خیالات بجا سے خود کمزور اور ضعیف البنیاد خیالات ہیں اس واسطے اوہ کچھ خیال  
 نہیں کیا جائیگا عاقبت کے بیم و امید کا سلسلہ اگرچہ ایک وقتی سلسلہ ہے مگر سقد  
 خرابی ہے کہ اوہ میں زیادہ حواسی کثرت سے شامل ہو گئے ہیں اس سلسلہ کا شروع  
 بھی تربیت سے ہی ہوتا ہے تربیت پانے والوں کے الواح اذہان پر تربیت خود  
 اکثر ٹھٹھری یا تعصب سے اس قسم کی باتیں نفس کر دیتی ہیں کہ جو بالکل نقصان  
 رسان اور مضرت ثابت ہوتی ہیں اور جسے صرف تربیت پانے والوں کو ہی نقصان  
 اور ضرر نہیں پہونچتا بلکہ اور لوگوں کو بھی نہ ہی فرائض کو اس قدر سختی اور ضدیت سے  
 تربیت پانے والوں کے اذہان پر نقش نہ کرنا چاہیے کہ جو اخیر پر وبال جان ہوں



نہی فراموش اور قیود کا پورا کرنا اوسی حد تک قرار دینا لازم ہے کہ جسمین مختلف وقتوں اور نقصانات کا مقابلہ نہ کرنا پڑے میرے خیال میں کوئی سچا مذہب اس قدر دقیق اور سخت نہیں جتنا کہ جسمین انسانی جماعتوں کو قسم قسم کی معصیتیں اور گناہیں پڑنا اگر کسی سچے مذہب میں ایسی دقیق اور سخت بین ہو تو انکار اوس مذہب کو مستعصب پیروں اور معتقدوں نے شامل کیا ہے مذہب انسانوں کی بہتری اور بہبود کے واسطے ہیں اور نہیں نقصان رسان باتوں کا پایا جانا ایک ناممکن امر ہے۔ جو حق امر کی یوں تشریح ہے کہ انسانی جماعتوں کے ساری دنیوی کام اولوالعزمی اور خواہش نریا نیک نامی اور اسالیش کے واسطے ہوتی ہیں انکا شروع تربیت کے زمانہ میں ہوتا ہے اور کمال اور ترقی بالبعد تربیت کو حاصل ہوتی ہے ان باتوں کے حاصل کرنے کے واسطے بہت سی اس قسم کی باتوں کو پورا کرنا یا بجالانا مشروط ہوتا ہے کہ جسمین باتوں اپنے آپ کو نقصان پہونچتا ہے اور یا اور اہناے جنس کو تربیت دینے والوں پر لازم اور فرض ہے کہ زمانہ تربیت میں تربیت پانے والوں پر رور کے ساتھ اس امر کو ظاہر کر دیں کہ ہر ایک قسم کے اولوالعزمی اور ہر ایک قسم کی خواہش نریا نیک نامی اور ہر ایک قسم کی اسالیش کے حاصل کرنے کے واسطے ہر ایک صفت اور اعلیٰ درجہ کی ایمانداری کو ملحوظ رکھنا لازم اور فرض ہے جو شخص بغیر صفت کے اپنی خواہشوں کو پورا کرتا ہے وہ اپنے ہاتھ سے اپنی تہذیب اور شائستگی اور ایمانداری کو کوتاہی کر اور فریب اور ظلم و غنا سے کسی خواہش کا پورا کر لینا آسان ہے کوئی مشکل یا ممکن امر نہیں ہے مگر ایسے خواہشیں کہیں نیک اور مفید نتیجہ پر نہیں لاتیں اگر دو چار روز کے واہ واہ اور خوشی ہوگی تو کیا ہے اخیر پر ایسے لوگوں کو ضرور اس قسم کی دشوار اور سخت معصیتوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ جس سے انکو اپنے عزیز زندگی کا بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے اگر تربیت دینے والے

ترہیت کے زمانہ میں ان باتوں اور اصولوں کو تربیت پانے والوں پر صد اقت اور نیک نیتی سے ظاہر کر دینگے تو امید کامل اور یقین واثق ہے کہ تربیت پانوالوں کے خیالات ہر یک پہلو سے مفید اور عمدہ ہی نکلیں گے۔

## خدا شناسی

اسے تمام تو بہترین کراغاز بے نام تو نامہ کے کنم باز  
آرایش نامہاست نامست آسایش سینہا کلاست

تمام عقلا اور مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے واسطے اپنی خالق اور پیدا کنندہ کا واجب طور پر پہچاننا ایک لازمی اور ضروری امر ہے وہ لوگ کہ بوند ہمساکے پیرو اور پابند نہیں ہیں وہ بھی خدا شناسی کو انسان کے حق میں ایک مفروضہ اور ضروری بات خیال کرتے ہیں دنیا میں عقیدہ فلاسفر اور حکیم مزاج لوگ گذرے ہیں اونہیں سے تھوڑے ہی لوگوں نے خدا کی ہستی اور شناخت کو انکار کیا ہے ورنہ سارے حکیم مزاج اور فلاسفر خدا کے پہچان کو اعلیٰ درجہ کی ضرورت خیال کرتے رہے ہیں سب فلاسفر اور حکیم کہتے ہیں کہ انسان کے واسطے خداوندیم کی پہچان ضروریات اور مفروضات میں سے ہے جس نے فلاسفر نے خدا کا انکار کیا ہے وہ بھی یہی کہتے گذر گئے ہیں کہ ہم دل سے خدا کے پہچان میں نذر دیتے ہیں خیر دنیا میں سے چند لوگوں کا خدا کی ذات سے منکر ہونا اس امر کا مستلزم نہیں کہ اور لوگ بھی منکر ہو جائیں دنیا میں ہمیشہ اسی جماعت کو قوت اور غلبہ حاصل رہا ہے کہ جہاں خداوند کریم کے نام کی تقدیس اور ستائش کی جاتی ہے اگرچہ انسانی جماعتوں میں عقائد اور مذاہب مختلف پائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف تہقیر و تصنیف

اور کمذب کا سلسلہ ہی جاری ہی رہتا ہے مگر تاہم یہ ہیئت مجموعی اولن سب مجموعوں  
میں بڑی زور کے ساتھ خداوند کے پاک نام کی تقدیس اور ستائش ہوتی رہتی ہے  
شکران کے چند افراد ہٹ دھرمی سے خدا کی ہستی اور ذات پر کبھی حملہ کرتے ہیں  
مگر روسیاء ہی اور ناکامیابی کے سواے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہاں وہ نہایت  
ذلت اور خواری سے پس پائے جاتے ہیں اور بغیر ایسے فاش ناکامیابی ہوتی ہے  
کہ بہر شدم کے مارے سر تک نہیں اٹھاتے ہاں یقین جانو جو شخص خدا کا مقابلہ  
کرے گا ضرور وہ کسی دن ایسی سخت ٹھوکر کھائے گا کہ گر کر چلنا چڑھنا ہو جائیگا اور ہم  
خداوند کی ستائش کریں اوس پاک خداوند کی تقدیس کا مبارک گیت گائیں نہ ہو  
کہ ہم نافرمانوں اور منکروں کی جماعت اور پارتے میں سے خیال کیجا دین انسان  
اپنے حق میں جیسا اور ضرورتوں کا پورا کرنا یا پورا ہونا جو اکل و شرب اور دیگر ضروری  
انسانی لوازمات سے علاقہ رکھتے ہیں لازمی اور ضروری خیال کرتا ہے ایسا ہی اوسکو  
اپنے رازق اور خالق کی رضامندی اور شناخت کو لازمی اور ضروری خیال کرنا چاہیے  
انسان کی دوسری ضرورتیں اوس وقت مفید اور عمدہ معلوم دیتی ہیں کہ جب اوسکو  
ساتھ اولن ضرورتوں کے پیدا کرنے والے کے شناخت اور رضامندی بھی شامل ہو  
جب انسان خدا شناسی کے پاک صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اوسکے دوسری صفات  
کو بھی ایک روشنی حاصل ہوتی ہے اصل میں پوچھو تو انسان کو اوس وقت کل یا کامل  
الانفیت کو رتبہ حاصل کرنے کا استحقاق ملتا ہے کہ جب اوسکے دل میں خدا شناسی  
کا مادہ اور طاقت موجود ہو انسان کا دل خدا نے اوسکے جسم میں ایک چراغ کے مانند  
پیدا کیا ہے جب تک اوسکو خدا شناسی کے پاک تیل اور مقدس بجلی سے روشن  
نہ کیا جائے گا تب تک انسان کے جسم میں حقیقی روشنی نہیں پھیل سکتی انسان کے تمام  
قسم کی سعادتیں اور ساری عبادتیں صرف ایک ہی خدا شناسی سے ہی مربوط ہواؤ

وابستہ ہیں اگر کسی شخص کی ذات میں خدا شناسی کی طاقت نہ پائی جاوے تو کسی  
 ساری سعادتیں اور عبادتیں لغو اور ضعیف البتہ وہیں انسان کی ساری اچھی باتیں  
 اور تمام محمود صفتیں اسی حالت میں اچھی اور محمود کہے جاسکتے ہیں کہ جب وہ نہیں اچھی  
 کا لوز یا یا جاوے چکو خود ہماری دلی حالت یاد دلاتی ہے کہ روز ازل سے خداوند کرم  
 نے ہمارے دلوں میں اپنی ہستی کے اقرار اور شناخت کا مادہ ولایت اور موجود کر رکھا ہے  
 اگرچہ ہم بعض وقت غفلت اورستی کے باعث اس مادہ کو استعمال نہیں کرتے مگر  
 تاہم وہ مادہ کہی نہ کہی جوش میں آہی جاتا ہے قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان  
 تنگ اور ناچار یا مختلف مصیبتوں کا تختہ مشق ہو جاتا ہے تو مجبوراً اسی طرف رجوع  
 لاتا ہے کہ جو اسکے ذہن میں اس سے قوی الاثر اور بلند مرتبہ ہوتی ہے انسان  
 پر کیا منحصر ہے حیوانات کا بھی یہی دستور العمل ہے دیکھو جب کوئی کتا اور کتوں سے  
 نرک اٹھاتا ہے تو انسان کے سر پر پاؤں رکھ کر اپنے جان بچانے کے واسطے  
 مختلف اشاروں اور کنایوں سے التجا کرتا ہے اسطرح پر تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے  
 کہ جب کسی انسان پر مصیبتوں کا نزول ہوتا ہے اور اسکو انسانی جماعت کی  
 طرف سے امداد اور دست گیری کی توقعہ اٹھ جاتی ہے تو وہ بھی اخیر یہ نہایت  
 عجز اور انکسار سے علت لعل یعنی خداوند کریم کے اقدس استثناء پر سجدہ ہو کر  
 پناہ مانگتا ہے ہم انسانوں کا نزول معاصیب اور حادثات مصائب کو وقت خدا کے  
 پاک استثناء پر کرتا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ہمارے دلوں میں روز ازل سے  
 خدا شناسی کی طاقت موضوع اور مخلوق ہے کاش اگر ہم نزول مصیبتوں کے پہلے ہی  
 خدا شناسی کی طرف توجہ کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ خدا شناسی سے یہ مراد نہیں کہ  
 ہم صرف اس کے ذات کو واحد اور یکتا خیال کر کر اس کے مخصوصہ یا معمولی عبادتیں پوری  
 کرتے رہیں نہیں نہیں اعلیٰ درجہ کی خدا شناسی یہ ہے کہ ہم اول باتوں کو جنکو خدا نے

انسان کی ذات بر فرض اور وجہ ٹھہرا ہے نہایت ایمان داری اور دیانتی سے پورا کرین اور خدا کی قدرتوں اور صنعتوں کی دوراندیشی اور فراست کی نظر سے دیکھیں اور اوتنے وہ نتائج نکالیں جو ان کی ذات میں پائے جاتے ہوں قانون قدرت کے مقدس اور دلاویز سلسلون پر غور کرنا اعلیٰ درجہ کی خدا شناسی ہے خدا کی کتب بابت اندیشہ اور فکر کرنے سے جو کہ اس کی قدرتوں کی دلاویز سلسلون کو غور اور دوراندیشی کی نظر سے دیکھا جاوے قانون قدرت کے دلاویز سلسلے انسان کے دلیین خدا کی ہستی اور اس کی شناخت کو اقرار اور اعتبار کو اعلیٰ طور پر پیدا اور ثابت کرتے ہیں گویا قانون قدرت اور خدا کے سارے پیدا شدہ سلسلے خدا کی وحدت اور ہستی پر ایک روز سے شہادت دیتے ہیں۔ ۵۔ ہمہ نقش این گنبد زرنگار ۶۔ گواہ اند بر صانع پروردگار ۷۔ خدا کی قدرتی سلسلون پر فکر اور غور کرنے سے انسان کے دلیین خدا کی شناخت کا شوق اور ہستی کا اقرار استواری اور خوش سلوئی سے مرکوز اور منقش ہو جاتا ہے۔ جب کسی انسان فرخندہ نشان کے دلیین خدا کی شناخت کا شوق کی خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس کو دوسرے خوشیوں کی ضرورت نہیں رہتی گویا خدا کے شوق کی خوشی تمام دوسری خوشیوں پر غلبہ پا جاتی ہے۔ ۵۔ یکے میجو اہد از تو جنت و عور بہ یکے خواہد کہ از دوزخ شود و در ۶۔ لیکن مانمخو اہم این و آن جست ۷۔ مراد ماہمین خوشنودی تست ۸۔ خدا شناسی کے شوق کی شناخت یہ ہے کہ او سمین ریا اور ظاہر پسندی اور تعصب کو اصلا دخل نہو۔ جو کچھ یا بقدر ہو حقیقت ہو۔ اگر کوئی شخص ریا کاری سے ظاہر طور اپنے آپ کو خدا شناس ثابت کرنا چاہتا ہے تو اس کو خدا شناسی کا رتبہ کبھی حاصل نہوگا۔ ۵۔ صورت ظاہر نے آید بکار ۶۔ باطنی باید بسزا از غبار ۷۔ خدا شناس وہ شخص ہے کہ جبکہ دل میں خدا شناسی

پاک شوق ہو۔ نہ صرف شوق ہو بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی ہو کہ اسکی تمام باتوں سے خدائے  
کا ثبوت ملے جب کسی شخص کو کا نور حاصل ہو جاوے تو لازم ہے کہ اس پاک نور کا اثر  
اور پرتو اوسکی تمام باتوں پر پڑی اور اسکے دل اور روح کو منور بناوے جب ایک چمچ  
سارے گھر اور اس گھر کے رہنے والوں کو روشنی بخشتا ہے تو کیا ممکن ہے کہ خدائے  
کا پاک نور انسان کے دل اور روح کو روشن اور نور نہ بناوی لا رب فیہ خدائے  
پاک نور ضرور انسان کے ہر یک قسم کے فعل اور بات کو روشنی پہونچا سکتا ہے انسان  
اس امر میں سعی اور کوشش کرنی چاہیے کہ اوسکی جسمانی گہر میں خدائے  
عمدہ طور سے روشنی بخشنے اور اسکے تمام اقوال اور افعال میں اوسی پاک نور کی  
جگہ ایک پائی جاوے تعصب اور ضد کا دلون میں ثابت اور قائم رکھنا خدائے  
کے خلاف ہے خدائے شناس کے مزاج میں رحم اور محبت کو اعلیٰ طور پر دخل ہونا لازم  
ہے جس شخص کی طبیعت میں ہمدردی یا محبت نہیں یقیناً اوسکے دل میں خدائے  
کے پاک شوق کو استفاست اور روز حاصل نہیں خدائے شناس کو ایسی باتوں سے  
کلی احتراز لازم ہے کوشش کرو کہ ہم سبھوں کی زبانیں اور دل اور رو حیں اعلیٰ درجہ  
کی صداقت سے خداوند کی تقدیس اور سچائی اور ستائش کرنے رہیں کوشش کرو کہ  
ہم خدائے شناسی میں کامل ہوں

ع

ہر ایک انسان کا خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم اور کسی فرقہ کا ہو یہ خیال ہے کہ میں  
دیگر مخلوقات سے اشراف اور افضل ہوں انسانی جماعتوں میں خیال شرف اور فضیلت  
عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کوئی انسانی جماعت نہیں ہے کہ جو اپنے آپکو دیگر مخلوقات سے  
جنکو حیوانات مطلق اور نباتات اور جمادات کہا جاتا ہے اشراف اور افضل نہ قرار  
دیتی ہو یہ خیال کوئی نیا خیال نہیں ہے ابتدا سے ہی چلا آتا ہے پُرانے مبالغہات اور

تحریرات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلی زبانوں میں بھی انسانی جماعتیں اس امتیاز اور اعزاز سے اپنے آپ کو مختار کرتے رہیں اس خیال کو یہاں تک نور اور صداقت حاصل ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے بر بات کہو کہ ہم دیگر مخلوقات سے اشرف اور افضل نہیں ہیں تو اسکو بہت ہی بُرا اور مکروہ معلوم دیتا ہے مگر ہمو کو انصاف اور دور اندیشی سے دیکھنا چاہیے کہ انسانوں کو اور مخلوقات پر جنکو وہ اپنے اصطلاح میں حیوانات مطلق اور نباتات اور جمادات کہتے ہیں کسوجہ اور کس دلیل سے شرف اور فضیلت کا رتبہ حاصل ہے وہ کون خاص بات یا خاص امتیاز ہے کہ جسکے زور پر تمام انسان اپنے ذات پر اس شرافت اور فضیلت کا اطلاق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اور مخلوقات پر ہمارے شرافت اور فضیلت ایک بدیہی صداقت کے پایہ کو پہنچ چکی ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اور موجودات سے سوا سوا سطے اشرف اور افضل قرار دیتے ہیں کہ انکی صورت اور شباهت خیلے موزون اور پسندیدہ ہو تو یہ شرف اور فضیلت کی وجہ نہیں ہو سکتی کسواسطے کہ انکا اپنی صورت اور شباهت کو موزون اور پسندیدہ قرار دینا ایک اپنا خیال ہے جسپر کوئی بیرونی شہادت نہیں ہو سکتا ہے کہ حیوانات مطلق ہماری صورتوں اور شباهتوں کو موزون اور پسندیدہ نہ خیال کرتے ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ ہر ایک مخلوق کو بجائے خود قدرت کی طرف سے ایک موزون اور پسندیدہ صورت عطا ہو چکی ہے اسہیں انسان کی کیا خصوصیت ہے؟ تیسرا یہ کہ اگر صورت کی پسندیدگی اور موزونیت برآں اور موجودات پر شرافت اور فضیلت کا بڑا بھاری استحقاق مل سکتا ہے تو اس سے وہ استعمال لازم آئیگی۔ ایک یہ کہ حیوانات مطلق بھی کہ جو اپنی صورتوں اور شباهتوں کو اپنے خیال میں موزون اور پسندیدہ قرار دیتے ہیں شرافت اور فضیلت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور ہمو انصافاً دیکھنا چاہیے کہ انکو بہ حیثیت تخیل موزونیت صورت و شباهت دعویٰ شرافت اور فضیلت

استحقاق حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر صورت کی موزونیت پر ہی شرافت اور فضیلت کی ڈگری مل سکتی ہے تو پھر انسانوں کی پاکیزہ اور لطیف تصویر دن نے کیا گناہ کیا کہ انکو بھی کثرت المخلوقات کا ڈیلو اعطا کرنا چاہیے کیونکہ تصویریں تو اپنی پاکیزگی اور لطافت میں زندہ انسانوں سے کہیں اچھی اور بہتر ہوتی ہیں۔ جو سنے یہ کہ اگر صورت اور شبابہت کی موزونیت سے امتیاز عام اور اغراض تام کا رتبہ مل سکتا ہے تو لازم ہے کہ انسانوں میں بھی اس اول اور اصول کو جائز رکھا جائے عورتیں ان خصوصیات بازار کی زمین پاکیزگی اور لطافت میں مردوں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں چاہے کہ ان کو مردوں پر فضیلت حاصل ہو مردوں میں جو مرد خوبصورت اور موزون شباب ہوں انکو اور مردوں کے مقابلہ میں شرف اور فضیلت کی ڈگری دینی چاہیے۔ اگر انسانوں کو اور کائنات پر اس واسطے شرف حاصل ہے کہ وہ باتیں کر سکتے ہیں تو یہ دلیل بھی قابل ايقان نہیں کیونکہ صرف گویائی یا تکلم سے اور مخلوقات پر شرف اور فضیلت کا رتبہ نہیں مل سکتا گویائی یا تکلم انسان کی ایک خاص قسم کی زبان یا طریق گفتگو ہے اسبطنہ حیوانات مطلق کو بھی اپنے اپنے خاص زبانیں قدر سے حاصل ہیں اگر انسان کی گویائی ایک خاص طریق پر ہے تو حیوانات کی زبانیں بھی خاص خاص طریق رکھتے ہیں یہ اپنے طور پر اپنے مقاصد کو ایک دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں اور وہ اپنے طریق پر گویائی اور اظہار مقاصد میں صرف طریقوں کا فرق ہے جو شرافت اور فضیلت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر صرف ایک مخصوص لفظ ہے شرافت اور فضیلت کا موجب ہو سکتا ہے تو لازم ہے کہ طوطا۔ یا مینا یا بکری کو بھی شرافت کا حق دیا جائے۔ کیونکہ اس قسم کے جانور انسان کی طرح باتیں کر سکتے ہیں چنانچہ اخبار آفتاب پنجاب لاہور مطبوعہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۷ء سے معلوم ہے کہ ملک یورپ میں ایک طوطا اس قسم کا ہے کہ جو چچہ زبانوں میں گفتگو کر ساط ہے



اگر صرف لطف مخصوصہ سے ہر شرف حاصل ہو سکتا ہے تو اس بہت زبانی طوطے کو بھی ڈگری ملنی چاہیے اگر یہ کہو کہ انسان کو دیگر مخلوقات پر شرف اور فضیلت پہنچنے حاصل ہے کہ وہ اور مخلوقات سے نور اور طاقت اور ضروری ضروری باتوں اور نین و فریب میں بڑھ کر ہو تو یہ وجہ بھی قابل اعتماد نہیں سطح پر انسان کو اپنی ذات میں نور اور طاقت حاصل ہے اور سطح پر وہ ضروری ضروری باتوں کو مختلف جیل سے نپٹا سکتا ہے اس سطح اور مخلوقات مابذرا کو وسائل حاصل ہیں بلکہ بعض حیوانات تو انسان کے بھی نور اور طاقت میں بڑھ کر ہوتے ہیں اگر نور اور طاقت کے ہونے پر بھی اور موجودات پر شرف اور فضیلت کے ڈگری دیا جاسکتی ہے تو اوکو بھی تحقیق حاصل ہے۔ اگر اس واسطے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہو کہ وہ اطعمہ لذیذ اور اشربہ نفیس کھاتا پیتا ہے یا یہ کہ لباساے فاخرہ اور اشیاء زائدہ زیب تن کرتا ہے یا یہ کہ اس کے واسطے آرام اور آسائش اعلیٰ درجہ کی موجود ہے اور اس کو اپنی زندگی آرام سے بسر کرنے کے واسطے پورے درجہ کے اسباب اور وسائل حاصل ہیں تو یہ وجہ بھی دانا آدمی کے نزدیک معقول نہیں ہیں سطح پر ہم انسانی جماعتیں اپنے مخصوصہ اطعمہ اور مرکب اشربہ کو نفیس اور لذیذ قرار دیتے ہیں اس سطح پر حیوانات مطلق اپنے کھانے پینے کی قدرتی چیزوں کو لذیذ اور عمدہ سمجھتے ہیں جیسا ہم اپنے ذائق کے روع سے بعض چیزوں کو لذیذ اور نفیس اور بعض کو غیر لذیذ اور بد مزہ سمجھتے ہیں اس سطح پر حیوانات مطلق کا حال ہے ہمارے اکل و شرب کا بھی یہی نتیجہ ہے کہ جسم مرکب صحت اور محمود اعتدال پر قائم رہے علیٰ ہذا القیاس حیوانات کے اکل و شرب کا بھی یہی نتیجہ خیال کرنا چاہیے اگر ہم کو لباساے فاخرہ میسر ہیں تو حیوانات کو ہرے بڑھ کر قدرتی لباس میسر نہیں ہوگا تو اپنے لباس کے واسطے سو طرح کی دقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں حیوانات مزہ سے عمر بھر ایک قدرتی چولہ میں گمن رہتے ہیں اور ان کی

خوش رنگ اور خوش قطع لباسوں کو خدانے ایسے دیر پا رنگ میں رنگا ہے کہ کبھی  
 اوترتے ہی نہیں نہ اونکو رنگ پرز اور دھوبی کی حاجت اور نہ درزی اور بران کی ضرورت  
 کر یزگی اور گویا نیا لباس پہن لینا نہ چور کا لٹسکا اور نہ رہن کا دھڑکا نہ اگ کا ڈرا اور نہ پانی کا  
 خوش بچپن سے جو لباس زیب تن کرتے ہیں اسی میں ساری عمر گزار دیتے ہیں لطیف  
 یہ کہ اس لباس میں ساری عمر تک کوئی نقص اور عیب نہیں نکلتا سو برس تک سے  
 تو تب بھی ویسا ہی ہے اور اگر دو برس دو مہینہ تک رہے تو تب بھی ویسا ہی پھر کہ  
 اسکے اوٹھانے کی تکلیف اور نہ رکھنے کی ضرورت ہمیشہ ایک ہی قدرتی حالت پر قائم رہتا  
 اگر ہمارے واسطے آرام اور آسائش کی صورتیں اور سبب موجود ہیں تو حیوانات  
 کو اس سے بڑھ کر حاصل ہیں ہکولو اپنا آرام اور آسائش سو بکھیر دین کے بعد  
 ملتی ہے حیوانات کو ایک بکھیڑا ہی نہیں کرنا پڑتا شب و روز فرے لوٹتے اور چین  
 کرتے ہیں ہمارے آرام اور آسائشوں کے ساتھ صد اقسام کی مصیبتیں اور وقتیں  
 شامل ہیں اونکو کوئی بھی مصیبت اور وقت نہیں اوٹھانے پڑتے دیکھو ہکولو اپنے  
 پیٹ بھرنے کو واسطے کس کس قسم کی مصیبتوں اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کوئی  
 سارا دن تو کڑی اوٹھا کر دو آنہ کے پیسے پیدا کر کے اپنی اور اپنے بال و بچہ کے پیٹ کا دروغ  
 بھرتا ہے کوئی بوڑھی عورت آدھی رات کو اوٹھ کر من جھڑ آٹا پیستی ہے اور وہ پیسے پائی  
 لیکر گزارا کرتی ہے کوئی سارا دن کوہلو کے بیل کی طرح پھیر پھار کر دو چار ٹکڑے یا دو چار  
 پیسے کماتا ہے اور اونسے اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے کوئی سارا دن سزا ب آدمی  
 کی طرح سہ کاری لڑکر بنگر پہرے پر کھڑا رہتا ہے اور یوسہ دو چار آنہ پیدا کرتے ہیں درزی  
 کی خاطر ہمیشہ وحشی بنے رہتے ہیں شکاری سارا دن جنگل میں مین مین سرکے کی بندھ  
 مونڈھے پر اوٹھائے بھرتا ہے تاکہ کوئی جانور مار کر اپنے اور اپنے متعلقین کی گزار  
 کرے۔ درزی تمام روز سوئی لیے سیتے اور کتر بہوت کرتے رہتے ہیں ہاتھ بھی رہ جاتے ہیں

دوکاندار سارا دن مزدور دن کی طرح دوکانوں میں بیٹھے ارد گرد دیکھتے رہتے ہیں کہ  
 کہ کوئی سودا لینے والا آئے اور ہنگو دوپیسے بچیں دلال دن بھر سارا شہر ایک کوڑی بڑا  
 کوئی اجنبی آدمی دوکان کے پیٹ فارم پر گیا نہیں وہ چیٹ حاضر ہوئے مطلب یہ کہ  
 اس کے بدولت دوپیسے ہنگو بھی لجاوین تاجر بدولتوں رزق کی خاطر بری و بھری سفر  
 کرتے رہتے ہیں اپنے اوطان مالوفہ سے صد ہا کوس دور چلے جاتے ہیں کہیں بچا پر  
 سفر ہی میں مر جاتے ہیں جو پڑھے لکھے اور عالم فاضل ہیں اونکو بھی دنیا میں  
 رکھ کر مختلف تکلیفیں اوستھانی پڑتی ہیں بعض پڑھے لکھے کے ہاتھ سے رات دن  
 قلم ہی نہیں چھٹتا رسول و فقر میں ہی گزر جاتی ہیں انسانوں میں سب سے  
 بڑھ کر اداں لوگوں کو خوش قسمت اور بارام خیال کیا جاتا ہے کہ جنکو انسانی جماعت  
 میں حکومتیں نصیب ہوتی ہیں مگر افسوس کہ اونکو بھی پورا پورا آرام نصیب نہیں ہوتا  
 اونکو علاوہ ان معمولی تکلیفوں کے جنہیں عام لوگ مبتلا ہوتے ہیں مختلف عوارض  
 اور امراض اور غم اور افکار لاحق ہوتے ہیں اگر ہم انسانی عوارض اور تکالیف  
 کا وزن یا احصاء کریں تو ناممکن اور مشکل ہے برخلاف انسانوں کے حیوانات  
 مطلق کو زندگی بسر کرنے کے واسطے کوئی بھی تکلیف نہیں اوستھانی پڑتی جہاں  
 چاہیں جائیں اور جہاں چاہیں رہیں نہ کسی کی پابندی اور نہ کسی قید نہ کوئی  
 دنیوی رسم اور نہ دینی تکلیف نہ جو تنے اور بونے کی فکر اور نہ با اور کاٹنے کا  
 فکر نہ تجارت کی ضرورت اور نہ صنعت و حرفت کی حاجت جب سبک لگی تو خدا کے  
 بیابان اور جنگل مختلف بھلون اور رنگا رنگ بوٹیوں اور گھاس پاش پات سے بھرے  
 پڑے ہیں جب پیاس کا زور ہوا تو دریا اور نہر میں موجود ہیں سردی لگی تو گھان  
 درختوں کے ڈبل پتے اور پہاڑوں کی گھنڈیں اور غار میں حاضر ہیں اگر کوئی ہوئی  
 باغوں کی سرد ہو جائیں اور حشریوں کے گرد کی درختوں کی ٹھنڈی جھوٹے موجود ہیں

تختلف مزرع کے میوے اور تفرق قسم کے پھل پھول گو یا حیوانات کا ہی حصہ ہیں  
 انسان جو بڑی محنت سے اپنے کھانے اور پہنے کی مختلف شے تیار کرتے ہیں جیسے  
 کھانے کے پہلے حیوانات مزلے لینگے۔ اگر انسان عمدہ عمدہ مکانات میں رہتے ہیں۔  
 تو حیوانات عجب خوشنما باغوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر انسان آرام و سکون  
 اور سونڈھوں اور بچوں اور چار پائیوں پر آرام پاتے ہیں تو حیوانات اونچے اونچے  
 خوشنما درختوں اور روح افزا تلیوں پر مزے لٹتے ہیں۔ اگر انسان گھوڑے  
 اور ہاتھیوں پر سواری کرتے ہیں تو حیوانات اپنے پالون کی طاقت اور پروں کے  
 زور اور پیٹ کے بل صد ہا کوس طے کر جاتے ہیں۔ اگر انسان کو اس واسطے دوسرے  
 مخلوقات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ مختلف قطع اور وضع کے شہر بنا کر  
 رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور شادی غمی میں حاضر ہوتے ہیں  
 اور سوسائٹی میں زندگی بسر کرتے ہیں تو یہ وجہ ہی مضبوط نہیں ہے۔ حیوانات  
 بھی اشیانہ اور گولسلہ بنا کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے ملتے  
 جلتے اور ایک دوسرے کی شادی اور غم میں شریک ہوتے ہیں اگر انسان کی  
 اصطلاح میں دو چار سو گھر بنا کر ایک جگہ پر رہنا شہر یا قریہ بنانا ہو تو حیوانات کے  
 نزدیک بھی ایک میدان یا ایک بیابان میں اور ایک درخت پر گھر بنانا یا اشیانہ طیار  
 کرنا ایک شہر یا قریہ آباد کرنا ہے۔ اگر انسان دوسرے انسان کی شادی غمی میں  
 حاضر ہوتے ہیں۔ تو حیوانات بھی دوسرے حیوانات کی خوشی یا سختی کے موقع پر  
 آجاتے ہیں کیونکہ کبھی دیکھا نہیں۔ کہ جب کبھی کوئی پرند یا چرند یا درند بھاری کڑھیں  
 بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوسرے اسکے بچنے کی غمگین ہو جاتے ہیں جب ایک پرند  
 یا چرند یا درند دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی حملہ کرنے والا ہے تو وہ اپنے سارے بچھڑوں کو آخر  
 مخصوص طریق یا مخصوص اشاروں سے خبردار کر دیتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ اپنے

بجا و کا انتظام کر لین۔ اگر انسان کو واسطے دیگر مخلوقات پر شرف اور فضیلت ہے  
 کہ اسکے لئے اور زیادہ ہو تو یہ وجہ ہے غیر معقول ہے۔ انسانوں کی تعداد سے حیوانات  
 کی تعداد کم ہیں بڑھ کر ہے اگر یہ وجہ ہے کہ انسان امیر اور دولت مند ہوتے ہیں تو یہ بھی  
 سچ ہے۔ اول یہ کہ دولت اور امارت کا کچھ اعتبار نہیں آج ہے اور کل نہیں جس  
 کو اپنے نفس میں بھی استقامت حاصل نہیں اسکو شرف اور امتیاز کا موجب کیونکر  
 قرار دیا جاوے۔ اگر امارت اور دولت مندی پر سچی حصول شرافت اور امتیاز کا دار اور  
 تو لازم آتا ہے کہ جو انسان انسانی جماعتوں میں امیر اور دولت مند نہوں او کو شرف  
 نہ قرار دیا جاوے۔ دوسرا یہ کہ انسان واسطے دولت مند اور امیر ہوتے ہیں۔  
 کہ او کو اس دولت اور امارت کو اپنے ضروریات کے باعث حاجت اور ضرورت ہوتی  
 ہے۔ حیوانات کو جب امارت اور دولت کی ضرورت ہی نہیں تو پھر او کو امیر بننے  
 اور دولت مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بلا دولت ہی امیر اور دولت مند ہیں۔ اگر  
 انسان کے دیگر مخلوقات پر شرف اور فضل ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ او کو اور مخلوقات  
 پر کم زیادہ مختلف طور پر تصرف اور حکومت حاصل ہے۔ تو یہ وجہ بھی کمزور ہے۔  
 حاکم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شرافت کلی حاصل ہو جاوے۔ انسان جو مختلف حیوانات  
 پر مختلف طور پر تصرف اور حکومت رکھتا ہے وہ اسوجہ سے نہیں کہ اسکو شرافت حاصل  
 ہے۔ بلکہ وہ اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ بشر و ان اور دیگر زندگان اور حیوانات پر جو انسان  
 حاکم اختیار چلتا ہے اسکا یہی باعث ہے کہ او کو حکومت کرنے کے واسطے اتفاقات ہم  
 نہیں ہو پختے۔ دیر چنے جقدر باتیں بیان کی ہیں انہیں سے کوئی ایسی بات نہیں  
 ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات پر شرف اور فضیلت کی ڈگری پانے کا مستحق قرار دیتی ہو  
 جب ان باتوں میں سے کوئی بات بھی دستاویز قرار دینے کے قابل نہیں ہے تو  
 اب ہر کو کسی ایسی بات کی تلاش کرنی چاہیے کہ جو انسان کو اور مخلوقات پر شرف اور

فضیلت کی فکری دلا سکے غور اور فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان صرف اس  
 دستاویز اور جہت سے اور حیوانات اور حشرات پر فائز اور پیشہ رفتہ ہے کہ اس کے ادراک  
 کلیات و جزئیات کا مادہ حاصل ہے انسان کے مقابلہ پر اور مطلق حیوانات کو ادراک  
 کلیات و جزئیات کا مادہ حاصل نہیں ہے۔ ہاں اس قدر ضرور حاصل ہے کہ حیوانات  
 مطلق حیوانات کی زندگی بسر ہونے میں مشکلات حاصل نہیں ہوتیں بعض سے اس کو  
 خیال ہے کہ حیوانات کو کچھ بھی ادراک نصیب نہیں ہے یہ خیال میں یہ بات ٹھیک نہیں  
 ہے میری یہ رائے ہے کہ اگرچہ انسانوں کے سوا اور موجودات کو ادراک بھی حاصل ہے  
 مگر اس قدر ضرور ہے کہ جبکہ ہم کسی قسم یا کسی مقدار کا ادراک کہہ سکتے ہیں تجربہ اس بات  
 کو زور سے ثابت کرتا ہے کہ انسان کے سوا دیگر موجودات کو کبھی کبھار کچھ ادراک حاصل  
 ہے۔ ہاں اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ انسانوں کے سوا اور موجودات کا ادراک  
 کامل یا کلی نہیں ہے سو اس سے کچھ قیاحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ ہم کمالات یا عدم  
 کلیت شے جو حوشے کو زائل اور دور نہیں کر سکتی کمالات شے جو اسے خود ایک جہت یا حالت  
 اور غیر مکمل ہونا ایک جدا حالت حیوانات مطلق میں ضرور کچھ نہ کچھ قوت و مدد کے اثرات  
 عقلیہ جو مدد کے حاکم ہے بالکل نہیں ہے قوت عقلیہ انسانوں سے ہی خاص ہے  
 انسان کی مدد کلیات و جزئیات ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کی ذات میں اتنی  
 ازلی نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ایک ایسا اثر اور زور اور مدد  
 کر رکھا ہے کہ جبکہ زور اور مدد سے انسان کلیات و جزئیات کو معلوم اور دریافت  
 کر سکتا ہے اس بات میں بحث اور کلام ہے کہ ادراک سوا ادراک یا القوتہ مراد ہے یا کم  
 ادراک بالفعل بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان بعض امور میں بالحقہ مدد  
 ہے اور بعض میں بالفعل اس دلیل کے ایراد سے کہ بہت سی باتیں انسان کو اس  
 قسم کی پیش آتی ہیں کہ انسان ان کو بالقوتہ تو ادراک کر سکتا ہے مگر اسباب ادراک کے

بہم نہ پہنچنے کے سبب بالفعل یا بالخواج ظاہر نہیں کر سکتا اور بہت سے امور اس کو  
 بالفعل یا بالخواج ظاہر کر سکتا ہو بعضوں کا قول ہے کہ نہیں انسان بالفعل ہے  
 مدرک ہو بالقوہ کی صورت حاصل ہے نہیں یہ خیال میں قول فصیل یہ ہے کہ جب  
 انسان کو اسباب ضروریہ میسر آجاتے ہیں تب تو ہر ایک اور اس کی صورت یا اور اس کی نتیجہ  
 نتیجہ کو خواج یا ظاہر میں لے آتا ہے اور جب اسباب ضروریہ میسر نہیں آتے تو پھر کچھ  
 بھی نہیں ہو سکتا بطرح پر انسان کی طبیعتیں اور مرزا جن اور عقلمین معاشرت  
 اور متغائر الحالت میں اس طرح پر اور اس کی صورتوں کا حال ہے اس جگہ پر اس سوال کا  
 کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدرک الکلیات و انجزیات ہونے کے سبب انسان  
 کو اور موجودات برکیوں فخر اور شرف دیا گیا جواب اس سوال کا یہ ہے کہ مدرک الکلیات  
 و انجزیات ہونا ایک ایسی صفت ہو کہ جسکی شان اور رتبہ کو دنیا کے اور کوئی صفت  
 پہنچ نہیں سکتی ایسے جامع مالع اور محیط الكل و انجز صفت ہو کہ جسکی بدولت اور تمام  
 صفات محدودہ اور خواص مسعودہ حاصل ہو سکتی ہیں آج تک انسانوں کے پارٹی نے  
 جب قدر عمدہ حکمتیں اور کلین اور صنعتیں اختراع اور ایجاد کی ہیں ان کے اختراع اور  
 ایجاد کا اصل الاصول یہی صفت ہو انسان کی تمام نیکیاں اور اچھے خیالات اور زیبا  
 حالات اور دل چاہت اور عبرت انگیز فائنات اور باقیچہ اور سراسر سفید حکایات ایسی  
 صفت کا اثر ہیں اگر انسان مدرک کل و جز نہ ہوتا تو دنیا میں اس وقت جب قدر سخاوت اور  
 ترقیات اور رونقین نظر آتی ہیں بالکل مفقود ہوتیں بطرح پر حیوانات مطاع غریزہ یا  
 بسر کرتے ہیں اس طرح پر ہکودن و ہارے پورے کرنے پڑے بطرح پر حیوانات ابتدائے  
 لیکر آج تک ایک ہی فعل و قول اور طرز اور وضع اور رنگ و ڈھنگ پر چلے جاتے ہیں  
 اس طرح پر ہم بھی ہوتے ہماری حالتیں اور خیالات جو دن بدن نیچتی جلتے ہیں اس کا  
 اصلی موجب یہی ہے کہ ہماری ذات میں اور اک کا مادہ کلی طور پر پایا جاتا ہے مادہ

اور اک و اجزئیات کے انسانوں کی ذات میں پائے جانے کی مثال ایسی ہے کہ ایسا  
 تاہم برقی کی برقی کشش یا برقی قوت کی مثال ہے جس طرح برقی کشش کے ہونے سے  
 ایک دم میں دور دور خبریں جا پہنچتی ہیں اسی طرح ہر آدمی اور ایک کے ہونے سے انسان  
 کے خیالات دور دور جا پہنچتے ہیں جبکہ درک الکلیات و اجزئیات کی صفت اعلیٰ  
 اور انسانوں کی ایسی ترقی کا موجب اور اصل الاصول ہے کہ جو اور موجودات کو حاصل  
 حاصل نہیں تو اسکو کیونکہ موجب شرف و باعث اعزاز و اکرام قرار دیا جائے  
 اگر وہ صفت کہ جو انسانوں کی ترقی اور قسم قسم کی رونقوں اور بزرگیوں اور اعزاز و  
 احترام کا موجب ہو موجب فخر و شرف اور باعث فضیلت و عزت نہ تو پھر یہ اعلیٰ درجہ کا  
 استحقاق کسکو بخشا جاوے اسکے سوا ہے تو انسانوں میں کوئی ایسی صفت اور بات  
 نہیں کہ جسے ہر شرافت نامہ اور فضیلت کاملہ کا مبارک تلج رکھا جائے جبکہ رُخو  
 اور فکر کو وسعت دیکھی یہی بات متحقق اور ثابت ہوئی کہ انسانی صفات اور خواص  
 میں سے اسی صفت یعنی اور اک الکل و الجز کو بزرگی اور برتری حاصل ہے اسکے  
 مقابلہ میں اور کوئی صفت نہیں آسکتی انسانوں کی شرافت نامہ اور فضیلت کاملہ  
 کا وہی صفت مورد اور مرجع ہو سکتی ہے کہ جو انسانوں اور دیگر موجودات میں کمالات  
 اور کلیت کو اعتبار سے مابہ الامتیاز واقعہ ہو جب فکر کی جاتی ہے تو بلا کسی قسم کے  
 مبالغات اور مزاحمت کے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں اور دیگر موجودات کو درمیان  
 باعتبار کلیت و کمالات صفت اور اک کلیات و جزئیات مابہ الامتیاز واقعہ ہوئی ہے  
 ماسوائے اس حدت اور کوئی صفت ایسی نہیں ہے کہ باعتبار کلیت مابہ الامتیاز  
 واقعہ ہوئی ہو یا اب ہو سکے جبکہ اور کوئی صفت کامل موجود نہیں تو ضرور اسی صفت کو  
 مابہ الامتیاز قرار دیکر موجب فضیلت و شرافت ماننا چاہیے۔ جبکہ انسانی جماعتوں کو  
 اور مخلوقات اور موجودات بر صرف اس اعتبار اور حجت سے برتری اور فضیلت حاصل



کہ اسکی ذات میں قوت مدرکہ کامل اور کلی طور پر پائی جاتی ہے تو اب ہم ضرور بتا دیں  
شہدہ مندرجہ ذیل کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔

(۱)۔ قوت مدرکہ طبعی ہے یا غیر طبعی (۲)۔ قوت مدرکہ بلا تفسیر و  
امداد اسباب خارجی و لازمی اپنے نتائج اور تاثیرات کو بالکل ظاہر کر سکتی ہے  
کہ یا بالعکس۔ (۳)۔ اگر قوت مدرکہ بلا تفسیر و امداد اسباب خارجی و ضروریہ  
کامل نہیں بن سکتی تو اسکیے کامل بنانے کے واسطے کن اسباب کی ضرورت ہے  
(۴)۔ اول یہ خیال میں قوت مدرکہ طبعی ہے کہ واسطے کہ اسبہ اعراف اور طبعیہ  
صادق آجاتی ہے اور طبعیہ کی تفریف یہ ہے کہ وہ موجودات کی فطرت یعنی مشیت  
میں داخل ہوں چکا دور اور زائل کرنا یا ہونا کسی صورت میں ہی ممکن ہو خواہ  
کیسی ہے شہدہ الاثر اسباب بہم پہنچائے جاوین یا یہ کہ خود ہی اہم پہنچ جاوین  
بت بھی اور نہ گور دور اور زائل نہیں ہو سکتے جب ہم انسان فطر سے دیکھتے ہیں تو  
ثابت ہوتا ہے کہ قوت مدرکہ انسان کے مشیت میں داخل ہے کیونکہ قوت مدرکہ کسی  
حالت میں زائل اور دور نہیں ہو سکتی اگرچہ انسان کیسا ہی جاہل اور وحشی المزاج  
اور ناقص الطبع ہو مگر بہر صورت اسکی ذات میں اس قوت کا نشان پایا جاوگا  
ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی حالتوں میں قوت مذکور کو کمالیت اور کلیت کا مرتبہ حاصل  
نہیں ہو سکتا سو یہ بات ہمارے دعویٰ کی نافی نہیں ہے کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے  
کہ قوت مدرکہ ہر ایک انسان میں فطرثاً پائے جاتے ہیں جو زائل اور دور نہیں ہو سکتی  
اور یہ بات ثابت ہے قوت مذکور کا کامل الحیثیت ہونا ایک علیحدہ بات ہے اور موجود  
ہونا ایک جدا امر بہت سے اشیاء میں کہ وہ موجود ہیں مگر انکو کمال حاصل نہیں  
سارے انسانوں میں بلا امتیاز رنگ و مذہب و عمر و ملک و قوم قوت مذکور کا پایا  
جانا اس امر کے بڑی ثبوت اور مضبوط دلیل ہے کہ اسکا وجود فطری اور طبعی ہے

اگر قوت مذکور محدود و الحالت ہوتی تو ضرور خیال ہو سکتا تھا کہ فطرتی نہیں مگر جبکہ  
اوسکی حالت وسیع اور دوامی اور غیر محدود ہو تو پھر اوسکی طبعی یا فطرتی ہونے میں  
کیا شک ہے چھوٹی عمر کے بچہ کو اگرچہ کچھ ہوش اور تیز اور عقل نہیں ہوتی مگر اوسکی  
ذات میں بھی اور اکی صورتیں پائی جاتی ہیں جو قوت چھوٹی عمر کے بچہ کو کوئی ڈراؤ  
صورت یا ہیبت دکھائی جاتی ہے تو گو وہ بچہ اوس ڈراؤنے صورت یا ہیبت کے  
اصلی کیفیت اور ماہیت کو نہیں پہنچ سکتا مگر تاہم اوسکو دیکھ کر قوت مدرکہ کے  
ذریعہ سے کوئی خیال و ملین لاکر مضبوط الحواس اور مخوف الحالت ہو جاتا ہے ایک  
بچہ کا کسی ڈراؤنی صورت کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جانا اس بات کی دلیل ہے  
کہ اوسکے غیر مکمل ذات میں فطرتی طور پر قوت مدرکہ و ولایت کی گئی ہے اگر قوت  
مدرکہ اوسکی ذات میں و ولایت نہ کی گئی ہوتی تو وہ ایک خوف والی شے کو دیکھ کر  
ہراسان اور بددل کیون ہو جاتا وہ کون قاصد یا پیام رسانی ہے کہ جبے ایک  
چھوٹی عمر کے بچہ کا لڑکے کو اس بات سے آگاہ اور خبردار کر دیا کہ یہ شے  
اقتسامی رسائی یا ڈراؤنی ہے اگر ہم غور سے خیال کریں تو وہ شے قوت مدرکہ کے  
سواسے اور کوئی شے نہیں کیونکہ انسان کی ذات میں اور کوئی قوت اس کی نہیں  
کہ جو ادراک کا کام دے سکے ماسوائے چھوٹی عمر کے لڑکوں کے انسان کی اور  
حالتوں میں بھی قوت مدرکہ کی سطح پر قائم اور ثابت رہتی ہے جس سے اوسکے  
وجود پر پوری طور پر استدلال کیا جاسکتا ہے مریض اور علیل آدمی کی حالت  
بہ نسبت صحیح المزاج اور تندرست آدمیوں کی زیادہ تر ناقص اور تزلزل ہوتی ہے  
اوس حالت میں بھی قوت مذکور کے آثار پائے جاتے ہیں اگرچہ مریض مرض کے  
غلبہ اور زور کے باعث ضعیف الحالت ہوتا ہے مگر اوس ضعیف اور ناقصی سے  
قوت مدرکہ کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا ان اس بات میں کچھ شک نہیں کہ جب

انسان کے مزاج پایہ اعتدال اور مرکز سلامتی پر ثابت اور قائم نہیں رہتی تو قوت  
 مدرک کی حالت میں اور قوتوں کی طرح تزلزل اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے جس سے  
 اسکی اصلی اہمیت و تاسک کوئی جاتی نہ ہو مگر یہ بات قوت مدرک کے عدم کو ثابت نہیں  
 کرتی ثبات اور کمی لازم آتی ہے سو وہ خود شے کی سنانی نہیں جبکہ قوت مذکورہ  
 زمانہ اور ہر ایک وقت میں پائی جاتی ہے تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوت  
 کیونکہ یہی وہ ہی ہوتی ہے کہ جو اسباب خارجیہ مثل تغیر اوقات اور تبدل  
 اور اختیارات مقادیر اعمار اور نزول و صعود اسباب اور حقوق افکار اور امراض اور عوارض  
 سے تزلزل اور دور نہو مان اس قسم کے نقصان رسان باتوں سے اسکی سلامتی  
 اور رفعت اور تیزی میں ضرور فرق آ جاتا ہے اور یہ وجود قوت مدرک کے سنانی  
 نہیں کسی شے کا موجود ہونا ایک اور صورت ہو اور اسکا معدوم ہو جانا یا اعتبار  
 ذاتی حالت اور فقار کے کم ملنا نقص یا تزلزل ہونا ایک دوسری صورت ہے  
 وہ سر سے امر کی بابت سیر یہ خیال ہے کہ قوت مدرک بلا تیر و امداد اسباب خارجیہ  
 حقیقی نتائج اور تاثیرات کو بالکمال و الکلیت ظاہر نہیں کر سکتے گواہ میں بالذات  
 اس قسم کا مادہ ہے کہ وہ بلا تیسر و امداد اسباب خارجیہ بالا تقصیر یا بالجوہر  
 صورت اور ایک کو ظاہر کرے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ صورت اور ایکہ کامل اور مضبوط  
 ہیئت ہو سکتے ہیں کہ جب قوت مدرک کو اسباب خارجیہ و مواد لازمیہ کی اعانت  
 اور امداد حاصل ہو اس قوت پر کیا موقوف ہے انسان کی اور بھی ساری قوتیں  
 اس حیثیت اور قسم کی ہیں کہ ان سب کو اس صورت میں کمالات کی ڈگر سے  
 مل سکتی ہے کہ جب انکے ساتھ اسباب خارجیہ اور مواد لازمیہ کی امداد شامل ہو  
 قوت باصرہ اور شناسہ اور ذائقہ اور لامسہ اور سامعہ بھی انسانی قوتیں ہیں  
 انکو جب تک خارجی امداد اور سہاری نہوں تک انکا مرکز کمال پر نہایت

اور قائم رہنا یا ہونا یا کرنا ایک مشکل امر ہے ان پانچوں قوتوں کے متعلق اسقدر اور ایسے  
اسباب خارجیہ ہیں کہ اگر اونہیں سے ایک یا دو اشیاء کو زائل کیا جاوے تو قواس  
مذکور کی حالت اور تیزی میں اسقدر ضرر انقلاب اور فرق نمودار ہو جائیگا کہ جس سے  
اونکو ناقص الحال اور روی الکیفیت ماننا پڑیگا جبکہ انسان کے ظاہری اور باطنی  
قوتیں بلا تیسر و امداد اسباب خارجیہ و مواد لازمیہ درجہ کمال کو حاصل نہیں کر سکتیں  
تو استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قوت مدرکہ بھی بلا تیسر و امداد اسباب خارجیہ و مواد  
لازمیہ کئے درجہ کمال اور رتبہ ترقی نہیں حاصل کر سکتے قوت مدرکہ کی حالتیں اور  
صورتیں اسی صورت میں کمال اور ترقی قرار دی جاسکتی ہیں کہ جب اوسکو اسباب  
ترقی اور مواد کمالیت حاصل ہوں کوئی شے اوس وقت تک اصلی کمال اور واپسی  
ترقی حاصل نہیں کر سکتے کہ جب تک اوسکی ترقی اور کمالیت کی ضروری اسباب نہ  
حاصل ہوں علیٰ ہذا القیاس کوئی شے اوس وقت تک تنزل یا تنزلزل نہیں ہو سکتی  
کہ جب تک اوسکے تنزل اور تنزلزل کے اسباب نہ موجود ہوں اس بات کو ہم اوپر کے  
سطروں میں ظاہر کر چکے ہیں کہ قوت مدرکہ بلا تیسر و امداد اسباب خارجیہ و مواد لازمیہ  
کی کچھ نہ کچھ اور الکی صورتیں ظاہر کرتی رہتی ہے کیونکہ وہ ایک طبعی یا فطری قوت ہے  
اور ادا پر ظاہر ہو چکا ہے کہ جو قوت طبعی یا فطری ہو وہ اسباب متضادہ اور مزیل سے  
دور اور زائل نہیں ہو سکتی ہاں اس امر میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ اس حالت میں  
قوت مدرکہ کو کمالیت اور کلیت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اوسکو اسباب ضروریہ اور  
امداد لازمیہ کی امداد اور سہارا حاصل نہیں ہوتا خداوند کریم کے کارخانہ قدرت پر نظر  
اور غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خداوند صانع کل اور موجد کامل کی بعض  
صنعتیں اس وضع اور قسم کی ہیں کہ قدرتا اونکو دو حالتیں حاصل ہیں ایک حالت  
قدرتی حالت کہتے ہیں اور دوسرے کو سببی یا علتی حالت پہلی حالت اسباب خارجیہ

محتاج نہیں ہوتی اور دوسری حالت حسین شکر کو کمال اور ترقی حاصل ہوتی ہے اسباب  
 خارجہ کے جو ضروری الوجود ہوں محتاج ہوتی ہے جب تک اس قسم کے اسباب ضروری الوجود  
 حاصل اور میرے مولین تب تک اس حالت ثانیہ کو کمال اور ترقی حاصل نہیں ہو سکتی  
 دوسری قسم کی حالت پیدا ہر اس وقت ہوتی ہے کہ جب اس کے مناسب علل اسباب ضروری  
 حاصل ہوں میرے خیال میں دوسری قسم کی حالت بھی دراصل ایک قدرتی حالت ہی  
 اور جب قدر اسباب خارجہ اور مواد لازمیہ اس کے اظہار کے باعث قرار دیے جاتے ہیں  
 دراصل اونکی ضرورت کو بھی قدرت نے ہی مقرر کر رکھا ہے گویا پہلی حالت کی ترقی  
 دینے کے واسطے قدرت نے چند اسباب کو قدرتی طور پر موزون اور وضع کر رکھا ہے  
 جب وہ اسباب پہلی حالت کو ساتھ شامل ہو جاتی ہیں تو اس کو کمال اور ترقی کا تیز  
 لمبا تہ ہے۔ تیسرے امر کی نسبت میرا یہ خیال ہے کہ قوت مدرکہ کی کمالیت اور کلیت  
 کے واسطے علم کے اتنے ضرورت ہر سوائے اسکے اور جب قدر اسباب بیان کیے جاتے  
 ہیں وہ اس قسم کے اسباب ہیں کہ جسے قوت مدرکہ کو بالکلیت مد نہیں پہنچتی علم ہی  
 ایک ایسا سبب ہے کہ جو قوت مدرکہ کو بالکلیت ادا ہو چکا ہے اور جسکی مد سے  
 قوت مدرکہ کو اعلیٰ درجہ کی روشنی اور تیزی اور صلاحیت حاصل ہوتی ہے جس طرح  
 صیقل گر تلوار یا کار کو چمکا دیتا ہے اسی طرح پر علم قوت مدرکہ کو روشنی اور چمکا  
 بخشتا ہے قوت مدرکہ کی اصلی آب و تاب اور چمک و دمک اس وقت ظاہر ہوتی ہے  
 کہ جب علم کی کسوٹی پر درگزی جائے جب تک قوت مدرکہ علم کی کسوٹی پر نہ درگزی جائے  
 تب تک اسکے حقیقی الوار اور اصلی و قدرتی کرنیں ظاہر نہیں ہوتیں اس میں کچھ  
 شک و شبہ نہیں ہے کہ انسان کی ذات میں حضرت صلح کامل واجب الوجود نے  
 قوت عقلیہ اور متفکرہ اور متوہمہ اور تخلیکہ بھی ودیعت کر رکھی ہیں اور ان قولوں  
 میں بھی عیب اور عمدہ عمدہ طاقتیں پائی جاتی ہیں مگر ان سے قوت مدرکہ کو اس قدر فائدہ

اور مدد نہیں پہنچ سکتی کہ جقدر ضرورت ہے کیونکہ یہ سب قوانین بجائے خود علم  
محتاج ہیں ان قوتوں کی اصلی جگہ اور درجہ اور حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے  
کہ جب اونکے ساتھ علمی طاقتوں کو شامل کیا جاوے جس طرح قوت مدرکہ کو بلا مدد علم  
جملے اور کمال حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح پران قوتوں کا حال ہے میں قبول  
کرتا ہوں کہ عقل ان سب قوتوں سے زور اور اور تیز قوت ہے مگر اسکو بھی اس وقت  
ترقی اور رونق اور کمال حاصل کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ  
علمی طاقتیں شامل ہوں اگر عقل کے ساتھ علمی طاقتوں کو شامل نہ کیا جاوے تو اسکی  
حالت کس صورت میں زور آور اور کمال اور ترقی نہیں ہو سکتی۔ سسٹم یعنی بنیادین  
اگرچہ بذاتہ پوری درجہ کا زور اور طاقت ہو مگر جب تک اسکی زور اور طاقت کو باقاعدہ  
نہ لیا جائے تب تک کوئی مفید نتیجہ اور عمدہ اثر حاصل اور ترقی نہیں ہو سکتا یہ بات  
خاص کر سسٹم پر ہی منحصر نہیں تمام اشیاء اسی قسم کے ہیں کہ اول سب کو باقاعدہ  
اور باضابطہ کمال اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ شاید اس موقعہ پر کوئی صاحب  
ارشاد فرمادیں کہ سوائے علم کے اور اسباب سے بھی قوت مدرکہ کو مدد پہنچتی ہے  
جیسے سبب ضروریہ اور دیگر اسباب حیات سے اس خدمت کا یہ جواب ہو کہ ان اسباب  
سے قوت مدرکہ کو جس قسم کی مدد پہنچتی ہے اس مدد سے قوت مدرکہ کو صورت بقا حاصل  
ہوتی ہے نہ کہ ترقی اور کمال بقائے شے اور حالت ہو اور ترقی شے اور صورت کمال  
اور ترقی بجز علم کے حاصل نہیں ہو سکتی جب قوت مدرکہ کی ترقی اور کمال حصول  
علم پر منحصر ہے تو اس ساری شکل کا نتیجہ اولے یہ ہوگا کہ انسانی جماعتوں کو اور مخلوقا  
اور موجودات پر صرف مدرکہ الکلیات و انحرافات ہونے کے باعث فیضیت اور  
شرف حاصل ہے اور قوت مدرکہ کو علم کے سوائے کمال اور ترقی اور کلیت حاصل  
نہیں ہو سکتی پس اس سے نتیجہ آخری یہ پیدا ہوگا کہ انسانی جماعتیں سب باعث علم کے

اور مخلوقات سے اشرف اور افضل ہیں جب ہم انسانوں کا شرف اور فضیلت اور مخلوقات اور موجودات پر صرف علم کی جہت سے ہے تو اب ہم کو لازم اور مناسب ہے کہ اس موردی شرافت اور فضیلت حاصل کرنے کے واسطے امورات مندرجہ ذیل غور کریں اور سعی کریں کہ ہر وہ درجہ اور مرتبہ حاصل ہو جاوے کہ جسکی امید اور بھروسہ ہم پر ہے اشرف اور ممتاز انسان کا لقب حاصل کریں۔

(۱)۔ علم کیا چیز ہے؟ علم کی تعریف کیا ہے۔

(۲)۔ علم باعتبار کسیت کتنے قسم پر ہے۔

(۳)۔ علم کیا حاصل کرے یا کرانے کے لئے وقت کس کن باتوں اور اصولوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۴)۔ علم حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے؟ کیا واسطے کن باتوں اور حسابی ضروریات

(۵)۔ علم کے حاصل کرنے پر کیا کوشش کرنا ہے؟ واسطے زمانہ کہ قیاس کیا تاکہ میں بہت

(۶)۔ علم کو موجودہ زمانہ سے اور موجودہ زمانہ کے علم سے کیا نسبت ہے۔

(۷)۔ انسانی جماعتوں کو کن کن علم حاصل کر لینے کا لازم ہیں۔

(۸)۔ علم کے حاصل کرنے پر کیا اسلئے کہ با مقبول ضروریات معاذہ ہو رہا ہے

حقیقی غرض اور علت غائی کیا ہونی چاہیے اور یہ نسبت مجبوری علم کا اثر

انسان کی زندگی پر کس قسم اور وضع کا ہونا لازم ہے۔

(۹)۔ علم کے نتائج اور تاثیر و ان کی تعلیمی اور جہت کی امتیاز اور ہر حال کے واسطے

کیا اصول اور قواعد سے ہیں۔

(۱۰)۔ علمی طاقتیں یا حائزین کہاں تک اور کس قدر ترقی پاسکتی ہیں۔

(۱۱)۔ علمی طاقتوں کی ترقی یا ترقی دینے کے واسطے کن کن باتوں

کی ضرورت ہے۔

امر اول لغت میں لفظ علم کے معنی خبردار ہونے اور جاننے اور عقل کے ہیں اور اصطلاح  
 میں علم ادن حقائق اور دقائق کا نام ہے کہ جنکو انسان حسب مقدرہ انسانیّت و  
 طاقت بشریہ احوال موجودات سے اور اک اور دریانت کرے اس تعریف پر ایک  
 بڑا بھاری اعتراض وارد ہوتا ہے جسکا اس مقام پر ضرور پیش کرنا چاہیے جسکے  
 اعتراض مذکور حل نہ کیا جائیگا تب ہمارے اس مقصد کے پورے کیفیت سمجھ میں آئیگی  
 اعتراض مذکور یہ ہے کہ یہ امر بدیہی الصداقت اور علم البتہ ہے کہ علم منزل جہاں  
 اور مکمل قوت ہے سوائے حصول امداد علی طاقتوں کے جہالت زائل اور قوت  
 ہے کہ کامل نہیں ہوتیں اور یہ بات بھی تاریخی شہادتوں اور سناد سے ثابت ہے  
 کہ انسانی جماعتیں ابتدا میں بالکل جاہل اور وحشی الاضربہ اور ناقص الطباع تھیں  
 جماعتوں کی ابتدائی نسلوں کے حالات اور کمالت زور سے اس بات کو ثابت کرتے  
 ہیں کہ انکی طبیعتوں میں وحشت اور حماقت کو بہت عقل اور زیرتھا ادھکا ہر ایک  
 کام اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اکثر کہ جہالت اور وحشت انکی شرک اور ناشائستہ  
 رہتی تھی نہ تو انہیں علم اور عقل کو رونق اور ترقی تھی اور نہ تہذیب اور شائستگی کو  
 کمال حاصل تھا غرض یہ کہ انسان کی پہلی نسلوں میں علم اور عقل اور تہذیب کا  
 نام تک نہیں تھا اگر انسان کی پہلی نسلوں میں اس زمانہ کے وحشیوں کے بقایا ہیں  
 بھی اس کے حیاتین تو یقیناً اس زمانہ کے وحشی بھی انکو وحشی اور جاہل کہتے ہیں  
 وہ نہ کرتے اور اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ علم جو کسی اور خارجی اور آلات سے  
 مقاصد سے متعلق ہے اور جبکو منزل جہالت اور مکمل قوت ہے کہ قرار دیا گیا ہے اس  
 جہالت کی سداری شائستگیوں اور سب تقیبات اور کمالات اور بہتری کا پہلی جہاں  
 اور مقام ہے اور اس سے پہلے وہ جاہل اور وحشی اور ناقص الطباع اور  
 اور ناشائستہ رہتے تھے اور اس معلوم اور عقل سے پہلے میں انسان کی پہلی نسلوں



نے ہی ثابت اور قائم کیا ہے گویا انسانوں کی پہلی جاہل اور وحشی الافرجہ اور ناقص الطبع  
 انسان نے اس کو ہر بے بہا اور معقل یا صفا کی سبک بنیاد رکھی ہے اب اعتراض یہ  
 کہ جب علم کی اعانت اور معمول کے بغیر انسانی جماعتوں کی جہالت اور وحشت دور اور زائل  
 نہیں ہو سکتی تو پھر انسانی جماعتوں کی ابتدائی انسانوں نے کہ جو بتا سبند قول سلم بالکل  
 جاہل اور وحشی الطباع تھیں باوجود وحشت اور جہالت کے علمی بنیادوں کو کیونکر قائم  
 کر دکھایا اگر اس امر کو تسلیم کیا جائے تو ضرور یہ احتمال لازم آئے گا کہ علم منزل جہالت اور  
 قوت مدرکہ نہیں ہے بلکہ وہ خود جہالت اور وحشت کا پروردہ اور آورده ہے پہلے او سکھا  
 نام و نشان بھی نہ تھا جاہلون اور وحشیوں نے ہی او سکھو عالم ظہور میں ظاہر کیا ہے  
 احتمال تو یہ ضرور لازم آتا ہے مگر زمانہ کی موجودہ چال اور حال دیکھ کر طبیعت اس پہلو پر  
 پہلے کھاتی ہے کہ حضرت علم ضرور منزل جہالت اور مکمل قوت مدرکہ ہے کیونکہ زمانہ میں  
 جاہل اور وحشی الافرجہ لوگ باقی جاتے ہیں اونکی وحشت اور جہالت تب ہی دور اور زائل  
 ہوتی ہے کہ جب او کو علمی طاقتوں کی امداد نصیب اور حاصل ہو بلا حصول علمی طاقتوں  
 کے اونکی وحشت اور جہالت کی صورت میں زائل نہیں ہو سکتی جواب اس خدشہ یا اعتراض  
 یہ ہے کہ اس امر میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ انسان کی پہلی تسلیں ضرور وحشی الافرجہ اور مجہول  
 تھیں اور آئین بھی کچھ شک نہیں کہ اون انسانوں کے ہی علمی بنیادوں کے قائم کرنے  
 کے واسطے جرأت اور پیشدستی اور پیش قدمی کی اور اب تک جب قدر مختلف اہمیت اجا  
 عرقیان ہوتی ہیں اون میں پہلی بنیادوں پر ہوتی ہیں اور اس بات میں بھی شک  
 نہیں کہ اب علمی طاقتوں کو انسانی جماعتوں کے ہر یک قسم کی ترقی اور کمالیت اور تہذیب  
 اور بہبود اور بہتری اور خوشحالی اور الفاء اور پرہیزگاری اور دولت مندگی اور تو گری اور  
 استعداد اور لیاقت اور قابلیت کی جڑ اور اصل الاصول اور موجب اور باعث سمجھا جاتا ہے  
 سوار امداد علمی طاقتوں کے اگر کوئی شخص اپنی وحشت اور جہالت کو دور اور قوت مدرکہ کو

کامل (جسپر ساری نیکیوں اور ترقیوں کا دار ہے) کرنا چاہیے تو نامکن اور مشکل ہے مگر باوجود تسلیم ہر سہ امور مندرجہ بالا وہ اعتراض جو اوپر کی سطروں میں لکھا جا چکا ہے وارث نہیں ہو سکتا واضح ہو کہ حضرت صالح کامل واجب الوجود نے قدرتی طور پر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے انسان خالی بنیان کے بلبلع میں اس قسم کے مواد اور قوی و ولایت کر رکھے ہیں کہ جنکو قدرتی معلمین اور نچرل ماسٹروں کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے انسانی جماعتوں کی پہلی تسلیں ضرور وحشی الاضرہ تھیں مگر اونہیں قدرتا اس قسم کے مواد اور قوی بھی ضرور رکھے کہ جو انکو کسی نہ کسی قسم کی مدد اور اعانت نہ پہونچا سکتی ہتے یہ دستور اور قاعدہ کے بات ہے کہ جب انسان کو مختلف ضرورتیں اور حاجتیں لاحق حال ہوتی ہیں تو اسوقت اوسکی طبیعت میں ایک اضطرابی جوش پیدا ہوتا ہے اور اسکے مضطرب طبیعت اس بات پر آمادہ اور مستعد ہوتی ہے کہ پیش آمدہ یا ملحقہ ضرورتوں کو رفع کرے ایسے وقت میں طبیعت خود بخود اپنی قدرتی خزانہ کی طرٹ دیکھتی ہے تو اس میں سے اس قسم کے مواد اور سباب پیدا اور چھیا ہو جاتے ہیں کہ جو کسی نہ کسی جہت سے اضطرابی صورتوں کو رفع کر سکتے ہیں ہر ایک عالم اور جاہل انسان اپنی ذات میں ہی اس بات کو مشاہدہ کر سکتا ہے کہ ہر سی ایسی دقتیں یا مشکلیں ہیں کہ جنکو طبیعت درست یا رفع کر سکتی ہے اگر پورے طوڑ رفع کرنے پر قادر نہ ہوگی تو اسکی درستی یا رفع کے تدابیر تو ضرور ہی پیدا کر دکھائیگی جب انسانی طبیعت میں قدرتا یہ طاقت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ انسانی جماعتوں کی اعتباری نسلوں کو جب ضرورتیں اور مختلف مشکلیں پیش آئیں تو انہوں نے اضطراب کو وقت اپنی طبیعت کے وسیلہ اور ذریعہ سے قدرتی قوانین سے کام لیا اور انکی امداد اور شراکت سے اس قسم کے سلیم قواعد اور اصول وضع کئے کہ جو اخیر پر انکی اور انکی نسلوں کے حق میں اعلیٰ درجہ کی مفید ثابت ہوئی یہ اعتراض کہ جمالت اور وحشت علی طاقتوں کو کیونکر پیدا

کر سکتی ہیں اوس صورت میں درست اور صحیح تھا کہ جب ہم علمی طاقتوں کا موجود اور ظہر  
 جہالت اور وحشت کو قرار دیتے ہیں جب ہم علمی طاقتوں کا موجود اور ظہر قدرتی قوانین کو قرار  
 دیتے ہیں تو پھر اعتراض مذکور کہ جو رو دیا ایراد کا کیا اندیشہ ہے جب یہ بات بدیہی طاقتوں  
 ملن لیگتی ہے کہ انسان کی ذات میں قدرتی طور پر اس قسم کے مواد اور اسباب بھی ضعیف  
 اور ودیعت کئے گئے ہیں کہ جو بالذات مفید اور معقول ہیں تو پھر صرف انسان کی وحشت  
 اور جہالت کو علمی طاقتوں کا موجود قرار دینا بے اضافی نہیں ہے تو اور کیا ہے جب ہم  
 جہالت اور وحشت کو ایک خللت اور اندھیر قرار دیتے ہیں تو کیا ہو سکتا ہے کہ اویکو روشنی  
 اور ضیاء ان لبس اور قبول کریں کہ اوس کی امداد اور شرکت سے علمی طاقتیں ظاہر  
 ہوئی ہیں ہرگز نہیں۔

امر دوم علم باعتبار کلیت دو قسم پر تقسیم ہے علم معقول و علم منقول۔ علم معقول وہ علم ہے  
 کہ جہین اور عقلیہ کی بابت بحث کیجاوے اور جسکے اصول میں کل الحجت عقلی ہوں اس  
 تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب قوت عقلیہ بلا امداد و معاونت علم کمالیت اور  
 روشنی حاصل نہیں کر سکتے تو علم کو اوس سے کیون نسبت دیگئی ہے لازم تو یہ تھا کہ  
 عقل کو علم سے نسبت دیجائی کیونکہ اوسکو علم سے کمالیت اور روشنی حاصل ہے۔  
 جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ جس عقل سے علم کو نسبت دیجاتی ہے اوس عقل سے وہ  
 عقل مراد ہے کہ جسکو ہم قدرتی قانون بنیاد میں اکمل مانتے ہیں اوس عقل کے موافق  
 جب قدر اصول اور قواعد ہوتے ہیں اونکو عقلی علوم کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ  
 اونکی بنیاد قوانین پر مبنی ہوتی ہے کہ جو اوس عقل کے مطابق ہوتے ہیں  
 یہاں تک کہ یہ روشنی اور ضیاء حاصل ہوتی ہے حالانکہ اویک علم کو  
 اس سے پہلے اس سے اسلوب اور موسوم کیا جاتا ہے اسکا یہ فائدہ ہے  
 کہ یہ روشنی اور ضیاء حاصل ہوتے ہیں اور عقل کو علم سے ضیاء اور روشنی ملتی ہے

مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قضیہ مذکور کو خلاف واقعہ خیال کیا جاوے انسان کپڑا اور اور مختلف چیزیں آپ ہی ایجاد کرتا اور بناتا ہے اور وہ ہی اپنے ہاتھ کی بنائی اور ایجاد کی ہوئیں اپنے کام میں لاتا ہے اور اسکی ہیود اور آسائش اور آرام اور زیبائش کے واسطے ایک ضروری اور عمدہ ذریعہ بن جاتے ہیں کیا ہوجہ سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ چیزیں انسان سے فائق اور برتر ہیں ہرگز نہیں۔ اچھے عقل نے اجدا میں اپنی قدرتی طاقت اور زور سے علم کو پیدا کیا اور پھر وہ ہی علم اسکی محافظت اور نگرانی کے واسطے ایک اشد ضروری شے خیال کیا گیا ہے۔

انتہا علم معقول باعتبار مقاصد و مضامین بہت قسموں پر مقسم ہے اب جب قدر موجودہ علوم کو معقول علوم کہا جاتا ہے انکے سواے اگر اور علوم بھی معقول طور پر دریافت اور معلوم ہو سکیں تو کچھ تعجب نہیں جسے معقول ضرورتیں پیش آتی جاتی ہیں ایسی معقول علوم کا سلسلہ اور نمبر بڑھتا جاتا ہے ابتدا میں معقول علوم کا نمبر زیادہ نہ تھا اب انکو روز بروز رونق اور ترقی ہوتی جاتی ہے اور شاید آئندہ کے واسطے بھی یہ سارے سلسلہ جاری اور قائم رہے دنیا میں اب جب قدر علوم پائے جاتے ہیں یہ سب ضرورتوں کے پیش آنے سے ہے وضع اور پیدا ہوئی ہیں جیون جنوں انسانی نسلوں کو ضرورتیں پیش آتی گئیں دنوں دنوں مختلف علوم پیدا اور ظاہر ہوتے گئے اصل میں تمام علوم اور فنون موجود فی الخارج اور وہ علوم اور فنون جو ابھی ضرورتوں کے پیش نہ آنے سے ظاہر اور پیدا نہیں ہوئی قدرتی طور پر عقل کے قدرتی خزانہ میں پائے جاتے ہیں۔ علم معقول وہ علم ہے کہ جس میں امور نقلی کی بابت بحث کی جائے اور جسکے اصول میں بعض الجہت نقلی ہوں اور میں بعض الجہت عقلی علوم نقلی اگرچہ امور عقلیہ سے مربوط اور وابستہ ہوتے ہیں مگر ان میں بعض اعتبارات کی جہت سے امور عقلیہ کو بھی شرکت اور دخل ہوتا ہے کوئی ایسی نقل نہیں ہے کہ جسکے پر تال اور تالیاں کیونکہ

عقلی اصولوں اور قواعد کی ضرورت نہ پرتی ہو علوم نقلیہ کو اس وقت عروت اور اعتبار حاصل ہوتا ہے کہ جب عقلی قواعد اور اصولوں سے مناسب طور پر ٹکڑے کھا سکیں جب تک عقلی اصولوں اور قواعد سے مناسب طور پر ٹکڑے کھا ئیں تب تک عروت اور اعتبار رکھی گئے ڈگری نہیں مل سکتی کوئی ایسا نقلی علم نہیں ہے کہ جسکی صحت اور پرتال کے واسطے عقلی اصولوں سے کام نہ لیا جاتا ہو علم تاریخ بھی ایک نقلی علم ہے اسین اگر عقلی اصولوں کو جواب دیا جاوے تو سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑیگا علم تاریخ کے اغلاط کی اصلاح اور درستی کے واسطے ہمیشہ عقلی اصولوں سے کام لینا پڑتا ہے اگر عقلی اصولوں سے کام نہ لیا جاوے تو غلط واقعات سے صحیح اور حقیقی واقعات کا نکھارنا نہایت ہی دشوار اور مشکل ہو جاوے علیٰ ہذا القیاس امور مذہبیہ اور اصول مذہبیہ کو عقل سے جزوی طور پر منسوب کیا جاسکتا ہے اور انہیں بھی عقلی اصولوں کو نہایت مکرمت اور عروت سے شامل کیا گیا ہے تمام مذہبوں کی اصلی غایت خداوند کریم جل جلالہ و نعم لوالہ کا پہچانا ہے اس شناخت اور پہچان کے واسطے بھی عقلی اصولوں سے بہ شدت کام لیا جاتا ہے مگر مذہبی معاملات اور مقاصد اور امورات کو صرف عقل سے ثابت کیا جاوے تو شاید مخالفین مذہب پر حجت قائم کرنا سنت مشکل ہو جائیگا علم تاریخ اور امور مذہبیہ پر کیا موقوف ہے ہر ایک علم نقلی کے مضامین اور مقاصد اور غایات اور موقت بالوضاحت پائیدار ہو سکتے ہیں کہ جب انکے ساتھ عقلی اصولوں کو شامل کیا جاوے نقل میں اکثر واقعات ہی بیان ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ واقعات کے صحت اور پرتال کے واسطے عقلی اصولوں اور قواعد کی سخت ضرورت ہے جب تک واقعات مذہبیہ کو عقلی اصولوں کے محکم پر نہ لگایا جاوے تب تک انکا غلط یا صحیح قرار دینا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

امر سیوم قبل اسکے کہ امر سیوم کے اصلی بیانات کی طرف رجوع کیا جاوے اس بات کو نظر  
 ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انسان پر ہر ایک چیز یا ارادہ کی نسبت دو زمانہ آتے ہیں  
 ایک کرنے کا اور ایک کرنے اور کرانے کا۔ ان دونوں زمانوں میں کہیں تو مساوت  
 ہو جاتی ہے اور کہیں موافقت لینے کہیں انہیں سے ایک ہی زمانہ رہتا ہے اور کہیں تو  
 اکٹھے ہو جاتے ہیں ایک وقت میں انسان ایک امر کے کرنے کو بے طاقت رکھتا ہے  
 اور ایک وقت میں کرنے کی اور ایک وقت میں ان دونوں طاقتوں کا وجود پایا جاتا ہے  
 بالقوة تو ان دونوں طاقتوں کا وجود ہر ایک انسان کی ذات میں پایا جاتا ہے مگر  
 مگر یہ وقت میں بالفعل ایک طاقت نہیں ہوتی کسی امر کے کرنے یا کرانے کے حصول  
 اور قواعد میں تسوڑا ہی فرق ہے لکن نہایت ضروری ہر ایک وقت میں اس فرق  
 کو ملحوظ رکھنا چاہیے ہمارے خیال میں علم حاصل کرنے یا کرانے کے وقت مندرجہ  
 ذیل باتوں اور اصولوں کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

(۱) - آئین زمانہ سب سے اول آئین زمانہ پر خیال اور لحاظ کرنا چاہیے علم  
 حاصل کرنے والے یا کرانے والے پر لازم اور واجب ہے کہ حتی المقدور آئین کشش  
 کرے کہ آئین زمانہ کے اصول اور قواعد کے موافق کارروائی ہو دنیا کے ہر ایک چھوٹے  
 بڑی بات اور کام زمانہ سے متعلق ہے اگر آئین زمانہ کا واجب طور پر ساتھ نہ دیا جاوے گا  
 تو سوائے زیان اور نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا علم کو زمانہ سے بھی ایک نسبت  
 ہے اگر زمانہ کے آئین کو ملحوظ نہ رکھا جاوے تو علوم کا مفید ثابت ہونا ایک مشکل امر ہے  
 فلاسفوں کا قول ہے کہ زمانہ ایک چوپان اور محافظ کار تہہ رکھتا ہے جو شخص اوس چوپان  
 اور محافظ کی حفاظت اور نگرانی میں رہنا پسند کرتا ہے وہ مختلف نقصانات کے  
 اٹھانے سے مامون اور مصون رہتا ہے اور جو آدمی اوس قدرتی چوپان اور محافظ  
 کی حفاظت اور نگرانی سے نکل جاتا ہے خراب ہوتا ہے زمانہ کی دوری خدا کی یہ قید

میں ہے وہ حقیقت چاہتا ہے اور سکو گردش اور چکر دیتا ہے اور جس پہلو پر چاہتا ہے  
 پہنچاتا جاتا ہے زمانہ جتنا گذرتا جاتا ہے اسی قدر اوسکی حالتیں بدلتی جاتی ہیں آج کا  
 دن کل سے اتنا نسبت پہلے کہ زمانہ اور کل کا بین پریمون اتیریمون سے متاثر ہو گا ہر یک  
 شے اور ہر ایک ترین زمانہ کی تاثیر زمانہ سے متاثر ہوتا ہے جو زمانہ اتنا ہے وہ اتنا ہی اصل  
 اور زیادہ متاثر کا رتبہ کہتا ہے اوسکے اصول اور ڈھنگ پہلے زمانہ سے متاثر و متاثر ہوتے  
 ہیں پہلے زمانہ کے چال اور ڈھال کس روش پر ہوتی ہے اور دوسرے کی کسی ٹھکان  
 جیسا اپنے گورنٹ وقت کے احکام اور قوانین کے خلاف چلنا خلاف ادب اور موجب  
 نقصان ہے اسی طرح پر زمانہ کے چال کی مخالفت موجب اذہار اور باعث نقصان ہے  
 علوم کے حاصل کرنے یا کرنے میں ضروریات اور ملزومات میں سے ہے کہ موجودہ زمانہ  
 کی حال ڈھال اور آئین کو ملحوظ رکھ کر کام شروع کیا جاوے جن علوم اور فنون کو زمانہ  
 ضروری بتلاتا ہو اور جن کو حاصل کرنا یا کرنا چاہیے اگر زمانہ موجودہ کے چال اور اصول  
 کے خلاف علوم اور فنون کو حاصل کیا یا کرنا گیا تو بجائے فوائد کے سخت سے سخت تکلیفون  
 اور نقصانات کا متحمل ہونا پڑے گا اور وہ بات جو علوم کے حاصل کرنے یا کرنے سے مد نظر  
 اور ملحوظ ہوتی ہے کی صورت میں حاصل نہ ہوگی جن لوگوں نے موجودہ زمانہ کے چال  
 اور اصول کے خلاف علوم اور فنون کو حاصل کیا یا کرنا ہے اوسکے حالات اور بیانات  
 سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اذکو زمانہ کی مخالفت کے باعث علوم اور فنون کے  
 حاصل کرنے یا کرنے سے متعدیہ فائدہ حاصل نہیں ہوا بلکہ بجائے حصول فوائد کے  
 مختلف مصائب اور مصائب کا متحمل ہونا پڑا ہے اگر انسان اپنی ترقی اور بہبود کا  
 خواہشگار ہو تو اوسپر لازم ہے کہ اپنی رفتار اور خیالات کو ٹھیک ٹھیک موجودہ زمانہ  
 کے اصولوں کے موافق بنائے جس روش پر زمانہ چلے اسی روش پر اوسکو چلنا لازم ہے  
 اگر ہم موجودہ زمانہ کی روش اور اصولوں کو چھوڑ گئے گذرے اور پرانے زمانہ کی روش

اور اصولوں پر چلنے کو ہلکو کی صورت میں ترقی اور بہبود کی دگر بنی نہیں مل سکتی ترقی اور بہبود کی توقع رکھنے کے واسطے دلائل کا ہونا ضروری ہے اور دلائل کا ہم پہونچنا بہتر اس صورت کے صورت پر نہیں ہو سکتا کہ جو یہ زمانہ کے اصولوں سے موافقت کیجاوے ہر ایک قسم کی انسانی ترقی اور خوشحالی اور بہبود میں جو زمانہ کی روشنائی اور روشن قسم نامور ہو اور وابستہ ہے جب تک انسانی جماعتیں ایک زور اور صداقت کے ساتھ موجود زمانہ کی روشنائی اور اصولوں کو نہ اختیار کرینگے تب تک ترقی اور خوشحالی کا ملنا ایک دشوار اور مشکل امر ہے کیا ممکن ہے کہ ایک شخص بلا کم و بیش تھری یا کسی اور جیٹیم کے آگے ایک اونچی گسائی یا جگہ پر چڑھ جائے ہرگز نہیں خداوند کریم نے دنیا کی ہر ایک ترقی اور ترقی کو مختلف جبل اور سبب سے مربوط اور وابستہ کر رکھا ہے لازم اور جیسا ہے کہ اس جبل اور سبب کو ضرورتاً ساتھ لیا جاوے تاکہ کامیابی حاصل ہو۔

(۲) (تخصیص و تشخیص علم) قبل از علم حاصل کرنے یا کرانے کے لازم اور ضروری ہے کہ بالعموم میں سے کسی علم کو خاص کر بنیاد حاصل کرنے یا کرانے والا کسی علم کو خاص اور شخص نہ کر لیا جاتا ہے تاکہ حاصل کرانے میں بہت دقتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے ہر ایک کام کیا اور کرایا جاسکتا ہے لکن جب تک کوئی کام خاص طور پر خاص اور شخص نہ ہوئے تب تک مشکلات کا پیش آنا کوئی تعجب اور مشکل امر نہیں ہے کسی علم کی تخصیص اور تشخیص کے واسطے بالعموم اولیٰ اصولوں اور قواعد پر لحاظ کرنا چاہیے کہ جنکو ہم نے امر نبرہ میں بیان کیا ہے۔

(۳) - علم حاصل کرنے یا کرانے کی واسطے ماسٹر یا استاد کا مقرر کرنا نہایت ضروری ہے اس تقرری میں اعلیٰ درجہ کی دانائی اور دورانہ کشی درکار ہے اگر اس میں دانائی اور عقل و فکر سے کام نہ لیا جائیگا تو نقصان اوشٹا نا پڑیگا ہر ایک انسان پر دو زمانہ آتے ہیں ایک حاصل کرنے کا اور ایک کرانے کا۔ حاصل کرنے کا زمانہ بھی دو شعبوں پر



منقسم ہے ایک وقت میں تو اس زمانہ میں ماسٹر یا استاد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک وقت میں حاصل کرنا تو ضرور ہوتا ہے مگر اس زمانہ میں ماسٹر یا استاد کے چند یا بالکل ضرورت نہیں ہوتی کچھ کرنا پڑتا ہے اب ہی کرنا پڑتا ہے۔ پہلے زمانہ میں ماسٹر کی بنیاد ضرور رہتی تھی کیونکہ اسی زمانہ میں علم حاصل کرنے والا مقدر طاقت اور ذہن رسا نہیں رکھتا کہ بلا امداد ماسٹر علی مطالب اور مقاصد پر پوری طور کا سیلاب ہو سکے ماسٹر یا استاد کے ہاتھ میں علم حاصل کرنے والے کی اوقات اور عمر کا درست کرنا اور اچھے نمونہ پر لانا پڑا ہے اور ہر ایک قسم کی برائی یا بھلائی کا شروع اوسیکے ہاتھ سے ہوتا ہے اگر علم حاصل کرنے والے بگڑتے ہیں تو ماسٹر کی عدم توجہی یا جہالت سے ہی بگڑتے ہیں اور اگر سب رتے ہیں تو استادوں کی توجہ اور لیاقت سے ہر ماسٹر یا استاد کے انتخاب کے واسطے مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اولاً ماسٹر یا استاد اس علم یا فن میں کہ جسکا حاصل کرنا یا کرنا نہ نظر ہو اس قدر لیاقت اور استعداد رکھتا ہو کہ جو اس علم یا فن کی ضروری ضروری مقاصد اور مقاصد کے ذہن نشین کرانے کے واسطے کافی ہو۔ ثانیاً ماسٹر یا استاد کے نورل طاقین اور اصول اس وضع اور اس قسم کے ہونے چاہیے کہ جو عام معائب اور نقصانات سے پاک اور صاف ہوں اگر ماسٹر یا استاد کے نورل طاقین اور اخلاقی اصول محبوب اور ناقص ہوں تو اس سے طلباء کی اخلاقی زندگی کو سخت نقصان پہونچنے کا احتمال ہے طلباء کو ایک مدت تک شب و روز اسٹرون کج دست میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحبت میں رہنے سے انسان متاثر ہو جاتا ہے خصوصاً اول صحبت سے کہ جسکے ساتھ کچھ بخوڑی سی یا کسی قسم کی ایک طرف سے حکومت اور دوسری جانب سے مجبوری بھی تہیز و تنہیز رہتی ہے وجہ صحبت موثر ثابت ہو چکی ہے تو ضرور اسٹرون

حجبت میں رہ کر بگڑ جاتے ہیں اور نکاح پر درست ہونا ایک مشکل اور ناممکن امر ہے اگر انہیں سے کوئی درست ہو بھی جاتا ہے تو نہایت مشکل اور وقت سے لازم اور فرض ہے کہ ماسٹرون یا استادوں کو اعلیٰ درجہ کی عقل اور فکر اور دور اندیشی سے انتخاب کیا جاوے اگر سوچ سمجھ کر ماسٹرون کو منتخب کیا جائیگا تو طالب علموں کی اصلاح اور ترقی کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوگا ماسٹرون کے انتخاب کے وقت جلدی اور عدم دور اندیشی کو دخل دینا نہایت ہی معیوب اور مذموم ثابت ہوا ہے ماسٹرون کے بری اور بے ڈھنگی انتخاب سے صرف طلباء کی ذات کو ہی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اور لوگوں کو بھی ان کے سبب نقصانات کا تحمل ہونا پڑتا ہے جس زمانہ میں ماسٹرون یا استادوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس زمانہ میں انسان کو سب کچھ آپ ہی کرنا پڑتا ہے اس زمانہ میں انسان کی قوت متفکرہ اور خیالیہ بجائے مدبر ماسٹر اور دانا استاد کے ہوتی ہے ایسے وقت میں انسان کے واسطے استقلال طبع اور استقلال مزاج ضروری امر ہے جب تک استقامت طبع اور استقلال مزاج نہ ہو تب تک ایسے زمانہ میں علمی مقاصد اور مطالب پر کامیاب ہونا ایک مشکل اور ناممکن امر ہے انسان کو بڑے زور سے اس امر کے حاصل کرنے میں کوشش اور سعی کرنی چاہیے تاکہ اس کی طبیعت اور مزاج محور استقامت اور مرکز استقلال قائم ہو کر کارروائی کرے علوم کا خود بخود حاصل کرنا اگرچہ اس شخص پر جس نے ابتدا میں باضابطہ تعلیم پائی ہو اور مختلف ماسٹرون کی تادیب اور با اصولوں کا بلون کی جو کمین دیکھی ہوں آسان ہے مگر اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ باوجود اس آسانی اور سہولت کے پھر بھی اس قسم کی دقیقین اور مشکلات پیش آتی ہیں کہ جبکہ حل کرنے کے واسطے بڑی استقامت اور استقلال کا رہبر ساتھ لینا ضروری اور لازمی ہے جب تک یہ دو مدوجن ساتھ نہ ہوں تب تک حصول کامیابی کی امید ایک ہوم آپیج

(۴) علم حاصل کرنے یا کرانے کے واسطے ضروری اور لازمی امر ہے کہ ایسے اشغال اور انکار سے قطعاً احتراز کیا جائے کہ جو بالذات حصولِ علوم کے مانع اور مزاحم ہوں انسان کی طبیعت بڑی نازک اور ستونِ الحالت ہوتی ہے اور اسکی واسطے ذرا بھی غافل یا غلطی ہو کر نیال کیا گیا ہے انسان کی طبیعت اسی صورت میں کسی خاص امر کو جو جس حال کر سکتی ہے کہ جب اسکی مقابلہ میں موانع اور مزاحمت کا وجود نہ ہو علم کا حاصل کرنا یا کرنا نہایت ہی مشکل ہے زمانہ تحصیل یا حاصل کرانے میں اگر قسم کے مخلوق پر کاوش اور موانع حاصل ہونے کا قوی احتمال ہے کہ جو بالذات سلسلہ تعلیم و تدریس کے اشد اور اتہری کے واسطے کافی ہیں انسان کی طبیعت ہوشیاریت اور مرکز قبول کرنا چاہتی ہے کہ جسمیں ہر ایک قسم کی آسانی اور سہولت ہو اوس امر کو کہ جس میں پیدا کرنے کے واسطے محنت کا اٹھانا ضروری ہو نہایت وقت کے ساتھ قبول کر لیتی ہے انخصوص جب ایسے امر کی تحصیل یا حاصل کرانے میں ہرگز کوئی ممانعت یا ممانعت نہ ہو تو زیادہ تیزی کا ہل اور غافل ہو جاتی ہے۔ اس امر میں کچھ شک نہیں کہ چند مدت تک علوم کا حاصل کرنا یا کرنا نہایت ہی مشکل ہے ضرور انسان کی طبیعت اوکھڑ جاتی ہے خصوصاً اوس نازک موقع پر کہ جب اوسکو مختلف قسم کے موانع اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے مختلف قسم کی رکاوٹیں اور موانع اور صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جب انسان کے مزاج اور طبیعت پر قسم قسم کے اشغال اور افکار کا ورود اور ہجوم ہو جب مختلف قسم کے موانع اور رکاوٹوں کا ورود اور ہجوم صرف اشغال اور افکار کا ہے موجب اور اثر ہے تو لازم اور ضروری ہے کہ طبیعت کو اشغال اور افکار سے مامون اور معصون رکھا جاوے تاکہ رکاوٹوں اور موانع کا ظہور اور حدوث نہ ہو اشغال اور افکار کا بند اور دور ہونا یا کرنا اوس صورت میں ہو سکا ہے کہ جب ہماری طبیعت یکسو اور مستقل ہو ہماری طبیعتیں صرف علم کے

ما حاصل کرنے یا کرانے کی جانب متوجہ ہونے لازم ہیں اور ہمیں اس قسم کی یکسوئی اور استقلال در کار ہے کہ اونکو اور اشتغال اور افکار کی مطلقاً خبر ہی نہ ہو اگر خبر ہو تو دیرہ و وائسہ اونکی طرف متوجہ نہوں جو لوگ ضابطہ کے طور پر دوسرے ماسٹر یا استادوں سے تعلیم اور تربیت حاصل کر چکے ہیں اونکے واسطے اور اشتغال اور افکار کا اپنی طبیعتوں میں جگہ دینا معیوب نہیں ہے کیونکہ اونکو اور مختلف اشتغال اور تفرق افکار کا پورا کرنا بھی ضروریات میں سے ہے اور اونکی طبیعتیں بوجہ متقاضی اور استقلال اشتغال اور افکار کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہیں۔

(۵)۔ علم حاصل کرنے یا کرانے کے زمانہ میں طلب کو اس قدر مجبور اور پابند نگہنا چاہیے کہ جس میں اونکو قواسے اور طاقتیں بالکل کمزور اور ضعیف ہو جاویں۔ بلکہ اونکے واسطے اس قسم کے اشتغال بہم پہنچانے لازم ہیں کہ جنکے پورا کرنے سے اونکی قوتیں اور طاقتیں اپنے اپنے مرکز پر ثابت اور قائم نہ کر روز بروز زوال و رونق بکڑیں طلب کو سارا دن قیدیوں کی طرح باندھے اور جکڑے رکھنا اصول کے خلاف ہے طب اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ انسانوں کی طاقتوں اور قوتوں کو بجا طور پر نقصان پہنچا کر کمزور یا ضعیف کیا جاوے طب کے اصول اوس روش اور طریق عمل کے بالکل خلاف اور متفاوہ ہیں اونکا یہ ہرگز منشا نہیں کہ طالب علموں کو صرف تعلیم پر ہی مستور اور مجبور کیا جاوے اونکا یہ منشا اور اصول ہے کہ طالب علموں کی بدنی صحت اور تندرستی کے قائم اور ثابت رکھنے کے واسطے کسی نہ کسی قسم کی محنت اور ریاضت کا مقرر کرنا ایک لازمی اور ضروری امر ہے جب تک طلب کو بدنی صحت اور تندرستی لغیب اور حاصل نہوگی تب تک علوم اور فنون کا کامل اور عمدہ طور پر حاصل کرنا مشکل امر ہے ایسے طالب علم کہ ایام تعلیم میں جنکے واسطے کوئی بدنی ریاضت مقرر نہیں ہوتے بعد ایام تعلیم کے نہایت ہی ضعیف القوی اور

نحیف البدن ہو جاتے ہیں سوائے اسکے کہ سجدہ یا مندر و ن میں کتاب کے کپڑے  
 بنے رہیں اور کسی کام کے نہیں رہتے نہ مزدوری کر سکتے ہیں اور نہ ملٹری کاموں میں شامل  
 ہو سکتے ہیں اور نہ کسی نوہرہ اور محنت کے کام میں پورے اوتار سکتے ہیں اگر کسی نے  
 سجدہ یا مندر و ن میں بیٹھے بٹھائے روئی اور بھون لادیا تو بہتر و نہ پہرون بھوکے ہی پرکا  
 سراپ دیتے رہے جو لوگ ذرا کچھ طاقت در اور بدن کے مضبوط اور فرہ تازہ ہوئے  
 وہ سوائے لکھنے پڑھنے اور نازک کاموں کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے دو چار میل پیدل  
 چلنا ان کے واسطے ایسا دشوار اور مشکل ہے کہ گویا سریر ایک بڑی بلا پڑ گئی یہ کم ہمتی  
 اور کمزوری اور کمالی صرف اس واسطے ہے کہ ایام تعلیم میں ان کو کسی کڑی محنت طلب  
 کام پر لگایا نہیں جاتا اس سبب سے ان کی طاقتیں کمزور ہو کر پست ہو جاتی ہیں  
 اور وہ محنت طلب اور زور آور کام کرنے سے رہ جاتے ہیں اگر ایام تعلیم میں بعلو  
 کے واسطے ریاضتیں کام اور اشغال مقرر کیجاوین تو ان کی قوتیں اور طاقتیں ضرور  
 مضبوط اور زور آور رہیں اور بعد ایام تعلیم و تربیت آرام اور مضبوطی سے زندگی بسر  
 کریں جو لوگ علم پڑھ جاتے ہیں وہ دنیا کی محنتوں اور کاموں سے سبکدوش نہیں  
 ہو جاتے ان کو بھی اس سطح پر دنیا کے مختلف کاموں اور متفرق ضرورتوں کو پورا  
 کرنا اور نپانا پڑتا ہے کہ جس طرح بر اور ساری مخلوق پورا کرتی اور نپاتی ہے۔  
 جب علم کا حاصل کرنا انسان کو دنیا کے مختلف کاموں اور محنتوں اور زندگانی کے  
 ضروری ضروریات سے سبکدوش نہیں کر سکتا تو پھر جان بوجھ کر اپنی انسان کو  
 ضعیف القوی اور نحیف البدن بنانا و انائی اور دور اندیشی کے خلاف نہیں ہے  
 تو اور کیا ہے انسان کے قوی اوی صورت میں صحیح اور سالم رہ سکتے ہیں کہ جب ان کو  
 مناسب ریاضت کا مانوس اور خوگیر بنایا جاوے البتہ آئیں کچھ شک و شبہ نہیں  
 کہ طلاب کو ناجائز کھیل کود سے ضرور منع کرنا چاہیے کیونکہ اس سے سلسلہ تعلیم کی

عہدگی میں فرق آنے کے علاوہ باعث نامناسب اور بے ڈھنگی کھیل کود کے طالب علموں کی صحت اور تندرستی میں بھی فرق اور کوئی نقصان اور ضرر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے طالب علموں کے واسطے جو ریاضت مقرر ہو اس کے باقاعدہ پورا کرنے کے واسطے کسی ہوشیار کپتان یا ماسٹر کے تعین کی ضرورت ہے جب تک نا تجربہ کار طالب علموں کے سر پر کوئی ہوشیار کپتان یا مدبر ماسٹر مقرر نہ کیا جاوے گی تا تک صحت مقرر اور معینہ کا اعتدال اور فائدہ اور نتیجہ حاصل نہوگا طالب علموں کی طبیعتیں استقامتی و فزون میں باعث نا پختگی عقل و نا تجربہ کاری اس قدر مدبر اور مجوز اور متحمل اور دور اندیش نہیں ہوتیں کہ اپنے طور پر ہر کسی دوسرے ہوشیار اور ذانا شخص کے حاجی نگرانی اور حفاظت کے کسی امر کی غایت اور فریاد کو حاصل کریں اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ یہی حالتوں میں خود مختاری کے باعث آپس میں لڑائی اور فساد ہو جاوے اور اس کا تعلیم اور تربیت کے واسطے مضر اور نقصان رساں ہو اگر ان تلامذہ الافرنجہ اور نا تجربہ کار طالب علموں کے ساتھ کسی ہوشیار مستعد کپتان یا مدبر ماسٹر کو مقرر کیا جاوے تو سب قسم کے احتمالات رفع ہو جاوینگے اور طالب علموں کو اس کپتان یا ماسٹر کے تدبیر و تجویز یا تجربہ کے استعمال اور دیکھنے سے اپنے طور پر بھی مادہ تدبر اور طاقت تجویز و تجربہ حاصل ہو جاوے گی جو ان کی اگلی عمر یا زمانہ کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوگی۔

(۴) - امر چہارم علم حاصل کرنے یا کرانے کے واسطے سند درجہ ذیل وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس کے سواے اور بھی بہت سے وسائل ہیں مگر انکو کمالیت اور کلیت حاصل نہیں یہ وسیلہ ان سب پر محیط اور محتوی ہے۔ امر چہارم کے بیان کرنے میں تین لفظ سند درجہ ذیل یعنی ولی جائز اور زمانہ تمیز اور تدبیر ضروریہ مستعمل ہوں گے چونکہ ان الفاظ کو مختلف معنوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس واسطے خاص طور پر انکے معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ولی جائز کے لفظ سے ہر ایک ایسا ولی مراد ہے

کہ جیسا اعتبار یا پاپ یا مان یا سہائی بہن یا کوئی اور رشتہ دار یا ہمت اور قسط خانہ یا محظوظ  
یا نگران ہوئے کسی دلی جائز کے لقب سے ملحق ہو۔ زمانہ قید سے وہ زمانہ مراد ہوگا۔  
کہ بہن ہر ایک انسان تعلیم اور تربیت کے لائق ہو جاتا ہے۔ عام اس سے کہ کسی  
قسم کی تعلیم و تربیت ہو اور عام اس سے کہ اسکے زمانہ مذکور میں تعلیم دیا جاسکے یا نہ  
دیا جاسکے۔ تدابیر ضروریہ سے وہ تدابیر مراد ہیں کہ جو دلی جائز کی طرف سے انسان  
کی تعلیم اور تربیت کے واسطے ضروری الوجہ دہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان کی ابتدائی  
حالت جو تعلیم پیدا ہونے اور ولادت کے شروع ہوتی ہے۔ عموماً چار قسموں میں تقسیم ہے  
اولیٰ یا تو انسان پیدا ہونے کے وقت اپنے آپ کو ایک ایسے دلی جائز کے زیر سایہ  
پائیگا کہ اسکے تیز پڑنے تک اسکے سر پر قائم نہ رہیگا خواہ کسی سبب سے ہو۔

دوم یا ایک ایسے دلی جائز کے زیر سایہ پرورش پا کر زمانہ تیز ترین قدم رکھیگا۔ جو  
بہمہ صورت مستعد اور ہوشیار اور لائق اور صاحب تدبیر اور صاحب مال و زر ہو۔  
سوم یا ایک ایسے دلی جائز کے زیر سایہ پیدا ہوگا کہ جو باوجود ہوشیاری اور استعداد  
اور لیاقت اور خوش خیالی کے بعض اسباب متعلقہ مثل افلاس و ناداری و افکار کشیدہ و  
علاست وغیرہ سے مجبور و ناچار ہو کہ تدابیر ضروریہ و تجاویز لازمیہ سے قاصر اور غاری  
چہارم یا ایک ایسے دلی جائز کے زیر سایہ پیدا ہوگا کہ باوجود بقا ذاتی و توکلی خوشحالی  
وغیرہ باعث بے علمی و بے وقوفی و کاملی و غفلت و عدم دوران دلی و غیرہ تجاویز لازمیہ  
اور تدابیر ضروریہ کے پیدا کرنے اور استعمال میں لاسے یا قائم رکھنے سے قاصر اور غاری  
یہ ہر چار باتیں اور صورتیں ایسی کثیر الوجود اور کثیر الوقوع ہیں کہ کسی صورت میں  
انکے وجود اور تاثرات سے انکار نہیں ہو سکتا۔

ہر انسان میں ان چاروں صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت کا وجود اور نشان  
پا جاتا ہے جب یہ ہر چار صورتیں ضروری الوجود اور کثیر الوقوع ہیں اور کوئی انسان

انے خالی نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے یا کرنے کے واسطے پہلا وسیعہ ایسے  
 ولی جائز کا ہونا ہے کہ جو ہر ایک طرح کے مستعد اور پویشیار اور لائق اور دانا اور صاحب  
 اور صاحب دوا و اندیشی اور زمانہ موجودہ کی حالتوں اور صدیوں اور روٹوں کو جانتے  
 اور سمجھنے والا ہو مگر انہوں سے کہ ایسا ولی جائز تمام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا  
 اگر انسانی جماعتوں میں سے اکثر اشخاص کو خوبی قسمت سے ایسا ولی جائز حاصل ہوا  
 بھی تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ کل دنیا یا دنیا کے ایک مخصوص ملک  
 کے رہنے والوں کو اس قسم کا ولی جائز حاصل ہے یا یہ کہ وہ تمام انسانی انسانوں کے  
 واسطے اور مفید ہے اس بات میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ جب تک علم حاصل کرنے والے  
 کو اوصاف مذکورہ کا ولی جائز حاصل نہ ہو تب تک سلسلہ تعلیم و تربیت ایک خوبی اور  
 استقامت سے قائم اور ثابت نہیں رہ سکتا ہے باعث یہ کہ ملک ہندوستان کے اکثر  
 غیر ملکیوں نے تعلیم و تربیت و تہذیب و شائستگی ترقی و بہتری خوشحالی و حسن معاش  
 کی ضروری دیگر لوگوں کے حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں اور اونکے ایسے بھروسے اور  
 ناقص حالت کو سبب خاندان اور معزز نگارنے برباد ہو جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان  
 کی تمام انسانوں کو جو تعلیم و تربیت پاسے اور تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کے  
 لائق ہوتے ہیں اوصاف مذکورہ کا ولی جائز حاصل ہو تو تعلیم و تربیت کا سلسلہ  
 ایک خوبی اور محکم سے قائم اور ثابت رہے کہ ملک اور قوم کے حق میں کہ اسے فائدہ بخش  
 ثابت ہو جو انسان تعلیم و تربیت پانے کے وقت میں اوصاف مذکورہ کے ولی جائز کے  
 ساتھ اور مدد سے محروم رہ جائے وہ شاید کسی شاذ و نادر صورت میں ہی تعلیم و تربیت کے  
 صیغہ میں کامیاب ہو گا مگر غالب یہ کہ ایسا شخص یا ایسی نسلیں خراب و خستہ ہو کر  
 ملک و قوم کے حق میں نقصان رسان اور ننگ ثابت ہونگے اب ہر کو نقصان اور عدالت  
 اور ہمدردی انسانی کے تقاضا سے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ چاروں قسم کے غیر ملکی



اور ضروری الوجود لیون میں سے ایک ہی ایسا ولی جائز ہے کہ جب کا وجود انسانی نسلوں  
 کے حق میں مفید ثابت ہوا ہے باقی اوصاف کے تین ولی مفید نہیں ہیں ایک ہی ایسا  
 جمعی جائز ہے کہ جو سلسلہ تعلیم و تربیت کے قائم رکھنے اور انسانی نسلوں کے ہند اور  
 لائے بنانے کے واسطے کافی شمار کیا گیا ہے باقی کے ولی جائزہ شخص بربادی اور خرابی  
 کے موجب ہیں انکا عدم اور وجود برابر ہے جو ولی جائز کر گیا یا کسی اور سبب سے معدوم  
 ہو گیا اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو ولی باوجود لیاقت اور ہوشیاری کے  
 افلاس اور ناواری اور تنگی وزیر باری سے مجبور ہو وہ کیا کر سکتا ہے جو ولی باوجود  
 دولت مندی اور تو نگری کے وحشی الطبعیت ہو او سکی تجویزین اور تدبیرین کیونکر  
 مفید خیال کیجا سکتی ہیں۔ جب تک ایک ہی ولی جائز جو عام طور پر نہیں پایا جاتا  
 انسانی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے واسطے کافی اور مفید ہے تو بڑی خرابی اور بربادی  
 کا موجب ہو گا کیونکہ لازم تو یہ ہے کہ انسان کی تمام نسلیں دیور تعلیم و تربیت سے مزین  
 اور مزین ہوں اور یہاں یہ حالت مقصود ہے کوئی ایسی تجویز کرنی چاہی کہ جسے  
 عام طور پر ولی جائز کا رتبہ پیدا کر کے ہر ایک شخص کی نسل کو خاص طور پر تربیتی اور  
 علمی فائدہ پہنچایا جاوے قدرتی طور پر تو یہ ضروری رتبہ مل نہیں سکتا ہاں اگر  
 انسانی نسلیں یہ نہایت مجموعی اس رتبہ کے پیدا کرنے میں کوشش کریں تو کچھ مشکل  
 نہیں کیونکہ اور قوموں کی کوششوں سے اس قسم کے مراتب پیدا ہو چکے ہیں۔  
 ملک ہندوستان میں سے جائز ولیون کا جو اوصاف مذکور سے موصوف ہوں  
 پایا جاتا نہایت مشکل ہے یہی باعث ہے کہ ہندوستان کی نسلیں روز بروز علمی  
 اور جمالت کے دریا سے طبع میں غرقاب ہوتے جاتے ہیں اور ہندوستان کے  
 معزز سر آوردہ خاندان اور گھرانے جو اگلے وقتوں میں اپنی شرافت ذاتی اور  
 علم و فضل کے سبب مشہور و معروف تھے برباد و دریا گمان ہو کر کوڑھ ہو کر کٹ بیٹھ

اوڑ رہے ہیں ہندوستانیوں کی عزیز الودہ نسلیں اور کھت جگر جب جوان ہوتے  
 ہیں تو عموماً ایسی ردی اور ناقص الحالت میں ہوتی ہیں کہ جنکو ہندوستان کا  
 ننگ و عار کہنا ذرا بھی زیادتی نہیں ہندوستان کے شریفوں اور اسیروں اور  
 غریبوں کی نسلیں جائز و لیون کے ہنولے کے سبب و دیاسے حماقت اور بجر حماقت  
 میں بہ رہی ہیں۔ بجائے شریف اور مہذب بننے اور علم اور فضل اور شائستگی  
 اور بہتری اور ترقی حاصل کرنے کے بدعاش اور لونڈو اور باش منکر دین و مذہب  
 بطل ذات باری رندھی باز۔ شراب نوش۔ جواری۔ چرسی۔ بہنکے  
 رہن۔ چور۔ سناٹق۔ کاکل۔ بکے علم بے عقل مدہ بدہ فاسق فاجر  
 احمق و جاہل بدخلق بے ادب و بدرو و بدروش بے سلیقہ فضول خرچ کم گوش  
 ضدی مغرور بے قدر و بے عزت متعصب و ہٹ و جسم مغلس و کنگال جشی  
 وغیرہ مہذب کثیف و خبیث یا وہ گو بے وقوف تنگ خاندان بجاتے ہیں یہ تیز  
 اسوائے ظہور میں آتی ہیں کہ ایام مناسبہ میں ایسے لوگوں کے سر پر دلی جائز کوئی  
 نہیں ہوتا فقر بے ہمار کی طرح جسے جل پڑے جل پڑے کوئی پرسان نہیں  
 نہ کوئی قاعدہ نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی ڈھنگ نہ کوئی طریق ہے اگر شراب نوشی  
 اور رندھی بازی کا چمک پڑ گیا تو پھر کیا جا رہی دن میں گھر بار کو خاک سیاہ کر دیتا  
 اگر قمار بازی پر دل آگیا تو اپنا پراپا سب کچھ او جاڑ دیا اگر بھنگ اور چرس پر شیدا  
 ہو گئے تو لگے ہر روز قح پر قح چڑھانے اور دم پر دم لگانے اگر چانڈ و دک اور  
 گانہ پر دلیل آگئی تو اللہ ہی حافظ اگر شہدوں اور گچوں اور ارجلوف ناچار کے  
 صحبت میں رہنے کی لت پڑ گئی تو شب و روز او بھین سے خلا ہے نہ باو کی خبر  
 نہ بیوی کی خبر بال و بچہ عیال و اطفال بھوکے مرتے ہیں اور میا نصاحب چشم بدو  
 قح بھنگ یا دم چرس ہاتھ میں لیے گل چھترے اوڑا رہے ہیں اگر فضول خرچی اور

فنق و فخر کی طرف سیلان ہو گیا تو دوسری دن میں اہلک جدی اور وراثت پیری کے  
 ٹکے کھڑے کر لئے اگر یون بھی پوری نہ بڑی تو چوری چکاری سے ہاتھ رنگ لپی سر رو  
 بازاروں اور گلیوں میں زیندلیوں اور فاحشہ عورتوں کو چھیڑتے اور چھڑاتے دیکھتے  
 اور کہاتے پھر تھے ہیں نہ اپنی عورت پر نظر نہ اپنے سلف کی عورت کا خیال  
 اگر تھٹھون اور سحر کے کی طرف خیال آیا تو دنوں میں ہی کمال کر دکھایا بجانوں  
 اور قلبیوں کے کان کاٹنے لگے اگر کفر و کاد کی طرف تھک پڑے تو بزرگ و ملی  
 اوتار چھوڑ کر خدا سے بھی منہ موڑ لیا اگر آزادی پر نظر ہوئی ۔۔ (آزادی کی مراد)  
 حقیقی آزادی کی مذمت مراد نہیں کیونکہ وہ قوم کے سوانح سے تھا (زمانہ)  
 اپنے پرانے خور و بزرگ چھوٹے بڑے سب کہ ایک ہی لاشی سے ہانکا افروز اور  
 کا کیا پوچھنا کا سہ گدائی ہاتھ میں سے شہر کے چاروں کوسے پھر تھے دن بہ دن  
 کرتے بھرتے ہیں کہ مین سے گلوہ لہاؤ سے بے علمی اور بے لیاقتی کا یہ نتیجہ ہے کہ  
 سوائے چند چھوٹے قصبے کہا نیوں کے اور کچھ بڑی ہی نہیں اتفاقاً ان کی یہ  
 صورت، تا کہ قوم قوم سے اور بھالی بھالی سے باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے  
 لڑ جھگڑا رہے گا بل اور مغرور ہندو رجہ کی کہ خدا کی پناہ انصاف اور خیال کر کے  
 موقع ہے کہ جس ملک کی نسلیں اس قدر اتبر و خراب حالت میں ہوں وہ ملک اور اس  
 ملک کی قوانین غیر ملکوں اور غیر قوموں کی نفروں میں کیا رہتہ رکھتے ہونگے یہ سب  
 خرابیاں اور بربادیاں کیوں ہوئیں اس واسطے کہ ہندوستانی نسلوں کی درستی  
 اور اصلاح کے واسطے عام طور پر جائز ولیوں کا وجود پایا نہیں جاتا جو نہایت ضروری  
 اور لازمی ہے اوصاف مذکور کے جائز ولیوں کا ملک ہندوستان میں نہ پایا جانا  
 خود اہل ہندوستان کی غلطی اور کم فہمی اور لاپرواہی اور نا اتفاقی کا اثر اور نتیجہ ہے  
 اگر ہندوستانی اوصاف مذکور کے جائز ولیوں کے پیدا کرنے میں کوشش کریں تو ایک

ایک آسانی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہندوستانیوں کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی نسلوں کی اصلاح و درستی کے واسطے خاص طور پر توجہ اور غور نہیں کرتے بلکہ اپنی عزیز نسلوں کی درستی و اصلاح کو عام معاملہ کے مانند بھی نہیں سمجھتے۔ دوسری یہ غلطی ہے کہ اپنے مال اور دولت میں سے کوئی حصہ خاص طور پر اپنی اولاد اور نسلوں کی تربیت اور تعلیم کے واسطے خاص نہیں کرتے بجا باتون ناروا کا لون اور غیر مفید امور اور وہیات معاملات کے انصراف میں اپنی دولت کو برباد کر دیتے ہیں۔ تیسری یہ غلطی ہے کہ ہندوستانیوں کے یہاں تعلیم و تربیت کے قوانین ضروریہ اور قواعد مناسبہ مدون اور مقرر نہیں ہیں۔ چوتھی غلطی یہ کہ ہندوستان کے لوگوں نے اب تک کوئی ایسی تجویز نہیں کی کہ جس سے اون نسلوں کی تربیت و تعلیم پوری ہو سکے کہ جہلو کوئی ولی جائزہ موصوف باوصاف مذکور حاصل نہیں یا یہ کہ اونکی واجبی تعلیم اور تربیت کے واسطے کوئی ولی موجود نہیں۔ پانچویں یہ غلطی ہے کہ ہندوستانیوں کی جائداد ستر و کہ کے ضروری انتظام کے واسطے جو اکثر اوقات بے وارث یا بے منتظم رہ جاتی ہے کوئی تجویز اور اصول مقرر نہیں جس سے نابالغ یا کم عقل وارثان جائداد کی تعلیم و تربیت کو ایک بھاری جسم زخم پہنچتا ہے۔ چھٹی غلطی یہ ہے کہ ایسی جائدادوں اور مال و دولت کے انتظام کے واسطے کہ جبکا اصلی وارث اور مالک زندہ اور موجود ہے لاکھ فضول خرچ یا کم عقل یا مختوط الحواس اور ناقص الحالت ہونے کے سبب سے اپنی جائداد اور مال و دولت کی ترقی اور یا بحالی کا بند و بست نہیں کر سکتا ذاتی یا قومی طور پر کوئی قاعدہ اور اصول مقرر نہیں۔ ساتویں یہ غلطی ہے کہ اون نسلوں کی نادیب اور تنبیہ کے واسطے جو واجبی اور معمولی گفت اور شنود اور تادیب سے سزا دے ہوئے ہوں قطعی طور پر کوئی قاعدہ اور تجویز مقرر نہیں ہے جائزہ لیون کے پیدا

کرنے اور سلسلہ تعلیم و تربیت کو لازمی طور پر رونق اور ترقی دینے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم ان سات غلطیوں کو قطعاً دور کریں -

اول اپنی نسلوں اور اولاد کی تعلیم اور تربیت کو ایک ضروری اور خاص معاملہ سمجھیں اور دل سے اس امر پر فکر اور غور کریں کہ ہماری نسلین کیونکر اور کس طرح لائق اور محذب اور تعلیم یافتہ بن سکتے ہیں۔ اس معاملہ کو عام معاملات سمجھنا اور برتر قرار دینا اور معاملات کو پیچھے اور اوسکو پہلے رکھنا چاہیے اولاد کی پیداوار پر شادی اور خوشی کا پیچھے خیال کرنا لازم ہے - پہلے اوسکے تعلیم و تربیت سے فکر کرنی چاہیے - دوسرے یہ کہ اپنے مال و دولت اور جائداد سے کوئی ایسا حصہ ہم اپنی اولاد کی ورستی اور تعلیم و تربیت کے واسطے خاص کرنا چاہیے بلکہ اس کی نسبت زندگی کی حالت میں وصیت کر دینی چاہیے کہ ہماری جائداد سے ہر قدر حصہ ہم اتنے اولاد کی تعلیم و تربیت کے واسطے وقف اور مخصوص ہے ناجائز ہمارے اور نادر و اشراف کو قطعاً بند کر کے بجائے انکے اولاد کے تعلیمی سلسلہ کو قائم اور شروع رکھنا چاہیے و اہیات کاموں اور لغو امور سے کچھ فائدہ نہیں - فائدہ اسین ہی کہ دنیا میں رہ کر اپنے آپ اور اپنی اولاد اور عزیز نسلوں کو محذب اور تعلیم یافتہ اور لائق بنادیں یقین جانو کہ جو آدمی و بنامین رہ کر غیر محذب اور غیر تعلیم یافتہ ہوا اسکے واسطے ہر شے کا دنیا میں ایک دم نہ رہنا زندگی وہی اچھی ہے کہ جو عقل اور فہم اور علم اور فضل کے ساتھ ہو جاہل آدمی اگرچہ کتنا ہی مال دار اور حسین اور ذی رتبہ اور ذی عزت اور شہور ہو تب بھی اوسکی کوئی اور کمیت نہیں ذی علم اگرچہ کیا ہی خراب حالت میں ہو تب بھی ایک بڑی قدر اور عزت اور وقار کے لائق ہے - تیسرے یہ کہ اپنی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے قوانین آپ نہ بنائے جاہلین تب تک اس قوم کو اصلی ترقی نہیں حاصل ہو سکتی - چوتھے یہ کہ ان نسلوں کی تعلیم و تربیت کے واسطے

جنگو کوئی دلی جائزہ و صوف باوصاف مذکور حاصل نہیں - یا یہ کہ اونکی واجبی  
 تعلیم و تربیت کے لئے ولی موجود نہیں ایسے معقول اور جیسے تجویز کرنی چاہیے  
 کہ جو مفید ہو قومی اتفاق کے ذریعہ سے ایک ایسی کمیٹی قائم کی جائے کہ جو ایسی نسلوں  
 کی تعلیم و تربیت کر سکے اور کامی ہو - اس کمیٹی کو اون نیشنل نسلوں کا دلی جائزہ  
 قرار دیکر اس امر پر متقدم کرنا چاہیے کہ اون نسلوں کی تعلیم و تربیت میں نہایت  
 سعی اور کوشش کرے اگر قوموں کے اتفاق اور جوش ہمدردی انسانی سے اس قسم  
 کے مبارک کامیابان مقرر یا قائم ہو جائینگے تو قوم کے پیہم اور غریب نسلوں کو بہت  
 فائدہ حاصل ہوگا - پانچویں ہندوستانیوں کے مال و دولت اور جائداد ہاے  
 متروکہ کے انتظام کے واسطے اس قسم کی مضبوط اور ایماندار سوسائٹیان مقرر اور قائم  
 ہونی چاہئیں کہ جنکی کوشش اور تدبیر سے جائداد ہاے مذکور قائم رہیں - بہت  
 نسلوں صرف ہواسطے تعلیم و تربیت کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتی ہیں کہ لڑکے  
 بہتر انداز پر ارث فوت یا کسی اور باعث سے معدومہ الحالت ہو جاتے ہیں تو اونکی  
 جائداد اور مالی و دولت نامہ بھر بہ کار تعلیم کے ہاتھ میں منتقل ہو کر بچاے قائم  
 رہتے اور ترقی کرنے کے برباد اور خراب ہو جاتی تیسے جس سے اون نسلوں کی تعلیم  
 و تربیت میں ایک بھاری نقصان اور اتہری واقع ہوتی ہے اگر قومی اور ایماندار  
 سوسائٹیان اس قسم کی متروکہ جائدادوں کے قائم رکھنے اور ترقی دینے کا ذمہ  
 اونٹنائینگے تو اون نسلوں کے بچاے اور تعلیم و تربیت نہایت عمدہ طور سے ہوگی  
 اس قسم کی قومی سوسائٹیوں کا قائم کرنا اور قائم رکھنا کچھ مشکل اور دشوار نہیں ہے  
 قومی اتفاق اور یکجہاگی کے آگے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہندوستان کے مردہ دل  
 آدمیوں کو کچھ کہا نہیں جاتا الاکن جوش والی طبیعتوں کو جوش دلا یا جاتا ہے کہ ایسے  
 مفید سوسائٹیوں کے مقرر یا قائم کرنے میں دل سے سعی اور کوشش کریں تاکہ انکی قوی

اور ملکی نسلوں کی ترتیب اور تعلیم کا مبارک سلسلہ قائم اور پورا ہو۔ چھٹے یہ کہ شہر  
 جاہلادون اور اموال و دولت کے مالک اور وارث بباعث کم عقلی اور کم فہمی کے اپنی  
 عزیز جاہلادون اور مال و دولت کو طرح طرح کی فضول باتوں میں برباد کر دیتی ہیں۔  
 کہ جس سے انکی اولاد کی تربیت اور تعلیم میں بہت ہی نقصان اور سبب واقعہ ہوتا ہے۔  
 بہتر ہے کہ ایسی جاہلادون کے قائم رکھنے اور ترقی دینے اور اولاد کے حق میں مفید  
 بنانے میں پوری پوری کوشش کی جاوے۔ ایسے کم عقلوں اور کم فہموں کو جو اپنے  
 جاہلادو کو واپسیات باتوں میں برباد دیتے ہیں قومی طور پر وہ رستہ دکھانا چاہیے کہ  
 کہ جسکے اختیار کرنے سے بہتری اور بہبودی حاصل ہو اگر قوم کے لوگ ملکر اس پیرہ  
 کو اٹھائیں گے تو ضرور کامیابی کا تاج سر پر رکھیں گے۔ اور قومی نسلوں کے حق میں کہ  
 گئے جاوینگے میں اس امر کو مانتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ بیہودہ باتوں سے بچنے کو  
 بہت ہی بُرا اور مذموم خیال کرتے ہیں۔ اگر قوم کے لوگ ایسے لوگوں کو جو بڑے  
 خیالات اور فضول باتوں کے اقتدار اور پردی سے باز رکھنا چاہیں تو ضرور انکو  
 کئی قسم کی وقتیں اور مشکلات پیش آئیں گی۔ لاکن قوم کا جوش ہمدردی اس امر  
 کا تقاضی نہیں ہے کہ اس قسم کی معمولی جڑ کاڑٹوں اور جاہلانہ مبالغات سے پس پا  
 ہو جاوے قوم کے جوش اور ہمدردی کو ایسی جہشی اور چالاکی اور تیزی سے ایسی  
 جڑ کاڑٹوں اور مبالغات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ کہ کم فہم اور کم عقل لوگ اپنی جاہلاد  
 اور مال و دولت کو صرف اور خرچ کرنے میں عمدہ اور مفید اصولوں کی پیروی کریں۔  
 جب انسان شفق ہو کر ہمت کرتے ہیں تو خدا انکی ہمت اور ارادہ میں اپنے  
 فضل و کرم سے برکت اور اثر ڈال دیتا ہے۔ ساتوین اہل ہند کی اکثر نسلیں  
 اس واسطے خراب اور اتر حال ہو جاتی ہیں کہ انکی نادید اور تنبیہ کے واسطے  
 ہندوستان کی قوموں میں کوئی اصول اور قاعدہ مقرر نہیں بعض لوگ ایسے

ہوتے ہیں کہ بیکر جلدی سنبھو جاتے ہیں اور بعض دیر سے سنبھرتے ہیں اور بعض ایک ہی حالت پر قائم اور ثابت رہتے ہیں مودبین اور متبیین کو لازم ہے کہ اپنی تالیبی اور تیزی سلسلوں کو نہایت استقامت اور استقلال سے قائم اور جاری رکھیں اور جو لوگ تاثرات تاویب اور تنبیہ سے بالکل محروم رہتے نظر آئیں ان کے واسطے یہ طریقہ اختیار کرنا لازم ہے کہ ان کو سلیم مزاج اور فہیم الطباع سلسلوں سے الگ اور جدا رکھیں تاکہ اوپر ان کے برے خیالات کا اثر نہ پڑے اگر قومی سوسائٹی اس بوجھ کو اپنے سر پر اٹھا کر یہ انتظام کرے کہ قومی طور پر ایسے لوگوں کی حفاظت اور نگرانی اور اصلاح کرے اس صورت میں ایسے لوگوں کی اصلاح اور دوستی کا یقین واثق ہو سکتا ہے اگر سوسائٹی مذکور کی تاویب و نگرانی سے اشخاص مذکور درست اور ٹھیک نہ ہوں گے تو اتنا تو ضرور ہو جائیگا کہ اور لوگ ان کے اور ان کے خیالات اور حالات کی تعریف اور پیروی سے احتراز کریں گے جو قوم کے واسطے ایک عمدہ بات ثابت ہوگی کسی قومی سوسائٹی کا اس امر کو اپنے ذمہ سمجھنا کہ پر اوٹھانا کوئی مشکل امر نہیں ہاں یہ ضرور مشکل پیش آئیگی کہ قوم کے لوگوں کو آپس میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرنا پڑیگا کیونکہ بلا حصول اتفاق و اتحاد قومی ایسے امور اور معاملات کا انجام پانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

امر خیر علم حاصل کرنے یا کرانے کا زمانہ عام لوگوں کی نظر میں تو ایک خاص عرصہ تک محدود اور محصور ہے عامہ راسے یہ کہ انسان حد ۲۵-۳۰ برس کی عمر تک تحصیل علوم اور کسب فنون کی مبارک وادی میں قدم رکھ سکتا ہے اور جب یہ سیوا گذر جاتی ہے تو بسبب ضعف قوی اور حدوث افکار مختلفہ اور حقوق شہال متفرقہ انسان پر فنون کا سیکھنا اور علوم کا حاصل کرنا خیل مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے اگرچہ اس عامہ راسے کو ایک جہت سے تو قبول اور تسلیم کیا جاسکتا ہے اس واسطے کہ



حد اعلیٰ انسان کی ابتدائی تہذیب اور تہذیب خد باب اور کشمکش اور خیالات  
 کی طرف اور قوی اثر ہوتے ہیں ایسی حالت اور زمانہ میں فنون کا سیکھنا  
 اور علوم کا حاصل کرنا تو مشکل اور دشوار امر دکھائی نہیں دیتا لکن جب  
 انسان کی فطرت اور سرشت کی ذاتی جذبات اور حالتوں پر غور کیا جاتا ہے  
 تو صاف طور پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ علم کے حاصل کرنے یا کرانے کے واسطے  
 عامہ لوگوں نے جو سعاد اور زمانہ سفر کیا ہے وہ قطعی نہیں ہے قطعی سعاد  
 وہ ہے کہ جب گزرنے کے بعد کلیتاً و قطعاً سلسلہ کسب و تعلیم ختم اور منقطع ہو جائے  
 جب سعاد مقررہ کے گزرنے کے بعد بھی انسانی نسلیں کسب فنون اور تحصیل علوم  
 میں کامیاب ہو سکتی ہیں تو پھر قطعی کیونکر قرار دیا جاوے ہمارے خیال میں  
 اس قصہ مرضیہ کا فیصلہ یوں دینا چاہیے کہ ابتدائی عمر میں باعث قوی اثر  
 اور صحیح الحالت ہونے قوتوں اور طاقتوں کے کسب فنون اور تحصیل علوم کا سب سے  
 مرحلہ ایک آسانی اور سہولت سے طے ہو جاتا ہے اور جب ابتدائی عمر گزرنے  
 کے سبب قوتوں اور طاقتوں پر مختلف فکرون اور تفریق شغلوں اور طرح طرح کے  
 معاملات اور قسم قسم کے مصائب اور امور کا بوجھ پڑ جاتا ہے تو ذرا محنت  
 اور توجہ تا مسخر کر لی جڑتی ہے عمر کے دوسرے حصوں میں جب بابت نسبت پہلی  
 عمر کی محنت اور توجہ زیادہ کرنی پڑتی ہے ایسا ہی مطالب اور مقاصد اور نصایح  
 علوم پر باعث غوطہ شوق و کثرت ذوق و ترتیب توجہ و طریق محنت بالکمالیت  
 و انکلیت و سترس اور کامیابی ہو جاتی ہے لہذا کون کی محنت کا طریق اور توجہ کی  
 ترتیب اور شوق و ذوق کی حالت اور مقدار اچھا نہیں ہوتا - اساتذہ اور  
 ماسٹر مین کی دودھ دیک اور گفت و شنود سے ایک مدت تک کارروائی ہوتی  
 ہے بر خلاف اس کے بڑی عمریوں کے طلب اور تعلیم ہمیشہ اپنی ذاتی اشتیاق اور

طبعی جذبات کے وسیلہ سے کار براری کرتے ہیں جو کام کسی دوسرے شخص کے کمر بستہ سے شروع کیا جاوے اور سین ذاتی شوق اور طبعی ذوق اور وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب شروع کرنے والا ذاتی طور پر اس کام کے فوائد اور منافع اور ضروریات سے واقف اور ماہر ہو اور اس حالت کی پیدا ہونے کے واسطے شروع کرنے کے بعد ایک معقول نام کی ضرورت ہے چھوٹی عمر کے طلب اور تعلیم آباد و اجدا و یا دوسرے ولی جائز کے کمر بستہ سے کسب فنون اور تحصیل علوم کے مبارک مرحلہ کو طے کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس واسطے او کو کسی زمانہ میں ہی ذاتی طور پر فنون اور علوم کے فوائد اور ضروریات کا علم ہوتا ہے اور اسی وقت او کی ذاتی اشتیاق اور طبعی جذبات کی ٹرین کی رفتار شروع ہوتی ہے بڑی عمر والے اپنے ذاتی اشتیاق اور طبعی جذبات کے جوش مارنے اور علوم و فنون کی ضروریات اور فوائد کو وزن کرنے کے بعد وادی فنون اور عرصہ علوم میں قدم زن ہوتے ہیں اس واسطے او کے اشتیاق طبعیہ اور جذبات ذاتیہ کے ٹرین ابتداء میں ہی چل پڑتی ہے اس سبب سے منازل علمیہ اور مراحل فنیہ پر بے جھٹ تمام و کمالیت مالا کلام پہنچ جاتے ہیں۔ عام لوگوں کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ فرضی میعاد کے گزرنے کے بعد انسان کو کسب فنون اور تحصیل علوم سے محض معذور اور عاری خیال کرتے ہیں اس کمزور اور ضعیف الدلائل کلیہ کو تسلیم اور قبول کر کے بہت لوگوں نے بڑی عمر میں کسب فنون اور تحصیل علوم حتیٰ کہ تحصیل اسنہ سے بھی کنارہ جوئی کی ہے یہ ناقص طریق عمل انسانی ترقی کے واسطے بہت مضر اور نقصان رسان ثابت ہوا ہے انسانی نسلوں اور جماعتوں پر لازم اور فرض ہے کہ اپنی عمر کے ہر ایک حصہ میں کسب فنون اور تحصیل علوم کو امر لازمی اور کار ضروری خیال کریں۔ حکیم لنگ فوژی چینی کا قول ہے کہ انسان کو کسی حالت میں کسب فنون اور عقیل علوم سے کنارہ نہیں کرنا چاہیے محصلہ علوم اور فنون کے بعد فنون پر ترقی و ترقیات اور کمالات کو دیکھنا ہے کہ جو خداوند کا

انسانی نسلون کے واسطے روز نازل اور یوم بشتاق سے مخصوص کر رکھے ہیں۔ حکیم سقراط اور بقراط اور بول علی سینا اور لارڈ بکن کا قول ہے کہ انسان وہ ہے کہ ہر ایک زمانہ میں کسب فنون اور تحصیل علوم میں ساعی ہے۔ کتب سیر اور واقعات حکماء سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی حکیموں اور فلاسفوں نے بڑی بڑی عمرون میں مختلف فنون اور علوم کو بڑی خوبی سے حاصل کیا۔ دور کیوں جاتے ہو اس زمانہ کے انگریزوں کو ای دیکھیے کہ باوجود اسے فرائض ملازمت و حقوق خدمات مختلفہ و اشغال متفرقہ کے کس خوبی و عمدگی سے غیر قوموں کے علوم اور فنون کو حاصل کرتے ہیں یہ طاقت انگریزوں کو ہی لغیب نہیں بلکہ ساری انسانی نسلوں کو قدرتا حاصل ہے جو انسان اس وادی مبارک میں قدم رکھیگا خدا سے فضل و کرم سے کامیاب ہوگا مگر بہت اور عرصہ اور استقامت طبع شرط ہے۔

اگر ششم علم کو موجودہ زمانہ اور موجودہ زمانہ کو علم سے اخصل اور لازمی نسبت ہے اگر علم حاصل کرنے یا کرانے والے اس اخصل اور لازمی نسبت کو ثابت اور قائم نہ کریں تو بجائے فوائد اور منافع کے منافع اور نقص حاصل ہونے کا اندیشہ اور احتمال ہے اگرچہ ہر ایک فن اور علم کو بذاتہ ایک درجہ اور صورت مفیدہ حاصل ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض زبانوں میں بعض فنون اور علوم کو ملحوظ ضروریات و باعتبار معاملات اور فنون اور علوم پر شرف اور تقدم حاصل ہوتا ہے یہ شرف اور تقدم یا تو قوموں اور ملکوں کے اپنے ذاتی کوششوں اور جوشوں سے پیدا ہوتا ہے اور یا گورنمنٹ کے تبدیل یا گورنمنٹ کے پالیسی کے تبدیل سے ظاہر اور پیدا ہوتا ہے ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت ہو یہ امر ثابت ہے کہ بہر حال اول فنون اور علوم کا حاصل کرنا مناسب اور ضروری ہے کہ جبکہ موجودہ زمانہ میں مانگا و ضرورت ہو اگر زمانہ موجودہ کے پالیسی اور اغراض کے خلاف فنون اور علوم کو حاصل کیا جاوے گا

تو بجاے خواہ کر ٹی کر دی طبیعتوں اور بری تہوں کا اثر اوستھانا پڑ گیا جب زمانہ پہلے  
کہتا ہے تو فنون اور علوم بھی اوسکے ساتھ ہی چلا بدلتے ہیں اگرچہ قومین اور انسانی  
جماعتیں فنون مروجہ اور علوم مرتبہ کو پہلی صورتوں پر ہی ثابت اور قائم رکھنا چاہتیں  
مگر زمانہ زور سے انکو اپنا ساتھی اور موافق بنا لیتا ہے قومین اور لوگ تو شب روز  
اوس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے ابا و اجداد اور اسلاف کے طریقوں اور اصولوں  
اور روشوں کو اپنے حال اور چال کے مخالف پاتا ہے اونکو چھٹ بدل دیتا ہے  
اور اوس زمانہ میں جب قدر انسانی نسلیں پیدا ہوتی ہیں اون سب کی طبعی حالتیں  
اور کششیں بالعموم زمانہ کے موافق ہوتی ہیں اگرچہ پچھلے زمانوں کے بڑے بکے نقلہ  
اور پیدائشیں نئی نسلوں کو یہ جیل مختلف مزاحم اور مانع ہوتے ہیں کہ نئے زمانہ کے  
روشوں اور اصولوں کی پیروی اور اتباع نہ کریں مگر ازل کی تربیت یا طبیعتیں  
اور زمانہ کی خوب حاصل کردہ مزاجیں ایسے دائرہ میں کب آتے ہیں اگرچہ وہ  
مروجہ زمانہ کے علوم اور فنون سے بھی جاہل اور نادان رہیں تاہم اذکی طبیعتیں  
نئے زمانہ کے اصولوں کی جانب قدر تا ہی کچھ نہ کچھ راغب اور مائل ہوتی ہیں نئے  
زمانہ کے حدوث اور ظہور کو طلوع آفتاب سے نسبت دیتے ہیں جس طرح طلوع آفتاب  
سے تمام چیزیں اور اجسام اور الفاس بناتے اور جمادی اور حیوانی ساثر  
اور مستقر ہوتے ہیں اوسیط پر جب کسی نئے زمانہ کا آفتاب آسمان قدرت  
رب اعلیٰ سے حدوث اور ظہور پکڑتا ہے تمام انسانی طبیعتوں اور مزاجوں اور  
خیالات کو جسے مختلف فنون اور تفرق علوم اور انواع و اقسام کے کمالات اور  
فضائل مربوط اور منوط ہوتے ہیں اپنے موافق اور مطابق بنا لیتا ہے جس طرح پر  
سورج کی نور اور کرنیں اور شعاعیں ہر ایک چیز اور جسم پر اپنا اثر اور روشنی پہنچاتی  
ہیں اسی طرح ہر آفتاب علوم کی کرنیں قلوب اور ارواح انسانہ کو نور بناتے ہیں -

سوچ کی کرین تو اون اجسام اور اشیاء کو ہی روشن اور منور بناتے ہیں کہ جو بلا جہاں اور بلا پردہ ہیں اور اونکی ظاہری حالت پر ہی موثر ہوتے ہیں۔ لکن علمی آفتاب کی شعاعیں اور کرین انسانی جماعتوں کے دلون اور اندرونی حالتون کو صورتاً و باطناً منور و روشن بناتے ہیں جسے النفاس بناتے اور جہادی کی حالتین اور صورتین بھی ہر ایک قسم کی ترقی اور رونق حاصل کرتی ہیں آفتاب کی کرنون سے شیون اور چیزدن میں بجز ایک خاص طاقت کے کوئی اور مادہ اور طاقت پیدا نہیں ہوتی لکن علمی آفتاب کی کرنون اور شعاعون سے انسانی روحون اور دلون میں اس قسم کے لطیف اور عجیب اور پاکیزہ اور نور آور اور صحیح طاقتین اور قوی الاثر مادی پیدا ہوتے ہیں کہ انسانی فطرتون اور ذریعہ اور وسیلہ سے ہزاروں طرح کی ترقیتیں اور نشاۃ اور حکمتیں اور صنعتیں پیدا کر کے عزت و وقار اور مکرمت و شرف و اعتبار کا مغز اور عالی رتبہ حاصل کرتے ہیں دنیا میں اسوقت جب قدر ترقیات اور عجائبات پائے جاتے ہیں یہ سب علمی آفتاب کی کرنون اور شعاعون کی تنور اور روشنی کا باعث و موجب ہے۔

امرہم انسانی جماعتون کو کون علم حاصل کرنا چاہیے اس امر کے واسطے کہ انسانی جماعتون کو کون کون علوم حاصل کرنے لازم ہیں اول ہم علوم کے بلحاظ اثر کے تقسیم کرتے ہیں علوم دو قسم بہ ہیں۔ اول دینی۔ اور دوسرے دنیوی۔ علوم دینیہ تو وہ علوم ہیں کہ جنہیں معاد کے طریق بتلائے گئے ہیں جو انسانون کی روح اور کائنات سے متعلق ہیں اور جنہیں اصل الاصول اور علت العلل خداوند پاک کی اور وجود کا تعلیم کرنا بیان کیا گیا ہے اور علوم دنیوی وہ علوم ہیں کہ جنہیں معاد کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ امور معاشیہ۔ اور انسانون کے آپس کے برتاؤ اور زندگی بسر کرنے کے وسائل اور طریق اور زمین مذکورہ ہوتے ہیں۔ پہلے قسم کے علوم کا حاصل کرنا بھی

ہر ایک انسان پر لازم ہے کیونکہ اوسمین انسان کے واسطے خدا شناسی کے وسائل اور اصول دہج ہوتے ہیں اور ہم اس امر کو بیان کر چکے ہیں کہ خدا شناسی ایک ضروری امر ہے انسان کے شہوات اور بری باتوں کے روکنے اور جائز اور فرض اور ممنوعات کی شناخت کے واسطے مذہبی علوم کا سیکھنا ضروری ہے بہت سے لوگ جو مذہب سے نفرت کر کے علوم مذہبیہ کو ترک کر دیتے ہیں وہ اصل میں کمال درجہ کی غلطی کرتے ہیں مذہب انسان کی حالت اور دل و روح کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتا مذہب کا طریق اختیار کرنا اور اسکی پابندی بہر حال مفید ثابت ہوئی ہے انسان بہت بُرائوں میں گرفتار ہونے کو طیار ہوتا ہے اور دنیا کے علوم کی تاکیدوں اور اصولوں اور رکاوٹوں کو ترک کر دیتا ہے یا ترک کرنے کو طیار ہوتا ہے تو ایسے وقت میں اوسکو مذہب کی پابندیاں اور شرائط الطغریض کھانے سے مضبوطی کے ساتھ روکتی ہیں اور انسان اس معرفت اور ضروری روک اور مزاحمت کو دو وجہ سے آسانی اور خوشی کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے ایک تو اسوجہ سے کہ روز کا تجربہ اور رویت اور مذہبی خیالات اسکو اپنے وجود کے خانی ہونے کا اعتبار اور یقین دلاتے ہیں اور ایک اسوجہ سے کہ اوسکے مقبول کرنے سے اوسکو اپنی سوسائٹی کی طرف سے بدنام ہونے کا اندیشہ اور خوف ہوتا ہے۔

دنیوی علوم کے ذریعہ سے بھی انسان کبلی بری باتوں میں تیز کر کے بچ جاتا ہے مگر چونکہ دنیوی علوم میں سقیدانہ پابندی اور سوسائٹی کی بدنامی اور وعید مذہبیہ کا خوف اور ڈر نہیں ہوتا اوسلئے انسان دنیا کے علمی اصولوں کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے اوکی اقتدار اور پیروری سے اونکو خود رسے ہو کر کارروائی کرنی پڑتی ہے اور وہ اسی بری باتوں اور گناہوں کا موجب ہے انسان دنیا میں رہ کر بت فحشی اور فلاح کا وارث بنتا ہے جبکہ اوسکا دل اور روح کسی نہ کسی قسم کی پابندی کی زیرین

جکڑی ہو۔ بہتر ہم اور ڈو ایصاحب کا قول سے کہ انسان اپنی فطرت میں آزاد پیدا  
 کیا گیا ہے ہمارے خیال میں صاحبان موصوف کا یہ خیال حقیقت کے مطابق نہیں ہے  
 ہمارا یہ مذہب یہ کہ انسان اپنی فطرت میں ہی پابندی کے ضروری احاطہ میں لایا گیا  
 ہے انسان کی پیدائش کا شروع اور اس کا خاتمہ ہمارے قول کے زور کے ساتھ  
 ٹائیڈ کرتا ہے جب انسان پیدا ہوتا ہے تو زور پیدائش سے یوم بلوغ تک اس کو اپنے  
 مان باپ یا رشتہ داروں یا اور اقربا اور رحمہل لوگوں اور پرورش کرنے والوں کے  
 اطاعت اور پابندی میں رہنا پڑتا ہے اور جب بالغ ہو جاتا ہے تو پھر  
 اس کو اپنی ضروریات اور حاجتوں اور خواہشوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے یہ تو ظاہر  
 صورت ہے اور اس کے طبیعت میں ہی مجبوری کا خیال پایا جاتا ہے ہم اس امر کا اقرار  
 کرتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں آزادی کا جوش بھی موجود ہے مگر اس بات سے  
 بھی منکر نہیں ہوا جاتا کہ اس آزادی کے ساتھ پابندی کا خیال بھی ملا ہوا ہے  
 بعض فلاسفر اس مختصر سے پابندی کے خیال کو خواہش اور میلان خاطر کے الفاظ  
 سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ لفظی نزاع سے غرض نہیں ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ  
 انسان کی طبیعت میں آزادی کے ساتھ پابندی کا خیال بھی فطرتاً ملا ہوا ہے  
 خواہ کسی طریق سے ہو جبکہ انسان کی فطرت میں پابندی کا خیال پایا جاتا ہے  
 تو ضرور ہے کہ وہ کسی نہ کسی قسم کی پابندی میں جکڑا رہے البتہ جو پابندیاں  
 حکمت اور مصلحت کے انداز سے خارج ہیں ان کے اٹھانے پر انسان کو مجبور نہیں  
 کیا جاسکتا۔ مذہب کا اصل الاصول یہ ہوتا ہے کہ انسان کو فانی انسان ثابت  
 کر کے اُس ہستی اور پاک وجود کے ماننے اور یاد کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ جسے اپنی  
 قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کی ہستی کی عجیب پتھر کو زندگی کے زمین میں  
 انصب کیا مذہب کا اصل الاصول بلا شک انسان کے سارے تکبروں اور غروروں

اور برے خیالات کو توڑ کر اوسکو سچی اور سکین اور حقیقی غربت کی طرف توجہ دلا کر  
 خدا کی شناخت کا مقدس راستہ یاد دلاتا ہے۔ ہمارے خیال میں مذہب کے  
 اصولوں اور قوانین کی پیروی کرنا انسانی جماعتوں کے واسطے لازمی اور از حد ضروری  
 ہم اس موقع پر اس امر کے ظاہر کرنے کی بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کی قوم  
 میں واہیات اور غیر مفید مذہبی جھگڑوں کو بہت ترقی ہوتی جاتی ہے جب دو چار  
 آدمی ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں تو سب سے اول مذہب کی بابت جھگڑا شروع  
 ہو جاتا ہے اس غیر موقعہ سوال سے بجائے اسکے کہ دو چار آدمیوں کے اکٹھے ہونے  
 سے آپس کی محبت اور الفت اور ہمدردی کو ترقی ہو ایک سناخت اور مخالفت کا بیج  
 بویا جاتا ہے ہمارے خیال میں یہ طریق عمل اچھا نہیں ہے اس ہمارے قول سے  
 یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ ہم کسی مذہبی جماعت یا کسی اور شخص کو جو ایک تہذیب اور  
 اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے دل اور روح کے فائدہ اور نجات کے واسطے حق کی  
 تلاش کرتا ہے روکنا چاہتے ہیں ہمارا یہ منشاء اور مدعا نہیں ہے ہم صرف یہ  
 چاہتے ہیں کہ سچا طور پر مذہبی جھگڑوں اور شور و شون کو رونق اور فروغ نہیں  
 دینا چاہیے جیسے انسان کو اپنے دل اور روح کی درستی اور اصلاح کے واسطے علم  
 معاد کی ضرورت ہے ایسا ہی اوسکو دنیا کی ضرورتوں اور کاموں کے پورا کرنے  
 اور چلانے کے واسطے علوم اور فنون دنیوی کی حاجت اور ضرورت ہے جب انسان  
 مان کے پیٹ سے نکل کر دنیا کی پر مصیبت اور فانی میدان میں پائون رکھتا ہے  
 تو فوراً اوسکے ساتھ دنیا کی مختلف ضرورتیں اور پابندیاں اور شیب و خزاں اور  
 اور مزاحمتیں آمو جو دہوتی ہیں وہ چھوٹا جیسا منجھ اور کان اور آنکھ اور سر اور ہاتھ  
 پائون بے کل ہو کر مارتا ہے سچ بوجھ تو اسے کوئی درد اور دکھ نہیں ہوتا ہے  
 اسے کوئی مستانا نہیں ہے بلکہ دنیا کی گرم ہوا اوسکے کانوں میں چپکے چپکے



دیتے ہیں کہ اسے بچہ نچھکو دنیا کے مولج اور قہار سمندر میں ڈال گیا تیرے پاس کوئی کشتی اور ناؤ نہیں رہا اور پالون مار کے اپنے وصلہ اور مہمت سے مقصود کے کنارے پر جا بٹھریہ مقام آرام اور چین کرنے کا نہیں ہے بلکہ مختلف دقتوں اور مصیبتوں کے اوشٹانے کا یہاں ہاے ہوئے سے کام نکلتا ہے۔

جب لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اسکو جلدی سے کپڑے میں لپیٹ کر چار پائی پر لٹا دیتے ہیں اس عمدہ ترکیب سے اس ننھی سی پیدائش کو سمجھایا جاتا ہے کہ دنیا کے گھر میں بڑی ترکیب اور حفاظت سے رہنا چاہیے۔ جب بچہ یا بچی دو تین روز کا ہوتا ہے تو دایہ اسکو گھٹھی طیار کر کے دیتی ہے اس گھٹھی میں کئی ایکن ٹین اور اشیاء ڈالے جاتے ہیں اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ دنیا کا ہر ایک کام آپکی ملاوٹ اور ترکیب سے چلتا ہے۔ ایک جینے تک یا اس عرصہ سے کچھ دن اور لڑکے یا لڑکی کو اندھیرے کمرہ میں رکھ کر باہر لاتے ہیں اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر ایک کام میں اول محنت اور تکلیف اور مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے اور اسکو بعد راحت اور آرام کے سامان میسر آتے ہیں جب لڑکا یا لڑکی چھ سات جینے کے ہو جاتا ہے تو پرمان باب اونکو اپنی طاقت اور زور سے چلنا سکھاتے ہیں اس سے اولاد کو سمجھایا جاتا ہے کہ دنیا میں رہ کر اپنی مدد آپ کرو۔ جب انسان کو دنیا کے میدان میں قدم رکھتے ہی سخت سے سخت ضرورتیں اور رکاوٹیں اور مزاحمتیں پیش آتی ہیں تو اب ہکو خیال کرنا چاہیے کہ ان ضرورتوں یا رکاوٹوں اور مزاحمتوں پر انسان اپنے مختصر سے زندگی میں کیونکر فتح اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ جہان تک ہمارے قیاس کی رسائی ہے اسکو بموجب ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ان ضرورتوں کے دفع کرنے اور ان رکاوٹوں اور مزاحمتوں کے توڑنے کے واسطے انسان کو اول اصول اور قوانین کی ضرورت ہے کہ جو انکے رفع اور توڑنے کے واسطے بالذات مخصوص ہیں۔

ادب کی سطرون میں جن اصولوں اور قوانین کا پھینکا نام لیا ہے اور کون کون نے خاص خاص ناموں سے تعبیر کیا ہے عرف عام میں جبکہ علوم اور فنون خاصہ کہتے ہیں۔ جب ہم ان اصولوں اور قوانین یا علوم اور فنون خاصہ کا اپنی زندگی کی ضرورتوں اور رکاوٹوں اور فراحتوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں انصاف کے ساتھ اس امر کو قبول کرنا پڑتا ہے کہ اگر ہمارے دنیاوی زندگی کی ضرورتیں اور رکاوٹیں اور فراحتیں کم اور بوری ہو سکتی ہیں تو انہیں قوانین اور اصول خاصہ سے ہماری دنیاوی زندگی کے نبھانے کے واسطے جس طرح پر علوم معادمویدہ میں اس طرح پر ہماری دنیا کی دنیا کو پورا اور کامیابی کے ساتھ ختم ہونے کے واسطے مخصوص اصولوں اور قوانین کی ضرورت ہے اگرچہ انسانی جماعتوں نے ان اصولوں اور قوانین کے انتخاب اور تشخیص کے واسطے اپنی اپنی راے سے کام لیا ہے مگر نتیجہ اور اثر پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا منشا اور مدعا اخیر پر مل گیا ہے اگر کچھ انہیں فرق ہے تو صرف ملکی یا قومی برتاؤ اور رسوم اور دستور اور تاثیر کے اعتبار سے ہی انسانی انسانی پیدائش کے لحاظ سے نہیں ہے جو کچھ ہمارے دنیا کی زندگی کی صحبت گزارا رہیں ضرورتیں فراحتیں اور رکاوٹیں حامل ہوتی ہیں ان کے رفع اور دور اور پورے کرنے کے واسطے ہم انسانی جماعتوں کے لئے علوم اور فنون حاصل کرنا یا کرنا لازمی اور ضروری خیال کرتے ہیں۔

اول انسان کو دنیاوی زندگی کی راہ میں سچ سمجھ اور استعمال عقل کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس واسطے سب سے اول قواعد ادبیہ مثل صرف نحو بیان معانی فصاحت ملاحت اور خام علوم منطق عقلیہ کا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے مطابق کارروائی ہو سکے۔

دوم انسان کو دنیاوی زندگی کے طے کرنے کے واسطے اپنی معاش اور طریق معاش کے

سخت ضرورت ہو اگر یہ ہو تو انسان سے دنیاوی زندگی کا راستہ طے کرنا مشکل ہو جاوے گا  
 پس اس سخت مشکل کے اہسان کرنے کے واسطے علم معاش کا حاصل کرنا لازمی اور ضروری  
 ہے مین اس موقع پر ایک ایسی ضروری بات کہ انہما کی اجازت مانگتا ہوں کہ جو انسان  
 کو امور معاش میں اکثر موقعہ پر نا کامیاب رکھتی ہے مین دیکھتا ہوں کہ بعض آدمی  
 صرف اصول ملازمت کو ہی علم معاش کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں جب اونکی نوکری بن جاتی  
 ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ معاش حاصل کرنے کا طریق صرف دفتر وں کے کاغذات کا سیاہ  
 کرنا یا اسے سطح کی ملازمت کے فرائض کو پورا کرنا ہوتا ہے مین انہوں کو کہتا ہوں کہ  
 اس غلطی کو بہت لوگوں نے اپنا علم راہ کر لیا ہے معاش کے طریق اور اصول صرف  
 سرکار یا کسی اور کی ملازمت سے ہے و اسبہ نہیں ہیں بلکہ معاش کی وسعت اور فراخی  
 اور مضبوطی اور یہی طریقوں اور اصولوں سے مربوط ہے۔

تیسرے علم نظام منازل کا حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیاوی زندگی میں ہر ایک انسان  
 کو صاحب خانہ مجبوراً بننا پڑتا ہے اور صاحب خانہ بننے کی حالت میں ضروریات اور حاجات  
 اور امور پیش آمدہ اور معاملات ضروریہ کو پورا کرنا اور نپٹانا اور ہر فرض اور لاچار  
 ہو جاتا ہے اور ان ضروریات وغیرہ کے پورا کرنے اور نپٹانے کے واسطے علم نظام  
 منازل ایک وفادار اور اچھا دوکار ثابت ہوا ہے اگر یہ کہا جاوے کہ بہت سے لوگ  
 اس دنیاوی زندگی کو بالتجربہ گزرانتے ہیں اونکو گھروں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی  
 اونکے حق میں علم نظام منازل مفید نہیں ثابت ہو سکتا جب مفید ثابت ہوا تو پھر  
 اونکو اسکا حاصل کرنا لازمی اور ضروری نہیں ہے اس اعتراض کا ہم یہ جواب دیتے  
 ہیں کہ ہم اس امر کو تسلیم کرتے کہ بہت سے لوگ دنیاوی زندگی کو بالتجربہ گزرانتے ہیں  
 لیکن ہم اس تجرؤ سے یہ خیال نہیں کر سکتے کہ اونکو علم نظام منازل کے حاصل کرنے کی  
 چند ان ضرورت نہیں ہم کہتے ہیں کہ اونکو حالت تجرؤ حاصل ہے مگر صاحب خانہ بننے کی

خود پر تین اور مشکلات کسی نہ کسی قدر اونکو بھی لاحق ہیں یہ بات ہم سمجھتے ہیں کہ اور لوگوں کی طرح خانگی ضرورتوں کا بیاغٹ مجھڑ ہونے کے اوپر ہجوم نہیں ہوتا مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی نہ کسی قدر اونکی گردن بھی خانگی ضرورتوں اور مشکلات کے بوجھ سے دبلی ہوئی ہے جب انکے ساتھ بھی اُن ضرورتوں اور مشکلات کا وجود اور اثر پایا جاتا ہے تو اُن پر بھی فرض اور لازم ہے کہ علم نظام منازل حاصل کریں چہاں ہم انسانی جماعتوں کو علم دولت یعنی پولیٹیکل اکوسمی کا حاصل کرنا ضروری اور لازمی ہے انسان کی ساری اور سب قسم کی ضرورتوں اور فراہمیتوں کے پورا اور دور کرنے کے واسطے دولت ہی موید اور معاون ہوتی ہے اگر دولت نہ ہو تو دنیاوی زندگی کی مشکل مسافت طے کرنے کے واسطے ہم کسی کام کے نہیں ہماری دنیاوی فلاح اور فراغت اور خوشحالی دولت سے ہی وابستہ ہے علم دولت میں مل حاصل کرنے اور بڑھانے اور قائم رکھنے اور برتنے اور خرچ کرنے کے اصول اور قوانین وضع کئے گئے ہیں جب تک ان قوانین اور اصولوں پر سچی طور سے عمل درام نہ ہو تب تک ہم دنیاوی زندگی کو اچھی طرح سے نہیں گذران سکتے۔

بخسہم انسانی جماعتوں پر فرض ہے کہ علم اخلاق کو حاصل کریں۔ علم اخلاق میں انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ دنیا میں رہ کر اسطور پر زندگی کو بسر کرنا چاہیے دشمنوں سے اسطور پر برتنا چاہیے اور دوستوں کے ساتھ اسطور پر پیش آنا چاہیے اپنے کے ساتھ یہ عمل درامد کرنا چاہیے اور برائی سے یوں برتنا چاہیے۔ اور علیٰ ہذا اعتبار اور بہت سے اصول سکھائے جاتے ہیں۔

ششم ضروری ہے کہ انسانی جماعتیں علم تاریخ کو یکمیں علم تاریخ میں انسانوں کے گذشتہ پشتوں کے حالات اور کوائف لکھے جاتے ہیں اور یہ بات دل آویز اور دلچسپ ساہتوں کے بعد تسلیم کی گئی ہے کہ انسان بالطبع اور افراد انسانی کے اچھے اور عقول

حالات اور خیالات سے موثر ہو کر اسی قسم اور وضع کا بننا چاہتا ہے اور ان کے برے خیالات اور مذموم حالات کو سنکر یاد دیکھ کر عبرتاً اون سے کنارہ گرین ہوتا ہے۔ جب اس اصول کو مان لیا گیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علم تاریخ میں انسانوں کی گذشتہ پشتوں کے اسی قسم کے حالات اور خیالات ہوتے ہیں پس فرض اور لازم ہے کہ انسان او کو ضرورتاً حاصل کریں۔

ہنرمند حساب ہندسہ اور ریاضی اور فن مساحت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً دنیا میں کوئی ہے ایسا آدمی ہوگا کہ جسکو دنیا میں رہ کر ان دلچسپ علوم کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ ہر ایک گھر کا مالک بجائے خود ایک فلک اور علاقہ کا مالک ہو کر اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر رات دن حکومت کرتا ہے اور اس حکومت کے دریاں او کو بہت سے ایسے کام کرنے پڑتے ہیں اور ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ جسکے پورا کرنے اور پتہ لانے کے واسطے ان شریف علوم کی سخت ضرورت ہوتی ہے حساب کا ایک ادنیٰ فائدہ ایک آدمی کا اپنا روزمرہ حساب اور خرچ لکھ کر او کو باضابطہ رکھنا ہے یہ فائدہ دنیا کے تمام آدمیوں سے مخصوص ہے کوئی ہی ایسا آدمی ہوگا جسکو علم حساب کی اس قدر بھی ضرورت نہ ہو جتنی کہ ہم نے انسان کی روزمرہ کی ضرورتوں کے مقابلہ میں بیان کی ہے ہم نے ان علوم کی ضرورت ثابت کرنے کے واسطے ایک عام فہم بات کو بیان کر دیا ہے مگر اگر اصل میں پوچھو تو ایسے تھوڑے سے اور عام بات کے بیان کرنے سے ان علوم کی ضرورت کو ثابت کرنا گویا ان علوم کی ہتک اور توہین کرنا ہے اگر ہم ان علوم کے حاصل کرنے کی ضرورت کو اعلیٰ درجہ کی دلیلوں سے ثابت کرنا چاہیں تو بہت طول ہو جائیگا اس واسطے ہم صرف اس قدر پر کفایت کرتے ہیں کہ ان علوم سے علاوہ روزمرہ کے کاموں اور ضرورتوں کے پورا ہونے کے انسان کی عقل اور فراست اور دراندیشی اور طرز احتیاط اور چال

رسائی کو اعلیٰ درجہ کی ترقی اور رونق حاصل ہوتی ہے اور مسائل اور مشکل امور کے حل کرنے کے واسطے یہ علوم نہایت ہی موید اور مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔  
 ہر قسم علم طب یا ڈاکٹری کا حاصل کرنا بھی ضروری اور لازمی ہے انسانوں کا مختلف غذاؤں اور اطعمہ اور اشربہ کا کھانا پینا اس امر کا موجب ثابت ہوا ہے کہ انکو جسمی بیماریاں اور عوارض وقتاً فوقتاً لاحق ہوتے رہیں جب انسانی افراد مختلف بیماریاں اور عوارض میں ماخوذ اور گرفتار ہوتے ہیں تو لازمی امر ہے کہ انکے قلع قمع کے واسطے انسان ہی ان طریقوں اور ترکیب اور اصولوں کو حاصل کرے کہ جو انکے مقابلہ میں بالخصوص وضع کئے گئے ہیں ان اصولوں اور ترکیب کے تلاش کرتے ہوئے قواعد طب یا ڈاکٹری کے سوائے اور کوئی قواعد زیادہ ترمغیب نہیں ملتے اس واسطے ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی حالت میں روک نہیں سکتے کہ انسانی جماعتوں کو علم طب یا ڈاکٹری کا پڑھنا سیکھنا ضروری ہے لاکھوں اس شریف علم اور متاز فن کو ایسی لاپرواہی سے نہیں حاصل کرنا چاہیے کہ جس طرح کہ آج کل ایسا ملک تو ہیں حاصل کرتی ہیں اس سے بہتر ہے کہ اسکا نام ہی نہ لیا جائے یہی اس علم کو انسانوں کے مفید بیان کیا جاتا ہے ایسا بھی اسکے واسطے یہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ اگر اسکو کوئی شخص بے سمجھے اور لاپرواہی سے استعمال کرے تو اس سے انسان کا زیادہ تر کوئی دشمن نہیں شاید دنیا میں بہت سے ایسے مظلوم جانیں نکلیں گی کہ جنہوں نے نا تجربہ کار طبیبوں اور ڈاکٹروں کے ہاتھ سے دنیاوی زندگی کے گھر کو چھوڑ کر دارالعاقت کا راستہ لیا۔  
 ہم انسان کو علم جغرافیہ کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے انسانی جماعتوں کو تجارت اور بیوپار اور سفر کے واسطے غیر ملکوں اور انکی خصوصیات اور حالتوں کا دریافت کرنا اور اس بات کا جتنا کہ ایک ملک کا دوسرے ملک کو راستہ

کطرف سے ہو کر جاتا ہے اور غلام جگہ سے وہ کس قدر سافت اور فاضلہ پر ہے اور اسکے راستے میں کون کون شہر اور قصبہ جات آتے ہیں اور کس کس دریا اور اور پہاڑ سے گزرنا پڑتا ہے اور وہاں کیا کیا اجناس پیدا ہوتے ہیں اور کن کن اجناس اور شیون کی ضرورت اور مانگ ہے اور وہاں کی بود و باش کسے واسطے کس حیثیت اور طبیعت کے آدمی میں ایک ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ فیہ صحت بلکہ تجارت اور بیوپار میں ہی مدد نہیں دیتا بلکہ اور انسانی نسلوں کے ساتھ ہمارے تعلقات اور وسائل ہمدردی اور محبت کو مضبوط اور مستحکم کرتا ہے اور ایک انسانی نسل کو دوسری انسانی نسل سے ملنے کے یاد دلاتا ہے۔

دہم انسان پر ضروری ہے کہ علم الاشیاء کو بھی حاصل کرے اس علم میں دنیا کی اشیا اور موجودات کی ساخت اور بناوٹ کے دریافت اور معلوم کرنے کے وسائل اور ترکیب اور اسباب جیلانے گئے ہیں یہ علم انسان کے واسطے ایسے مفید مانا گیا ہے کہ اسکے حاصل کرنے سے انسان کی قوت متمیزہ اور طاقت متفکرہ میں ترقی اور رونق ہوتی ہے اور ان قوتوں کی ترقی اور رونق سے انسان اپنی دنیاوی زندگی کے برٹن کو عمدہ طور پر چلاتا ہے ایسے علوم میں جب انسان کو قوت تجربت کی ٹوکرسی مل جاتی ہے تو اس سے اور علوم مثل ڈاکٹری اور طب وغیرہ کو بہت مدد ملتی ہے۔

پانچوہم۔ علوم زراعت کا انسانی جماعتوں پر حاصل کرنا نہایت ہی ضروری ہے اس واسطے کہ سارے دنیا کے لوگوں کی زندگی کا مدار زراعت پر ہی ہے کوئی آسٹریلیا میں ہے کہ جسکی بود و باش کرنے والوں کا گذارہ زراعت کے سوا کسی اور چیز پر ہو انسان کو زندگی بسر کرنے کے واسطے درخت کے پھل اور دودھ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ دیتے ہیں مگر یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ساری دنیا کی انسانوں کی زندگی کے

کرائے کے واسطے کیا ایک ملک کے واسطے بھی کافی نہیں ہیں غلہ کے سوا سے  
 اور حبسوں کے کم ہو جانے سے دنیا میں کبھی قحط اور کال نہیں پڑا جب قحط پڑتا  
 غلہ کے کم ہونے سے ہی پڑتا ہے اور چیزوں کے قحط سے انسانی زندگی کو رنج اور  
 وکھ نہیں پہونچتا مگر جب غلہ کا قحط پڑتا ہے تو ساری انسان اپنی زندگی سے  
 مایوس اور ناامید ہو جاتے ہیں جبکہ زراعت کا صیغہ انسانوں کی زندگی کے  
 قائم رکھنے کے واسطے جزو اعظم ہے تو انسانوں پر لازم اور فرض ہے کہ اسکو  
 مندرجہ طور پر حاصل کرین خصوصاً اس ملک کے لوگوں کو کہ جہاں اکثر لوگوں  
 کا گذارہ زراعت پر ہی ہے ہندوستان میں زمین بہت ہی مگر افسوس ہے  
 کہ اس جگہ کے لوگ علم خلاعت اور فن زراعت سے اچھی طرح پرہیز اور وقت  
 نہیں ہیں ایسے شریقوں پر زراعت کرتے ہیں کہ اونہیں سے اکثر لوگوں کو بچا سے  
 نائدہ ہونے کے نقصان ہوتا ہے ہندوستان کے لوگوں علی الخصوص زراعت  
 پیشہ لوگوں پر لازم ہے کہ اس شریف فن کے حاصل کرنے کے واسطے خوب کوشش  
 کریں تاکہ انکی زمینیں پورا پورا فائدہ دیکر اونکو خوشحال اور فارغ البال بنائیں  
 دو آدھم۔ انسانی فرقوں پر ملکی آئینوں اور قوانین کا سیکھنا بھی ضروری ہے  
 دنیا کے پردہ پر کوئی ایسی قوم اور فرقہ نہیں ہے کہ جو کسی نہ کسی آئین اور قانون  
 کا تابع اور ماننے والا نہ ہو اگر رعیت اور محکوم لوگ ملکی آئینوں اور قوانین سے  
 واقفیت اور جہارت نہ رکھیں تو انھیں قانونی موانعارت اور ضروریات سے بچنے  
 اور پورا کرنے کے اور کوئی سبیل حاصل نہیں ہے رعایا پر ہر صورت میں لازم ہے  
 کہ ملکی قانون کی حمایت میں رہ کر اپنی عزت اور قدر و منزلت اور مال و جان کے  
 حفاظت کریں بہت لوگ قانون کے نہ جاننے سے ہی بعض جرموں کا ارتکاب  
 کر بیٹھتے ہیں جب اونکو قانون سے آگاہی ہوتی ہے تو بھرا بنے کیے پر نام اور پشیمان



ہوتے ہیں اگر انکو پہلے سے ہی قانون کی خبر ہوتی تو نادانستگی کی حالت میں پہنچنے کے  
جیون کا اتر کاہک کر کے بلا و آفت میں کیوں گرفتار ہوتے۔

سینر دہم۔ انسانی جماعتوں پر لازم اور ضروری ہے کہ فن تجارت کے اصولوں اور  
قواعد اور طریق کو یکساں دنیا میں انسان کے آرام دینے والی شے سب سے زیادہ  
دولت ہو اور تجربہ نے اس بات کو بوجہ ثابت کر دیا ہے کہ دولت تجارت کے ذریعہ  
بہ نسبت اور سب طریقوں کے ترقی پاتے اور تجارت کے ذریعہ سے ہی ایک ملک دوسرے  
دوسرے ملک والوں کی ضروریات اور حاجات کو پورا کرتے ہیں اس میں دو فائدہ ہیں  
ایک دولت کی ترقی اور دوسرے ملک کے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ایک صورت میں  
اپنا ذاتی فائدہ اور دوسری صورت میں اور انسانوں کا فائدہ۔ تجارت اس قدر  
شریف اور ممتاز فن ہے کہ ملکوں اور قوموں کے ادنیٰ العوم بادشاہ بھی اکثر اوقات  
انہیں تاجروں کے گرویدہ احسان اور مقروض ہو جاتے ہیں اور فوائد کو الگ  
رکھ کر صرف اسی پر زور دیتے ہیں کہ تجارت کے ذریعہ سے انسان کی زندگی کے آرام  
کی صورتیں مضبوطی اور وسعت سے ملتی آتی ہیں اور انسان اور لوگوں کو بھی فائدہ  
ہو پختا ہے اور اب بھی چین سے بسر کرتا ہے۔

چہار دہم۔ ہم اس چودھویں شق میں ضروری اور مفید فنون کے فرداً فرداً تفصیل  
نہیں کرینگے صرف اس قدر جھکاتے ہیں کہ دنیا میں جن فنون اور ہنروں کے عام طور پر  
قدر و منزلت مانگ اور ضرورت ہی انکو ضرور سیکھنا چاہیے۔ یہ قاعدہ کلیہ  
اس سے انسانی جماعتوں کو فنون اور ہنروں کے انتخاب اور تخصیص میں بہت سہولت  
اور آسانی ہوگی زمانہ میں جن ہنروں اور فنون کی ضرورت اور حاجت ہو انکو  
حاصل کر لینا چاہیے اور زمانہ میں جنکی ضرورت اور مانگ نہو میرے خیال میں فائدہ  
کے واسطے انکا سیکھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ جب وہ فنون اور ہنر ہمارے دنیاوی

زندگی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتی تو اونکا حاصل کرنا اور اپنے عزیز وقت کو برباد دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ انسانی جماعتوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نازک اور مصیبت کے وقت کا کوئی یار نہیں لاکن ہمارا یہ خیال ہے کہ نازک اور مصیبت کے وقت کا یار کوئی اچھا فن اور مفید ہنر ہے جسے مختلف ملکوں اور لوگوں کی تاریخوں میں مصیبت زدہ لوگوں کے حالات پڑھ کر اس بات کا سچے طور سے یقین کر لیا ہو کہ مصیبت کے وقت انسانوں کو مفید ہنر اور اچھے فن نے بہت مدد دی ہے اور دلچسپ اور با اثر حالات اور واقعات کے پڑھنے سے ہمارا دل اس بات پر زور سے شہاوت دیتا ہے کہ انسانی جماعتوں کو مفید فنون اور ہنر ضروری حاصل کرنے چاہیے۔ ہم اس کتاب کے ناظرین کے رجوع طبعیت کے واسطے چند ایسے فنون کا نام لکھ دیتے ہیں کہ جنکے زمانہ میں بہت مانگ اور ضرورت ثابت ہو رہی ہے لاکن ہم بھر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے نشانہ زدہ فنون کے سوا کوئی اور ہنر اور فن زمانہ میں ضروری اور مفید ثابت ہو تو اسکو بھی سیکھنا چاہیے غرضکہ اس بارہ میں کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ زمانہ میں جس فن کی ضرورت اور مانگ ہو اسکو سیکھنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں ان فنون کی زمانہ میں بہت مانگ اور ضرورت ہے۔ فن مصوری۔ فن خوشنویسی۔ فن تعمیر۔ فن نجاری۔ فن حدادی۔ فن گھڑی سازی۔ فن ڈرزی۔ فن شوچی۔ فن گھٹ سازی جس میں فولاد گرافٹ شامل ہے اور فن روغن سازی۔ اخیر ہم انسانی طبعیتوں کو اس طرف بھی میل دلانا چاہتے ہیں کہ انکو فن سپاہ گری میں ہی کچھ ملکہ اور وقوف حاصل کرنا چاہیے کیونکہ بدن کی چستی اور مضبوطی اور رفع اعدا اور حفاظت ملک کے واسطے اس فن کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔

حقیقی غرض اور علت غائی کیا ہونی چاہیے اور یہ ہیئت مجموعی علم کا اثر انسان کی زندگی پر کس قسم اور وضع کا ہونا لازم ہے۔ باعتبار ضروریات معاد کے حاصل کرنے سے ہمیشہ انسان کو یہ غرضیں رکھنی چاہئیں۔

(۱) علت العلل پاک لازوال ہستی اور مقدس وجود کے موجودگی وحدت وحدت مطلق الامور خالق الموجودات حافظ الکائنات، ہادی کل کلمہ دل سے اقرار کرنا اور اوپر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا۔

(۲) اپنے آپ کو فانی بنیاد بنانا۔

(۳) اپنے مالک - خالق - رازق - سبب الاسباب - اور قادر مطلق کی تقدیس - ستائش - اور یاد کو اپنی ناپیتر اور فانی زندگی کا ایک مضبوط اور عمدہ دستور العمل بنانا۔

(۴) ہمیشہ اپنی روح اور دل کی پاکیزگی اور لطافت کے حاصل کرنے اور قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔

(۵) ساری انسانوں کی دینی اور دنیوی بھلائی چاہنا اور ان کی ہمدردی کرنا۔

(۶) اپنے گناہوں پر ادا ہونا اور اپنی نیکی کو بڑھانی جانا اور ضروریات معاد کے لحاظ سے دنیوی علوم کے حاصل کرنے سے یہ غرضیں ہونی چاہئیں۔

(۱) دنیا میں رہ کر اپنے دنیاوی زندگی کو معقول اور عقیدہ اصولوں پر پورا کرنا۔

(۲) جو دنیاوی ضرورتیں اور کام پیش آئیں انکو عمدہ عمدہ تر کیمن اور تدبیر کے ذریعہ سے نہایت نیکانہ طریق پر جسبب اور محنت کے ساتھ نبھانا اور پورا کرنا۔

(۳) معاش کے حاصل کرنے اور سرمایہ معاش کے قائم اور ثابت رکھنے کی کوشش

عمدہ تدبیروں کا تلاش کرنا اور انکو حوصلہ اور صفائی کے ساتھ عمل میں لانا۔

(۴) اور انسانوں سے ہمدردی کے ساتھ پیش آنا اور اتفاق سے ضروریات

کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

(۵) نرمی سچائی دیانت داری ایسا نڈاری انصاف اور عدالت کو اپنا عمل اختیار کرنا۔

(۶) مفید کاموں اور شغلوں کو اختیار کرنا اور غیر مفید کاموں اور شغلوں سے احتراز کرنا۔

(۷) زمانہ کے موجودہ چال پر چلنا۔

(۸) علوم اور فنون کی ترقی پر زور دینا۔

(۹) دنیا کے عجائبات اور حقائق پر لحاظ اور غور کر کے اس سے مفید نتیجوں کا

پیدا کرنا اور قوم اور ملک والوں کو ان نتیجوں سے فائدہ پہونچانا یہ ہیئت مجموعی

انسان کی زندگی پر علم کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو ہر طرح کے عہد صفت

اور نیک باتوں کا مانوس اور عامل اور خوشگہنہاؤں سے اور بری باتوں اور بدعادتوں

سے ہر حال میں پرہیز کرے اور دنیا و دین کے کام نیک نیتی اور صداقت سے پورا

کر کے اپنی ذات اور انسانوں کو فائدہ پہونچائے۔ اور اپنے عزیز اور چند رفوہ

زندگی کا یہ دستور العمل قرار دے کہ میں اس واسطے دنیا میں بھیجا گیا ہوں کہ میں

اپنی ذات اور دوسروں کو فائدہ پہونچاؤں۔

امر نعم۔ علم کے نتائج اور تاثیروں کی غلطی اور صحت کے امتیاز اور پرتال کے واسطے

کیا اصول اور قاعدے ہیں ان میں اور ہر ٹالے اصولوں اور قواعد کے بیان

کرنے کے اول ہم اس امر کا غلط ہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ علم میں غلطی کا وقوع

مکن ہے یا نہیں اور اگر ممکن ہے تو اس کا وقوع کس طور پر ہوتا ہے۔ اس کے حسب

بحث کے طے کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم علم کے لمحہ اجزاء کی تفریق کریں۔ اس

کتاب کے ناظرین پر واضح رہے کہ نفس علم یعنی عین علم کے ساتھ جارا و جبرین باقی

جاتی ہیں جنکو عین علم ہی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔

عین علم میں شامل نہیں ہیں اور ان چاروں جزوں کا وجود عین علم کے وجود کے بعد ہی عین علم اور ان چاروں جزوں کے ملانے سے یہ صورت نکل آتی ہے۔  
 عین علم - علم عین علم - دلائل عین علم - استعمال عین علم - نتائج عین علم۔  
 عین علم ایک حقیقت کا نام ہے عام اس سے کہ اس کو عقل نے دریافت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عین علم اوس حقیقت کے ادراک اور دریافت کو کہتے ہیں خواہ کسی طریق سے ہو۔ جب عین علم یعنی اوس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے تو پھر اوس حقیقت کی صداقت کے ثابت کرنے کے واسطے جو دلائل وضع اور پیدا کیے جاتے ہیں ان کو دلائل عین علم کہا جاتا ہے عین علم کی صداقت کے دلائل کو عمل میں لانے کا نام استعمال عین علم ہے استعمال عین علم کی تاثیروں کے مقرر اور پیدا کرنے کا نام نتائج عین علم ہے اس ضروری تفریق کے بعد ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس تمام مجموعہ میں غلطی کے وقوع کا احتمال ہے یا کہ اسکے محض اجزاء میں جہان تک کہ ہمارا خیال پہنچ سکتا ہے اسکے ہر وجہ ہمارے یہ رائے ہو کہ عین علم میں غلطی کا وقوع ناممکن ہے اگر ہم قبول کر لیں کہ عین علم میں غلطی کا واقعہ ہونا ممکن ہے تو پھر یہ قبول کرنا پڑیگا کہ حقائق الاشیا غیر متحقق اور غلط ہیں اور یہ بات درست اور ٹھیک نہیں کیونکہ یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ حقائق میں غلطی نہیں ہوتی حقیقت نام ہے اوس حالت اور صورت کا کہ جس میں کوئی غلطی نہ ہو اگر اوس میں کوئی غلطی تسلیم کی جائے تو پھر حقیقت میں اوس کا نام حقیقت رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عین علم میں غلطی کا ہونا ناممکن ہے تو اب باقی رہیں چار جز میں سوان اجزاء اربعہ کی نسبت ہمارے خیال ہے کہ ان میں غلطی کا واقعہ ہونا ممکن ہے۔ ممکن ہے کہ ہم کسی حقیقت کے جاننے میں غلطی واقعہ ہو جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حقیقت کی صداقت کے ثابت کرنے کے دلائل میں ہم غلطی کھا جائیں علیٰ ہذا القیاس ممکن ہے

کہ عیسے استعمال عین علم اور اسکی تاثیر و ان کے پیدا اور مقرر کرنے کی حالت میں غلطی واقعہ ہو جائے اس امر کے ثابت کرنے کے واسطے کہ ان چاروں اجزاء لمحہ عین علم میں غلطی کا واقعہ ہونا ممکن اور محتمل ہے دلائل لانے کے کوئی ضرورت نہیں کہ یہ امر ادنیٰ فکر سلیم سے بھی واضح اور ثابت ہو سکتا ہے اب ہم اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ ان چاروں لمحہ اجزاء عین علم کے صحت اور اغلاط کو کن اصولوں اور قاعدوں کے بموجب معلوم اور دریافت کرنا چاہیے پہلے ایسے اصولوں اور قاعدوں کے لکھنے کی اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہو کہ آیا ان ہر چار اجزاء لمحہ عین غلطی سلسلہ واقعہ ہوتی ہے یا کہ اسکے برعکس ہمارے خیال میں غلطی کا وقوع اسطور پر ہوتا ہے یعنی اگر علم عین علم میں غلطی واقعہ ہوگی تو باقی کی ہر سہ اجزاء میں سلسلہ وار غلطی پڑ جائے گی اگر علم عین علم صحیح اور درست ہو مگر دلائل عین علم میں غلطی ہو تو اس صورت میں بھی باقی کے دونوں جزوں میں غلطی پڑ جائیگی اگر دلائل عین علم میں علم عین علم کی طرح غلطی واقعہ نہ ہو بلکہ استعمال عین علم میں ہو تو اس صورت میں باقی کی ایک صورت میں بھی غلطی پڑ جائیگی اگر صرف نتائج عین علم میں غلطی واقع ہو جائے تو اس صورت میں باقی اجزاء میں جو اس سے پہلے نمبروں پر واقعہ ہیں غلطی نہیں واقع ہوگی علیٰ ہذا القیاس اگر اس چوتھے جزو کی طرح تیسرے یا دوسرے جزو میں ہی غلطی واقعہ ہوگی تو اس صورت میں بھی پہلو دوسرے یا پہلے جزو میں اثبات غلطی کی ضرورت نہیں اتنی صحت اور غلطی کے یہ قاعدے ہیں اگر علم عین علم میں غلطی واقع ہو جائے تو اسکی صحت اور غلطی کے واسطے امتیاز اور پرتال کے واسطے یہ اصول اور قاعدہ ہے کہ اسکو متوجہ کو عقل سلیم اور قوانین قدرت کے ساتھ مطابق کرنا چاہیے اصل اہمیت اور مقابلہ سے علم عین علم کی غلطی کھل جاوے گی۔ کیونکہ کوئی عین علم نہیں ہے کہ جو عقل سلیم اور قوانین قدرت سے مطابق نہ ہو جو عین علم قوانین قدرت اور عقل سلیم کے

ساتھ مقابلہ اور ٹکرائیں نہیں آ سکتا دو عین علم ہی نہیں ہے یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے  
 کہ انسان کو علم عین علم کی غلطی کے وقوع کا علم کیونکر حاصل ہو۔ لیکن ایک شخص کو  
 علم عین علم میں غلطی ہو گئی ہے لاکن باوجود اس کے وہ اپنی اس غلطی سے واقف نہیں ہے  
 تو اس صورت میں اس کو اس غلطی کا علم کیونکر ہو۔ جواب اس بات کا یہ ہے غلطی  
 کے وقوع کا علم ہے۔ نتائج عین علم کو وزن کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے جب نتیجہ پر  
 خیال کیا جاوے اور وہ عقل سلیم اور قوانین قدرت کے مخالف نہ ہوں تو خود بخود یہ امر  
 کس جاوے گا کہ علم عین علم میں کوئی غلطی واقع ہو گئی ہے کیونکہ اگر اس میں غلطی کا وقوع  
 نہ ہوتا تو نتائج عقل سلیم اور قوانین قدرت کے مطابق کیونکہ ہوتے۔ اگر غلطی دلائل  
 عین علم میں واقع ہو تو اس کا اثر نتائج میں ظاہر ہو جاتا ہے جب نتائج کو عقل سلیم  
 اور قوانین قدرت کے مطابق کیا جاوے گا اور ادھر سے صحیح علم عین علم کو مقابلہ میں  
 رکھا جائیگا تو خود بخود غلطی اور صحت میں تمیز اور فرق ہو جائیگا اگر استعمال عین علم  
 میں غلطی پڑ جاوے تو اس کی تاثیر بھی نتائج میں جاری ہوگی نتائج کو عقل سلیم اور  
 قوانین قدرت کے ساتھ مطابق کرنے اور صحیح علم عین علم اور صحیح دلائل عین علم کو  
 مقابلہ میں رکھنے سے اس کی صحت اور غلطی صاف ہو جاوے گی۔ اگر نتائج عین علم  
 میں غلطی کا وقوع ہو جاوے تو یہ دستور معمول ان کو عقل سلیم اور قوانین قدرت  
 کے ساتھ مطابق کرنے اور صحیح علم عین علم اور صحیح دلائل عین علم اور صحیح استعمال  
 عین علم کے مقابلہ کرنے سے صحت اور غلطی میں امتیاز ہو جاوے گا اصل الاصول  
 ان قاعدوں کا دو باتیں ہیں۔ اول عقل سلیم اور قوانین قدرت پر خیال کرنا  
 دوم نتائج کا عقل سلیم اور قوانین قدرت سے مقابلہ کرنا۔ ان دونوں قاعدوں پر  
 عمل کرنے سے صحت اور غلطی صاف طور پر کھل جاتی ہے۔  
 امر وہم علمی طاقتیں کہان تک اور کس قدر ترقی پا سکتی ہیں۔ اگر ہم دنیا اور انسانی

جامعہ میں کی ابتدا ایسی حالات اور خیالات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی  
 وزن میں دنیا اور انسانی جامعہ میں اور فنون کے استقدر ترقی اور رونق  
 نہ تھی کہ جقدر مابعد کے وزن اور زمانوں میں ہوئی ہے آجکل کے علوم اور  
 فنون کو اگر پہلی صدیوں کے رد پر و پیش کیا جاوے تو وہ حیران ہو کر ضرور خیال  
 کریں گے کہ زمانہ نے بڑی ترقی کی ہے علوم اور فنون کو شروع سے لیکر آج تک سلسلہ  
 ترقی ہوتی چلی آئی ہے اگر ہم اس سلسلہ کے پہلے نمبروں کو اخیر نمبروں سے ملا  
 تو ان میں ضرور فرق نکلیگا اخیر نمبروں میں بہ نسبت پہلے نمبروں کے ترقی کا وزن  
 زیادہ ہوگا۔ جبکہ علوم اور فنون اور انسانی خیالات کو سلسلہ وار اب تک ترقی  
 ہوتی چلی آتی ہے تو اس سے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اگلے وزن اور زمانوں میں  
 بھی اس ترقی کا سلسلہ شروع رہیگا اور وقت تک کہ خداوند کریم اس دنیا کی  
 بھیجی ہوئی کھف کو لپیٹ لے ونبوی علوم اور فنون کے ترقی کا مدار استقرار اور  
 تتبع پر ہے آج تک جقدر علوم اور فنون ونبوی کے نامور پذیر ہو چکے ہیں ان  
 سب کا اصل الاصل تتبع اور استقرار ہے جیسے انسان کو تتبع اور استقرار  
 کی ضرورت پڑے اوسیکہ وزن اور مقدار پر علوم اور فنون کو ترقی ہوتی گئی تتبع  
 اور استقرار کی صورت اور وقت پیش آتی ہے کہ جب تھی نئی ضرورتی الا تمام ضرورتیں  
 پیدا ہوں۔ اور یہ بات تجربہ اور خیالات انسانی نے ثابت کر دی ہے کہ جب یہ  
 ضرورتوں کا پیدا ہونا اور پیش آنا بقا سے نوع انسان تک قائم اور ثابت رہیگا  
 جب باعث ایجاد علوم اور فنون کو استقدر وسعت اور استقامت حاصل ہے  
 تو پھر سوائے اسکے اور کیا نتیجہ نکالا جاوے کہ علمی طاقتیں اس درجہ تک ترقی  
 پاسکتی ہیں کہ جن درجہ تک انسانی خیالات اور ضرورتیں ترقی ہو کر تتبع اور استقرار  
 ترقی اور وسعت بخشی ہیں یہ سب خیال میں بعض لوگوں کی یہ رائے کہ اب اور



علوم اور فنون کا ایجاد یا ظاہر ہونا یا کرنا مشکل ہے صحیح اور درست نہیں ہر اس  
 قول اور رائے کو ہم اس وقت قبول کر سکتے ہیں کہ جب ہم اسکے ساتھ ہی عیث  
 اور اسباب ایجاد یا ظہور یا اظہار علوم اور فنون کا ہونا تسلیم کر لیں جبکہ بوعیث  
 اور اسباب مذکور کا ہونا ہم تسلیم کرتے ہیں تو یہ ضرور ہے کہ علوم اور فنون کی ترقی  
 روز افزوں کو قبول کریں کشتہ ط کا قبول کرنا اور شرط کو اور ادنیٰ و انسانی کا  
 کام نہیں۔ جب شرط موجود ہے تو شرط بھی ضرور پایا جائیگا۔ بعض لوگوں  
 کا یہ بھی خیال ہے کہ ایجاد یا ظہور یا اظہار علوم اور فنون کیواسطے بڑی بڑی حکیموں اور فضائل  
 لوگوں کے بالخصوص ضرورت ہے میرے خیال میں اس خیال کے ساتھ کہ یہ قدر غلطی ملی ہوئی ہے  
 میرے خیال ہے کہ حکیم اور فضائل فاضل آدمی علوم اور فنون کو بیشک نسبت اور لوگوں کے ایک  
 عمدگی اور آسانی سے ظاہر یا ایجاد کر سکتے ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور افراد انسانی  
 کی عقل اور ادراک کو ایجاد یا اظہار علوم اور فنون سے بالکل ہی عاری اور محروم سمجھا جا  
 دنیا میں بہت سی علوم اور فنون اس قسم کے پائے جاتے ہیں کہ اونکے وجود و ظہور متوسط درجہ آدمی  
 تھے اونکو حکیموں میں شمار نہ کیا جاتا تھا البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حکیم اور فاضل منش لوگ  
 اور لوگوں کے ایجاد کردہ فنون اور علوم کو زور حکمت اور فراست سے ترقی اور ترقی  
 دیتے ہیں کیونکہ اونکے ہاتھ میں رونق اور ترقی دینے کے اسباب اور مواد موجود  
 ہوتے ہیں۔ علوم اور فنون کا پیدا یا ظاہر کرنا عقل سے متعلق اور یہ بات  
 مان لی گئی ہے کہ جو ہر عقل سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ ان اس بات کو  
 میں ماننا ہوں کہ عقل کے مقدار اور سلامتی میں بہت فرق ہے تمام افراد بشر کی  
 عقل کیساں حیثیت اور ایک ہی مرکز پر واقعہ نہیں ہے آپس میں اونکے تیز  
 اور تفاوت ہے۔ اور یہ دوسری بات ہے جب عقل کا وجود ہر ایک انسان میں  
 پایا جاتا ہے تو بہرہم ایک آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ہر ایک انسان

اوس عقل کے ذریعہ اور زور سے استقرار اور تہمت سے علوم اور فنون کو بہایا طاهر کر سکتا ہے یعنی علوم اور فنون کے ایجاد اور اظہار کی قوت رکھتا ہے باقی رہی یہ بات کہ علوم اور فنون کے موجد اور منظر بہت تھوڑے ہوتے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ اوسکے طاقت بھی تھوڑی ہی تنفس رکھتے ہیں سو اسکا یہ جواب ہے کہ کسی طاقت کا اظہار اور شہ ہے اور اسکا ایک وجود میں قدر تا پایا جانا اور شہ ہمارے بحث موجودگی طاقت مذکور سے ہے نہ کہ اس امر کے بابت کہ اوسکو کون کون عمل میں لاتا ہے۔

امریا زدہم۔ علمی طاقتوں کی ترقی پانے اور دینے کے واسطے کون کون قواعد اور امور ضروری ہیں۔ قبل از بیان کرنے قواعد یا امور ضروریہ کے اس امر کا بیان کرنا مناسب ہو کہ جیسے علوم اور فنون مختلف ہیں ویسے ہی انکے ترقی کے قواعد اور امور مختلف ہیں۔ چونکہ سارے علوم اور فنون کے قواعد ترقی کا قلب بند کرنا ایک بڑی طوالت چاہتا ہے اس واسطے ہم صرف اوجہین کلیہ قواعد کے درج کرنے پر کفایت کرتے ہیں کہ جو باعتبار کلیت کے تمام علوم اور فنون کی ترقی پانے یا ترقی دینے پر حاوی ہیں۔ اون قواعد کو ہم تین شعبوں پر تقسیم کرتے ہیں۔  
معالجہ۔ نظر۔ بحث۔

### شع اول

نعت میں لفظ معالجہ کے معنی دیکھنے کے ہیں اور اصطلاح میں ایک چیز پر وقت حاصل کرنے کو کہتے ہیں معالجہ ایک ایسا کثیر الاستعمال لفظ ہے کہ جب کو ہر ایک شخص اور ہر ایک اعلیٰ اونے طالب علم جانتا ہے گو لفظ معالجہ کثیر الاستعمال ہے مگر لفظ مذکور اپنے معانی اور نتائج کے اعتبار سے ایک ایسا لفظ ہو کہ جس پر پورے غور اور فکر کرنے لازم ہے۔ بہت شخص باہت طالب علم معالجہ کرتے ہیں یا دوسروں کو کہتے ہیں

کہ مطالعہ کرنا چاہیئے یا یہ کہ اونکو اس امر کا علم ہے کہ مطالعہ بھی کوئی شے ہے اور اگرچہ  
اکثر اشخاص یا طالب علم مطالعہ کو صرف رسمی جبکہ مکتبی یا ایجوکیشنل رسم کہنا چاہیئے  
یا بندہ یا خیال اور لفظی اعتبار سے ہر کرتے یا جانتے ہیں لفظ مطالعہ کا گو اونکے  
زبان پر دن میں بیسوں دفعہ آتا ہے لیکن اُسکے حقیقت اور اقسام اور صورتوں  
کا اصلاً علم نہیں ہوتا یہی باعث اور موجب ہے کہ ایسے لوگ مطالعہ سے مستفید نہیں  
ہوتے کسی شے یا قاعدہ سے استفادہ کی ڈگری اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ  
جب اس شے یا اس قاعدہ کو عین اوسکے مراتب پر استعمال کیا جاوے چونکہ بعض  
لوگ مطالعہ کو اوسکے حقیقی مراتب پر استعمال نہیں کرتے اس واسطے اوسکے قسم  
کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ واضح ہو کہ مطالعہ باعتبار اپنے ذاتی نتیجوں کے  
تین قسم پر ہے۔ اول ابتدائی۔ دوم انتہائی۔ سوم خیالیہ۔ مطالعہ ابتدائی سے  
وہ مطالعہ مراد ہے کہ ایام طالب علمی میں سمجھل ہوتا ہے۔ مطالعہ انتہائی سے  
وہ مطالعہ مراد ہے کہ جو ایام انتہائے تحصیل علوم سے وابستہ ہوتا ہے یعنی فارغ التحصیل  
ہونے کے بعد ظہور میں آتا ہے۔ مطالعہ خیالیہ سے وہ مراد ہے کہ جو ابتدا اور ابتدا  
دو لون زانوں میں ہوتا ہے مگر صرف خیال سے مربوط ہوتا ہے نقوش یا تحریرات  
یا اشارات سے اسکو علاقہ اور لگاؤ نہیں ہوتا۔ ہر سہ اقسام مندرجہ بالا کے اصول  
اور طریقہ جدا جدا ہیں۔ پہلی شق کے اصول اور بن اور شق ثانیہ کے اور۔ اور  
علیٰ ہذا اقیاس شق ثالث کے۔ اس واسطے کہ ہر سہ اقسام مذکور کے اصول اور طریقہ  
الگ الگ ہیں اس امر کو ضروری اور مناسب خیال کیا جاتا ہے کہ اونکو منبر وار  
بیان کیا جاوے۔

### شق اول مطالعہ ابتدائی

۱۔ ابتدائی مطالعہ کے نام سے مراد وہ مطالعہ ہے کہ اس میں

ول اور خیالات کو پاک صاف کر کے کتاب کو صرف اس میت سے ہاتھ میں لے کر اُسکو مطالعہ کہا جاوے گا۔

(۲) - ایسی جگہ پر بیٹھ کر مطالعہ نہ کرے کہ جہاں کوئی شخص یا کوئی اور شے کی طرح سے اُسکے طمانیت طبعیت کے خارج اور بخل ہو۔

(۳) اُسوقت یا اوس حالت میں مطالعہ نہ کرے کہ جب کسی جہت سے طبعیت اور یا انسان ہو کیونکہ ایسی صورت میں طبعیت بار مطالعہ کو اُدھٹانہ سیکھی اور اس صورت میں کچھ فائدہ نہوگا۔ انسان کی طبعیت حل مقاصد یا مطالب پیش آمدہ پر اس حالت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ جب مرکز اعتدال بر قاعہ اور ثابت ہو۔

(۴) مطالعہ کے وقت ڈکشنری یعنی لغت اور کوئی نہ کوئی شیخ اپنے پاس ضرور موجود رکھنی چاہیے کیونکہ بعض وقتوں میں طالب علموں کو اس قسم کی دقیق اور مواعظ پیش آجاتی ہیں کہ جنکا حل کرنا ڈکشنریوں اور شرح پر موقوف ہوتا ہے طالب علموں کی طبعیتیں الفاظ یا معانی اور تراکیب جمل اور عوارض پر بیاعث مبتلا ہونے کے اسقدر محیط اور حاوی نہیں ہوتیں کہ انکو مطالعہ کے وقت ڈکشنریوں یا شرح کی حاجت نہ پڑے سٹوڈنٹ کی زندگی ابتدائی حالت ہوتی ہے انکو ڈکشنریوں اور شرح کی جقدر ضرورت پڑے تھوڑی ہے۔ مثنی یا فارغ التحصیل لوگوں کو بھی مطالعہ کے وقت مختلف شرح اور تفرق ڈکشنریوں کی حاجت پڑتی ہے اگرچہ طالب علم استاد سے الفاظ مشککہ اور جمل مدفقہ کے معانی یا مطالب دریافت کر سکتے ہیں مگر جو لطف اپنے طور پر مطالعہ کی حالت میں دریافت کرنے کا ہو وہ مارا جاتا ہے (۵) طالب علموں کو حتی المقدور اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ اُنکے پاس صحیح اور عمدہ کتابیں ہوں کیونکہ اگر کتابیں منقوص اور غلط ہوں گی تو مطالعہ میں بہت دقیق پیدا ہوں گی۔

(۶) جان تک مطالعہ کرنا ہو پہلے وہاں تک بلا فکر اور غرض کرنے کے بڑھ جاؤ اور اس مقام مقام پر نپسل سے یادداشتی نشان کرو تاکہ طبیعت کو عبارت اور افکار سے ایک لگاؤ پیدا ہو جائے اگر شروع سے ہے فکر اور غرض کو ساتھ لیا جائیگا تو طبیعت متحمل نہوگی۔

(۷) جب اس مرحلہ کو طے کرلو تو ہر ایک ایک جملہ کو پڑھو سب سے پہلے پڑھے ہوئے جملے کے الفاظ کو دیکھو کہ ان میں کسی قسم کی غلطیاں تو نہیں اگر کوئی غلطی ہو تو اسکو صحیح اور درست کرو تاکہ ادراک مطلب اور اخراج مفہوم میں حاجہ نہو بعد اسکے اس جملے کے لفظی معنی کرو اگر کسی لفظ کے معنی نہ آتے ہوں تو دکنسری نکال دیکھو اسکے بعد با محاورہ معنی کرو تاکہ اس جملہ کا مطلب ایک موزون اور آسان صورت میں آجائے بعد اسکے اپنے طور پر زبانی جیسا کوئی شخص ایک بات یا ایک مطلب کو سمجھ کر دوسرے شخص کو سمجھاتا ہے۔ بلا دیکھنے کتاب کے تقریر کرو جب ایک جملہ طے ہو جاوے تو دوسرے کو چھیڑو ایک ہی دفعہ چند جملوں کو نہ پڑھو کیونکہ اس صورت میں طبیعت کے وق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۸) جب مفہم اسبق پوری ہو جاوے تو پھر ایک دفعہ سارے سبق کے زبانی تقریر کرنی چاہیے تاکہ طبیعت ساری عبارت کے مطلب پر حاوی ہو جاوے۔

(۹) جب مطالعہ کرنے کے بعد اور مطالعہ جملوں کے پاس جو فیلو کلاس ہوں جاؤ تو اول سے مطالعہ کئے ہوئے سبق کی بابت زبانی بحث کرو اس سے فائدہ ہوگا کہ اپنی معلومات کے صحت اور غلطی کا امتحان ہو جائیگا۔

### شوق دوم مطالعہ تہمتہ

(۱) جب قدر مراتب نمبر ۷ تک مطالعہ جملوں کے واسطے بیان ہوئے ہیں وہ فارغ التحصیل لوگوں کی ذات سے بھی تعلق رکھتے ہیں فارغ التحصیل لوگوں کو بھی اوپر غور کرنی چاہیے

(۲) جب فارغ التحصیل لوگ کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہوں تو انکو اپنے ذہن میں عبارت مطالعہ پر خدشات اور اعتراضات پیدا کرنے لازم ہیں اور جب اعتراضات پیدا ہو چکیں تو ذہنی طور پر ہے ان کے مبالغات اور واقعات کی صحت اور غلطی کا لحاظ اور تہیہ کریں اور زور دیکھیں کہ مبالغات اور واقعات موردہ اور موقعہ نہ مل سکتے ہیں یا نہ (۳) پہلی تصوریات کی بابت احداث اعتراضات اور خدشات کا سلسلہ شروع کریں اور بعد اوسکے تصدیقات کی بابت -

(۴) - فارغ التحصیل لوگوں کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ وہ بسبب فراغت کے مشکلات مطالعہ اور ان وقتوں کو جو حالت مطالعہ میں ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں بلا کسی اور امداد کے ہمیشہ حل کر لیا کریں گے نہیں بلکہ انکو ہمیشہ مشکلات مطالعہ کے حل کرانے کے واسطے اور لوگوں کی امداد کی امید رکھنی چاہیے اور جب انکو اثنائے مطالعہ میں کوئی حل طلب عقدہ پیش آئے تو خوشی سے اور دراندیش اور رسامزاج لوگوں کی - یعنی چاہیے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہر ایک وقت علمی مشکلات کو بلا امداد غیار حل کر گیا -

(۵) چونکہ نافع التحصیل لوگوں کو طالب علموں کی طرح محدود مضامین اور محدود عبارت کا مطالعہ کرنا شرط نہیں ہوتا اس واسطے انکو لازم ہے کہ وہ اس آزادی کی حالت میں جس کتاب یا جس آرٹیکل کا مطالعہ کرنا شروع کریں نہایت توجہ اور استقامت طبیعت شروع کریں (۶) - کتاب کو ابتدا سے انتہا تک دیکھیں تاکہ طبیعت اوسکی آسان اور شکل مقاصد پر پوری طرح سے تصرف اور ماہر ہو کر اظہار رائے کا موقعہ پیدا کرے -

(۷) جس مطلب کو طبیعت دریافت نہ کر سکے اوسکو کسی دوسرے موقعہ پر محفوظ رہنا چاہیے ایک ہی دفعہ طبیعت پر بوجھ نہ ڈالنا چاہیے ہاں اگر طبیعت بالکل ناچار ہو جاوے تو اوس صورت میں اور وہاں سے امداد کی درخواست کرتی چاہیے - جب تک اپنی طبیعت میں اور اک

مطلب کی طاقت اور قوت باقی رہے تب تک ان سے امداد کی درخواست کرنی اپنی  
طبیعت کو دیدہ و دانستہ کاہل اور کمزور بنانا ہے۔

### مطالعہ خیالیہ

مطالعہ خیالیہ کی تعریف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس قسم کا مطالعہ تحریرات اور اشارات  
اور نقوش سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اسکا تعلق امورات عقلیہ اور خیالیہ سے ہوتا ہے  
انسانوں میں ایک ایسی قوت بھی ہے کہ جسکے ذریعہ سے ہر کسی تحریر اور نقش کے انسان  
اپنے خیالات کے ذریعہ سے امورات عقلی اور وحی کی بابت مطالعہ کر سکتا ہے انسان کا  
علم کتابیہ نقوش یا تحریرات سے ہی وابستہ نہیں بلکہ اصل میں بوجھ تو انسان کا  
علم سب سے اول عقلی یا خیالی طور پر ہے شروع اور پیدا ہوتا ہے اور پھر احاطہ  
اور دائرہ تقریر میں آتا ہے۔ دنیا میں جس قدر علوم اور فنون پائے جاتے ہیں  
وہ پہلے پہل انسان کے دلوں میں ہی پیدا ہوئے تھے پھر اولیٰ بہ تدبیر و تخریر  
تقریر کے صورت میں لایا گیا جبکہ سب علوم اور فنون کا شروع اور ابتدا عقل اور  
قلوب سے ہی مربوط ہے گویا سب قسم کے علوم اور فنون کے پودے عقلی باغبان کی  
توجہ اور کوشش سے ہی لگائے گئے ہیں تو پھر عقلی اور خیالی طور پر مطالعہ کرنا  
ایک ضروری اور ممکن صورت امر ہے مطالعہ خیالی کے شروع کرنے کے واسطے  
تین باتوں کی اشد ضرورت ہوگی یا تین باتیں اصل الاصول ہیں۔ اول استقامت  
طبیعت اگر استقامت طبیعت نہ ہوگی تو بھٹوری دیر کے بعد ہی اس خیالی سلسلہ میں  
ضعف اور کمزوری آئی شروع ہوگی جبکہ ایسے مطالب سے جو کتابوں اور نقوش  
یا اشارات میں مرکوز نظر آتے ہیں انسان کی طبیعت دل برداشتہ ہو جاتی ہے تو  
پھر عقلی امورات اور خیالی ابحاث میں تو ضرور ہی ضعف اور کمزور ہو جاتی ہوگی  
دوسرے کیسویں خیالات یہ بات نہایت ہی ضروری اور لازمی ہو کہ عقلی یا خیالی مطالعہ

مطالعین کے خیالات منتشر نہ ہوں۔ خیالات کا انتشار خیالی مطالعہ کے واسطے سخت قباحت ثابت ہوئی ہے خیالی مطالعہ میں خیالات کا یکسو ہونا نہایت ہی ضروری امر ہے جب تک مطالعین کے خیالات مستقیم اور یکسو نہ ہوں گے تب تک طبیعت استقامت پذیر نہوگی اور جب طبیعت مطالعین استقامت پذیر نہوگی تو خیالی مطالعہ کے فوائد اور منافع مرتب اور غا ہر نہو گے۔ خیالی مطالعہ پر کیا منحصر ہے ابتدائی اور انتہائی مطالعہ میں بھی اگر خیالات کا انتشار ہو تو مطالعہ کے ضروری ضروری فوائد ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ طالب علموں کو سبق کا یاد کرنا ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے اگر اوس میں بھی خیالات کی یکسوئی نہوگی تو فوائد مرتب نہو گے۔ جب چھوٹے چھوٹے باتوں اور معمولی مقاصد کے استحصال کے واسطے خیالات کی یکسوئی اور استقامت درکار ہے تو پھر خیالی مطالعہ میں تو اوسکا بدرجہ اولے ہونا لازمی اور ضروری ہے جب خیالات یکسو اور مستقیم الحالت ہو جاتے ہیں تو انسان کی طبیعت پیش آواز عقہ اور مطالب کو اس خوش اسلوبی اور عمدگی سے حل کرتی ہے کہ جس سے ہزاروں دقائق اور نکتے معلوم ہوتے ہیں۔ یکسوئی خیالات کی حالت میں انسان کے طبیعت میں تیزی اور جولانی آ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گو یا طبیعت کے سر سے ایک بڑا بوجھ اوتا را گیا جسکے سبب طبیعت کی رفتار میں ایک بلکاپن اور سبکی پیدا ہو جاتی ہے دیکھو جب ہم اشغال کثیرہ اور افکار پیش آمدہ کے وقت کسی معاملہ کی بابت غور کرتے ہیں تو ہماری طبیعت خیالات کی یکسوئی نہ ہونے کے باعث کیسی بے قرار اور مضطرب ہوتی ہے ہزار کمین کہیں نکل مقاصد کی طرف غور نہیں کرتے اس تساہل کا اصل باعث یہی ہے کہ خیالات منتشر ہوتے ہیں اور طبیعت کی حالت دگرگون ہونے کے سبب متوجہ نہیں ہوتی برخلاف اسکے جب خیالات یکسو ہوتے ہیں اور طبیعت کی حالت میں دگرگونی حاصل نہیں ہوتی تو بڑی چابکدستی



اور خوشی سے حل مقاصد پیش آمدہ پر دوڑتی ہے اور ایک آسانی سے بڑی بڑے  
 اوق مسائل اور بحث مقاصد کو حل کر لیتی ہے اگر کوئی وقت بھی پیش آ جاتی ہے  
 تو اوسکو بڑی اسفناست اور خوش اسلوبی سے حل کر دیتی ہے اس تیزی اور استقامت  
 اور دور کا اصل موجب اور حقیقت یکسو ہونا خیالات کا ہے مطلقین کو خیالات کی کمی  
 کے واسطے سب سے اول سعی اور کوشش کرنی لازم ہے تاکہ پورے فوائد حاصل ہوں  
 نتیجہ سے یہ کہ مسئلہ صحیح اور مامون من الاغلاط ہو اگر مسئلہ جسکی بابت مطالعہ شروع  
 کیا جاوے گا صحیح اور مامون من الاغلاط نہوگا تو مطالعہ کی پٹری درست اور ٹھیک  
 نہ بیٹھے گی خیالی طور پر بہت سے اس قسم کے مسائل ہی پیدا ہو سکتے ہیں کہ جو اپنے  
 مطالب اور مقاصد کے اعتبار سے بالکل فضول اور لغو ہوں مطلقین کو اس امر  
 میں احتیاط کرنی چاہیے کہ انکے خیالی مسائل صحیح اور مامون من الاستقام ہوں۔  
 اس امر کے امتیاز اور امتحان کے واسطے کہ خیالی مسائل صحیح اور درست ہیں و یا  
 اوغین کسی قسم کی لغزش اور غلطی ہے۔ اس اصول کو اختیار کرنا چاہیے کہ جب کوئی  
 مسئلہ خیالی طور پر دل میں پیدا ہو تو اوسکو اسباب کی جہت سے پڑا ل کرنا چاہیے  
 اگر اوسکے اسباب درست اور ٹھیک ہوں تو وہ مسئلہ بھی درست اور ٹھیک ہوگا۔  
 اور اگر اسباب درست اور ٹھیک نہوں گے تو مسئلہ بھی درست اور صحیح نہوگا اور اسباب  
 کی صحت اور غلطی کے ادراک کے واسطے سب سے زیادہ عمدہ اور معقول طریقہ یہ ہے  
 کہ قوانین قدرت پر خیال کیا جاوے اگر اسباب قوانین قدرت کے موافق ہوں تو  
 صحیح سمجھے جائیں ورنہ غلط۔ اب اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مطالعہ سے  
 طلب کو خواہ کسی قسم کے ہوں بہت سے فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں مطالعہ  
 سے طلب کی طبعیتوں میں ایک تیزی اور شستگی پیدا ہوتی جاتی ہے جسکے سبب علمی  
 مدارج میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جب لوگ فارغ التحصیل ہو کر سکولز

یا مدرسوں سے آٹھ گھڑی ہوتے ہیں اور انکو اساتذگی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ نہیں ملتا تو انکے واسطے علمی مدارج کو ترقی دینے کی غرض سے مطالعہ سے زیادہ کوئی اصول ضروری اور مفید نہیں ہے انسان ساری عمر ہی استادوں کے پاس یا اسکولوں میں نہیں بسر کر سکتا اور سکو اور بھی ایسی ضروری کام ہیں کہ جن کو اسکے مصروف ہونا ضروری اور لازمی ہے اور یہ بات بھی لازمی اور ضروری ہے کہ علم کو ترقی اور رونق ہونی چاہیے اور ترقی اور رونق بلا اسکے نہیں ہوتی کہ علم کا شغل رہے پس اسکے واسطے مطالعہ کا قاعدہ مفید اور لازمی ہے کیونکہ اس قاعدہ کی پیروی سے شغل علمی بھی ہوتا رہتا ہے اور علم کو وقتاً فوقتاً ترقی بھی ہوتی رہتی ہے اور دوسرے اشغال اور افکار کا بھی اسناد و لازم نہیں آتا مطلقین پر لازم ہے کہ مطالعہ کے واسطے کوئی ایسا وقت محفوظ رکھیں کہ جس سے اوہیں کسی جہت سے حرج اور نقص واقعہ نہ ہو۔

### نظر

نظر کے معنی فکر کرنے کے ہیں۔ نظر اور مطالعہ میں بہت فرق ہے مطالعہ صرف صورت و قوت کا نام ہے جس میں فکر کو پورا پورا دخل نہیں ہوتا بلکہ ایک سرسری غور ہوتی ہے اور نظر کی صورت میں فکر کو کامل دخل ہوتا ہے۔ وقوف بلا فکر ہو سکتا ہے لکن فکر بلا وقوف نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہم ایک شے سے واقفیت نہیں حاصل کرینگے تب تک اسکی بابت فکر کیونکر کی جاسکتی ہے فکر کا وجود سمیٹ میں پیدا ہوتا ہے کہ جب وقوف حاصل ہوئے۔ وقوف صرف موجودہ الفاظ اور اون الفاظ کے معانی یا موجودہ شے کی صورت سے ہی متعلق ہوتا ہے لکن نظر کی صورت میں خارجی متعلقات اور بعید نسبتوں پر بھی غور اور فکر کرنی پڑتی ہے نظر مطالعہ سے دوسرا درجہ ہے جب اہل علم یا اہل فن مطالعہ کا پہلا درجہ طے کر لیتے ہیں تو

تقسیم کے دوسرے درجہ پر آنا پڑتا ہے پہلے درجہ میں احتیاط ملحوظ رکھی جاتی ہے  
 دوسرے درجہ میں اس سے بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے صریح پر مطالعہ چھوڑ کر  
 منقسم ہے اس صریح نظر بھی بلحاظ اثر کے دو قسم پر ہے۔ نظری العلوم۔ نظری فنون۔  
 پہلی قسم علوم سے متعلق ہے اور دوسرے فنون سے۔ قسم اول کے تین قسمیں ہیں۔  
 اول نظری الفاظ اور وہ چھ قسم پر ہے۔ اول نظری الفاظ من حیث الاطلاق  
 دوم نظری الفاظ من حیث العرف۔ سوم نظری الفاظ من حیث النحو۔  
 چارم نظری الفاظ من حیث الانشاء۔ پنجم نظری الفاظ من حیث البلاغۃ  
 ششم نظری الفاظ من حیث الفصاحت۔ جو شخص اس بات کا خواہاں ہے کہ  
 اس کی علمی طاقتوں میں رونق اور ترقی ہو اس کو لازم ہے کہ جب کسی علمی تصنیف یا  
 تالیف کو پڑھے تو اوں چھ باتوں کا خیال رکھے۔ ان چھ باتوں کے خیال رکھنے  
 سے پڑھنے والے کو صرف مولف یا مصنف کے مبلغ علم اور استعداد کی مضبوطی اور  
 کمزوری کا ہی علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ اپنی علمی طاقتوں میں بھی صفائی اور ترقی  
 اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے اب ہم ان چھ طریقوں کو مختصر سی تصریح کے ساتھ  
 علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

### اول نظری الفاظ من حیث الاطلاق

لغت میں لفظ اطلاق کے معنی پر کرنے اور تشریح کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس علم  
 کو کہتے ہیں جنہیں حروف کی ترکیبوں اور جوڑ اور مناسبات کا بیان کیا گیا ہے  
 پڑھنے والے کو چاہیے کہ جب کسی شخص کی تالیف یا تصنیف کو پڑھے تو قواعد اطلاق  
 طریق اور اصول بر الفاظ کی حرفی ترکیبوں پر لحاظ کرتا جائے اگر اس کو کسی لفظ کی  
 ترکیب میں شبہ یا شک یا شبہ ہو تو لغات اور قواعد اطلاق سے اس کی صحت کرے اگر  
 مولف یا مصنف نے اس میں شبہ لفظ کے جوڑ اور ترکیب میں غلطی کھائی ہوگی تو

صاف ہو جائیگی اور اگر پڑھنے والا غلطی کر رہا ہے تو اس کا فیصلہ ہو جائیگا اس صفائی اور فیصلہ سے یا تو پڑھنے والا آئندہ کی غلطی سے بچے گا اور یا اس کے خیال کو اس صورت میں کہ جب مصنف یا مولف غلطی پر ہو تکمیل حاصل ہو جائیگی کوئی صورت ہو پڑھنے والے کے حق میں فائدہ بخش ہو ثابت ہوگی۔

### دوم نظر فی الالفاظ من حیث انصر

لفظ صرف کے معنی لغت میں حیلہ - حادثہ - گردش زمانہ - اولٹا کرنے - اور پڑھنے کے بین اور صرفیوں کی اصطلاح میں صرف وہ علم ہے جس سے کلموں کی تغیر و تبدل کی شناخت حاصل ہوتی ہے پڑھنے والے کو چاہیے کہ ہر تصنیف اور تالیف کے پڑھنے علم صرف کے اصولوں اور قواعد کے موافق الفاظ کی تغیر و تبدل اور اشتقاق پر غور کرتا ہے اس سے علمی طاقتوں کو ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے ضرور نہیں ہے کہ صرف کے قواعد کو لائق مصنفوں اور فاضل مولفوں کی تصنیفات اور تالیفات دیکھتے وقت ازبر اور حفظ کیا جاوے ایسی حالت میں قواعد مذکور کا غور کامل اور فکر سلیم سے دیکھنا ہے کافی ہو۔ طوطے کی طرح یاد کرنے سے ترقی نہیں ہوتی البتہ قوت حافظہ کو کچھ رونق ہو جاتی ہے جب انسان فارغ التحصیل ہو کر علمی طاقتوں کو ترقی دینا چاہتا ہے تو اس کو یہی کافی ہے کہ ضروری قواعد اور اصولوں کو فکر سلیم کے زور سے طر اور صاف کر کے عام طور پر یاد رکھنے زیادہ تر ضبط اور حفظ کرنے کے کوئی ضرورت نہیں ہے جب فکر سلیم کی بدولت کوئی قاعدہ یا اصول حل ہو کر صاف ہو جاتا ہے تو پھر خود بخود ہی طبیعت میں منتقش اور متکمل ہو جاتا ہے اس کے ضبط اور حفظ کرنے کی تادہ تکلیف نہیں اوستانی پڑتی ہے۔

سوم نظر فی الالفاظ من حیث النحو

لفظ نحو کے معنی لغت میں راہ۔ طرف اور مانند کے میں اور نحو یون کی اصطلاح میں  
 نحو سے وہ علم مراد ہے کہ جس سے عبارت اور کلام کی ترکیب اور اس ترکیب سے  
 بوری اور اصلی معنی پیدا کرنے یا بنانے کے قواعد اور قوانین حاصل ہوتے ہیں  
 جب تک اس مفید اور شریف علم کے قوانین کو ساتھ نہیں لیا جاتا تب تک عبارتوں  
 اور کلام کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا اگر پڑھنے والا قواعد نحو کی مدد سے کام نہ لے تو اس کے  
 بعینہ ایسی مثال ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص ایک بڑے رونق دار اور آباد شہر میں  
 جائے اور وہ پیسہ ہونے کے سبب خالی ہاتھ چلا آئے بلکہ اس سے بھی زیادہ تر اس کا  
 بہ حال ہوتا ہے جیسے کسی عجیب اور آباد اور فرحت افزا شہر میں جانے سے اندھے کو  
 کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ہر اس شخص کا حال ہے کہ جو عالموں اور  
 فاضلوں کی تصنیفات اور تالیفات کے دیکھنے اور پڑھنے وقت قواعد نحو پر خیال نہیں  
 کرتا اگر پڑھنے والا پڑھنے کی حالت میں قواعد نحو کی دریافت اور معلوم کرنے کو  
 چند روز تک ہی اپنا طریق عمل بنائے تو پھر اس کی طبیعت میں خود ہی ایک ایسی  
 مہذبہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ جذبات محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔  
 اس طریق کو اختیار کرنے سے علمی ملاقتوں میں روز افزون ترقی ہوتی جاتی ہے  
 صرف اسی صیفہ میں نہیں بلکہ اس کی مدد سے اور علمی صیغوں میں ہے۔ روز بروز  
 رونق اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم صرف کے قواعد کے بابت اس امر کو غاہر کر چکے  
 ہیں کہ علمی ملاقتوں کو اپنے طور پر ترقی دیتے وقت اس کا حفظ کرنا ضروری نہیں ہے  
 اسی طرح ہر نحو کے قوانین کی بابت بھی یہی راسے ہے کہ حفظ کرنا کچھ ضروری نہیں ہے  
 حکمِ سلیم کے ذریعے بھی حل کر دینا کافی ہے۔

### چہارم نظر فی الالفاظ من حیث الانشاء

لغت میں لفظ انشاء کے معنی شروع کرنے اور پیدا کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس علم

کہتے ہیں کہ جہاں عبارت کی ترکیبوں اور بندش اور لوازمات اور مناسبات کا ذکر کیا جاتا ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ پڑھتے وقت علم انشاء کے قوانین اور قواعد پر ضرور خیال کرے جو شخص باوجود عالم ہونے کے انشاء پر داز نہیں ہے وہ ایسا عالم ہے کہ جیسے ایک کولایا لنگڑا آدمی ہوتا ہے جیسے لولالنگڑا چل نہیں سکتا اسی طرح یہ وہ عالم جو انشاء پر داز نہیں ہے اپنی علمی طاقتوں کو روکتی اور ترقی نہیں دے سکتا۔ انشاء پر دازی کو اس حال میں وسعت اور ترقی ہوتی ہے کہ جب مختلف انشاء پر دازوں کی طبعی اور دلچسپ تحریرات کو دیکھا جائے کسی کتاب اور تصنیف اور تالیف کو پڑھتے وقت دریا کی طرح گزر جانا اچھا طریق عمل نہیں ہے غرض مطالب کے حاصل کرنے اور مصنف یا مولف کے غرض اور دلائل و بیانات کو دریافت کرنے کی ہر نہ کہ کتاب کو شل کی طرح پڑھ کر سیر پر کھو بیٹھ کے۔ مصنفوں کی دلائل و بیانات کے دقائق اور نکات فر فر پڑھ جانے سے حاصل نہیں ہو سکتے ان دقائق اور نکات کے اصول کے واسطے پرلے درجے کے غور و فکر اور دور اندیشی اور احتیاط درکار ہے اہل علم کے قواعد کی رو سے حروف کی اصلی ترکیب اور جوڑ کے صحیح اور دریافت کرنے میں چند ان و ستواری نہیں اور ٹھانی پڑتی مگر علم انشاء کے قوانین کے رو سے عبارتوں کی اصلی اور واقعی ترکیب اور مناسبات کے دریافت کرنے کے واسطے سوچ اور فکر کی بہت ضرورت ہے خاص کر علم انشاء کی مخصوص کتابوں سے ہی قوانین اور قواعد انشاء پر دازی کی ترقی اور واقفیت نہیں ہوتی اور تصنیفات اور کتابوں سے بھی ایک عمدگی سے علم انشاء کی ضروری اور واجب التعمیل قوانین اور ضروریات کا ملکہ اور علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک مشہور فاضل کا قول ہے کہ میں نے عام فاضلوں اور مصنفوں کی تصنیفات اور کتابوں سے ہر علم انشاء پر دازی کا اس درجہ تک ملکہ

حاصل کر لیا ہے کہ میرے زمانہ کے لوگ مجھ کو اس علم میں اچھا ماہر مانتے ہیں۔  
فاضل موصوف کا قول بے شک درست اور صحیح ہے مگر ایسے طور پر انشاء پر دواز  
بنے کر واسطے پر لے درجہ کے موزون طبیعت اور فکر سلیم درکار ہے اس میں کچھ شک  
نہیں ہے کہ اگر اول لائق مصنفوں کی تصنیفات کو پڑھتے ہوئے آدمی انشاء کی  
طرف خیال رکھے تو بہت اچھی صفائی اور کمالیت حاصل کر سکتا ہے اسناد  
کہ ملنا تو اور بات ہے مگر اس طریق سے قواعد انشاء پر دوازی کا متوسط درجہ کا ملکہ  
حاصل ہونا مشکل اور بعید از قیاس نہیں ہے علوم انشاء کے قوانین اور قواعد آپ  
مشکل اور دور از قیاس نہیں ہیں کہ پڑھنے والے کی طبیعت پڑھنے کی حالت میں  
اونکے ضبط کرنے سے تنگ آجائے۔ اگر پڑھنے والا غور کرتا رہے تو طبیعت خود  
اون کے قوانین کے ضبط کرنے کے ڈھنگ پر جا رہتی ہے۔

### پنجم نظریۃ الفاظ میں حیث البلاغت

لغت میں لفظ بلاغت کے معنی جو ان ہونے۔ اور مرتبہ کمال پر پہنچنے کے ہیں  
اور اصطلاح میں کلام کو مطابق اقتضائے مقام کے لانے کو کہتے ہیں پڑھنے  
والے کو لازم ہے کہ پڑھنے کی حالت مصنف یا مولف کی عبارت نقد کلام کو قواعد اور حکایا  
سے بھی پرکھتا جائے اس پڑھنے والے کو ساتھ ساتھ ہی اس امر کا علم کافی حاصل  
ہوتا جائیگا کہ اقتضائے مقام کے مطابق کلام کو کس طرح پر لاتے ہیں اور کلام میں  
کن باتوں کو اہم اور مقدم رکھنا چاہیے اور کن باتوں کو موخر لانا چاہیے بہت  
سے تصنیفات اور کلام میں اس واسطے موثر ثابت نہیں ہوئیں کہ اونکے مصنفین  
اور متکلموں نے بلاغت کے قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مقبول اور پسندیدہ وہی  
تصنیف اور کلام ہوتی ہے کہ جبکہ قواعد بلاغت کی روی سے صاف کیا گیا ہو  
علم بلاغت کی مخصوص کتابوں میں بھی قواعد بلاغت کو ایک استقلال اور تصنیف

بیان کیا گیا ہے اور لائق فاضلون کے اور تصنیفات اور تالیفات میں بھی ان قواعد سے کام لیا گیا ہے اگر پڑھنے والا ان تصنیفات اور تالیفات پر غور و فکر کرے تو ادنیٰ سے بھی بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ طباع اور ذہین پڑھنے والوں پر مختلف تصنیفات اور متفرق تالیفات قواعد بلاغت کا دریافت اور معلوم کر لینا مشکل امر نہیں ہے جب طبیعت کو اس عجیب علم کی چاٹ لگ جاتی ہے تو بہت آسانی سے کامیابی حاصل ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ طبیعت پر بالکل گرانی اور بوجھ معلوم نہیں دیتا۔

### ششم نظر فی الالفاظ من حیث انحصار

لفظ فصاحت کے معنی لغت میں تیز زبانی اور خوش گوئی کے ہیں اور علم معانی کے اصطلاح کے بموجب اس فن کا نام ہے جس میں اس بات کو ثابت کیا جاتا ہے کہ کس قسم کے الفاظ کا عبارت میں لانا باخار کے نزدیک مستحسن اور زیبا ہو اور کس قسم کے الفاظ کا اطلاق اور استعمال غیر مانوس اور مکروہ ہے مختلف تصنیفات اور تالیفات کے پڑھنے وقت پڑھنے والے کو لازم ہے کہ از رو قواعد فصاحت کے اس امر کی تحقیق کرتا جائے کہ اس کتاب کا مصنف یا مولف جو الفاظ استعمال کرتا ہے اور ان کے استعمالی حالت کیسی ہے ہر موقع اور موزون واقعہ ہوئے ہیں یا بے موقعہ اور غیر موزون پڑھنے والے کو الفاظ کے استعمالی حالت معلوم کرنے سے ایک ایسا مضبوط ملکہ حاصل ہو جائیگا کہ اس کی طبیعت صحیح اور موزون استعمال پر قائم اور ثابت ہو کر غلط اور غیر موزون استعمال سے ہٹ جائیگی اور اس صحیح اور موزون استقامت سے اس کی طبیعت میں ایک استقلال سی علمی طاقتوں کو رونق اور ترقی حاصل ہوگی۔

اوپر کی سطروں میں چنے ہوئے شش ششون کی بابت بالاختصار ذکر کر دیا ہے اب ہم



اس بات کو کھولنا چاہتے ہیں کہ اون ہر شے شقون بن کر نہ صرف اونہیں علمی طاقتوں کو ترقی ہوتی ہے جو اون چھ شقون سے متعلق ہیں کہ یاد دہانی اور علمی طاقتیں بھی متاثر ہوتی ہیں ہمارا یہ خیال ہے کہ ان شقون کے متعلقہ علوم یعنی اگلا۔ صرفت۔ نحو۔ انشا۔ بلاغت۔ اور فصاحت۔۔ اور علوم کو زیبائش اور آرائش اور لطافت بخشنے والے ہیں مختلف تصنیفات اور تالیفات میں اونکا بالاتر از خیال رکھنے سے اور علوم کو بھی بلا شک اعلیٰ درجہ کی صفائی اور لطافت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ قسم اول کی دوسری قسم نظری المعانی ہے اور وہ تین قسم پر ہے۔ اول نظری المعانی من حیث الالفاظ۔ دوم نظری المعانی من حیث المراد۔ سوم نظری المعانی من حیث القرائن۔

### قسم اول نظری المعانی من حیث الالفاظ

پڑھنے والے کو چاہیے کہ پڑھتے وقت الفاظ سے متعلقہ کے معانی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنا جائے لغت کی رو سے بھی اور محاورہ کی رو سے بھی بہت سے ایسے الفاظ ہیں کہ لغت میں ان کے معنی کچھ اور بیان کیے گئے ہیں اور محاورہ میں کسی اور طرح پر استعمال کیے جاتے ہیں پڑھتے وقت ان دونوں شقون کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

### قسم دوم نظری المعانی من حیث المراد

بہت سے الفاظ اسی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں کہ عام طور پر ان کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں اور استعمال کرنے والا اونہیں الفاظ سے اپنے خیال میں کوئی اور معنی مراد لیتا ہے مرادی معنی عبارت کے ڈھنگ اور طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے اگر ان مرادی معنوں پر خیال نہ کیا جائے تو وہ لطف حاصل نہیں ہوتا کہ جو مصنف اور متکلم کو حاصل ہے پڑھنے والے پر واجب ہو کہ طرز عبارت اور کلام سے ان مرادی معنوں کو سمجھنے کے ساتھ سمجھتا جائے اس سے ایک تو لطف کلام حاصل ہوتا ہے

اور دوسرا ذہن کو رسائی کا مادہ حاصل ہو کر علمی طاقتوں کو رونق اور ترقی ہوتی ہے۔

### قسم سوم نظری المعانی سن حیث التقرین

لغت میں لفظ قرینہ کے معنی وہ نسبت ہو کہ جو دو چیزوں کے درمیان موجود اور پیوستہ ہو اور اصطلاح میں قرینہ اوس نسبت کا نام ہے کہ جس سے کسی امر پر بوجہ مناسبت اسے قائم کی جاسکے اور اور اسکی چار قسمیں ہیں۔ اول قرینہ دوم قرینہ شان شے۔ سوم قرینہ قریبہ۔ چہارم قرینہ بعیدہ۔

قرینہ شے وہ قرینہ ہو کہ جسکی شے کی ذاتی نسبت کسی دوسری شے کی بابت اسے قائم کرنے کے واسطے موبہ ہو قرینہ شان سہ وہ قرینہ ہو کہ جسکی شے کے متعلقات ظاہری اور معنوی اور ذاتی نسبت سے کسی دوسری شے کی بابت اسے قائم کرنے کے واسطے موثر ہو۔ موبہ ہو۔ شے اور شان شے دو جدا حالتیں ہیں شے جدا ہو اور اسکی شان جدا ہو شے سے صرف ذات مراد ہی اور شان شے سے ذات کے متعلقات اور عوارضات۔ قرینہ قریبہ سے وہ قرینہ مراد ہو کہ جو باعتبار قرابت لفظی یا معنوی کسی دوسری شے پر موثر ہو۔

اور قرینہ بعیدہ سے وہ قرینہ مراد ہے کہ جو باعتبار بعد لفظی یا معنوی کسی دوسری شے پر موثر ہو چاروں قسم کے قرائن تصنیفات اور تالیفات اور کلام میں پائے جاتے ہیں انہر غور اور فکر کرنے سے مصنف یا مؤلف یا مستعمل کے غرض اور علت فی الغور سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بہت لوگ صرف اموالے تصنیفات یا تالیفات اور کلام کے غرض اور علت کے سمجھنے اور دریافت کرنے سے رہ جاتے ہیں کہ وہ اول قرائن ضروریہ پر پڑھتے وقت غور اور فکر نہیں کرتے یہ قرائن سرسری نظر اور عبور سے دریافت نہیں ہو سکتی انکے دریافت کرنے کے واسطے اول اول طلبہ جیوں کہ خوب متوجہ کرنا پڑتا ہے البتہ جب اس میں ایک پریکٹس ہو جاو تو پھر چند ان غور اور فکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ طبیعت بغور گذر کرنے کے

قرائن کو دریافت کر کے اصل مقصد پر جا پہنچتی ہے۔

### قسم سوم نظریۃ التماثل

پہلی قسم کے اوپر کے دو قسمیں صرف الفاظ اور معانی سے متعلق تھیں یہ تیسری قسم الفاظ معانی جملوں اشکال - اوضاع اعداء - علامات - نشانات - آثار - نقوش - خصوصیات - صوت - اور اشارات پر کبھی حاوی ہے اور اس قسم کا عمل بہ نسبت پہلی دو قسموں کے مشکل اور اذوق ہے اور لغت میں لفظ نتیجہ کے معنی تراشنے اور باہر کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں نتیجہ سے وہ حالت یا قول یا صورت مراد ہے کہ جو دو یا دو سے زیادہ جملوں یا خیالات یا خصوصیات یا اثار یا علامات یا اشکال یا اشارات وغیرہ کے مرکب کرنے سے حاصل ہوتی ہے جسکو اصطلاح اہل منطق میں جزو ہائے صغریٰ و کبریٰ و صدا وسط کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جتنی صورتیں بتجون پر نظر کرنے کی ہیں وہ سب علمی طاقتوں کی ترقی اور استقامت کے واسطے بالذات اور بالخصوص مخصوص ہیں۔

بتجون کے نکات کے واسطے صرف ایک ہی طریق اور اصول نہیں ہے انسانوں میں یہ طریق اور اصول مختلف حیثیتوں سے پائے جاتے ہیں۔ منطق والوں نے ان طریقوں اور اصولوں کو اپنی مخصوص اصطلاحوں اور مقررہ الفاظ میں بیان کیا ہے مگر وہ منطقی اصطلاحیں اور الفاظ عام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ منطقی اصطلاحوں اور مخصوص الفاظ کے باب میں ہمارا یہ مذہب ہے کہ اولاً اہل عقل اور اصحاب دانش نے فکر و غور کی مدد سے عام قواعد سے ہی استنباط کیا ہے اگر ہم اول سنبطہ قواعد کو پھر اصلی حالت میں لا کر پیش کریں تو شاید کوئی قباحت نہ ہوگی۔ ہمارے قواعد اور الفاظ اور اہل منطق کے مخصوص قواعد اور الفاظ میں صرف ترکیب اور وضع کا ہی فرق ہوگا۔ اخیر پر علت و اولوں کا

ایک ہی نکلنے کے۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ عام اور اصلی قواعد میں بہ نسبت  
منطقی قواعد کے ایک سادگی اور آسانی ہوگی۔ منطقی قواعد میں ادق امور  
اور مشکل صورتیں اس واسطے مزاحم اور حائل ہو جاتی ہیں کہ اونکو ایک عام اور  
سلیس حالت سے ایک خاص اور دقیق حالت کی طرف لے لیا گیا، ہر قدرت  
نے ہی انسانی طبیعت کو اس مرکز پر ثابت اور قائم کر دیا ہے کہ جسکے ثابت  
کرنے کے واسطے اصول اور قواعد علم سطق وضع اور مقرر کئے گئے ہیں ساری  
انسان منطقی نہیں ہوتے مگر سطق کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اس سے  
پایا جاتا ہے کہ انسان کی طبیعت ہی منطقی قواعد کی موزون واقعہ ہوئی ہے۔  
جب کوئی شخص کسی تصنیف یا تالیف کو پڑھتا یا کسی مشکل کے کلام کو سستتایا  
خصوصیات کو دریافت کرتا یا نقوش اور علامات اور آثار اور خیالات اور شکال  
اور اوضاع اور اعداد اور صورت کا اور اک اور علم حاصل کرتا ہے تو اسوقت  
اسکی طبیعت اوں صورتوں کے نتائج کی دریافت اور معلوم کرنے کی طرف توجہ  
پرتی ہے بعض وقت طبیعت خود بخود ہی ایسی راہستہ پر لگ جاتی ہے کہ  
منزل مقصود پر پہنچ جانا سہل اور آسان ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بعض  
سوائغات کے سبب سے روک جاتی ہے ایسے وقت میں انسان کو شرمزدہ خاطر  
آئین ہونا چاہیے بلکہ ایک ستندی اور دھجی کے ساتھ نتیجہ پر پہنچنے کے  
واسطے طیاری کرنی چاہیے۔ جن اسباب کی مدد سے ہم صورت حاصل اور مدد  
کی اصلی اور حقیقی نتیجوں پر پہنچ سکتے ہیں اونکو ہم نیچے کی سطروں میں بالاختصار  
بیان کرتے ہیں اونپر عمل کرنے سے طبیعت کے واسطے ایک مامون صورت پیدا  
ہو جاوے گی۔ نتیجوں پر نظر کرنا دو قسم پر ہے۔ اول صورت میں جبکہ نتائج ظاہر ہوں  
یا ظاہر کیے گئے ہوں۔ دوم اس صورت میں جبکہ نتائج ظاہر نہ ہوں اور نہ ظاہر

کیے گئے ہوں پہلی قسم کے نتائج کو نتائج صوری کہتے ہیں اور دوسری قسم کو معنوی  
**قسم اول صوری کا بیان**

بہت سے علمی باتیں اور اوضاع و اشکال اور آثار اور خیالات وغیرہ اس  
 قسم کے ہیں کہ ان کے نتائج عام طور پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے دریافت اور درک  
 کے واسطے چندان نظر و فکر کی ضرورت نہیں پڑتی توجہ طبیعت کے ساتھ ہی پھیل  
 جاتے ہیں۔ مثلاً ہم طب کی کتاب پڑھ رہے ہیں جس میں اوسکا مصنف یہ بات  
 سمجھا رہا ہے کہ تپ اوس حرارت غریبیہ کو کہتے ہیں کہ جو دل میں مشتمل ہو کر شریان  
 کے واسطے سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے مصنف مذکور کی اس عبارت کو  
 پڑھنے سے ہم کو نتیجہ پر پہنچنے کے واسطے فکر اور نظر کی ضرورت نہیں پڑے گی  
 فی الفور اس بات کو سمجھ لینگے کہ تپ حرارت دلی کا نام ہے۔ علی ہذا القیاس  
 جب ہم کیس وقت آسمان پر ابر کے آثار دیکھینگے۔ تو سمجھ لینگے کہ شاید مینہ برے  
 جب کسی شخص کو روتا دیکھیں گے تو خیال کر لینگے کہ اسکو کوئی نہ کوئی تکلیف ہے  
 جب آفتاب ڈوبنے پر آئیگا تو ہم ایک آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ جائینگے  
 کہ اب رات بڑھ جائیگی۔ جب صبح کے جا رہینگے تو ہم سمجھ لینگے کہ غمغریب  
 دن چڑھ جائیگا۔ علی ہذا القیاس اور سیکڑوں ایسی صورتیں ہیں کہ ان کے  
 دیکھنے یا سننے یا خیال کرتے ہی نتائج معلوم اور دریافت ہو جاتے ہیں فکر  
 اور غور کے بالکل ضرورت نہیں پڑتی۔

### قسم دوم معنوی کا بیان

معنوی نتائج کے ادراک اور معلوم کرنے کے واسطے چند اصول اور قواعد مقرر  
 کیے گئے ہیں ان کے عمل میں لانے اور مد نظر رکھنے سے معنوی نتائج کا ادراک  
 اور علم ایک آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے ہم اول مقررہ اور موضوعہ قواعد میں سے

بعض قواعد کو ایک تشریح کے ساتھ اور نمبر وار بیان کرتے ہیں یہ قواعد صرف کتابی علوم اور فنون اور باتوں سے ہی مخصوص اور وابستہ نہیں ہیں خدا کے اور پیدائش اور قانون قدرت کے وسیع اور دلاویز سلسلہ سے بھی متعلق ہیں۔

### اول نظر فی النتائج من حیث الاستقرار

لغت میں اغط استقرار کے معنی جستجو اور تلاش کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں معلوم سے مجہول کے استدللال کو کہتے ہیں ایک اور طرح پر بھی استقرار کی تعریف کرتے ہیں۔ یعنی استقرار جزئیت سے کلیت کا معلوم کرنا، یہ دونوں تعریفیں اصل میں غایت کے اعتبار سے قریب قریب واقعہ ہوئے ہیں معلوم بھی اصل میں بالمقابل مجہول کے ایک چیز ہوتا ہے اور مجہول کو بالمقابل معلوم کے ایک کلیت حاصل ہے خدا کے نادر اور دلاویز پیدائش کے مبارک سلسلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت حقائق غیر مدرکہ اور مجہولہ کے حقائق مدرکہ اور معلومہ کا وزن اور مقدار بہت کم ہے۔ مگر اون قلیل المقدار معلومات سے ہلکے کثیر الوزن مجہولات کے ادراک اور معلوم کرنے کا راستہ ہاتھ آگیا ہے اگر ہم چاہیں اور اپنے دماغ خیال کو ہمیشہ فکر کے ذریعہ سے جولان کریں تو بہت آسانی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں خدا کی پیدائش اور اوس پیدائش کا وسیع قانون جبکہ قانون قدرت کہا جاتا ہے ایسی ڈھنگ پر واقعہ ہوا ہے کہ اوس میں پیدائش کے سلسلہ کو وسعت کے ساتھ معلوم کرنے کے واسطے خاص اصول اور قواعد موضوع ہیں۔ اگر ہم اون مخصوصہ قواعد کو زور فکر سے عام بنالین تو پھر اور اک مجہولات کا دائرہ کھل جاتا ہے اور ہم ایک آسانی سے اوس میں داخل ہو کر الہی پیدائش کے پیر پر اور دلاویز حکمتوں اور قدرتوں کا تماشا کر سکتے ہیں۔ ان خاص اصولوں اور قواعد کے عام بنانے کا یہ طریق اور ڈھنگ ہے کہ اون کی خاص تاثیروں کو مد نظر

رکھے اور حالتوں یا شیئوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اگر وہ تاخیر میں آجائے تو  
 یا شیئوں کے ساتھ مقابلہ اور ٹکرا جائے تو اس صورت کو جو اس مقابلہ  
 سے پیدا ہو ایک عام قاعدہ اور اصول تسلیم کیا جاوے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں  
 کہ تو پا چاندنی۔ وغیرہ جب خوب گرم کیجائیں تو پگھل جاتی ہیں۔ یہ ایک خاص  
 قاعدہ تھا اب اگر ہم اس خاص قاعدہ کو اس طریق پر اور دو حالتوں کے ساتھ  
 مقابلہ کریں کہ جب ایک دو ایسی چیزیں جنکو دھات کھا جاتا ہے گرم کرنے سے  
 پگھل جاتی ہیں تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اور ایسی چیزیں بھی جنکو دھات  
 کی تعریف کے نیچے لاسکین گرم کرنے سے پگھل جاتی ہوں گی۔ کیونکہ جب ایسی قسم  
 کے ایک شیئ ایک خاص حالت قبول کر لیتی ہے تو اسی قسم کی اور شیئیں کیوں  
 نہ اوس خاص حالت کو قبول کر لیں گی۔ اس مقابلہ سے بذریعہ اس عمل علوم کے  
 کہ چاندنی وغیرہ گرم کرنے سے پگھل جاتی ہے یہ ایک عام قاعدہ نکل آیا کہ ہر ایک  
 دھات گرم کرنے سے پگھل جاتی ہے اور یہ امر کہ ہر ایک دھات گرم کرنے سے  
 پگھل جاتی ہے امر مجہول تھا۔

دوسری مثال اگر ہم مختلف جسم کے دو وزن لین ایک تو کاغذ کا پرچہ اور ایک  
 روپیہ اور ان دونوں کو ایک ایسے مکان میں جہاں سے ہوا کو بالکل نکال دیا ہو  
 یکساں بلندی سے ایک ہی وقت میں نیچے ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ روپیہ اور کاغذ  
 ایک ہی وقت میں اوس مکان کے فرش پر پہنچ جائیں گے اس امر معلوم ہے کہ ایک  
 خاص قاعدہ پیدا ہوا کہ جب کاغذ اور روپیہ کو یکساں بلندی سے ہوا کو دور کر کے  
 ایک ہی وقت میں نیچے ڈالا جاوے تو وہ ایک ہی وقت میں مکان کے فرش پر پہنچیں گے۔  
 یہ قاعدہ خاص ایک امر معلوم تھا اس سے بھنے یہ استدلال کیا کہ جن چیزوں پر  
 احکام کی تعریف صادق آتی ہے وہ یکساں بلندی سے ایک ہی وقت میں زمین پر

پہنچ جاتے ہیں اور یہ نتیجہ ایک مجہول امر تھا جو ایک معلوم سے بدلیل استقرانی حاصل ہوا ہے۔

تیسری مثال ازانے سے معلوم ہوا کہ خالص پائے جب اسکے عناصر کیا ہے ترکیب سے جدا کیے جائیں تو دو گامین ہو جاتا ہے اس حساب سے اس طرح حصہ ایکچن اور ایک حصہ ہیڈروجن ہیں اس امر معلوم سے بدلیل استقراسے نتیجہ یہ نکلا کہ پائے دو عنصر سے مرکب ہو اور یہ امر مجہول تھا۔ اس طرح اور معلومات سے مجہولات کا درجہ ہو سکتا ہے خواہ وہ مجہولات کسی قسم اور نوع سے ہوں۔ استقرائی فیما والہی پیدائش کی وسیع اور دلاویز سلسلوں پر مبنی ہے جب ہم اون وسیع سلسلوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بدلتے نہیں تو ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ اونکی ترکیب اور لانے سے مجہولات دریافت ہوتے ہیں وہ مطابق واقعہ ہیں استقرار دو قسم پر ہے ایک استقرار جزئی اور ایک استقرار کلی۔ استقرار جزوی میں وقوع غلطی کا بھی احتمال ہے مگر کلی میں نہیں اگر ہم ایک مرتبہ اپنے گھر سے کسی کام کے واسطے ایئر دوست کے مکان پر جائیں اور سب سے اول ہمکو ایک خاص آدمی ملجائے اور اتفاق سے ہمارا کام پورا نہ ہو تو ہم اوس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ چونکہ فلاں نخوس آدمی ہمارا سستے میں ملا تھا اس واسطے ہمارا کام نہیں ہوا اور پھر یہ امر مجہول قائم کر لیں کہ جب فلاں فلاں قسم کے آدمی گھر سے نکلتے اول ہی ملین تو کام پورا نہیں ہوتا یہ نتیجہ بالکل غلط ہے کیونکہ بالمقابل اسکے صدر مرتبہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے آدمی گھر سے نکلتے ہی بھی اور کام بھی ہو گیا جب اس نتیجہ کے توڑنے کے واسطے ہزاروں دفعہ کا تجربہ ہو رہا ہے تو پھر اسکی صحت کو کیونکر تسلیم کیا جاوے یہ استقرار جزوی تھا کیونکہ ہمیں صرف ایک جز کے بھر دسہ پر امر مجہول نکالا گیا تھا۔

اگر ہم ایک پتھر کو اوپر کی طرف پھینکیں تو وہ اگرچہ کتنی ہی دور چلا جائے پھر بھی



زمین پر آرہیگا اس معلوم سے چنے پہ نتیجہ نکالا کہ اس قسم کے مختلف اجسام اوپر کے پھینکنے سے ہمیشہ نیچے کو آتے ہیں اور یہ امر محجول تھا اس میں غلطی کا احتمال نہیں کیونکہ اس کے مخالفت میں اب تک کوئی تجربہ ثابت نہیں ہوا یہ استقرار کلی ہے استقرار جزئی کے صحیح کرنے کے واسطے یہ قاعدہ ہے کہ اگر اس کے مخالف کوئی بات نکل آئے تب تو وہ غلط ہوگا اور اگر کوئی مخالف حالت ظاہر ہو تو تب صحیح ہوگا استقرار جزئی کی مثال میں دیکھو کہ یہ حالت مخالف ثابت ہوگی کہ دریا چرچان سے معلوم ہوا کہ کسی عرفی منہوس آدمی کے لئے سے کام کے پورا ہونے میں کوئی رخصت اور خلل واقعہ نہیں ہوتا اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو اس امر کو کہ بعض آدمیوں کے لئے سے کام کے پورا ہونے یا کرنے میں فرق آجاتا ہے ایک صداقت اور حیا نتیجہ تسلیم کیا جاتا۔ پتھر کے اوپر پھینکے اور اس کا گرنے سے یہ نتیجہ نکلا تھا کہ اس قسم کے مختلف اجسام اوپر کے پھینکنے سے نیچے گر پڑتے ہیں اب تک اس کے مخالف یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ اوپر پھٹس جاتا ہے اس واسطے تسلیم کیا گیا کہ اس استدلال میں کوئی غلطی اور شک نہیں ہے۔

### نظریۃ الینتجہ من حیث الاستخراج

لغت میں لفظ استخراج کے معنی نکالنے کے ہیں اور اصطلاح میں کل سے جز کے ثابت کرنے کو کہتے ہیں مثلاً ہم نے استقرار سے یہ بات معلوم کی کہ غلطی چیز میں ہوا ہیں اور ان کے استعمال سے استعمال کرنے والے کو ضرر پہونچتا ہے اس عام قاعدہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے زہر کو استعمال کیا ہے تو اوپر زہر نہ پڑنا اثر کیا ہوگا کیونکہ جب باعتبار کلیت یہ بات ثابت ہو چکی کہ غلات قسم کی چیزیں زمین میں زمین تو ضرور ہے کہ باعتبار جزو یہ بات ثابت ہو کہ اگر کسی شخص نے اون زہر و اچھڑو سے کوئی چیز کھائی ہو تو اس کو اس کا اثر ہوگا استخراج اصل میں استقرار اور مستقر کا نام ہے

یعنی یہ امر کہ فلان چیزیں زہر دار ہیں استقرار سے ہی معلوم کیا تھا اسی امر کی استخراجی صورت کو پیدا کیا۔

### نظری نتیجہ من حیث التمثیل

لغت میں لفظ تمثیل کے معنی مانند کے ہیں اور اصطلاح میں ایک جزی کا عاقلہ ویکر دوسرے جزی کے ثابت کرنے کو تمثیل کہا جاتا ہے مثلاً یہ کہ جو شخص سمب اور استقلال سے کام کرتا ہے وہ کبھی نہ کبھی اپنے ارادہ پر کامیاب ہو جاتا ہے دیکھو کہ گلبس نے امریکہ نئی دنیا کے دریافت کرنے میں کوشش کی اور کامیاب ہو گیا پہلی جزی کے ثابت کرنے کے واسطے دوسرے جزی کا حوالہ دیا گیا نتیجہ یہ نکلا کہ سمب اور استقلال سے انسان اپنے ارادوں پر کامیاب ہو جاتا ہے جس جزی کے ذریعہ سے دوسرے جزی کو ثابت کیا جاتا ہے وہ بجائے خود ثابت ہونی چاہیے غیر ثابت جزی سے دوسرے جزی ثابت نہیں ہو سکتی مثلاً ہم یہ بات کہیں کہ جو شخص ہمیشہ ثقیل غذا کھاتا ہے وہ بیمار ہو جاوے گا دیکھو فلان شخص نے ثقیل غذا کھائی تھی وہ بیمار نہیں ہوا تو اس سے پہلے جزی ثابت نہیں ہو سکتی۔ پہلے جزی کو اثبات کے واسطے دوسرے جزی محولہ کا بجائے خود ثابت ہونا ضروری ہے تمثیل کے لانے سے بہت جلائے اور آسانی سے نتیجہ نکل آتا ہے اس واسطے کہ اوس سے ایک نمونہ اور موقع صورت نکل آتی ہے۔

### نظری نتیجہ من حیث النظیر

لغت میں لفظ نظیر کے معنی دیکھنے کے ہیں مگر اصطلاح میں نظیر اوس جزی کا نام ہے کہ جبکہ ایراد اور ذریعہ سے کسی دوسرے جزی کے وصاحت اور صراحت ہو جاوے خواہ وہ صراحت فی الاثبات ہو اور خواہ فی النفی۔ تمثیل اور نظیر میں فرق ہے تمثیل میں جزی مثبت کا بذاتہ صحیح ہونا لازمی ہے اور نظیر میں جزی مثبت کا مسلم ہونا ضروری ہے

عام اس سے کہ اوس تسلیم کے دلائل اور وسائل غلط ہوں یا صحیح جزئیات نظیر سے  
 مسلمہ میں سے بہت سے ایسے جزئیات ہیں کہ جو محض غلط روایتوں یا اصولوں یا  
 اجماع پر تسلیم کے نظیر بیان کیے جاتے ہیں اور بہت سی ایسی ہیں کہ جبکہ تسلیم  
 کے وسائل اور دلائل ٹھیک اور صحیح ہیں۔ برخلاف اوسکے جزئیات تغیلی ثبوت  
 بالکل ثابت ہوتی ہیں اور ہونی چاہئیں۔ ثابت ہونے اور تسلیم کرنے میں بہت  
 فرق ہے ثبوت میں غلطی کا صدور اور وقوع نہیں ہوتا اور تسلیم میں صدور غلط  
 کا احتمال ہوگا ہے ممکن ہے کہ ہم ایک جزئی کو تسلیم کر لیں مگر حقیقت ہمارا تسلیم کرنا  
 غلط وسائل اور اصولوں پر مبنی ہو اگر کوئی کہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے نزدیک کسی  
 اور کے نزدیک ایک ہی جزئی ثابت ہو مگر دراصل ثابت نہ ہو جواب اسکا یہ ہے کہ  
 تمثیل میں ہم ایسے جزئی کو پیش کریں نہیں سکتے کہ جو فی الحقیقت ثابت نہ ہو مثلاً  
 میں وہ ہی جزئیات لائے جاتے ہیں کہ جو فی الاصل آفتاب لصف النہار کی طرح  
 ثابت ہوتے ہیں تمثیل کی غرض ہے یہ ہوتی ہے کہ ایک جزئی کے حوالہ سے دوسرے  
 جزئی کو ثابت کیا جائے اگر وہ جزئی جسکے ذریعہ سے ہم دوسرے جزئی کو ثابت  
 کرنا چاہتے ہیں بجا سے خود ثابت نہ ہوگی تو پھر ہم اوسکے ذریعہ سے دوسری جزئی  
 کو کیونکر ثابت کر سکتے ہیں نظیر میں جزئی کے لانے سے صرف ایک دوسری جزئی  
 کی صراحت اور وضاحت مد نظر ہوتی ہے اس امر کے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت  
 نہیں ہوتی کہ اوس جزئی کو ثابت کیا گیا ہو یا نہیں۔ دیکھو جب کوئی پلیمہ رشتہ  
 چیف کورٹ پنجاب یا ہائی کورٹ یا پریوی کونسل کا کوئی فیصلہ عدالت میں کسی  
 مقدمہ فوجداری یا دیوانی کے تصفیہ کے وقت پیش کرتا ہے تو اوس فیصلہ کسے پیش  
 کرنے سے اوسکی یہ غرض اور مدعا نہیں ہوتا کہ جو امر اوس فیصلہ میں طے کیا گیا ہو  
 وہ ثابت ہو گیا ہے بلکہ یہ کہ اوس امر طے شدہ کو ایک عدالت عالیہ نے تسلیم کر لیا

یہ ممکن ہے کہ عدالتِ عالیہ کا کسی امر کو تسلیم کر لینا غلط اور کمزور وسائل اور دلائل پر موضوع اور سببی ہو کیونکہ تسلیم کرنے کے وسائل بالکل عدالتِ عالیہ سے باہر ہی میں نہیں جاتی مدعی علیہ اپنے اپنے فائدہ کے واسطے اون دلائل اور وسائل کو غلط طور پر بھی ظاہر کر سکتے ہیں تھیل میں جو جزی حوالہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے پہلے پیش کرنے کے اوسکا وجود جیسے خود بلا کسی کے تصرف اور دخل کے وقوع اور ثابت ہوتا ہے۔

نظیر کی پہلی مثال ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چاندی سے سونا بن سکتا ہے اور اپنے اس دعویٰ کی صراحت اور وضاحت کے واسطے بیان کرتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے فلان شخص کو بنا تے دیکھا ہے اگر ہم اس نظیر کی تسلیم کرنے کو صحیح خیال کریں تو یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ قلبِ ماہیت ممکن ہے۔ مگر بیان یہ بات نہیں ہے کہ وہ نیکہ ہم دلائل سے قلبِ ماہیت کا ابطال کر چکے ہیں ثابت ہو کہ مدعی کی تسلیمی وسائل میں لغزش اور غلطی واقع ہوئی ہے۔

نظیر کی دوسری مثال۔ زمینے اس بنیاد پر عدالت میں دعویٰ کیا کہ میں نے بکر سے بالمقابل مبلغ پانچ سو روپیہ کی ایک جائداد غیر منقولہ رہن رکھی تھی۔ بکر اوس جائداد پر مجھ کو قبضہ نہیں دیتا۔ قبضہ دلایا جاوے۔ بکر مدعی علیہ کے وکیل خالد نے بیان کیا کہ ایک رجسٹری کے بموجب ایسے رہن نامہ کی رجسٹری لازمی ہے بلا رجسٹری عدالت اسکو سماعت نہیں کر سکتی۔ اور عدالتِ عالیہ چیف کورٹ نے ایسے رہن نامہ بلا رجسٹری کو اپنے ایک فیصلہ میں ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے اس نظیر سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاں چیف کورٹ نے ایسے رہن ناموں کو ناقابلِ سماعت قرار دیا ہے پہلے جو امر واضح نہیں تھا اس نظیر کے پیش کرنے سے واضح ہو گیا ان دونوں مثالوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نظیر میں صرف ایک

سلم الثبوت جزئی کا بیان منظور ہوتا ہے کہ تا اوسکہ ذریعہ سے دوسرے جزئی واضح ہو جائے  
یہ منظور نہیں ہوتا کہ کسی جزئی کو تشیل کی طرح بجائے خود ثابت قرار دیا جائے۔ ان دونوں  
نظیری مثالوں سے پہلے مثال میں تسلیمی وسائل اور دلائل غلط واقعہ ہوئے ہیں اور  
دوسری مثال میں صحیح کیونکہ وہ ایک قانون پاس شدہ کے مطابق ہیں چنانچہ نظیری  
بحث کے شروع میں کہا تھا کہ نظیر میں صدور اغلاط کا احتمال ہے پہلی مثال سے  
واضح ہو گیا کہ تسلیم کرنے میں مدعی نے غلطی کھائی اگر غلطی نہ کھاتا تو قلب ماہیت کا  
قائل نہ ہوتا نظیر کے قبول اور منظور کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ جب تسلیم  
کے وسائل میں صدور اغلاط کا احتمال ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نظیر کے قبول کرنے  
میں غلط کر کے جابجائیں بہت سی ایسی نظیریں ہیں کہ وہ صرف غلط طور پر تسلیم کر گئے ہیں  
ورنہ ان کی اصلیت بالکل کمزور اور ہیج ہے اگر دیکھا جائے تو دنیا میں ایک نہیں  
ہزاروں آدمی اس قسم کے لینے کے وہ قلاب ماہیت لینے تانبہ پستل سے سونا بنانے  
کے قائل اور مقرر ہیں اور اپنے دعویٰ کی صراحت اور وضاحت کے واسطے بیسوں نظیریں  
دینگے مگر ان سب نظیروں کے تسلیمی وسائل غلط بنا پر بنی ہیں۔ نظیر کے قبول کرنے میں  
اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اس جزئی سے جسکے واضح کرنے کے واسطے  
اوسکو بیان کیا جاتا ہے بعینہ مطابق ہو اس مطابقت کے واسطے یہ طریق اچھا ہے  
کہ دوسرے جزئی اور اوس سلمہ جزئی کے تعلقات اور خصوصیات پر غور اور کمال کیا جائے  
تعلقات اور خصوصیات کے دیکھنے سے یہ امر کھل جائیگا کہ واضح کرنے والے جزئی کو  
دوسرے جزئی سے مطابقت ہو یا نہیں بعض جزئیات نظیری سلمہ اوس قسم کو ہوتے  
ہیں کہ دوسرے جزئی کے ایک جز سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور بعض کل جزئی سے تعلق  
ہوتے ہیں اگر اوس سلمہ جزئی کو جو وضاحت طلب جزئی کے صرف ایک ہی جز کے حصہ  
اور صراحت کرتی ہے کلی طور پر واضح یا متعلق قرار دیا جائے تو ایک بھاری اور نقصان

غلطی ہو جاتی ہے جب قدر سلمہ جزئی وضاحت طلب جزئی کی وضاحت اور صراحت کر کے  
اوس قدر اوسکو تسلیم کرنا چاہیے اوس سے زیادہ تسلیم کرنا اصدا را غلط کا باعث  
و موجب بتنا ہے۔

### نظر فی نتیجہ من حیث التشبیہ

لغت میں لفظ تشبیہ کے معنے مانند اور ایک جیسے کے ہیں اور اصطلاح میں ایک  
جزئی کے تشبیہ حالت کو دوسرے جزئی تشبیہ کی حالت سے نسبت دینے کو کہتے ہیں جنہی  
اول کو مشبہ اور جزئی درم کو مشبہ بہ اور نسبت کو نسبت تشبیہی کہتے ہیں۔ مثلاً زید  
بہا داری میں شیر کے مانند ہو زید مشبہ شیر مشبہ بہ بہا داری نسبت تشبیہی تشبیہ چاہتم  
پر ہے تشبیہ فی الذات۔ تشبیہ فی الصفات۔ تشبیہ جزئی۔ تشبیہ کلی۔ تشبیہ فی الذات  
وہ تشبیہ ہے کہ جس میں جزئی اول کو جزئی ثانی سے ذات میں نسبت دیجاتی ہے  
مثلاً زید بکر کے مانند آدمی ہے اس مثال میں زید کو بکر سے ذات میں نسبت دی گئی ہے  
تشبیہ فی الصفات وہ تشبیہ ہے کہ جس میں جزئی اول کو جزئی ثانی سے صفات میں نسبت  
دیجاتی ہے مثلاً زید خوشنویسی میں خالد کے مانند ہو خوشنویسی ایک صفت ہے  
اور اس صفت سے زید کو نسبت دی گئی ہے۔ تشبیہ جزئی وہ تشبیہ ہے کہ جس میں جزئی  
اول کو جزئی ثانی سے صرف ایک جزو میں نسبت دیجاتی ہے مثلاً خالد خوبصورتی میں  
مولید کے مانند ہے خوبصورتی ایک جزوی صفت ہے جس سے خالد کو نسبت دی گئی ہے  
تشبیہ کلی وہ تشبیہ ہے کہ جس میں جزئی اول کو جزئی ثانی سے کل میں نسبت دیجاتی ہے  
مثلاً بکر ساری باتون میں زید کے مانند ہے شبہ اور شبہ بہ میں کوئی تبدیل وقوعہ  
نہیں ہوتی ہے ہر چار صورتوں میں شبہ اور شبہ بہ ایک ہی حالت پر قائم رہتی  
ہیں مگر نسبت تشبیہی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور نسبت تشبیہی کے تبدیلی کے لحاظ  
سے ہے تشبیہ کو جدا جدا ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے نسبت تشبیہ دو قسم پر ہے

ایک یقینی - اور ایک اعتباری - نسبت یقینی صرف و ذات سے متعلق ہے اور  
 نسبت اعتباریہ صفات اور عوارض کے ساتھ مخصوص ہے - نسبت یقینیہ کو یقینیہ  
 اس واسطے کہتے ہیں کہ اوہ میں کوئی مخالف نہیں ہوتا ہے اور اوہ کے نظرتاً ایک ہی حالت  
 ہوتی ہے اور نسبت اعتباریہ کو اعتباریہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اوہ کا وجود صرف  
 اعتبار کے لحاظ سے ہوتا ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زید حیوانیت میں شیر کے مانند ہے  
 تو اوہ کا نتیجہ یقینی نکلتا ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زید بہادری میں شیر کے مانند ہے  
 تو اوہ کا نتیجہ اعتباری نکلتا ہے گو زید بہادر ہوتا ہے مگر اوہ کی بہادری کو شیر کی بہادری  
 سے یقینی نسبت حاصل نہیں ہے ایک اعتباری طور پر زید کی بہادری کو شیر کی  
 بہادری سے نسبت دی جاتی ہے - نسبت تشبیہی کبھی ظاہرین لائی جاتی ہے اور  
 کبھی اوہ کو حذف کیا جاتا ہے جب ظاہرین لائی جاتی ہے تو مشبہ اور مشبہ بہ کے  
 درمیان رابطہ کے طور پر واقعہ ہوتی ہے جیسے اس مثال میں کہ زید بہادری میں  
 شیر کے مانند ہے بہادری نسبت تشبیہی ہے اور وہ زید مشبہ اور شیر مشبہ بہ کو درمیان  
 واقع ہوتی ہے جب نسبت تشبیہی کو حذف کیا جاتا ہے تو یہ مشبہ بہ کے بڑے جزئی کو  
 مراد لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ زید شیر ہے اس مثال میں نسبت تشبیہی بیان نہیں ہوئی  
 مگر اگر محذوف نسبت تشبیہی کو نکالینگے تو یہی نکالینگے کہ زید شجاعت میں شیر کے مانند  
 ہے اور شجاعت ہی شیر کی ذات میں جزئی اعظم ہے - علی ہذا القیاس اگر ہم کہیں  
 کہ زید بکین ہے تو اوہ کو محذوف نسبت تشبیہی ہی ہوگی کہ زید حکمت میں بکین کے  
 مانند ہے اور بکین کی ذات میں حکمت ہی جزئی اعظم ہے اگر ہم کہیں کہ زید چمچ ہے  
 تو اوہ کی محذوف نسبت تشبیہی ہی نکالینگے کہ زید سخت دل ہے کیونکہ چمچ کے جزئی اعظم  
 سختی ہی ہے اگر ہم کہیں کہ زید آلو ہے تو اوہ کی نسبت تشبیہی ہوئی نکالینگے کیونکہ چوب عطا  
 کے آلو کی جزئی اعظم میو قونی ہے تشبیہات میں ہمیشہ نسبتوں کے اعتبار پر نتیجہ نکلتا ہے

سب سے اول نسبتوں کو جانچ لینا چاہیے اگر نسبتوں کو قبل از نتیجہ نکالنے کے نہ جانچیں تو بہر وقوع اغلاط کا اندیشہ ہو نسبتوں کے جانچنے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کس قسم واقعہ ہوئی ہیں جس قسم کی ہوں اسی کے موافق نتیجہ نکالنا چاہیے۔

### نظری نتیجہ میں حیث الحس والحواس

لغت میں لفظ حس کے معنی دریافت یا معلوم کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں حواس صوری اور معنوی کے اور اکی صورتوں کا نام ہے۔ لفظ محسوس کے معنی لغت میں دریافت کے ہیں اور اصطلاح میں اون حالتوں کو کہتے ہیں کہ جبکہ علم حواس صوری اور معنوی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ حواس دہش ہیں۔ پانچ صوری اور پانچ معنوی حواس صوری کی یہ تفصیل ہے۔ باصرہ۔ سائتہ۔ شائتہ۔ ذائقہ۔ لاسہ۔ مستنوی یہ ہیں۔ حس مشترک۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ متصرف۔ حواس ظاہری کے ذریعہ سے ظاہری باتیں اور صورتیں اور شکلین وغیرہ معلوم اور دریافت ہوتی ہیں اور حواس باطنی کے ذریعہ سے ظاہری صورتیں اور شکلین وغیرہ ذہن میں آجاتی ہیں اور کبھی حواس باطنی بلا صورت ظاہری کے حاصل کرنے کے بھی ذہنی طور پر مختلف حالتیں پیدا کر لیتی ہیں جنکو باطنی حالتیں کہا جاتا ہے۔ ہم جو اس دنیا میں رہتے سمیتے ہیں اور اسکا ایک جزو ہیں جاننے کی حالت میں حواس ظاہری کے ذریعہ سے کچھ سنتے یا کچھ دیکھتے یا کچھ سونگھتے یا کسی چیز کا مزہ چکھتے ہیں یا کوئی شے سرد گرم نرم سخت سیاہ سفید سوجھ زرد معلوم اور دکھائی دیتی ہے اسے طرح جو بات معلوم ہوتی ہے اسکو حس ظاہری کہتے ہیں جب ایسی کوئی حس ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہے تو ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ ہلو کچھ آواز سنائی دیتی ہے یا کسی قسم کی بو آتی ہے یا کوئی شے دکھائی دیتی ہے یا کچھ ذائقہ معلوم ہوتا ہے یا کوئی شے سخت و نرم سرد و گرم معلوم دیتی ہے مثلاً ایک خاص آواز سنکر ہم جان لیا



کہ دیوار کے پیچھے گھوڑے جا رہے ہیں ایک خاص بور سو نگاہ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پیاز کی بور ہے ایک خاص رنگ کا کپڑہ جب ہمارے سانس آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا کشمیر ہے جب ایک خاص مزا معلوم ہوتا ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک کشمیری کا مزا ہے اسطرح جو کچھ ہجو اس کے ذریعہ سے دریافت اور معلوم ہوتا ہے اسکو تشے یا چیز یا محسوس کہتے ہیں سونے کی حالت میں اور جاننے کی حالت میں بھی جبکہ ہمارے حواس ظاہری کو صورت محسوس کی طرف اصلاً توجہ نہ ہو حواس باطنی حواس ظاہری کے طح کام میں لگے رہتے ہیں اور کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک طرف تو حواس ظاہری اپنے کام میں مشغول ہیں اور ایک طرف حواس باطنی ساتھ ہی ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں انسان کے سارے حواس باطنی اور ظاہری کو کی ہوئی گہری کی طرح ہیں جیسے کوئی ہوئی گہری ہر وقت چلتی رہتی ہے اسطرح پر انسانی حواس مصروف اور مشغول رہتے ہیں خواب کا دیکھنا بھی حواس باطنی سے تعلق ہے جب آدمی کے حواس ظاہری معطل ہو کر آرام میں ہو جاتے ہیں تو اس وقت حواس باطنی کا دور شروع ہوتا ہے جبکو خواب یا رویا کہتے حواس باطنی کا یہ دور اکثر کے ٹھیک اور بچا ثابت ہوا ہے میں اس موقع پر اسکی بابت بحث کرنا نہیں چاہتا اگر خدا نے چاہا تو اسی بحث میں مستقل طور پر ایک رسالہ لکھوں گا مگر اسقدر کہنا چاہتا ہوں کہ بہت لوگوں کو یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو بات با مسئلہ بیداری کی حالت میں حل نہیں ہوتا تھا وہ خواب کی حالت میں حواس باطنی کی مدد سے پورے طور پر حل ہو گیا اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ حواس باطنیہ کی مصروفیت بھی کبھی کبھی با اثر یا نتیجہ شکل آتی ہے جب ہم حواس ظاہری کے ذریعہ سے کوئی شے دیکھتے یا سوچتے یا کوئی بات یا کوئی حالت سننے ہیں تو نتیجہ نکالنے میں چند ان وقت نہیں ہوتی کیونکہ ایسی شکل میں بھی الامتاج ہوتا ہے مثلاً اگر ہم کسی گاڑی کی آواز

سنین تو فوراً نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ گاڑی جاتی ہے جب کسی بودارشے کو سونگھتے ہیں تو جہان جاتے ہیں کہ فلاں شے کی بو ہے البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسی شکون کے نتائج نکالنے کے واسطے مبادی النتائج کے جاننے کی ضرورت ہے جب تک اوکا علم نہ ہو اور شکون کے نتیجہ نکالنے میں بھی وقت پڑتی ہے مبادی النتائج اور سائل اور صورتوں کا نام ہے جنکے جاننے سے ہم گاڑی کی رفتار سے گاڑی کا جانا پہچان لیتے ہیں یا ایک خاص بو کے سونگھنے سے بیان جاتے ہیں کہ فلاں شے کی بو ہے۔ جیسے صرف ایک آواز کے سننے سے گاڑی کے وجود پر واسطے استدلال کیا کہ ہم کو قبل از سننے اس آواز کے اس بات کا علم تھا کہ گاڑی کے چلنے کی آواز اس طرح ہوتی ہے جب جیسے وہ معلومہ آواز سنی فی الفور جان لیا کہ گاڑی جاتی ہے اور اگر ہم اس آواز کی طرح اور صدمہ سے پیچھے ہوتے تو گاڑی کے چلنے کی آواز سنی گاڑی کے وجود پر استدلال نہ کر سکتے آواز کے علم یا شناخت کو گاڑی کے وجود کے استدلال یعنی نتیجہ کا مبادی کہا جاتا ہے مبادی النتائج دو طرح پر حاصل ہوتے ہیں ایک بالترتیب اور ایک بالسمع گاڑی کو چلتے دیکھ کر اس کی آواز کی طرح اور صدمہ کو جانا بالرویت اور گاڑی کے چلنے کی آواز کے طریق اور آثار کو کسی اور سے سُنکر گاڑی کے چلنے پر استدلال کرنا بالسمع ہے۔ پہلی قسم یقینی ہوتی ہے اور دوسری اعتباری۔ قسم اول میں وقوع غلطی کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر قسم ثانی میں وقوع غلطی کا احتمال ہے اس ظاہری سے دنیا کی بیدار ایش کے بہت سے حالات گھٹتے ہیں اور اوجانوں کے نتائج کے معلوم کرنے سے انسانوں کے علم اور عقل کو ترقی ہوتی ہے اور نتیجے میں معلوم ہوتے مگر اس وقت کہ جب مبادی النتائج کا کافی علم ہو اور مبادی النتائج کا کافی حاصل کرنا توجہ اور دھیان پر موقوف ہے جب تک توجہ اور دھیان نہ ہو تب تک خدا کے بیدار ایش کے طریق عمل معلوم نہیں ہوتے اور جب طریق عمل معلوم نہ ہو تو

تو سبب وی النتائج کا علم حاصل ہونا نامکن ہے جو لوگ اپنے علمی طاقتوں کو رونق اور ترقی دینا چاہتے ہیں انہیں لازم ہے کہ توجہ اور دھیان کی مدد سے سبب و سبب الیہ کی تشریح کو بوجھاتے ہیں۔

### نظر فی التیجہ من حیث علت و معلول

اعت من لفظ علت کے معنی سبب ہیں اور لفظ معلول کے معنی وہ شے جو سبب سے ثابت ہو اور اصطلاح میں علت سے جزئی شرطیہ مقدم اور معلول سے جزئی موخر اثر جزئی شرطیہ مقدم مراد ہے۔ یعنی علت کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ علت ادن تمام عوارض کے مجموعہ کو کہتے ہیں جنکی موجودگی یا عدم موجودگی کسی حادثہ کے ظہور کے لیے ضروری ہو پہلی تعریف اور اس تعریف کا مفہوم صرف ایک ہی ہے الفاظ میں فرق ہے۔ مثلاً حیثیت آفتاب طلوع ہو گا دن ضرور ہو گا طلوع ہونا آفتاب کا ایک علت واقعہ ہو اسے جس سے وجود معلول لینے دن کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری مثال۔ اگر چاند آفتاب اور زمین کے درمیان آجائے تو ضرور گمن پڑے گا اس و دوسری مثال میں حاصل ہونا چاند کا علت ہے اور گمن کا پڑنا معلول معلول کا وجود اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے کہ جب علت کا وجود ہو لے اگر علت کا وجود نہ ہو تو معلول کا وجود نہیں ہو سکتا علت کا وجود اپنے ساتھ ہی معلول کے وجود کو لاتا ہے جب کوئی کہتا ہے کہ آفتاب نکل آیا تو سامعین کو خبر طلوع آفتاب کے ساتھ ہی یقین ہو جاتا ہے کہ اب دن چڑھا اور جب کوئی کہتا ہے کہ آفتاب غروب ہو گیا تو سامعین یقین کر لیتے ہیں کہ اب رات پڑی۔ علت دو قسم پر ہے ایک علت تامہ اور ایک علت ناقص۔ علت تامہ اس کو کہتے ہیں کہ جبکہ وقوع سے معلول کا وجود ہونا لازمی ہو جیسے اگر آفتاب طلوع کرے تو ضرور اور لازمی ہے کہ اس کے طلوع کے ساتھ ہی دن چڑھے اور علت ناقص وہ ہے کہ جبکہ وقوع سے کسی اور زور آور اور قوی سبب کے پڑنے سے

معلول کا وجود پیدا نہ ہو جیسے زہر کا کہا لہذا ایک علت ہو معلول اسکا یہ ہونا چاہیے کہ اسکا کھانے والا مر جاوے کیونکہ زہر قاتل قرار دیا گیا ہے مگر اگر ڈاکٹری قوت مند کی رو سے زہر کے اثر کو سرایت کرنے سے روکا جاوے تو اسکا کھانے والا بچ بھی جاتا ہے چنانچہ بہت لوگ زہر کھا کر ڈاکٹری عمل کے زور سے جان سے بچ رہے ہیں۔ زہر کا استعمال کرنا تو ضرور ہلاکت کا باعث تھا مگر اس سے مضبوط سبب ڈاکٹری کا عمل حاصل ہو گیا اس واسطے زہر کے کھانے سے ہلاکت واقعہ نہ ہوئی جن علتوں کو ناقص قرار دیا جاتا ہے وہ ہمیشہ کے واسطے ناقص نہیں ثابت ہوئیں بہت دفعہ اونکو وقوع سے معلول کا وجود بھی پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ اسی زہر کے کھانے سے صند آدمی ہلاک بھی ہو گئے ہیں ایسی علتوں کو ناقص علتیں صرف اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اونکے وقوع کو اور زور آور اور مضبوط اسباب بھی روک سکتے ہیں اور علت کے وقوع کو اور کوئی سبب روک نہیں سکتا دیکھو اگر آفتاب کا طلوع ہو جاوے تو اونکے طلوع کو کون سبب روک سکتا ہے کوئی ایسا سبب ثابت نہیں ہوتا کہ جو آفتاب کے طلوع کو روک دے برخلاف اسکے اگر آبر آئے تو اسکو بندھا کر روک سکتی ہے علت تامہ اور ناقصہ کے امتیاز کے واسطے یہ اصول اور محاکم بہت عمدہ ہے کہ علت تامہ کے وقوع کو اور کوئی سبب روک نہیں سکتا جب علت تامہ کا وقوع ہوتا ہے تو ساتھ ہی معلول کا وجود ظاہر ہو جاتا ہے اور علت ناقصہ کے وقوع کو اور مضبوط اور مزاحم اسباب بھی روک سکتے ہیں اور اصلی معلول کے ظاہر ہونے کی صورت بند ہو جاتی ہے پر علتین جارحین برہین - مادی - صورتی - فاعلی - غائی - اگر علت معلول میں بالقوہ داخل ہو تو اسکو مادی کہتا جاتا ہے اور اگر علت معلول میں بالفعل داخل ہو تو اسکو صورتی کہتے ہیں اور اگر علت خارج میں ہو تو اسکو فاعلی سے تعبیر کرتے ہیں اور ادنیٰ تینوں علتوں کے معلول کے غرض کا نام غائی ہے علت غائی بلحاظ ظہور کے

ہر سہ دیگر علتوں سے موخر ہوتی ہے لکن باعتبار تعقل اور ذہن کے سب علتوں سے  
مقدم ہے مثلاً اگر ہم کو کھٹی بنانا چاہیں تو اس میں لہنے اور رہنے اور آرام کرنے کے  
غرض مقدم ہوگی اور وہی علت غائی ہے اور علتوں کا عمل درآمد و سیقت شروع  
ہوتا ہے کہ جب علت غائی تعقل اور ذہن میں بالتقدیم پیدا ہو جاتی ہے علت غائی  
اور صوری اور فاعلی اگرچہ موجود ہوتے ہیں مگر جب تک علت غائی ذہن اور تعقل  
میں پیدا نہیں ہو لیتی تب تک ان ہر سہ علتوں کی تاثیر میں ظاہر نہیں ہوتا بعض  
علتیں بذات واحد اپنے معلول کو پیدا کرتی ہیں اور بعض اور علتوں کے ملنے سے  
مثلاً آفتاب جب چڑھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دن نمودار ہو جاتا ہے اور آفتاب کا  
معلول ہے اس کے نمود کے واسطے آفتاب کو کسی اور علت کے ملنے کی ضرورت  
نہیں پڑتی بذات واحد اس کے نمود کے واسطے کافی ہے لیمپ کا آگ سے جلنا یا جلا  
ایک علت ہے اور روشنی اس کا معلول ہے۔ لیمپ بذات واحد اپنے معلوم لینے  
روشنی کو پیدا نہیں کر سکتا روشنی اس وقت نمودار ہوتی ہے جبکہ تیل اور تیل اور اس  
تیل اور تیل کے رکھنے کی جگہ اور ڈھنگ بالفعل موجود ہو جب تک یہ علتیں مرکب ہو کر  
موجود نہ ہوں گے تب تک روشنی لینے معلول نہ ہوگا۔ پہلی قسم کو علل مفردہ کہتے ہیں اور دوسری  
قسم کو مرکبہ یہ علل مفردہ اور مرکبہ بلحاظ ظہور اور حلیت کے دو قسم ہیں۔ قدرتی اور  
مصنوعی۔ قدرتی وہ علتیں ہیں جو انسان کی ساخت اور بناوٹ سے باہر ہیں یعنی  
انسان کو اس کی ساخت اور بناوٹ میں کچھ دخل نہیں اگر انسان دنیا میں موجود نہ تھا  
تو بھی وہ چیزیں اسی طرح پر ہوتیں جیسے اب ہیں مثلاً سورج کا طلوع چاند کا طلوع  
کو اکب کا ظہور اور کائنات ہوا کا جلنا حرارت کا اثر پانی پر سردی کا اثر حرارت پر وغیرہ  
مصنوعی وہ علتیں ہیں کہ جن کو انسان نے اپنی حکمت اور ہنر سے بنایا ہے مثلاً لیمپ کا  
آگ سے جلنا یا جلانا باجر کا بجنا یا بجانا گھڑی کا کوکنا وغیرہ قدرتی علتوں کی چند مثالیں

ظاہر ہے کہ انسان کو اوئیں کچھ بھی دخل نہیں قدرتی طور پر ہی اونکا تصور ہوتا ہے اور قدرتی طور پر ہی اونکا معلول پیدا ہو جاتا ہے لاکن مصنوعی مثالوں کی حالت سے برخلاف ہے لیمپ مین پیار علتیں ہیں۔ تیل۔ بتی۔ آگ۔ مٹی یا پیتل یا لوہا۔ یا کانچ۔ یا چینی وغیرہ۔ انسان نے ان سب علتوں کو اپنے ہنر اور حکمت سے ترکیب دیکر ایک نئی شکل قائم کی جسکو لیمپ کہتے ہیں اس جدید شکل کے قائم ہونے سے ایک خاص قسم کی روشنی لینے معلول پیدا ہوا اگر ہم جائیں کہ ان علتوں ہی بالتفزیہ ایک خاص قسم کی روشنی حاصل کریں تو وہ ممکن نہیں ہے خاص قسم کی روشنی اس وقت حاصل ہوگی کہ جب انکو مرکب کیا جائے باجمہ میں دو علتیں ہیں۔ لوہا۔ لکڑی۔ لوہے اور لکڑی کی ایک خاص ترکیب سے ایک خاص شکل بنائی جاتی ہے جس سے ایک خاص قسم کی آواز یا سرین نکلتی ہیں جو باجمہ کا معلول ہے لوہا اور لکڑی جدا جدا دو علتیں ہیں مگر اسے بالتفزیہ ایک خاص قسم کی آواز یا سرین نہیں نکلتیں ان دونوں علتوں کے مرکب کرنے سے ہی ایک خاص قسم کی آواز اور سرین نکلتی ہیں۔ گھڑی۔ ستونے۔ چاندی۔ لوہے۔ شیشے۔ لال کے کئی پرزوں سے مرکب ہے اگر کئی پرزوں سے ایک خاص قسم پر مرکب ہو تو وقت لینے گھڑی کا معلول معلوم نہیں ہو سکتا۔ مصنوعی علتیں بھی درحقیقت قدرتی علتیں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ انسان نے بعض قدرتی علتوں کو اپنی حکمت اور ہنر سے مرکب کر کے اپنی ضرورت کے موافق بنالیا ہے جن قدرتی علتوں سے ہم ایک مرکب علت کا وجود پیدا کرتے ہیں وہ ترکیب سے پہلے قدرتا موجود ہوتی ہیں اگر موجود نہ ہوں تو ہم ایک خاص مرکب وجود یا شکل پیدا نہیں کر سکتے اگر گھڑی ساز کہے کہ میں نے ایک خوبصورت گھڑی بنائی ہے تو اگر بنانے سے پہلے یہ غرض ہے کہ میں نے لوہا اور سونا پیتل وغیرہ کے پرزوں کو پھون اور کیلون سے

جوڑیا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہے لاکن اگر یہ کہتا ہو کہ میں نے لوہا پتل و غیرہ کو  
 بنایا ہے تو یہ فعلی ہے توہ پتل و غیرہ تو قدر نگاہی موجود تھی اس نے کیا بنایا ہی  
 گٹری سارے تجربہ کے اور کیا کیا ہے کہ سونے چاندی لوہے وغیرہ دھات کے پر  
 بنا کر اور ریت اور لہار کا بنا ہوا شیشہ اور کچر لال لیکر ان سب کو ایک ترتیب حاصل  
 سے جوڑ دیا ہے اگر یہ پرزے نہ ہوتے تو وہ کیا بنا سکتا تھا۔ جن علتوں کو ہم مصنوعی  
 علتیں کہتے ہیں ان کی ترکیب میں کمی زیادتی اور تغیر تبدل ہو سکتا ہے جیسے اگر  
 گٹری ساز چاہے تو لوہے کی جگہ کسی اور دھات کو بدل دے یا ایک مخصوص شکل  
 سے کوئی اور مفید اور تازہ شکل بنا دے علی ہذا القیاس اور علتوں میں۔ مگر قدرتی  
 علتوں میں یہ تغیر تبدل اور اول بدل نہیں ہو سکتا۔ سورج۔ چاند۔ ہوا۔  
 تارے۔ اپنے قدرتی وزن اور مرکز برہی ہمیشہ قائم رہتے ہیں انسان اور  
 کچھ بھی اول بدل نہیں کر سکتا قدرتی علتوں کے ساتھ جو معلول مخصوص ہیں وہ بھی  
 برابر ظاہر رہتے رہتے ہیں ان میں کبھی کمی زیادتی اور تغیر تبدل نہیں ہوتا۔  
 آفتاب ہزاروں برس سے پڑھتا ہے اس کا معلوم عظم یعنی دن ہمیشہ ایک ہی  
 وزن اور صورت پر رہتا ہے مصنوعی علتوں کے معلول ایک حالت اور ایک  
 وزن پر نہیں رہتے جیسے جیسے ان کی ترکیبی شکلیں بدلتی رہتی ہیں ایسی ہی ان کے  
 معلول میں تبدل ہوتی رہتی ہے لوہے سے ہی باجہ بنتا ہے اور لوہے کی پرک  
 ہی گٹری میں ہوتے ہیں باجہ کا معلول آواز اور سرین پین اور گٹری کا معلول  
 وقت کا جھلنا ہے۔ دیکھو یہاں علتوں کی ترکیبی شکلوں کے تفاوت ہونے سے  
 معلوم بھی جدا جدا ہو گئے۔ انھیں دو مثالوں پر کیا منحصر ہے اگر اور علتوں کے  
 ترکیبی شکلوں کو بھی جدا جدا کیا جاوے تو ان کے معلول بھی اس طرح الگ الگ ٹھیک  
 ہونا میرا حقیقت اور نہ کہ اس کو علتوں کی ترکیبی شکلوں کے تفاوت اور جدا جدا بنانے

سے ہی ترقی اور رونق ہوئی ہے علتوں کی ترکیبی شکلوں کے اختلاف اور تفاوت سے کبھی تو معلول آپس میں بالکل متباہن اور جدا ہو۔ تے ہیں اور کبھی او نہیں جزوی طور پر تمیز اور تباہن ہوتا ہے۔ باجہ اور گہری کے معلول میں تباہن کلی ہے کلاک اور جیبی گہری کے معلول میں تباہن کلی نہیں ہے مگر جزوی طور پر تباہن اور جزوی قسم کے گہریوں کے معلول میں یہ ظاہر تمیز پائی جاتی ہے مگر معلول کے مفہوم میں تمیز نہیں ہے دو تباہن گہریوں کے معلول کا مفہوم ایک ہی کلاک بھی وقت جلاتی ہے اور جیبی گہری بھی اور یہی دو تباہن کے معلول کا مفہوم ہے۔ تباہن کلی اور تمیز با تباہن جزوی کے فرق کرنے کے واسطے مفہوم معلول یا طریقہ کی جائے اگر معلولات کا مفہوم ایک ہو تو او نہیں تباہن یا تمیز جزوی ہوتی ہے اور اگر معلولات کا مفہوم ایک نہ ہو تو تباہن کلی ہوتا ہے کلاک اور جیبی گہری کا مفہوم ایک ہے اس واسطے ان دونوں گہریوں کے معلول میں تباہن یا تمیز جزوی ہے۔ باجہ اور گہری کا مفہوم ایک نہیں ہے اس واسطے باجہ اور گہری کے معلول میں تباہن کلی ہے۔ تباہن ہمیشہ معلول کے مفہوم میں ہوتا ہے اور تباہن یا تمیز جزوی صورت یا طریقہ ظہور معلول میں مفہوم معلول اور صورت یا طریقہ ظہور معلول میں بہت فرق ہے مفہوم معلول تو ذات معلول کا نام ہے اور صورت یا طریقہ ظہور معلول سے مفہوم یعنی ذات معلول کے طرز تاثر مراد ہے مثلاً کلاک اور جیبی گہری کے معلول کی ذات یعنی وقت کا جتاننا تو ایک ہے مگر طرز تاثر جدا ہے کلاک اور ڈھنگ پر ٹائم بتلاتی ہے اور جیبی گہری اور طرح پر پہر علیتیں بلحاظ تاثر اور عمل کے دو قسم ہیں۔ ایک لازمی اور ایک متعدي۔ لازمی علیتیں تو وہ ہیں کہ جو صرف ایک ہی معلول کو پیدا کرتے ہیں مثلاً جب ہم لیپ جلائیے تو اس کا صرف ایک ہی معلول یعنی روشنی ہوگی اس واسطے اور کوئی معلول نہیں ہوگا اور متعدي علیتیں وہ ہیں کہ جو کئی ایک معلول پیدا کرتی ہیں مثلاً جب آفتاب کا طلوع ہوگا تو دن اس کا معلول ہوگا مگر اسکے ساتھ اور معلول بھی مثل حرارت نضج اور پختگی کا مادہ پیدا کرنا وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ دیگر بیان علتیں



ایک تھی مگر اوسکے معلول کے نکل آئے جب ابراہیم کا مینہ برسیکا آفتاب کی چمک  
اور کر لڑن کو مدحہم کر دجگا دیکھو بیان بھی علت ایک تھی مگر معلول دو نکلے۔ جب ہوا  
جلیلی گرمی دور ہو جائیگی بہت سی بوٹیاں تازہ ہونگی اور بڑھنگی درخون کے پتے  
اور ٹہنیاں بلنگی وغیرہ بیان بھی علت ایک تھی مگر معلول کئی ایک ہیں۔ (۱) دھن  
شالون پر کیا موقوف ہے ہزاروں ایسی علتیں ہیں کہ جو اپنی ذات میں ایک ہیں مگر  
معلول اونکے بہت ہیں اگر کارخانہ دنیا پر نظر کیجائے تو ایسی شالون کا ملنا چند  
مشکل نہیں ہے ہر ایک علت میں خواہ وہ قدرتی ہو اور خواہ اعتباری مصنوعی دو  
حالتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک کو ظہور کہتے ہیں اور دوسری کو زہوق۔ حالت ظہور سے  
وہ حالت مراد ہے کہ جہین علت کا وقوع ہوتا ہے اور حالت زہوق سے وہ حالت مراد  
ہے کہ جہین علت کے وقوعی حالت ختم ہو جاتی یا ختم کر دی جاتی ہے حالت ظہور میں بھی  
ایک معلول ہوتا ہے اور حالت زہوق میں بھی اور یہ دونوں معلول آپس میں بالکل  
تفاوت اور متباہن ہوتے ہیں اگرچہ یہ معلول ایک ہی علت کے پٹ سے پیدا  
ہوتے ہیں مگر چونکہ اوس علت کی جدا جدا حالتوں سے متعلق ہوتی ہیں اس واسطے  
آپس میں بالکل تفاوت اور متباہن ہوتے ہیں جب سورج طلوع کرتا ہے تو وہ ظہور  
کی حالت میں ہوتا ہے حالت ظہور میں سورج کے طلوع کا معلول دن ہوتا ہے جب  
سورج غروب ہو جاتا ہے تو وہ زہوق کی حالت میں جا رہتا ہے حالت زہوق میں  
سورج کے غروب کا معلول رات ہوتی ہے دونوں صورتوں میں علت تو ایک ہی  
رہی مگر حالتوں کے اختلاف سے معلول جدا گانہ ہو گئے جب گھڑی کوکی جاتی ہے  
تو وہ ظہور کی حالت میں ہوتی ہے حالت ظہور میں گھڑی کے کوکنے کا معلوم ٹائم کا معلوم  
ہوتا ہے جب گھڑی بند کی جاتی ہے تو وہ زہوق کی حالت میں قفل ہو جاتی ہے حالت  
زہوق میں گھڑی کے بند کیے جانے کا معلول وقت کا نہ دریافت ہوتا ہے جب باجر

بجایا جاتا ہے تو وہ ظہور کی حالت میں ہوتا ہے حالت ظہور میں باجے کے بجانے کا  
 معلول آواز اور سر ہو تا ہے جب باجہ بند کیا جاتا ہے تو وہ زہوق کی حالت میں جا  
 رہتا ہے حالت زہوق میں باجے کے بند کیے جانے کا معلول سر اور آواز کا بند چلنا  
 ہے جب برن کے ۳۲- درجے کی حرارت پر پہنچایا جاتا ہے تو وہ ظہور کی حالت میں  
 ہوتی ہے حالت ظہور میں اس کا معلول پانی بنتا ہے جب برت کو ۳۲ درجے کی  
 حرارت نہ پہنچائی جائے تو وہ زہوق کی حالت میں ہوتی ہے حالت زہوق میں  
 اس کا معلول پانی نہ بنتا ہے جب لمب چلا یا جاتا ہے تو وہ ظہور کی حالت میں ہوتا ہے  
 حالت ظہور میں اس کا معلول روشنی ہے جب لمب کی تبی گل کچا دے تو وہ حالت  
 زہوق میں ہوتا ہے حالت زہوق میں اس کا معلول اندھیرا ہے ان مثالوں  
 سے علتوں کی دونوں قوتوں لینے حالت ظہور اور زہوق کا ایک عہدگی سے یقین  
 ہو سکتا ہے کیونکہ ہر ایک مثال میں ان دونوں حالتوں کو ثابت کر کے دکھایا گیا ہے  
 یہ دونوں حالتیں ایک وقت میں واقعہ نہیں ہو سکتیں ایک کا وقوع کا ایک وقت  
 ہوتا ہے اور دوسرے کے وقوع کا دوسرے وقت ہر حالت ظہور کے عدم سے حالت  
 زہوق پیدا ہو جاتی ہے اور حالت زہوق کے عدم سے حالت ظہور واقعہ ہوتی ہے  
 قدرتی اور اعتباری مصنوعی علتوں کا اسی طور پر سلسلہ واقعہ ہوا ہے کہ ان کے جو  
 معلول ہوتے ہیں ان کو اور معلولات کے مقابلہ میں علتیں بنایا جاتا ہے۔ مثلاً  
 دن آفتاب کا معلول ہے اور آفتاب دن کی علت ہے جب تک دن کو آفتاب کے  
 بالمقابل بیان کرینگے تب تک تو دن آفتاب کا معلول اور آفتاب دن کی علت ہوگی  
 لاکن جب سورج کو الگ کر دینگے تو پھر دن کو اور معلول کے مقابلہ میں علت قرار دیا جائے گا  
 مثلاً دن چڑھیکا تو لوگ اپنے اپنے کام کو باہر نکلیں گے دن ہوگا تو پھر ندے اور نیلے  
 یہاں دن کو علت اور لوگوں اور پھر ندوں کو معلول بنایا گیا۔ روشنی ہوگی تو رات کو

کچھ نظر آئیگا یہاں روشنی کو علت اور لفظ آئیگا کہ معلول قرار دیا گیا دن اور روشنی آفتاب  
 اور لمبپ کے معلول تھے مگر یہاں پر اوکو اور معلومات کے واسطے علت ٹھہرایا گیا علت  
 و معلول کے ایسے سلسلہ کو فرضی سلسلہ کہتے ہیں یعنی دن اور روشنی کو اور معلومات  
 کے واسطے فرضاً علت ٹھہرایا ہے اگر اصلیت پر لحاظ کریں تو یہی کہنا بڑی گنا کہ حقیقی علت  
 ان معلولوں کے آفتاب اور لمبپ ہی ہے کیونکہ اگر آفتاب کا طلوع اور لمبپ کا جلنا  
 نہ ہو تو دن اور روشنی کہاں سے ہوگی دن اور روشنی اوس وقت ہوگی کہ جب آفتاب  
 طلوع ہو اور لمبپ جلایا جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فرضی سلسلہ کے حقائق  
 کا آسانی سے علم ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم ایک معلول کو ایک اور معلول کے واسطے  
 علت گردانتے ہیں تو اس سے نتیجہ جلدی نکل آتا ہے اور حقائق الامور کا انکشاف  
 ہو جاتا ہے۔ یہ فرضی سلسلہ دو تین علتوں پر ہے موقوف نہیں ہے کل علتوں میں  
 خواہ وہ قدرتی ہوں اور خواہ اعتباری مصنوعی پایا جاتا ہے۔ علتوں میں ایک  
 اور ہی حالت یا قوت پائی جاتی ہے جسکو حالت مغیرہ کہتے ہیں یہ قوت دوسرے  
 علتوں کے معلومات کی حالت میں ایک خاص قسم کی تبدیلی کر دیتی ہے جس سے معلول  
 کی اصلی ہیئت میں کچھ فرق آ جاتا ہے یہ طاقت یا قوت ہر ایک علت میں پائی جاتی ہے  
 قدرتی علتوں میں بھی اور اعتباری مصنوعی علتوں میں بھی اور یہ قوت یا حالت  
 معلول کے ذریعہ سے دوسری علت کے معلول پر اثر کرتی ہے مثلاً جب سورج نکلا تو  
 دن بھی چڑھ گیا کیونکہ وہ اس کا معلول ہے سورج کے طلوع ہونے کے بعد ابر آیا اور  
 مینہ برسا اور وہ ابر کا معلول ہے مینہ کے برسنے سے دن کی حالت میں جو سورج کا معلول  
 ہے ایک جزوی سے فرق آ گیا یہ جزوی اور خفیف سے فرق اس وقت ثابت ہو سکتا ہے  
 کہ جب دن نکلے اون آثار اور اوس حالت کو جو مینہ کے برسنے سے پہلے ہوتی ہے اون  
 آثار اور اوس حالت سے کہ مینہ کے برسنے پر ہوتی ہے مقابلہ کیا جاوے جو لوگ قدرتی

حالتوں کو غور کی نظر سے دیکھتے رہتے ہیں وہ اس مقابلہ سے سمجھ جائینگے کہ دن کو دونوں  
 حالتوں اور آثاریں کچھ خفیت سے فرق ہوتا ہے جب مینہ نہیں برستا تو دن کی حالت  
 کچھ اور ہوتی ہے اور جب مینہ برستا ہے تو کچھ اور ہو جاتی ہے اگر دونوں حالتیں اور  
 آثاریں ایک وقت میں موجود ہوں تو غور کرنے والے آسانی اور سہولت سے فرق دریافت  
 کر سکتے ہیں جب سوچ چڑھتا ہے تو حرارت بھی پیدا ہو جاتی ہے جو سوچ کا ایک دوسرا  
 معلول ہے جب سوچ کے طلوع کے بعد ہوا جل پڑتی ہے تو فی الجملہ سوچ کے دوسرے  
 معلول یعنی حرارت میں فرق اور کمزوری آ جاتی ہے ہوا کا معلول سردی اور ٹھنڈی  
 اونسنے سوچ کے دوسرے معلول حرارت کو فی الجملہ بدل دیا جس سے ایک اور ہی سہان  
 بندہ گیا یا تو لوگ مارے گرمی اور طیش کے تڑپے جاتے تھے اور یاں جان میں جان  
 آگئی یہ فرق حالت حرارت اور حالت چلنے ہوا کے مقابلہ کرنے سے عمدہ طرح پر ثابت  
 ہو سکتا ہے حالت حرارت کا عمل کسی اور طرح پر ہوتا ہے اور جو حالت ہوا کے چلنے کو  
 بعد ہوتی ہے وہ کسی اور طرح پر عمل کرتی ہے ان دونوں علون میں کچھ نہ کچھ فرق پایا  
 جاتا ہے فرق پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک معلول اثر کرنے میں دوسرے معلول سے  
 قوی العمل ہوتا ہے قوی العمل اس واسطے ہوتا ہے کہ اس کا ذاتی اثر دوسرے معلول  
 خفیف اور جزوی طور پر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک علت کے معلول کی طاقت مغیرہ  
 دوسرے معلول پر کلی اور کامل طور پر مؤثر نہیں ہوتی اگر کے معلول مینہ برسنے سے  
 دن کے ہونے میں فرق نہیں آتا البتہ دن کی حالت میں فرق آ جاتا ہے سو دن کا ہونا  
 اور دن کی حالت ایک فنی میں دن کا ہونا کلی ہے اور دن کی حالت جزوی ایک علت  
 کے معلول کی طاقت مغیرہ کو ہم دوسری علت کے معلول کے واسطے کلی طور پر مغیرہ  
 نہیں مٹھاتی صرف جزوی اور خفیف طور پر تسلیم کرتے ہیں بہر علتیں بلحاظ فائدہ کے  
 دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جنکے معلول ہیات واحد فائدہ کے لائق ہیں اور ایک وہ جنکے

معلول کسی اور علت کے معلول سے ملکر فائدہ پہونچاتے ہیں مثلاً آفتاب کا معلول دن  
بذاتہ فائدہ پہونچاتا ہے اسکے ساتھ کسی اور علت کے معلول کے ملنے یا ملانے کی ضرورت  
نہیں پڑتی لیمپ کا معلول روشنی بذاتہ نہیں پہونچاتا اسکے ساتھ جب تک آنکھوں کا  
معلول بننا نہ ہو اور بصارت نہ ہو کسی کام کا نہیں آنکھوں کا معلول بصارت اور بینائی  
اور لیمپ کا معلول روشنی ملکر فائدہ پہونچاتے ہیں بالتفرید دونوں علتوں کا معلول  
میں نتیجہ پہونچانے کی طاقت نہیں اگر ہم آنکھیں بند کر لیں تو پھر لیمپ کا معلول روشنی  
کسی کام کا نہیں اور اگر روشنی نہ ہو تو ہماری آنکھوں کا معلول بینائی اور بصارت کسی کام  
کا نہیں ہاں جب ان دونوں معلولوں کا وجود شامل ہو تو پھر کوئی فائدہ ہو سکتا ہے  
سورج کے معلول دن میں یہ بات نہیں وہ بذاتہ اور بالتفرید فائدہ پہونچانے کے  
واسطے کافی ہے اگرچہ آنکھوں کی بصارت اور بینائی حاصل نہ ہو تو تب بھی ہم دن سے  
کام لے سکتے ہیں ماوراءِ آدمی دن کے جڑھنے اور رات کو بڑھنے سے آسانی کے ساتھ  
فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر لیمپ کی یا کسی اور چیز کی روشنی کے بغیر نہیں کر سکتے اور نہ اس  
کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں معلوم ہوا کہ دن بذاتہ اور بالتفرید فائدہ پہونچانے کے  
لائق ہے لکن مصنوعی روشنی سوائے آنکھوں کے قدرتی معلول بصارت اور بینائی  
کی تمیز نہیں کیجاتی اور نہ کوئی فائدہ پہونچاتی ہے کلاک گھڑی کا معلول وقت جتنا  
ہو ضرورت میں بغیر ہو سکتا ہے کہ جب سننے والے کو قوت سامعہ حاصل ہو جب  
سننے والا قوت سامعہ ہے محروم ہو تو پھر اسکو کلاک کا معلول کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے  
جیسا علت سے معلول کا استدلال کرتے ہیں اسطرح پر معلول سے علت کا استدلال  
ہو سکتا ہے اسکو عکسی استدلال کے نام سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً دن کے ہونے سے  
آفتاب کے طلوع کا استدلال کرنا یا آواز دن اور سہ دن کے وجود سے باجے کا استدلال  
کرنا جب کوئی ہے کہتا ہے کہ دن چڑھ گیا تو ہم فردا آجان جاتے ہیں کہ سورج کل آج

ہم خود ہی دل چڑھا دیکتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ سورج نکل آیا جب ہم رسیلی آواز ہیں  
 اور سر بن سننے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی باجہ بجتا ہے۔ جب ہم کسی جگہ دھواں نکلتا  
 دیکتے ہیں تو استدلال کرتے ہیں کہ آگ جلتی ہے جب سردی اور ٹھنڈ ہوتی ہے تو  
 جان جلتے ہیں کہ کسی جگہ بارش ہوئی ہے یا ہوا جلتی ہے۔ گوہنے سورج نکلتا اور  
 باجہ بجتا اور آگ جلتی اور بارش ہوتے یا ہوا جلتے نہیں دیکھی مگر ان کے معلومات سے  
 اوکھ وقوع اور وجود پر استدلال کر لیا۔ جب جانہ گن پڑتا ہے تو عکس زمین پر  
 گول پڑتا ہے عکس گول پڑنا معلول ہے جس سے علت یعنی زمین کا گول ہو معلوم  
 ہوتا ہے اکثر موقعوں پر وجود معلول سے علت کا وجود ثابت کرنا ضروری ہو جاتا ہے  
 خون کے مقدیوں میں معلول کے وجود سے ہی علت یعنی قاتل کو معلوم کیا جاتا ہے  
 معلومات کے ذریعہ سے ہی ہم اپنے پیدا کرنے والے خدا کے پاک وجود پر استدلال  
 کرتے ہیں یعنی جب ہم مختلف حکمتوں اور نگارنگ صنعتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے  
 ذریعہ سے ان کے موجد اعظم یا صانع کل کے پاک ہستی علت اعلیٰ کا یقین کر لیتے ہیں۔  
 علت و معلول کے متعلق اور بھی بہت سی صورتیں اور شکلیں بیان کیا جاسکتی ہیں مگر  
 چونکہ ان کے بیان کرنے سے غواظ کا خطرہ ہے اس واسطے ہم ان کے بیان سے مستغنی ہو کر  
 یہ امر ظاہر کرتے ہیں کہ علت و معلول سے نتیجہ نکالنے کے واسطے عموماً قواعد مندرجہ  
 ذیل پر خیال کرنا چاہیے۔

اول قانون علت و معلول پر۔ قانون علت و معلول یہ ہے کہ ہر ایک معلول کسی  
 نہ کسی علت سے پیدا ہوتا ہے یعنی یہ امر لازمی ہے کہ ہر ایک معلول کے واسطے کوئی  
 نہ کوئی علت موجود ہو۔

دوم شرائط علت و معلول پر ہر ایک علت کے ساتھ دو قسم کی شرطیں پائی جاتی ہیں  
 ایک موجبہ اور ایک سالبہ۔ چپ تک ان دونوں قسم کی شرائط کا وجود نہ تو تک

علموں کا وقوع اور معلول پیدا نہیں ہو سکتا علمی تحقیقات کی ترقی اور کامل کرنے کے واسطے ان دونوں قسم کی شرطوں پر خیال اور لحاظ کرنا چاہیے اگرچہ بلا لحاظ کرنے ان شرطوں کے بھی نتیجہ نکل آتا ہے مگر اوس میں صدور غلطی کے اندیشہ کے علاوہ علمی تحقیقاتوں کو تکمیل حاصل نہیں ہوتی مثلاً اگر ہم ایک دیو اسلامی سے ایک لکڑی کو آگ لگا یں تو عموماً دیو اسلامی کے لگانے کو لکڑی کے جلنے کی علت کہہ دیا کرتے ہیں لکن اسکے سواے اور بھی کئی ایک ایسے شرائط ہیں ان کے موجودگی یا عدم موجودگی میں آگ کا جلنا ممکن نہ تھا مثلاً شرائط مثبت یعنی موجبہ جیسے ایندھن اور ہوا کا وجود اور شرائط منفی یعنی سالبہ جیسے ایندھن میں نمی کے عدم موجودگی ان شرائط کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا صرف دیو اسلامی کے لگانے کو خیال کیا جاتا ہے اور اوسیکہ خیال یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ علمی تحقیقات کرنے کے واسطے صرف یوں نہ کہ پر خیال کرنا کافی نہیں ہے اس کے شرائط الخصوص اور شرطوں کو شمار میں لانا چاہیے کہ جنکے وجود پر حادثہ کا ظہور موقوف ہے۔

سوم خداوند کریم نے ہر ایک علت کی ذات میں معلول کے پیدا کرنے کی طاقت رکھی ہے مثلاً سورج میں قدرتا یہ طاقت ہے کہ اپنے طلوع سے دن کے وجود کو پیدا کرے کشش ثقل میں یہ طاقت قدرتا رکھی گئی ہے کہ وہ ایک وزن دار جسم کو زمین کی طرف کھینچے اس طاقت کے اثبات کے واسطے ہم ایک مختصر سی مثال دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر کسی وزن دار جسم کو اوپر کی طرف پھینکیں تو وہ اوپر کو بلا کسی روک اور مزاحمت کے چڑھتا جائیگا اور اسکا صعود اور سوخت تک قائم رہیگا جب تک کہ ہمارے ہاتھ کی طاقت اس کے ساتھ شامل رہے گی جب ہمارے ہاتھ کی طاقت ختم ہو جائے تو کشش ثقل اس وزن دار جسم کو زمین پر کھینچ لیگی دیکھو کہ جب تک ہمارے ہاتھ کی طاقت اس وزن دار جسم کے ساتھ شامل رہے گی تب تک تو اسکی صعودی حرکت برابر قائم رہے گی اور جب

ہاتھ کی طاقت ختم ہوگی تو کشش ثقل نے صعودی حرکت کو روک کر ذریعہ حرکت شروع کی  
 جسکے سبب وزن دار جسم زمین پر پہنچ آیا ہمارے ہاتھ کی طاقت ایک وزن دار جسم  
 کے اوپر پھینکنے کے واسطے ایک علت تھی اور اس وزن دار جسم کا اوپر جانا ایک  
 معلوم تھا۔ علیٰ ہذا القیاس کشش ثقل ایک علت ہے اور وزن دار جسم کا زمین کی  
 طرف پہنچ آنا ایک معلول ہے اگر ہاتھ میں طاقت نہ ہو تو وزن دار جسم اوپر نہ جاتا  
 اور اگر کشش ثقل میں نیچے لانے کی طاقت نہ ہو تو وزن دار جسم اوپر ہی معلوم ہوتا  
 جھٹکے پر ہاتھ اور کشش ثقل میں بالذات ایک وزن دار جسم کو اوپر کے پھینکنے  
 اور نیچے لانے کی طاقت ہے اس واسطے کہ ہر ایک علت میں قدرتا معلول کے برابر کرنے  
 کی طاقت اور خاصیت پائی جاتی ہے علت و معلول پر استدلال کرنے کے وقت  
 علتوں کی طاقتوں پر ضرور لحاظ کرنا چاہیے علتوں کی ذاتی خاصیتوں اور طاقتوں  
 پر خیال کرنے سے نتیجہ بہت درست اور صفائی سے نکلتا ہے اور اگر ہم علتوں کی طاقت  
 اور خاصیتوں پر لحاظ اور غور نہ کریں تو نتیجہ کے نکالنے میں بہت دفعہ غلطی ہو جاتا  
 ہے مثلاً اگر ہم کسی بڑے تناور درخت کو جڑ سے اوکھاڑ دیکھ کر یہ استدلال کریں  
 کہ اسکو کسی شخص نے محض ہاتھ سے اوکھاڑ ڈالا ہے اور ہاتھ کو اس تناور درخت  
 کے اوکھاڑ ڈالنے کی علت قرار دیں تو یہ بات ٹھیک نہیں ٹھیک کی کہونکہ محض  
 ہاتھ میں اس قدر تناور درخت کے اوکھاڑ ڈالنے کی طاقت نہیں ہے اگر ہم اس  
 واقعہ یا معلول کو دیکھ کر علتوں کی طاقتوں کے قانون کو کام میں لائیں گے تو فوراً  
 سمجھ جائیں گے کہ اس قدر تناور درخت کا اوکھاڑ ڈالنا ہاتھ کا کام نہیں ہے ہاتھ  
 کی طاقت اس معلول کی علت نہیں ہو سکتی۔ یہ معلول کسی اور روز اور علت کا  
 پیدا کیا ہوا ہے جب یہاں تک پہنچ جائیں گے تو یہ وہ اصلی علت تھوڑے سے  
 غور اور تفتیش کے بعد ہی معلوم ہو جائیگی۔ چہاں نتیجہ نکالنے اور استدلال کے وقت اس امر کو





اطلاق کرنا چاہیے اور کسی کام کے کرنے کے واسطے کسی محفوظ وقت کا نکالنا نکالنے والیکے واسطے مشکل نہیں ہے۔

### دوسرا قاعدہ

جسطرح علوم کے حاصل کرنے اور ترقی دینے کے وقت علوم کی ضرورت اور فائدوں پر خیال کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر فنون اور ہنروں کے حاصل کرنے اور سیکھنے اور ترقی دینے کے وقت ان کی ضرورت اور فائدوں پر خیال کر لینا چاہیے اگر ہمیں ثابت ہو جائیگا کہ فلاں ہنر یا فلاں فن بہت مفید اور ضروری ہے لوگ اس کی بہت خواہش کرتے ہیں تو ہم دلی شوق سے اس ہنر اور فن کے ترستے دینے کی کوشش کریں گے انسان کی طبیعت میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ وہ جب اور انسانوں کو کسی چیز کا محتاج اور شتاق پاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز اس کے تصرف میں آجائے تاکہ وہ اس کے تصرف اور تیسرے اور محتاج اور شتاق انسانوں کے ہاتھ سے منفعت اٹھائے۔ اسی طرح ہر جب ایک انسان دیکھتا ہے کہ اور انسان ایک خاص ہنر یا فن کے محتاج اور شتاق ہیں تو وہ غشی اور شوق سے اس ہنر یا فن کے ترقی میں زور دیتا ہے اس سے مطلب اور نکاح ہوتا ہے کہ اور لوگ بسبب احتیاج اور شتاق کے اس ہنر یا فن کی طرف رجوع کریں اور میں فائدہ اٹھاؤں اگر ہر کوئی تحقیقات سے ثابت ہو کہ کسی ہنر یا فن کی ضرورت اور مانگ نہیں ہے تو ہمارا دل اس ہنر یا فن کے ترقی دینے اور بڑھانے کی نظر اصلاً توجہ نہیں کرتا۔ اس عدم توجہی کا یہی باعث ہے کہ ہم اس ہنر اور فن کے ترقی دینے میں اپنا فائدہ نہیں دیکھتے دیکھو ہر کوئی ضرورت پر خیال کرے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک صورت میں ہمارا دل محنت کرنے پر مستعد ہو جاتا ہے اور ایک صورت میں بیفائدہ محنت اور کوشش سے بچ جاتا ہے یہ بہت عمدہ اصول ہے کہ ہنروں

اور فنون کے موجودہ ضرورتوں پر خیال کیا جاوے۔

### تعمیر قاعدہ

ہنردن اور فنون کے ترقی دینے کے واسطے ضروری ہے کہ ہنردن اور فنون کی غرضوں کو دیکھا جائے یعنی اس بات کی تحقیقات کیا وے کہ فلاں ہنر اور فلاں فن کی غرض کیا ہے جب ایک ہنر و فن کے غرض کی غرض کو ثابت کیا جاتا ہے تو دل میں یہ جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے کہ اس غرض کو کسی اور طریق سے بھی حاصل کیا جاوے مثلاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ نیکھا اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ گرمی کے موسم میں اس کو حرکت دینے سے بچاؤ آتی رہے۔ تو اس سے یہ غرض ثابت ہوتی ہے کہ نیکھے کے وجود نے نیکھے کو گرمی کے موسم میں انسان کو بچاؤ پہنچانے کے واسطے ایجاد کیا ہے۔ جب نیکھے کی غرض کو معلوم کر لیتے ہیں تو ہمارے دل میں آتا ہے کہ اگر کوئی اور آسان اور سہل صورت ہو اپنی بنانے کے ٹکلی تو بہتر ہو یہاں تک کہ ہم سوچتے سوچتے ایک اور آسان صورت نکال لیتے ہیں ابتدا میں جب بدوق بنائی گئی تو اس کی صورت اور قلع و قمع توڑے دار اور تچر دار بدوق کے قریب قریب تھی جب لوگوں نے بدوق کی ایجاد کے غرض کو معلوم کر لیا تو پہر بیان تک تبدیلی ہو گئی کہ اب برج لوڈر کی صورت پر آگئی آدمی مختلف صنعتوں کی غرضوں پر دل جوئے اور فکر کرتا ہے ورنہ وہ اس کی آسان اور سہل کرنے کی طرٹ متوجہ نہ تھا اگر انسان نیکھے اور بدوق کی غرض ایجاد پر غور نہ کرتا تو ممکن نہیں تھا کہ نیکھوں اور بدوق کی صنعت کو ترقی ہوتی۔ جب ہم جانتے ہی نہیں کہ نیکھا اور بدوق کس غرض کے واسطے بنائی گئی ہے تو ترقی کیا کرینگے اگر ہم کو کہا جائے کہ اس اونچے ٹیلہ پر چڑھ جاؤ۔ تو ہم اوپر چڑھنے کی سوچو پڑ کرینگے مگر اگر ہم ٹیلہ کی شکل بھی نہیں تو ہمارے دل میں اور تجویزون کا خیال بھی نہ آئیگا۔ بعینہ یہی حالت فنون کی غرض

معلوم کرنے کی ہے اگر غرض کا علم ہو جائے تو اس کی آسانی اور سہل بنانے کی مختلف تجویزیں اور وسائل نکل سکتے ہیں اور اگر غرض کا علم نہ ہو تو کوئی تجویز بھی سوچی نہیں جاسکتی ہمارے خیال میں فنون کی ترقی کے ضروری اسباب اور وسائل میں سے غرض کا جاننا بھی ہے اگر اہل فن اور اہل ہنر اس طرف غور کرتے تو وہ ترقی کے کوہِ بین قدم ہی نہیں رکھ سکتے تھے جو لوگ فنون کے اغراض پر غور نہیں کرتے وہ ہمیشہ کیسی نقشہ یا خیال پر چسبے رہتے ہیں لڑا کپن میں اور فنون نے جو کچھ غریب قسمت ہو سیکھا ہوتا ہے اسی پر کفایت اور قناعت کر کے بیٹھے رہتے ہیں آگے قدم رکھنا اور بہرہ جرم ہو جاتا ہے اصل پوچھو تو اونکا کوئی تصور نہیں ہے جب اونکی بات میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا موجب ہی نہیں ہے تو وہ کیا کریں وہ تو یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں اصول پر بیٹھے فنون اور ہنروں کو سیکھا ہی ہو سکے سوا بے اور کوئی اصول نہیں ہے اگر اونکو فنون کی غرضیں معلوم ہوتیں تو اونکی طبیعتوں میں اس قدر رکاوٹ کیوں پیدا ہوتی۔ جو لوگ اپنی عقل اور دور اندیشی کو مختلف ہنروں اور فنون کی ترقی دینے میں صرف کرنا چاہتے ہیں اور جن میں ضروری اور لازم ہے کہ نہایت احتیاط اور استعداد سے فنون کے اغراض کو دریافت اور معلوم کریں جب وہ اغراض فنون کو دریافت اور معلوم کر لینگے تو اونکی طبیعتیں دنوں میں ہی فنون کی ترقی دینے کے بلکہ اور قوت پر کامیاب ہو جائیں گی۔

### چوتھا قاعدہ

ہنروں اور فنون کے ترقی دینے کے واسطے اہل فنون کو عام پسندیدگی کی طرف بھی خیال اور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ جس طریق کی طرف عام پسندیدگی کا میلان ہو اس طریق کے موافق فنون کی حالت کو بدلتے رہنا چاہیئے بہت دفعہ اہل فنون کے فنون کو رائق دینے سے محض اس واسطے ترک جاتے ہیں کہ اونھوں نے فنون کی حالت

عام پسندیدگی کے موافق نہیں بنایا فرض کرو کہ عام پسند کا سیلان تو اس طرف ہے کہ ہندو قوم میں ایسی کاریگری رکھی جائے کہ اس کا چلانا اور بھرنانا آسان اور اس کی مرہمت ہو جاوے۔ اور ہم بیاعت اسکے کہ حکومت اس عام پسندیدگی سے اطلاع یا خبر نہیں ہندو قوم کو پورانے طریقہ پر ہی بناتے ہیں اس صورت میں ہکونہ ہندو قوم کی ساخت فائدہ دیگی اور نہ ہم اس کی صنعت میں کچھ ترقی کرینگے فائدہ تو اس واسطے نہیں ہو گا کہ وہ عام پسند نہیں ہیں اور اس کی صنعت میں ترقی اس واسطے نہو گی کہ ہمارے دل میں اس کی ترقی دینے کا خیال ہی نہیں گذرا اگر حکومت عام پسندیدگی کا علم ہوتا تو ہماری قوت منظر اور طاقت خیالیہ ضرور کوئی ایسی تدبیر اور تجویز سوچتے کہ جس سے ہم ہندو قوم کے عام پسند بنانے کی کوشش کرتے۔

### پانچواں قاعدہ

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ انسان نئی طرح کے چیز کو دل سے پسند رکھتا ہی بازار میں جاتے جاتے جب کہیں ہم کوئی نئی چیز مثلاً ایک نئی قسم کی لکھنے کی دوات دیکھتے ہیں تو باوجود اسکے کہ پہلے ہمارے پاس لکھنے کے واسطے ایک دوات موجود ہوتی ہے دل چاہتا ہے کہ اس کو بول لے لیں باوجود دوات کی موجود ہونے اور کام چلنے کی قیمتاً ایک اور دوات چوبی لیتے ہیں اس کا اصلی باعث یہ ہے کہ اس دوات کی نئی قطع اور جدید شکل ہمارے دل کو موزوں اور اچھی معلوم دیتی ہے جس طرح پرین پڑتا ہوا خرید لیتے ہیں اگر نئی شکل کے نہ ہوتی تو ہم سوائے پہلی دوات کے ٹوٹنے کے اور دوات کب خریدتے تھے۔ تجربہ تو حیدر رہا ہم کہتے ہیں کہ انسان کا یہ طبعی امر ہے کہ وہ نئے وضع اور قطع کو پسند کرتا ہے جب کوئی ہمارا دوست سفر کو جاتا ہے تو ہم اس کو خوشی سے کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے کوئی نیا تحفہ لانا جب ہمیں خبر ملتی ہے کہ آج فلاں نے بازار میں نئی قسم کی چیزیں بکنے آئی ہیں تو گو کہ ہم نے کوئی چیز بھی نہ لینی ہو ولیکن آتا ہے

کہ وہاں چلکر ضرور دیکھیں۔ جب ہم رستہ میں گذرتے ایک جگہ پر بھٹا اور لوگوں کا جمع دیکھتے ہیں تو خواہ مخواہ راہ چلتے ہمارے دل میں آتا ہے کہ دیکھتے ہی چلیں ہوتا کیا ہے۔ یہ خیال صرف اس واسطے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں یہ وہم گذرے کہ شاید وہاں کوئی نئی کیفیت ہو۔

جبکہ ہر ایک انسان نئی چیز کو دل سے پسند کرتا ہے تو اہل فنون کو لازم ہے کہ اپنے اپنے ہنروں اور فنون کو نئے طور پر اور نئی سانچوں میں انسانی جماعتوں کے روبرو پیش کیا کریں تاکہ اوں کو رونق اور ترقی ہو۔ جس ملک کو اہل فنون اور صنعتوں نے اس عمدہ اور فائدہ بخش اصول کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے اوں کے ہنروں اور فنون کے ملک والوں نے اس قدر قدر اور عزت کی ہے کہ جبکہ کچھ انداز زمین اپنے خاص قوم یا ملک والوں پر کیا موقوف ہے اور ملک اور قوم والوں نے بھی ایسے جدید صنعتوں اور کاریگریوں کی بہت ہی قدر اور عزت کی ہے وہ دیکھو ایشیا ملک تو میں اہل یورپ کی صنعتوں اور کاریگریوں کی صنعتوں اور کاریگریوں کی کیسی قدر کرتے ہیں اور بالمقابل ان جدید یورپین صنعتوں اور کاریگریوں کی ایشیائی صنعتیں اور کاریگریاں کیسی ابتر حالت میں ہیں یورپین صنعتوں اور کاریگریوں کی قدر اور ایشیائی صنعتوں اور کاریگریوں کی بیقدری کا اصلی موجب یہی ہے کہ یورپ کی صنعتیں اور کاریگریاں ہمیشہ جدید شکلوں اور وضعوں پر طیار ہوتے اور بنتے رہتی ہیں اور ایشیائی صنعتیں اور کاریگریاں ایک ہی قطع وضع اور شکل پر طیار ہوتی ہیں لوگ جدید شکلوں اور وضعوں کی صنعتوں اور کاریگریوں کو پسند کرتے ہیں اور پورانی صنعتوں کو پسند اگر صناعتان یورپ کی طرح ایشیائی صناعت اور کاریگری بھی اپنی صنعتوں اور کاریگریوں جدید جدید شکلوں اور نئے نئے وضعوں پر طیار کرتے اور بناتے ہیں تو اوں کو بھی لوگ یورپ کی صنعتوں کی طرح پسند کریں۔

جب ایک کاریگر یا اہل فن کے دل میں اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ لوگ نخر و ضنون یا شکوک کی صنعتوں کو بہت پسند کرتے ہیں تو اسکی توجہ متفکرہ جدید شکوک کے پیدا کرنے کی طرف خود بخود مائل ہو جائیگی۔ اور ہنر و فنون کو روز بروز ترقی ہوتی جائیگی۔

### چھٹا قاعدہ

اکثر فنون اور صنعتوں کے ترکیبی اسباب اور ضروریات قانون قدرت کی سلسلہ سے حاصل ہوتے ہیں جب تک قانون قدرت کے سلسلہ کا علم نہ ہو تب تک فنون اور صنعتوں کو ترقی ہی نہیں ہوتی۔ دنیا میں خداوند کریم نے جب قدر کشائیں پیدا کی ہیں انہیں مختلف قوتیں اور طاقتیں پائی جاتی ہیں اور قدرتی قوتوں اور طاقتوں کے جانے سے انسان مختلف قسم کی صنعتوں اور فنون کے نکالنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر پانی کی طاقتوں اور افعال پر غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ پانی جب حرکت میں ہوتا ہے تو وہ اپنی حرکت اور شے میں بھی منتقل کر سکتا ہے پانی کی اس قدرتی طاقت کے معلوم ہونے سے ہم مختلف قسم کی صنعتیں نکال کر مختلف قسم کے کام لے سکتے ہیں چنانچہ اکثر کارخانے پانی کے زور پر ہی چلتے ہیں۔ اہل فن کو لازم آئے کہ اپنی صنعتوں کو عام پسند بنانے اور ترقی دینے کے واسطے قانون قدرت کے سلسلہ پر غور کرتا رہے اور انکو جب قدر خدا کے لانا تھا اور حکمت اسی پر پیدائش کی طاقتیں اور افعال معلوم ہو جائیں گی اور سیکھیں اور سیکھیں ہنر و فنون میں روتی اور ترقی ہوتی جائیگی۔

### ساتواں قاعدہ

جسطرح ہر انسان آپس میں مختلف الطبیعت ہے اسی طرح ہر انسانوں کی صنعتیں اور

فنون مختلف ہیں، مادہ صناعتی کی ترقی کے واسطے صناعتوں کو لازم ہے کہ ہر ایک فن اور صنعت کی ترکیبوں اور بندشوں پر نظر کرتے رہیں اگر ہم ایک صنعت کو فکر و غور سے دیکھ لیں گے تو اس کے تمام ترکیب اور بندش ہماری سمجھ میں آ جائیں گے جس سے ہمارے مادہ صناعتی کو خوب ترقی ہوگی۔

### مقدار وحد ترقیات فنون

اوپر کے سات قاعدوں میں ہم نے بالاختصار فنون اور صنعتوں کی رونق اور ترقی دینے کے وسائل اور صورتوں کو بیان کر دیا ہے اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ انسان کس مقدار اور کس حد تک اپنی صنعتوں اور کاریگریاں کو ترقی اور رونق دے سکتا ہے قبل اسکے کہ ہم انسانی کمالات کی حد بیان کریں اس بات کا ظاہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے دنیا میں جس شے کو پیدا کیا ہے اس کی ذات میں خاص طور پر ایک خاص قوت اور اثر پیدا کر رکھا ہے ہر ایک شے اپنے خاص قوت پر ثابت اور قائم رہتی ہے بقدر کسی شے کی قوت اور اثر ہوتا ہے اوسے بقدر اوس کا عمل ہوتا ہے یہ بات نہیں کہ ایک شے کا ذات میں قدرتی اثر اور قوت تو کچھ ہو اور اوس کا عمل کچھ اور اگر ہم اس امر پر زور دین کہ کوئی شے اپنی قدرتی اثر یا قدرتی قوت کے برخلاف عمل کرے تو کبھی بھی کامیابی نہ ہوگی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم پانی میں قند یا مصری تو اس قدر ڈالیں کہ ایک سیر پانی کو شیریں بنا دے اور اس امر کی امید کہیں کہ اسی مقدار مصری سے تین سیر پانی کو سیٹھا کیا جاوے ہرگز نہیں جہتہ مصر سے ڈالینگے اسی کے موافق شربت ہوگا اسی طرح پر آشیاہ کی قدرتی قوتوں کا حال ہے اون کا علمد راہ ٹھیک اون کی قدرتی قوتوں کے موافق اور برابر ہوتا ہے جب فیضی بات سمجھ میں آچکی تو اب ہم اس بات کو اظہار کی اجازت مانگتے ہیں کہ انسان خاکی



بنیان کی ساری ترقیان اور تمام کمالات اور خفین مادوں اور شیئوں سے مربوط اور  
مضبوط ہیں کہ جبکہ خدا نے عام طور پر دنیا میں پیدا کر رکھا، اسی انسان کے کمالات  
اور ترقیوں میں سے کوئی ایسا کمال اور ترقی نہیں کہ جو خدا کی پیدا ایشی سلسلہ سے  
باہر ہو جس کمال یا ترقی پر نظر کر دے خداوند کریم کی پیدا ایشی سلسلہ سے ہی مربوط  
ہوگی۔ اگر انسان نے مختلف علوم کو پیدا کیا ہے تو وہ خدا کے پیدا ایشی سلسلہ سے  
ای واسطہ ہیں اگر مختلف فنون اور عجائبات ظاہر کر دکھائے ہیں تو وہ سب کے  
سب اسی مقدس سلسلہ سے متعلق ہیں غرض یہ کہ سب کے سب کمالات اور  
ترقیات خدا کے پیدا ایشی سلسلہ سے مربوط ہیں انسان نے جو کچھ کیا اور سکا اصلی  
ماخذ خدا کا پیدا ایشی سلسلہ ہی ہے تاریقی اور ریل اور ہیلو گراف اور چھاپہ خانہ  
اور کپڑے کی کلین اور لکھنے کے آلات وغیرہ سب اسی سلسلہ سے جکڑے ہوئے  
ہیں تاریقی کے مواد اور اسباب انسان نے کہاں سے حمیا کیے ریل کی ضرورت  
کس نے پیدا کی؟ آخری جواب یہی ہے کہ ان سب اسباب اور سارے وسائل کا  
سلسلہ خدا کے پیدا ایشی سلسلہ سے ہے جالمتا، کوئی ایسا سبب اور وسیلہ  
کہ جو اس وسیع سلسلہ سے ٹکرنے لگتا ہو انسان کے جس قدر کمالات اور ترقیات  
ہیں یا جو کسی اور وقت میں ظاہر ہوتے یہ سب خدا کی پیدا ایشی سلسلہ سے ہی  
ہیں اوپر کی سطروں میں چنے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ خداوند کریم نے دنیا کو  
پروردہ پر جس قدر شئیں پیدا کی ہیں اُن سب کی ذات میں ایک خاص اثر اور خاص  
قوت موضوع اور مخلوق ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ انسان کے جس قدر کمالات  
ہیں وہ سب اور خفین اشیاء کے قدرتی اثروں اور قوتوں کے اوزان اور مقادیر  
پر موقوف ہیں جب ہر ایک شے اپنی قدرتی اثر اور اپنی قوت کے بموجب ہی عمل  
کر سکتی ہے اور انسان کے کمالات اور ترقیان بھی اور خفین اثروں اور قوتوں سے

مربوط ہیں تو یہ بات ظاہر کیجا سکتی ہے کہ حضرت انسان کی ترقیات اور کمالات کے اصلی حد قوانین قدرت کی قوت اور تاثیر ہے جب قدر قانون قدرت نے کسی شے کو اثر اور قوت بخشا ہے اوسیکے موافق انسان کمال اور ترقی کر سکتا ہے برق میں خدا نے جب قدر اثر اور قوت عطا کر رکھی ہے اوسیکے مطابق تار برقی کو رونق اور ترقی ہو سکتی ہے سیٹم میں قدرت نے جیسا اثر اور قوت دوئیت کی ہے اسیقدر اوس سے کام لے سکتے ہیں اگر ہم چاہیں کہ برق اور سیٹم کی قدرتی اثر یا قدرتی قوت سے زیادہ کام لین تو یہ ایک مشکل بات ہو اگر موجودہ حالت سے برق اور سیٹم سے زیادہ کام بھی لیا جاوے تو ہم اس سے یہ خیال نہیں کریں گے کہ حضرت انسان نے برق اور سیٹم کی قدرتی اثر یا قدرتی قوت سے بڑھ کر کام لیا بلکہ یوں کہیں گے کہ ابھی برق اور سیٹم کی قوت اور اثر باقی ہے علی ہذا القیاس پانی اور آگ سے اوسیکدر کام لیا جا سکتا ہے کہ جب قدر اوسکے ذات میں طاقت ہے خواہ ہم کچھ ہی کرن قدرتی اثر اور قوت سے بڑھ کر کار براری نہیں ہو سکتی ہمارے ساری ترقیین اور تمام کمالات شیئوں کی قدرتی قوتوں سے مربوط ہیں ہم ایک ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں کر سکتے آدمی اگر لاکھ برس تک کوشش کرے کہ شیئوں کی قدرتی قوت سے بڑھ کر کمال اور ترقی کرے کبھی نہیں ہوگی شے کی طاقت کے برخلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا جیہ خدا نے ایک شے کی ذات میں ایک سیر طاقت رکھی ہے تو اوس سے دوسرے کام کیونکر لیا جا سکتا ہے یہ بات دلائل سے ثابت ہو گئی ہے کہ ہر ایک شے اپنی قدرتی قوت اور طاقت کے موافق ہی کام دیتی ہے اور انسانوں کی ترقیات اور کمالات کا سلسلہ بھی اوسی قوت اور طاقت سے منظر کیا ہے اگرچہ انسان کے کمالات اور ترقیات کا سلسلہ روز بروز رونق اور زور پکڑتا جاتا ہے مگر اوسکی ساری رونق اور ترقی اوسی حد تک ہو جسکی قدر

نے مقرر کر دیا ہے قدرتی حد سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہیں کیا جاسکتا خواہ یورپین کے کمالات ہوں اور خواہ ایشیائیک کی ترقی میں قدرتی حدود کی صورت میں بڑھ نہیں سکتیں اگر ہزار سال تک ایک شے کو ترقی اور رونق ہوتی رہے پھر بھی اوسکا سلسلہ قدرتی حد پر ختم ہوگا اگر افلاطون اور سٹرگیون بھی کوشش کرے کہ قدرتی حدود سے بڑھ کر کمال حاصل ہو تو بت بھی نہ ہوگا اور اگر کوئی پیغمبر یا پروفی بھی زور لگائے کہ اس آسمانی حد کو توڑ کر گذر کیا جاوے تو بت بھی کچھ نہیں سکتا اسکندری تو کہا ہے کرتی ہیں یہ تو اوس سے بھی بڑھ کر ہے یورپین کی طبیعتوں اور ایشیائیک کی فکروں کے یا حجاج حاج کتنا ہی زور دین یہ سد لٹھنے ہی کی نہیں بہر حال یہ بات ہمارے نزدیک مضبوط اور زور آور ہے کہ انسان کے کمالات اور ترقیوں کی حقیقی حدود ہی ہے کہ جسکو قدرت نے مقرر کر دیا ہے اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قدرتی حد کی تعریف کیا ہے تو ہم یہ جواب دیکھیں کہ ہمارے نزدیک قدرتی حدود وہ ہے کہ جسکو شیون کی قدرتی قوت یا قدرتی اثر یا قدرتی طاقت قرار دیا جاتا ہے ہر ایک شے کی قدرتی قوت یا قوتی اثر یا قدرتی طاقت انسان کے کمالات اور ترقیات تک ایک قدرتی حد ہے۔

### بحث

لغت میں لفظ بحث کے معنی زمین کھودنے کے ہیں اور اصطلاح میں تحقیقات علمی سے مراد ہے علمی طاقتوں کی مضبوطی اور ترقی کے واسطے بحث ایک نہایت عمدہ اصول اور طریقہ ہے۔ علوم اور فنون کا حاصل کرنا یا سیکھنا ایک جذباتی اور انکی تحقیقات کرنا اور صورت ہی محض حاصل کرنے اور محض سیکھنے کی صورت میں صرف محدود مسائل اور دقائق علمی کا علم ہوتا ہے اور تحقیقات کی صورت میں مختلف مسائل اور دقائق کا علم ہو جاتا ہے محض حصول اور محض سیکھنا علمی طاقتوں کی ترقی

اور ترقی اور مضبوطی کے واسطے کافی نہیں ہے اور نہ محض حصول اور محض سیکھنے کو بجا خود یا بذاتہ کامل اور مضبوط کہا جاسکتا ہے محض حصول اور محض سیکھنے میں تجربہ اور یقین کلی حاصل نہیں ہوتا تحقیقات میں تجربہ اور یقین کلی حاصل ہو جاتا ہے محض حاصل کرنے اور سیکھنے کی صورت میں انسان کی طبیعت میں جودت اور سلامتی نہیں پیدا ہوتی اور نہ قوت فیصلہ اور تمیز کہ ترقی ہوتی ہے جب تحقیقات کا دروازہ کھل جاتا ہے تو انسان کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی جودت اور ترقی اور سلامتی اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے اور قوت فیصلہ اور تمیز کو بھی تبدیلیج ترقی ہوتی جاتی ہے داناؤں اور حکیموں کا یہ مانا ہوا مقولہ ہے کہ جب تک تحقیقات کا دروازہ نہ کھولا جائے تب تک علمی افکار اور دقائق حاصل نہیں ہو سکتے۔ خداوند کریم نے انسان خاکی بنیان کو ایک قوت عطا کی ہے جسکو قوت فیصلہ کے نام سے موسوم اور تعبیر کرتے ہیں اس نام اور قوت کا یہ کام اور خاصہ ہے کہ امور اہل و عیال سے مسائل پیش آمدہ کی صورتوں اور نتائج اور آثار میں بالتفصیل فیصلہ کر دیتی جس سے اسے صائب قائم کرنے کا راستہ نکل آتا ہے قوت فیصلہ اس وقت تک اپنا کام شروع نہیں کرتی جب تک کہ تحقیقی نتائج اور تجربے اور یقینی اسباب اور صورتیں حاصل اور میر نہ ہوں۔ تحقیقی نتیجے اور تجربے اور یقینی اسباب اور صورتیں محض حاصل کرنے اور محض سیکھنے سے سترتب اور حاصل نہیں ہوتی بحث یا تحقیقات سے حاصل ہو سکتی ہیں جو آدمی صرف کتاب کے ذریعہ سے اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ پانی میں بجا بے بننے کی طاقت موجود ہے اسکی علمی طاقتیں نسبت اس شخص کے کہ جسے بحث یا تحقیقات سے پانی کی طاقت نہ کور کا یقین اور اعتبار کیا ہے کہ میں زیادہ مضبوط اور مفید ہیں پہلا شخص اپنی قوت فیصلہ کے ذریعہ سے اپنے یقین کی بابت کوئی تسلیم یا صائب رائے قائم نہیں

کر سکتا۔ مگر دوسرا شخص اپنی تحقیقی اعتبار اور یقین کے بھروسہ پر اپنی قوت فیصلہ کے ذریعہ سے ایک سلیم اور صائب رائے قائم کر سکتا ہے۔ بحث باعتبار آثار اور تجربوں کے دو قسم پر ہے ایک بحث عقلی۔ اور ایک بحث نقلی۔ بحث عقلی وہ بحث ہے کہ جس میں مسائل اور امور عقلیہ کے تحقیقات ہوتی ہیں اور بحث نقلی وہ بحث ہے کہ جس میں امور اور مسائل نقلیہ کی تحقیقات کی جاتی ہیں ان دونوں قسم کی بحثوں کے طریق اور اصول جدا گانہ ہیں۔ ہم مختصر طور پر اس موقع پر ان دونوں قسم کے اصولوں کو نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

### نمبر اول اصول بحث عقلی

بحث عقلی دو قسم پر ہے ایک لازمی اور ایک شبعی۔ لازمی وہ بحث ہے کہ جس میں خارجہ کوئی دوسرا فریق یا بحث کرنے والا نہیں ہوتا نہ صرف ایک ہی شخص اپنی ذاتی اور اندرونی قوتوں کی توجہ کے ذریعہ سے علوم و فنون اور حادثات اور مختلف مسائل کی تحقیقات کے سلسلوں کو شروع کرتا ہے۔ لازمی بحث کے شروع کرنے کے واسطے انسان کی قوت خیالیہ اور تفکرہ اور قیاسیہ بجائے دوسرے کے ہو جاتی ہیں جب انسان دنیا کے حادثات اور قدرت کے وسیع سلسلوں اور علوم و فنون کی خصوصیتوں اور سلسلہ موضوعات کو دیکھتا یا ہے تو اس وقت اس کے قواسم مذکورہ بالا میں توجہ اور ادراک کا جوش یا شوق پیدا ہوتا ہے۔ بعض وقت انسان اس جوش اور شوق کو اور مزاحمت اور پلنگا سے فرو اور کمزور کر دیتے ہیں اور بعض اوقات یہ مفید سلسلہ شروع ہو جاتا کہ جب ہم کسی حادثہ کو دیکھتے ہیں تو اس وقت طبعی طور پر ہمارے دل میں اس کا جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے کہ اس حادثہ کی وقوعی اسباب اور علتوں کو دریافت کریں۔ جب یہ عمدہ اور معقول جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے تو ہماری قوت تفکرہ

اور قیاسیہ اپنے طور پر اس امر کی تحقیقات میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ اس حادثہ کا وقوع کیونکر ہوا یا یہ کہ اس حادثہ کے وقوعی اسباب کیا ہیں ہم طبعی طور پر ہی اس حادثہ کے وقوعی اسباب اور علتوں کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہی تو ہماری قوت متفکرہ اور قیاسیہ چند اسباب کو پیدا کر کے اس حادثہ کے وقوعی اسباب قرار دیتی ہے اور کہی او کو مردود و ثابِت کر کر اور جدید اسباب نکال لیتے ہیں اس رد و بدل سے اس حادثہ کے وقوعی اسباب کا ایک صحت کے ساتھ پتہ لگ جاتا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے انسان کی طبیعت میں بحث لازمی کا مادہ قدرتاً ودلیت کر رکھا ہے ہر ایک انسان کسی حادثہ کے وقوعی اسباب کے ادراک اور معلوم کرنے کے واسطے شوق اور جستجو ظاہر کرنا اس بات کے پختہ اور برجستہ پرمان ہے کہ انسان طبعاً لازمی بحث کا جانتا ہے۔ اگر انسان نے طبیعت میں قدرتاً لازمی بحث یعنی تحقیقات کا مادہ ودلیت نہ کیا گیا ہو تو لازم ہے کہ انسان کو اس طرف مطلقاً توجہ اور شوق نہ ہو انسان کا اس طرف توجہ کرنا اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ ادکی طبیعت میں ہی لازمی تحقیقات کا جوش اور مادہ موجود اور مخلوق ہے۔

بحث لازمی بہ نسبت اور بحثوں کے زیادہ تر اذق اور شکل ہے اور بحثوں میں تو اور طبیعتوں کی طرف سے مدد مل جاتی ہے اس صورت میں محض اپنی طبیعت پر بھروسہ اور زور ہوتا ہے جو شخص اس نازک بحث (یعنی تحقیقات) میں اپنے آپ کو مصروف کرنا چاہتا ہے اور ہر لازم ہے اور واجب ہے کہ نہایت مضبوطی اور برجستگی کے ساتھ اس کوچہ میں قدم رکھے۔ گو اس تحقیقات کا خزانہ اور معدن انسان کی اپنی طبیعت ہی ہے مگر اس تحقیقات میں مصروف ہوتی جو شکلیں اور وقتیں مائل اور مزاحم ہوتی ہیں وہ نہایت ہی مایوس اور حیران کرنے والی ہیں

یہ کتنی بڑی مشکل ہے کہ ہم ایک حادثہ کے وقوعی اسباب کو بلا کسی اور خارجی اندازہ کے دریافت اور معلوم کرنا چاہتے ہیں ایسے وقت میں طبیعتیں بالکل مایوس اور حیران ہو کر رہ جاتے ہیں دل معذور اور مجبور ہو جاتے ہیں قوت متفکرہ فکر وغیرہ سے جواب دیتی ہے اور قوت قیاسیہ قیاس اور اندازہ کرنے سے ہٹ جاتے اور اکثر انسان اسی وقتوں میں مایوس ہو کر رہ جاتے ہیں اور تحقیقات لازمی کے مفید سلسلہ کو ترک کر دیتے ہیں اور جو لوگ ستیم المزاج ہوتے ہیں وہ قائم اور ثابت قدم رہ کر منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں اسی حالتوں میں بدول اور مایوس ہو جانا چاہیے بلکہ قوائے نوکدہ کو ساتھ لیکر مضبوطی اور سلامتی سے تحقیقات کرنی چاہیے جب لازمی طور پر عقلی مسئلوں اور دقائق کی تحقیقات شروع کیجاوے تو محقق پر لازم ہے کہ اول ان مسئلوں اور دقیقوں کے مبادیات اور خصوصیات اور لوازمات پر نظر کرے جب تک عقلی مسئلوں اور دقیقوں کے مبادیات اور خصوصیات اور لوازمات پر نظر نہ کیجاینگے تب تک تحقیقات کامل اور مفید نہوگی۔ مثلاً مثلاً اگر ہم اس امر میں بحث کریں کہ پانی میں کسی دوسری چیز یا جسم پر دباؤ ڈالنے کی طاقت ہو یا نہیں تو سب سے اول ہم کو پانی کی خصوصیات اور لوازمات پر غور کرنے پڑگی جب تک ہم پانی کی خصوصیتوں پر غور نہیں کریں گے تب تک پانی کی طاقت نہ کوئی حالت پورے طور پر نہ کشف نہیں ہوگی جب ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ پانی کیا شے ہے تو نہ ہم اس کے مخصوص طاقتوں کو کامل طور پر کیونکر معلوم اور دریافت کر سکتے ہیں پانی کی مخصوص طاقتوں اور آثار کا علم کافی تو اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہم پانی کی حیثیت کو دریافت کر لیں۔ اگر ہم انسان کے طبعی قوتوں کی بابت بحث اور تحقیقات کریں تو اول ہم کو ان طبعی قوتوں کے خصوصیتوں پر نظر کرنی چاہیے۔ طبعی قوتوں کی خصوصیتوں اور اصلی حالت اور

کھلیگی کہ جب اونکی خصوصیتوں کا علم کافی حاصل ہو جائے ایک امر عقلی کی تحقیقات اور بحث میں بعض وقت ہم اس واسطے غلطی اور دھوکا کھا جاتے ہیں کہ اوس امر کی خصوصیتوں پر لحاظ نہیں کرتے۔ اگر ہم قبل از بحث یا تحقیقات امر قابل تحقیق یا بحث کے سبب دیات اور خصوصیات پر غور اور نظر کر لیتے تو غلطی کیوں صادر ہوتی تحقیقات اور بحث متعدی وہ بحث ہے کہ جس میں دو فریق ہوتے ہیں ایک کو مدعی اور دوسرے کو سائل کہتے ہیں۔ مدعی وہ ہے کہ جو دعویٰ کے ثابت کرنے میں سرگرم ہو اور سائل وہ ہے کہ جو دعویٰ مدعی کے ابطال کی کوشش کرتا ہو۔ اسی بحث میں بحث کرنے والوں کو بالخصوص مندرجہ ذیل خصوصیتوں کی طرف خیال اور لحاظ کرنا چاہیے اول دعویٰ مدعی کی تشخیص اور تخصیص کرنی ضروریات سے ہے جب تک مدعی کے دعویٰ کی تشخیص نہ ہوگی تب تک تحقیقات مفید نہ ثابت ہوگی مدعی کا دعویٰ ہے شخص اور مخصوص نہیں تو تحقیقات کیا ہوگی خاک تحقیقات اور بحث اوس صورت میں مفید ثابت ہوگی کہ جب دعویٰ کی تشخیص ہو جائیگی۔ دعویٰ وہ کلام ہے کہ جس میں حکم موجود ہو یعنی دعویٰ اوس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے واسطے بحث یا تحقیقات کا انعقاد ہو۔ اور وہ دو قسم پر ہے ایک ایجابی۔ مثلاً جو انسان ہے وہ ناطق ہے۔ دوسرا سلبی۔ مثلاً کوئی انسان ناطق نہیں دعویٰ سے مدعی کا اصلی مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ثابت ہو کر دوسرے دشمن ہر چاہے دویم حیثیت دلیل کا جاننا ضروری ہے دلیل وہ صورت ہے کہ جس کے علم سے دوسری شے کا علم ہو جائے۔ مثلاً عالم متغیر ہے اور جو متغیر ہے وہ حادث ہے۔ ہم اسکے علم سے لازم آتا ہے حادث ہونا عالم کا اور حادث عالم ایک دوسری شے کی دلیل دو قسم پر ہے ایک لمبی کہ جس میں حد واسطہ علت واقعہ ہو واسطے نسبت کے ذہن اور خارج میں معاً مثلاً کہ میں کہ یہ محموم ہے کیونکہ میں بغض الاخلط ہے اور



متعفن الاخلاط مجموع ہے حد واسطہ اس میں متعفن الاخلاط ہے اور وہ علت واقعہ ہے  
 اس لئے نسبت کے ذہن اور خارج میں معاً - دوسری دلیل اتنی کہ جسمین حد واسطہ  
 علت واقعہ ہو واسطے نسبت کے صرف ذہن ہی میں فقط نہ خارج میں مثلاً کہیں  
 کہ یہ متعفن الاخلاط ہے کیونکہ یہ تمام ہے اور ہر مجموع متعفن الاخلاط ہے حد واسطہ  
 اس میں مجموع ہے اور وہ علت واقعہ ہے واسطے نسبت کے ذہن میں فقط نہ خارج میں  
 دعویٰ کو دلیل سے ایک خاص نسبت ہو جب تک دلیل کا کافی علم ہو گا تب تک  
 دعویٰ کی حالت بھی تفصیل سے نہیں معلوم ہو سکتی - بحث کرنے والوں پر سکا  
 جانا بھی ضروری ہے - تیسرے امارت اور تہیہ اور مقاطع مانند دور اور تسلسل  
 غور کرنے لازم ہے ان امور اور ضروریات کے زیادہ تر تشریح علم مناظرہ میں ملے گی  
 مستعد طالبعلموں کو اس فن شریف کتابوں کو دیکھنا چاہیے -

### تیسرہ م اصول بحث نقلی

بحث نقلی میں ہمیشہ نقلی مسائل اور امور پیش ہوتے یا آتے یا کیے جاتے ہیں -  
 نقلی مسائل اور امور کی تنقیح اور تصحیح کے واسطے صورت یا سند نقل پر لحاظ  
 کرنا چاہیے بلا سند یا صورت نقل پر اعتبار کر لینا یا اس کے بہرہ سے ہر اسے قائم  
 کر دینے بحث اور تحقیقات کو غیر مفید بنانا ہے جب تک نقل کی سند اور صورت قابل  
 یقین کر سکیں نہ ہو تب تک اس پر اعتبار کرنا اپنی تحقیقات علمی کو ناقص اور کمزور  
 ثابت کرنا ہے چونکہ بحث کے متعلق علم مناظرہ کی کتابوں میں ایک تفصیل اور  
 تشریح کے ساتھ قواعد اور اصول سند برج ہیں اس واسطے ہم ان کے مختصر ظہار  
 پر ہی کفایت کرتے ہیں مستعد اور ہوشیار طالبعلموں اور طاقتموں کو ترغیب  
 دینے والوں کو لازم ہے کہ علم مناظرہ کے مستعد اور شہور کتابوں اور تصنیفات  
 کی طرف توجہ کریں -

## اطاعت والدین

جب ہم دنیا کے کارخانہ اور سلسلہ پر غور کرتے ہیں تو معلوم اور ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی شے اور پیدائش نہیں ہے کہ جسکو دوسری شے یا پیداوار سے کوئی نسبت یا تعلق نہ ہو دنیا کی ہر ایک شے یا پیدائش کو دوسری شے یا پیدائش سے کوئی نہ کوئی نسبت اور تعلق ہوتا ہے جس طرح پر غور اور فکر کے بعد اشیاء کے تعلق اور نسبت کو ثابت اور قبول کیا گیا ہے اسی طرح ہر اس امر کو مان لیا گیا ہے کہ اگر اس تعلق اور نسبت کو ثابت اور قائم نہ رکھا جائے تو ابتری اور خرابی پڑنے کا اندیشہ اور احتمال ہے انسان کو بھی جو دنیا کے دیگر شیوں اور پیدائش سے ممتاز اور شرف پیدائش خیال کیا جاتا ہو ایک دوسرے انسان سے کوئی نہ کوئی تعلق اور نسبت حاصل ہوتی ہے کوئی ایسا بشر اور آدمی نہیں ہے کہ جسکو دوسرے آدمی سے کوئی تعلق اور نسبت حاصل نہ ہو اگرچہ انسان آپس میں بہت سے تعلق اور نسبتیں رکھتے ہیں مگر ہم اس موقع پر صرف ایک خاص نسبت کو بیان کرنا چاہتے ہیں - خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کی ترقی اور پیدائش کے سلسلہ کو مرد اور عورت کے وجود پر منحصر رکھا ہے جب تک مرد اور عورت میں ایک خاص قسم کا تعلق اور نسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک ایک دوسرا انسان وجود نہیں پکڑتا خاص تعلق اور نسبت پیدا ہو کر خداوند کریم کی قدرت سے ایک دوسرا انسان وجود پکڑتا ہے تو اس وقت مرد کو باپ اور عورت کو ماں اور اس نئے وجود کو اولاد یا لڑکا یا لڑکی کہتے ہیں - باپ اور ماں کو اولاد سے باعث تولید اولاد کے لحاظ سے باپ یا ماں ہونے کی نسبت اور تعلق ہوتا ہے اور لڑکا لڑکی کو ماں باپ سے باعتبار مولود ہونے کے اولاد کی نسبت اور تعلق ہوتا ہے - یہ جدید

تعلق اور نسبت اوس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے کہ جب پہلے مرد اور عورت میں ایک خاص قسم کا تعلق اور نسبت پیدا ہونے جب تک وہ مخصوص تعلق نسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک یہ جدید اور نسبت بھی ظہور میں نہیں آتی۔ جب یہ جدید نسبت ظہور میں آ جاتی ہے تو ایک خاص مدت تک اس جدید اور خاص نسبت کو مان باپ ہی ثابت اور قائم رکھتے ہیں اولاد کو اوس خاص اور جدید نسبت کے قائم اور ثابت رکھنے کی بابت کچھ تردد اور فکر نہیں ہوتی۔ اس خاص اور جدید نسبت کو ثابت اور قائم رکھنے کے واسطے مان باپ کو مختلف قسموں کی وقتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں اگر مان باپ اون وقتوں اور تکلیفوں کی برداشت نہ کریں تو اولاد کا بچنا دشوار اور مشکل ہو جائے اولاد کے پالنے اور پرورش کرنے کے واسطے جن جن باتوں اور وسائل کی ضرورت ہے وہ بجز تکلیف اٹھانے اور محنت کرنے کے حاصل نہیں ہو سکتی ایک ایک ضرورت کے رفع کے واسطے مان باپ کو مختلف رکاوٹوں اور مزا جتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا اولاد دوسرے سے بیفکری میں کہاتی پتی اور چین کرتی ہے اور مان باپ نسبت جدید کو ثابت اور قائم رکھنے کے واسطے طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر ضروریات پرورش کو پورا کرتے ہیں مان باپ پرورش اولاد کی ضروریات کے جہاں کرنے کے واسطے رات دن محنت و تردد میں لگے رہتے ہیں اور اولاد کو کچھ خبر نہیں ہوتی مان باپ اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف میں ڈالتا پسند کرتے ہیں مگر اولاد کو محفوظ اور خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ جب اولاد کچھ ہوش سنبھالتی ہے تو اوسکی درستی اور اصلاح کی مان باپ کو فکر ہو جاتی ہے مصیبتوں سے کھٹا کیا ہوا مال و دولت اولاد کی درستی اور اصلاح میں صرف کر دیتے ہیں جب اولاد جہالت ہوتی ہے تو فطرت کے تقاضا سے اوسکے دل میں خود مختاری اور آزادی کا

جوش پیدا ہوتا ہے جب یہ فطرتی جوش ظہور میں آتا ہے تو ماں باپ کی طرف سے جو سلسلہ عمل اس جدید نسبت کے قائم رکھنے کے واسطے شروع ہوتا ہے وہ اولاد پر منتقل ہو جاتا ہے۔ حیض پر ابتدائے ولون میں ماں باپ اس جدید اور خاص نسبت کو قائم اور ثابت رکھنے کے کوشش کرتے تھے اوس حیض پر اس انتہائی صورت میں اولاد پر اس جدید نسبت کو اپنی طرف سے ثابت اور قائم رکھنے کی کوشش کرنا ضروری اور لازمی ہے حیض پر ماں باپ کی عدم توجہی اور اولاد جدید اور خاص نسبت کو نہ قائم رکھنے سے اولاد کی حالت اور طریق زندگی میں ابتری پڑنے اور فرق آنے کا احتمال اور اندیشہ تھا اوس حیض پر اولاد کی طرف سے اس جدید اور خاص نسبت کے نہ قائم رکھنے کی صورت میں فساد اور ابتری پکڑنے کا احتمال اور اندیشہ ہے ابتری اور خرابی پڑنے کا احتمال اور اندیشہ اوس صورت میں نہیں ہے کہ جب اس جدید اور خاص نسبت کے ولون طرفین یا گوشے برابر ہوں اگر ولون گرثون میں سے کسی ایک گوشے میں فرق آجائے تو فی الفور ابتری اور خرابی نمودار ہونے لگی اس جدید اور خاص نسبت کے ثابت اور قائم رکھنے کے دو زمانہ ہیں۔ ایک کو زمانہ اولے کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو زمانہ ثانی۔ زمانہ اولے میں ان باپ کا فرض ہوتا ہے کہ نسبت جدید کو قائم رکھیں اور زمانہ ثانی میں اولاد پر نسبت جدید کا قائم اور ثابت رکھنا واجب اور پر کی سطرون میں یعنی صرف اس امر کی بابت بحث کی ہے کہ اس نسبت جدید کا قائم اور ثابت رکھنا دو لون طریقوں یعنی ماں باپ اور اولاد پر واجب اور لازم ہے اب ہم اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب ان باپ کی طرف سے اس نسبت جدید کو ثابت اور قائم رکھا جاتا ہے تو اوسکو اُلفت پرستی یا تربیت اولاد سے تعبیر کرتے ہیں اور جب اولاد کی طرف سے نسبت مذکور قائم کی جاتی ہے تو اوسکو سعادت فرزندانہ

اور اطاعت والدین سے موسوم کرتے ہیں جس طرح پر الوغت پدیری اور تربیت اولاد کا  
 باضابطہ اور با اصول ہونا ضروری ہے اسی طرح پر سعادت فرزندانہ اور اطاعت والدین  
 کا باضابطہ اور با اصول عمل میں لانا ضروری ہے جس طرح پر الوغت پدیری اور تربیت  
 اولاد بے ضابطگی اور بے ترتیبی سے مفید ثابت نہیں ہوتی اسی طرح پر سعادت فرزندانہ  
 اور اطاعت والدین بے ضابطگی اور بے ترتیبی سے بجا بے مفید ہو۔ نئے کے  
 نقصان رسان اور مضرت ثابت ہوتی ہے۔ الوغت پدیری اور تربیت اولاد کے  
 اصولوں اور طریقوں کو تو ہم نے ایک تفصیل کے ساتھ تربیت اولاد میں بیان کر دیا  
 یہاں پر صرف سعادت فرزندانہ اور اطاعت والدین کے طریقوں اور اصولوں  
 کو بیان کرتے ہیں جس طرح پر الوغت پدیری اور تربیت اولاد کے اصولوں اور طریقوں  
 میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں اسی طرح پر سعادت فرزندانہ اور اطاعت والدین  
 کے طریقوں اور اصولوں میں غلط خیالات مل جاتے ہیں غلطی پیدا کر دیتے ہیں غلطیاں  
 کچھ تو والدین کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں اور کچھ اولاد کی جانب سے والدین اپنی  
 غلطیوں پر قائم اور ثابت رہتی ہیں اور اولاد اپنے پر فریقین نفس اطاعت اور  
 سچی سعادت پر غور اور نظر نہیں کرتی غلط اور کمزور خیالات کو حقیقی اطاعت اور  
 واقعی سعادت کے ساتھ ملا دیتے ہیں ایسے غلط اور کمزور خیالات کی آمیزش سے  
 والدین اولاد سے اور اولاد سے والدین شاکہ اور ناخوش رہتی ہیں والدین اولاد  
 کو نالائقی اور ناخلف سمجھتے ہیں اور اولاد والدین کو چاہر اور نامصنعت خیال کرتی ہے  
 نسبت جدید کے قائم رکھنے سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے وہ فریقین کے کمزور خیالات  
 اور غلط راہوں سے معدوم اور مفقود ہونے کے قریب قریب جا پہنچا ہے سچی اطاعت  
 والدین اور حقیقی سعادت فرزندانہ وہ ہے جو غلط اور کمزور خیالات کی آمیزش سے  
 پاک اور صاف ہو۔ جو اطاعت اور جو سعادت فرزندانہ غلط اور کمزور خیالات سے

خالی نہیں ہے وہ سچی اطاعت اور حقیقی سعادت نہیں ہے نسبت جدید کے قائم  
 اور ثابت رکھنے کے واسطے سچائی اور خلوص نیت کا ہونا لازم ہے جس طرح پر والدین  
 زمانہ اولے میں سچائی اور خلوص نیت سے نسبت جدید کو ثابت اور قائم رکھتے ہیں  
 اسی طرح پر زمانہ ثانی میں اولاد کو نسبت جدید کا قائم رکھنا اور والدین کو اوس نسبت  
 جدید کے قائم اور ثابت رکھنے کی تاثیرات کو قبول کرنا چاہیے۔ اطاعت والدین کا  
 اصل الاصول یہ ہے کہ اولاد کو اپنا سچا بزرگ اور حقیقی محسن سمجھ کر لائق تعظیم و تکریم خیال  
 کیا جائے ہر حال میں اولیٰ خوشنودی اور رضا مندی کو ضرور اور مقدم سمجھا جائے  
 والدین کی عورت اور تعظیم و بزرگی کو دیکھا دیکھی نہ قبول کرنا چاہیے کیونکہ ایسی عت  
 اور تعظیم سچائی اور صداقت سے خالی ہوتی ہیں خلوص نیت اور دل کی سچائی سے  
 والدین کو اپنا بزرگ خیال کرنا چاہیے۔ ہلکوا اپنے والدین کا ایسا فرمان بردار بننا  
 چاہیے کہ جہن مصنوعی محبت اور چھوٹی خوشامد کو دخل نہ دیکھو اپنے والدین کی طرف  
 اس واسطے تعظیم اور عورت نہیں کرنی چاہیے کہ ان کے ہاتھ سے ہلکوا نفع پہنچتا ہے  
 یا یہ کہ اون سے کسی قدر فائدہ کی توقع ہے۔ بلکہ اس واسطے کہ وہ ہمارے اعلیٰ درجہ  
 کے بزرگ اور جائے ادب ہیں اگر صرف مال حاصل کر لے کے واسطے ہم اپنے  
 مان بابت کی عورت اور فرمان برداری کرتے ہیں تو اس کا کیا اعتبار ہے جب اون کے  
 پاس مال نہ ہے گا تو ہم فرمان برداری بھی نہیں کریں گے۔ ایسی مصنوعی فرمانبرداری  
 سے تو نافرمانی بہتر ہے فرمان برداری وہ ہونی چاہیے کہ جو ہر حال میں ثابت  
 اور قائم رہے فعلی فرمان برداری کا کیا اعتبار اور اثر ہے بعض لوگ والدین کے  
 اطاعت کو صرف اس واسطے ضروری خیال کرتے ہیں کہ اولاد کو اون سے فوائد کے  
 حصول کی توقع ہے میرے خیال میں صرف حصول فوائد کی توقع تو والدین کی فرائض  
 کرنا سچی فرمان برداری نہیں ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ توقع حصول فوائد بھی

اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کا ایک جزو ہے مگر سچائی اور صداقت اس امر کی  
 متقاضی ہے کہ اسی جزو کو والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جزو اعظم نہ خیال  
 کیا جائے۔ اونکے دیرے اور رتبے کو جو اونکو قدرتا عطا ہوا ہے اور اس امر کو کہ  
 وہ ہماری پیدائش کے بنیاد ہیں اونکی عورت اور تعظیم کا اصلی موجب قرار دینا  
 چاہیے۔ جس عورت اور تعظیم میں مصنوعی محبت کو شامل کیا جاتا ہے وہ سچی تعظیم  
 اور حقیقی اطاعت نہیں ہوتی بعض اشخاص خیال کرتے ہیں کہ والدین کی فرمانبرداری  
 اور اطاعت صرف اس قدر ہے کہ اونکے حکمون اور فرامین کو تسلیم اور قبول کر لیا  
 میری رائے میں والدین کی سچی فرمانبرداری کا یہ خاصہ اور تعریف نہیں ہے  
 والدین کے حکمون اور فرامین کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا ایک جدا بات ہے سچی اطاعت  
 یہ ہے کہ اونکو بزرگ خیال کیا جائے مان باپ انسان اور بشر ہوتے ہیں اور  
 یہ بات مان لیگئی ہے کہ بغیر اسے یا غلط حکم کا صادر اور واقع ہو جانا  
 محتمل اور ممکن ہے فرض کرو کہ ایک شخص کے والدین اپنے ایک غلط رائے یا غلط  
 حکم کے قبول کرنے کے واسطے اپنے لڑکے یا لڑکی کو کہا اب بموجب قول عامہ کے  
 لازم آتا ہے کہ اوس غلط حکم یا غلط رائے کو تسلیم کیا جاوے مگر دور اندیشی اور داناگی  
 اس بات پر فتویٰ دیتی ہے کہ اوس غلط رائے یا غلط حکم کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے  
 سچی اطاعت یہ ہے کہ اولاد اوس حکم یا رائے کی غلطی اور سقم کو دریافت اور  
 معلوم کر کے شائستگی اور ادب سے والدین کو اوس سے متنبہ اور آگاہ کرے۔  
 یہ سچی فرمانبرداری نہیں ہے کہ والدین کو ایک غلطی کرتے دیکھ کر خاموشی اختیار کر  
 لیا جاوے بڑوں کی اطاعت اور فرمانبرداری اس واسطے کی جاتی ہے کہ اونکی بزرگی اور  
 عورت قائم رہے۔ جب اونکو غلط رائے پر قائم رہنے دیا تو پھر اونکی عورت اور  
 بزرگی کیا رہیگی اگر زید کا باپ بکر دید کو یہ کہے کہ تو فضل کے گھر جوری کر کے اوسکا

روپیہ لے آؤ زید پر بوجہ اسکے کہ اسکے باپ بکر کا حکم غلط ہے لازم نہیں ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ زید پر بجائے اس غلط حکم کے قتل کرنے کے یہ لازم ہے کہ اپنے باپ بکر کو اس غلط حکم کے برائیوں اور قباحتوں سے متنبہ اور آگاہ کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ اس کا باپ ایسے قبیح حکموں کے صادر کرنے سے قطعاً احتراز کرے اگر زید اپنے باپ کی فرمانے کے بموجب بچا کر فضل کا روپیہ چورالے تو میرے خیال میں زید کو اپنے باپ بکر کا سچا فرمانبردار نہیں کہا جائیگا جس حالت میں زید اپنے باپ بکر کے حکم کے قباحتوں اور برائیوں کو صراحتاً جانتا سمجھتا تو لازم سمجھا کہ اپنے باپ بکر کو چوری کی قباحتوں اور برائیوں سے مطلع اور خبردار کر دے شاید اس کے کہنے سننے سے بکر اپنے بُرے ارادے اور عیوب فعل سے باز آجائے۔ اگر بکر زید کے کہنے سے بادل نہ آئے اور اپنے غلط حکم کی تعمیل پر اصرار کرے تو اس کا اختیار ہے زید کا فرض ادا ہو گیا اور سننے سبھی اطاعت اور فرمانبرداری کا جو حق سمجھا وہ ادا کر دیا اگر لوگ اس سب سے زید کو باپ کا فرمانبردار کہیں کہ اس نے چوری نہیں کی تو یہ او کی غلطی ہے۔ زید نے اس فرمانبرداری کا حق ادا کر دیا جو کہ او پر از رو سے تقاضا قانون فطرت کے ضروری اور واجب تھا اگر زید اپنے باپ بکر کے کہنے کے موافق چوری کرتا تو فرمانبرداری کے حق کو یوراد اور ادا نہ کر سکتا۔ سبھی فرمان برداری کی شناخت یہ ہے کہ وہ قانون فطرت کے مطابق ہو چوری کرنا قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے البتہ چوری سے انکار کرنا قانون فطرت کے مطابق ہے۔ لوگوں کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ اطاعت اور فرمانبرداری کو صرف کسی برے بھلے حکم کا قبول کرنا اور مان لینا ہے سمجھتے ہیں سبھی اطاعت اور حقیقی فرمانبرداری کے یہ سننے نہیں ہیں۔ سبھی اطاعت اور حقیقی فرمانبرداری کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ والدین



غلطیوں اور کمزوریوں سے بچایا جائے۔ اگر والدین غلطی کریں تو انکو تہذیب  
 کے ساتھ روکا جائے والدین کو غلطی سے روکنا خیر خواہی اور سچی محبت میں داخل  
 ہے اور خیر خواہی اور سچی محبت فرمانبرداری اور اطاعت کا جزو اعظم ہی فرمانبرداری  
 اور اطاعت ظاہر ہے اور سوقت ہوتی ہے کہ جب فرمانبردار اور مطیع کے دل میں  
 مطاع کی خیر خواہی اور محبت ہو جس اطاعت کے ساتھ مطاع کی خیر خواہی اور سچی  
 محبت شامل نہیں ہے وہ اطاعت اور فرمان برداری نہیں ہے وہ تو پاک  
 و حق کے کی ٹٹی اور دن کٹنے کا ذریعہ ہے یہ کیا اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ ہم  
 مطاع کو مٹھو کر کھاتے اور غلطی کرتے دیکھ کر کلید بہ دین رہیں کیا ہمارے چپ رہنے  
 اور غلطی کرنے والے مطاع کو نہ آگاہ کرنے کا یہ منشاء اور نتیجہ نہیں ہے کہ مطاع  
 غلطی کرنے کے باعث مختلف قباحتوں اور برائیوں میں مبتلا ہو اگر اطاعت اسی  
 طریق عمل کا نام ہے تو خدا جانے دشمنی کس جافذ کو کہتے ہیں اگر یہ کہا جائے  
 کہ زید کے انکار کرنے سے اسکا باپ بکر خوش اور ناراضا نہ ہوگا اور باپ کے  
 خوشی اور رضامندی تکمیل اطاعت کے واسطے ضروری ہے تو اسکا یہ جواب  
 ہے کہ زید کے انکار کرنے سے اس کے باپ بکر کو جو ناخوشی اور ناراضا مندی ہوتی  
 ہے وہ قابل اعتبار اور لائق متک نہیں ہے اصلیت پر غور کرنے سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ زید کا چوری سے انکار کرنا ناخوشی اور ناراضا مندی کا موجب نہیں  
 ہے بکر کے فطرتی خواہش کا بھی یہی تقاضا ہے کہ چوری اچھا فعل نہیں ہے  
 اگر زید اچھے حکم اور نیک فعل کے کرنے سے انکار کرتا تو بلا شک بکر کی ناراضا مندی  
 اور ناخوشی کا افسوس مستحضرے فعل اور نقصان رسان حکم کے انکار سے جو ناخوشا  
 اور ناخوشی پیدا ہوتی ہے وہ افسوس اور لیاؤ کے قابل نہیں ہے۔ جیسا بعض  
 لوگ حکم والدین کے قبول اور انکار کی بابت غلطی کرتے ہیں اسے بطرح پر اور باتوں کی

بابت غلطیان ہو جاتی ہیں نفس اطاعت پر تو خیال نہیں کرتے مگر در خیالات کے سپرد  
 سے غیر مفید طریقہ اختیار کر لیتے ہیں مگر نور اور غلطی اس میں خیالات سے بچنے کے واسطے یہ  
 اصول قرار دینا چاہیے کہ والدین کی اطاعت اسی مقدار اور حد تک فرضی اور واجب  
 ہے کہ جو قانون قدرت اور شریعت حقہ اور عقل کے موافق ہے۔ جو اطاعت فطرتی  
 قانون سے باہر یا اس کے معاکر ہے وہ اطاعت نہیں ہے نافذمانی اور مقرر ہے  
 والدین یہ خواہش کر سکتے ہیں کہ اولاد بذریعہ صداقتوں اور اچھے فعلوں سے  
 اغراض کرے مگر اولاد پر واجب اور لازم ہے کہ صداقتوں اور اچھے فعلوں سے  
 ہرگز انکار نہ کرے اگر ہم والدین کے کہنے کے بموجب صداقتوں اور اچھے فعلوں کو  
 چھوڑ دینگے تو ہم اپنی بیوقوفی سے خدا کے قانون کو توڑنے والے بنیں گے خدا اور ہمارے  
 فطرت جبر خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے یہ نہیں چاہتے کہ ہم صداقتوں اور اچھے فعلوں  
 اور نیکیوں کا والدین کے کہنے پر غور کریں۔ دانائی اور دور اندیشی یہ ہے کہ  
 ہم مان باپ کے فرمانے پر صداقتوں اور نیکیوں کا خون نکرین بلکہ اس بات پر  
 زور دین کہ ہمارے مان اور باپ بھی ہماری طرح صداقتوں کو قبول کریں۔  
 اگر مان باپ ہکو صداقتوں کے قبول کرنے سے روکیں تو ہکو کسی حال میں  
 روکنا نہ چاہیے مگر مان باپ کو اس غلطی اور روک کے واسطے ناچیز اور بی عزت  
 نہ خیال کرنا چاہیے غلط حکم دیدینا اور شے ہو اور مان باپ کا لائق ادب اور قابل  
 تعظیم اور بزرگ ہونا اور شے ہو مان باپ کے کسی حکم اور اسے میں مکروری یا  
 غلطی کا پایا جانا اس امر کا مستلزم اور موجب نہیں ہے کہ اوں کو ناچیز اور حقیر  
 حقیر الحیثیت خیال کیا جائے ہم غلط حکم نہ قبول کریں مگر عزت اور بزرگی برابر  
 ثابت اور قائم رکھنی چاہیے جس طرح پر قبل از صدور غلطی کے مان باپ کو لائق ادب  
 اور قابل اغزاز و احترام سمجھتے تھے اسی طرح پر بعد از صدور غلطی سمجھنا چاہیے اولاد

مان باپ کی غلطی خیر فعل سے انکار کر سکتے ہیں مگر مان باپ کے درجہ اور بزرگی اور  
 قسم قسم کے اسانات سے منکر نہیں ہو سکتے خدا نے اولاد پر مان باپ کو جو عزت  
 اور حرمت اور رتبہ و بزرگی عطا کی ہے وہ باوجود صدور غلطی کے بھی ثابت اور  
 قائم رہتی ہے اولاد کی سعادت یہ ہے کہ اس قدر قیامت اور امتیاز کے حال  
 میں قدر کرے مان باپ کو اپنے حق میں ایک پورا مہربان اور مددگار خیال کرے  
 اور انکی خبر گیری اور مدد اور دجوائی اور تعظیم و تکریم اپنی سعادت کا ایک جزو عظم  
 جانے۔ سچے دل سے انکے ساتھ الفت اور محبت کرے مصیبتوں اور خوشیوں  
 میں انکا ساتھ دے اور وقتوں اور تکلیفوں میں انکی تسلی اور تشفی کا باعث  
 ہو محیط بر والدین اولاد کو اپنی آنکھ کی بتلی دل کا چین خیال کرتے ہیں  
 اس محیط اولاد پر لازم ہے کہ اپنے والدین کو اپنا سرتاج اور قبلہ و کعبہ سمجھے  
 ہر حال میں اس امر کی تلاش کرے کہ زمانہ ثانی میں اس کے ہاتھ سے والدین  
 کو آرام اور آسائش حاصل ہو۔ جو اولاد زمانہ ثانی میں والدین کی خدمت اور  
 ادب اور خبر گیری کرتی ہے اور اسکو اپنی سببیل ڈیولی سمجھتے ہیں وہ عطا  
 والدین اور سعادت فرزندانہ کا حق نیک نیتی سے ادا کر دیتی ہے اور جو اولاد  
 زمانہ ثانی میں بجائے آرام دینے اور آسائش پہنچانے کے والدین کو طعج طعج کی  
 شکایاتیں پہنچاتی اور صحبت کے دن دکھاتی ہے وہ دنیا اور عقبی میں رو سیاہ او  
 رسوائی حاصل کرتی ہے جو لڑکے یا لڑکا کا زمانہ ثانی میں مان باپ کو تنگ کرتا ہے  
 اس کے واسطے بہتر تھا کہ وہ دنیا میں پیدا نہوتا سعادتمند وہ اولاد ہے کہ جو سچائی  
 اور نیک نیتی سے اپنے پیارے مان باپ کی عزت اور بزرگی کو قائم رکھتی ہے اور انکی  
 حقیقی اطاعت اور سچی فرمان برداری کو دیانت اور قانون فطرت کے مطابق پورا  
 اور کامل کرتی ہے۔ اے خدا ہم سچوں کو بہ نیک و فیض بخش کہ ہم محبت اور سچائی

سے اپنے مان باپ کی بزرگی اور عزت اور قدر کریں۔ - اللہم آمین

### تر بیت اولاد

اگر ہم انسان کی تربیت اور تعلیم کی مقررہ اوقات پر نظر کریں تو حکومت سے تجربہ کار اور آزمائشوں کی شہادت اور گواہی سے یقین کرنا پڑیگا کہ انسان اگرچہ اپنی ساری زندگی میں کسب کمالات کر سکتا ہے اور اپنے آپ کو لایق اور مزید بنا سکتا ہے مگر تب بھی اسکے تربیت اور تعلیم کا ایک وقت اور زمانہ مقرر ہے۔ اگر اس زمانہ کی ابتدا لینے شروع پر لچا گیا جاوے تو روز تولد سے ہی گنا جاویگا اور اسکی انتہا پچیس سال تک لفظ انتہا سے یہ مراد نہیں کہ انسان اس حد پر پہنچکر از یاد تربیت اور معلومات سے غاری ہو جاتا ہے نہ بلکہ اس سے صرف یہی مراد ہے کہ اس حد تک انسان محتاج تعلیم اور تربیت ہوتا ہے اس سے آگے انسان کے معلومات کے ٹرین اپنی ذاتی اور اندرونی قوت اور دور سے چلنے لگتی ہے۔ تربیت اور تعلیم کی اوقات میں سے جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں بہت سے ایسے وقت ہیں جنکی اصلاح اور درستگی دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور گونا گونی حصہ خاص متعلم کے قبضہ میں بھی ہوتا ہے مگر او میں بھی اختیار کا کچھ نہ کچھ دخل ہے۔ اوپر کی مختصر بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کی تربیت اور تعلیم کا مقررہ وقت ابتداء سے عمر کا حصہ ہے جو یوم ولادت سے شروع ہوتا ہے اور نہ حصہ والدین کی نگرانی کا محتاج ہے۔

حکماء کا مقولہ ہے کہ انسان جیسا صغیر سنی یعنی ابتدائی عمر میں تربیت اور تعلیم پاسکتا ہے ایسا کسی دوسرے حصہ میں حاصل نہیں کر سکتا اسکی بہت سی چیزیں ہیں جنکوئی عمر میں انسان کے سارے قوی اور طاقتیں صحیح و سالم ہوتے ہیں اور اسکے خیالات منتشر نہیں ہوتے اور جو اس صوری و معنوی قائم الاعتدال

ہوتے ہیں اور کسی قسم کا غم اور فکر لاحق حال نہیں ہوتا غرض سب طرح سے فرحت اور بشارت حاصل ہوتی ہے حکما رکافول ہے کہ انسان کی ابتدائی عمر کا حصہ ہر ہی لکڑی سے مشابہت رکھتا ہے ہر ہی ٹھنی کو جسطرح پر بھیجنا چاہو بھیجے۔ لہذا ایسا ہی چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو جن اخلاق اور اوصاف کا خوگیر اور پابند بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں۔ اولاد و نواسے سبحانی اور آلا سے رحمانی کا ایک بڑا محکم نمونہ ہے لکن اس نمونہ اور نعمت کی تاثیرات اسی صورت میں عمدہ اثر پیدا کر سکتے ہیں کہ جب اس نمونہ اور نعمت کو ایک عمدگی اور خوش اسلوبی سے کام میں لایا جائے۔ مستحسن استعمال سے یہ مراد ہے کہ اولاد کو کم سنی میں معقول اور سبقت پر طریقوں پر پرورش اور تربیت کیا جاوے اولاد کا صغیر سنی میں معقول طور پر تربیت کرنا اپنی بزرگی اور عزت کو قائم کرنا ہے اور غیر معقول طریق پر پرورش کرنا اپنی عزت اور کمزرت کو ڈوب دیتا ہے۔ اولاد سے صرف لڑکے ہی مراد نہیں بلکہ لڑکیاں بھی والدین پر جیسا لڑکوں کے واجبی نگرانی اور خبر گیری ضروری ہے ایسا ہی لڑکیوں کے جیسا لڑکوں کو قدرتا اور انسا والدین پر استحقاق تربیت اور پرورش کی ڈگری حاصل ہے ایسا ہی لڑکیوں کو الہی عدالت سے ڈگری کا پرچہ حاصل ہے الہی کورٹ کے جج نے لڑکوں اور لڑکیوں کی نگرانی اور تربیت سنا کر رکھی ہے۔ بعض انسانی جماعتوں میں اس کمزور خیال کو ایک سچا اور زور آور خیال سمجھا گیا ہے کہ والدین پر صرف لڑکوں کی تعلیم و تربیت فرض اور ضروری ہے لڑکیوں کے عمدہ طور سے تربیت کرنا کچھ ضروری نہیں یہ خیال محض نیک ہے سچ یہ ہے کہ جیسا لڑکوں کو الہی کورٹ کے قانون کے مطابق والدین سے تعلق اور رابطہ ہے ایسا ہی لڑکیوں کو حاصل ہے ابتدا عمر میں اولاد پر والدین کے کہنے سننے کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے اس تاثر کی یہ وجہ ہے کہ اولاد اولاد کو دل سے اپنا ہمدرد اور سچا

خیال کرتی ہے اور جانتی ہے کہ والدین ہمارے دل سے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور  
 تائیں اور محبت کے باعث انکے دل ایک سہولت اور نرمی سے متاثر ہوتے ہیں جب  
 لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو ساعت ولادت سے ہی پرورش اور تربیت کا دامنہ  
 شروع ہو جاتا ہے اور اون وقتوں کی نگرانی محافظین اور والدین کے ذمہ ہوتی ہے  
 شروع یوم ولادت سے والدین پر ضروری اور فرض ہے کہ اولاد کے معقول تربیت  
 شروع کریں بعض لوگ خیالی کرتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو ہنسنے  
 اور تعلیم کی کیا ضرورت ہے یہ بڑی غلطی اور لغزش ہے اگر ہم کم سنی کے عزیز وقت کو  
 کو دین گئے تو پھر اس سے بہتر اور مفید وقت ہرگز دستیاب نہیں ہوگا۔ اور  
 والدین پر ضرور ہے کہ اپنی اولاد کو زیبا اور اچھے ناموں سے موسوم کریں اگرچہ ناموں  
 سے آدمی کی ذاتی لیاقت میں کچھ زیادتی اور کمی نہیں ہوتی مگر جب اولاد بڑی ہوتی  
 ہے تو بڑے ناموں سے ایک گراہت پیدا ہوتی ہے اور اپنے والدین کو ملزم  
 بناتے ہیں۔ اولاد کی پرورش اور تربیت کے واسطے یہ طریقہ اختیار کرنا لازماً  
 ہے کہ چھوٹی عمر سے ہی انکو معقول لوگوں کی صحبت میں بٹھایا اور ٹھایا کریں تاکہ ان  
 لوگوں کے اچھے اور معقول عادات کے پیرو اور خوشگوار ہو جاوےں اگرچہ چھوٹے  
 لڑکوں اور لڑکیوں کو بڑے اور غیر معقول آدمیوں کے ہم صحبت میں رکھا جاوے گا  
 تو انہیں بری عادات کے پیرو اور مقتدی ہو جاوینگے۔ والدین پر فرض اور  
 مناسب ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ہمیشہ صفائی کی طرف توجہ دلائے رہا کریں  
 اور خود انکے بدن اور پوشاک کو کثافت اور غلاطت سے پاک رکھا کریں سین  
 دو فائدے ہیں ایک یہ کہ حدوث امراض منعفہ سے آرام رہتا ہے اور دوسرا  
 یہ کہ اولاد کو ابتدائے عمر سے ہی لطافت اور صفائی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے جو انکو  
 اخیر عمر تک کام دیتا ہے ہماری ملک کے بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو

چھوٹی عمر میں صفائی کی کیا ضرورت ہے اونکے نزدیک کثافت اور لطافت یکساں  
 ہے یہ قول بالکل لغو اور عبث ہے اگرچہ خوردسال اولاد کو کثافت اور لطافت میں  
 جذبات تیز نہیں ہوتی مگر انکو عادت تو پڑ جاتی ہے جو جوانی میں کام آتی ہے  
 والدین کو مناسب ہے کہ اولاد کو ایسا لباس پہنوائیں جو ہندوب اور معقول ہو  
 اور جسم میں صحت بدنی کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو بہت سے ایسے لباس ہیں جس سے  
 صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور آدمیت میں فرق آتا ہے سب سے بہتر وہ لباس  
 ہے جو سہا ہیا نہ وضع کا ہو کیونکہ اوس میں آدمی کا بدن چست اور گٹھار ہوتا ہے  
 لڑکیوں کے واسطے بھی ایک معقول قطع کا لباس پہننا لازم ہے۔ زیور پہننا  
 اچھا اور مناسب نہیں ہے اولاد خصوصاً لڑکوں کو اور نہ اونکے کانون اور  
 ناک کو چھیدنا چاہیے۔ زیور پہننے میں علاوہ قدرتی ہیئت بگاڑنے کے جانوں  
 کا نقصان بھی تصور ہے ہندوستان میں بہت سی ایسی وارداتیں گذرتی  
 ہیں جو زیورات کے اتارنے کے باعث کچھ خطر کی بجائی ہیں زیور پہنانے سے انسان کے  
 ہیئت اور طرح وضع عورتوں سے ملتی جلتی ہے جن لڑکوں کو زیور پہنایا جاتا ہے  
 اونکے ہاتھ اور کلاٹھیں اور کان اور ناک ہمیشہ کشید اور گندے رہتے ہیں اور  
 اونہیں دھو ڈھونچا سہل جم جاتی ہے گوری گوری کلاٹھوں پر جوڑہ پہنایا اونکی  
 قدرت ہیئت میں فرق لانا ہے لڑکیوں کو بھی صرف اتنا ہی زیور پہننا لازم ہے  
 جو ضروری ہے خواہ تخواہ ہاتھ بانوں ناک جگر دینا کیا سمجھ رکھتا ہے۔ مرد زیور  
 پہننے اور تازہ بننے کے واسطے پیدا نہیں ہوئے بلکہ حوصلہ اور مردی ظاہر کرنے  
 کے واسطے جو شخص مرد ہو کر زیور پہنتا ہے اپنی مردی اور حوصلہ کو خود بٹھ لگاتا ہے  
 والدین پر لازم ہے کہ چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کے رد برو سے ایسی  
 باتیں اور کام نہ کریں جس سے اولاد کی تربیت اور سعادت میں کچھ فرق آتا ہو جو مختصر

حرکات مذموم اور اطوار مکروہ کا ذخیرہ اور پابند ہوا و سبکو لڑکوں اور لڑکیوں کے پاس آنے سے منع کرین مین نے بہت سے ایسے لڑکے اور لڑکیاں دیکھے ہیں جو جھپولی عمر میں ہی پرے درجہ کے بیباک اور بخوف ہو جاتے ہیں اپنے ماں باپ کے گالی دینا پیار سے بولتا سمجھتے ہیں اور بعض ہاتھ پاؤں سے بُری اور مکروہ حرکتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ عموماً بڑے لڑکوں کا ذکر ہے کہ مین نے ایک جوان آدمی کو اس حرکت کا پابند دیکھا کہ وہ بار بار زبان کو منٹھ سے نکالتا تھا اور پھر اندر کر لیتا تھا جب اس حرکت کا سبب اور موجب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جھپولی عمر میں جب اوسکی ماں اسکو گود میں لیکر کھلایا کرتی تھی تو اوسی طور پر بار بار اپنی زبان نکال کر اوس سے گلیاں دیتی تھی اس سبب سے اوس لڑکے کی بھی وہی عادت پڑ گئی والدین کو لازم ہے کہ اولاد کے ساتھ اسقدر ناز اور پیار سے پیش نہ آئیں کہ اولاد کے دل سے اونکا رعب و اب کا فور ہو اور نہ اسقدر سیاست کریں کہ اولاد اونکو اپنا دشمن خیال کرے ہر ایک پہلو کو اعتدال پر رکھیں اور اس مصرعہ پر عمل کریں  
 سع درشتی و نرمی ہم در بہ است نہ کبی لڑکے اور لڑکیاں سیاست سے بگڑ جاتے ہیں اور کئی پیار اور محبت سے جو شخص اپنی اولاد سے بالاعتدال پیش آتا ہے البتہ اوسکی اولاد طبع طبع کی خرابیوں اور بدنامیوں سے بچ رہتی ہے اور جو شخص ایک ہی پہلو کو دبائے جاتا ہے اوسکی اولاد بھی یکطرفہ ہی چلتی ہے ترقی اور بہبودی کی بلندی پر چڑھنے کے لئے اعتدال کی سیر ہی نہایت موزون اور زیبا ہے جو آدمی اعتدال کی سیر سے جھوڑ کر افراط و تفریط کی سخت راہ سے گزرتا ہے اپنے پاؤں پر گھماڑی مارتا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ لڑکوں کے بال عورتوں کی طرح بہت بے لے رہتے ہیں جس سے اپنے نزدیک وہ اونکی زیبائش اور آراستگی خیال کرتے ہیں مگر اگر طبی اور ڈاکٹری شاہد کی گواہی پر



اعتماد اور عتبار کیا جائے تو مردوں کا عورتوں کی طرح لینے لینے بال رکھنا علاوہ  
ایک قسم کی بے اعتدالی اور ناشائستگی کی اولاد کی صحت اور تندرستی میں فرق لانا  
اسلئے مناسب اور ضرور ہے کہ لڑکوں کے بال عورتوں کی طرح نہ رکھا کرین لڑکوں  
کے سر کے بالوں کا پیمانہ حد میں انگلی نہایت مناسب اور زیادہ ہے۔ بعض لوگوں  
کا ایک یہ بھی دستور ہے یہ دستور مذہبی رسوم کی جزو بن گیا ہے کیونکہ اسکو  
بڑی آرزو اور سنت سے منایا جاتا ہے کہ کسی پیر یا دیوتا کے نام سے لڑکے کے  
سر پر ایک بھر مٹکے تک بال قائم رکھ کر پیر یا دیوتا کے چوٹی اور بالوں سے موسوم  
کرتے ہیں خیال فرمانا چاہیے کہ اگر کسی لڑکے کے سر پر دو تین سال تک اس رسم  
کی پیروی اور اقتدا سے بال رکھے ~~خدا تعالیٰ~~ تو اس کے قوی اور جو اس میں کیا  
کچھ انقلاب واقعہ ہوتا ہوگا مکتبوں اور اسکولوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جن  
طالب علموں کے بال حد سے لینے اور زیادہ ہوتے ہیں انکو گرتی کے موسم میں بال  
گھجھلانے سے فرصت نہیں ملتی انکے ہاتھ تمام اور شانہ کی طرح سر میں ہی رہتے  
ہیں اس صورت میں پڑھائی اور محنت میں ضرور ہی فرق آ جاتا ہے جب لڑکا  
اور لڑکی پانچ چھ سال ہو جائے تو اسکو والدین اپنے طور پر زبان عہدہ عمدہ  
اخلاق اور شائستہ اطوار کی تعلیم دینی شروع کرین کیونکہ جبوقت اولاد والدین  
سے سبادی حاصل کر لگی تو اسکو اسکول اور مدرسہ میں داخل ہونے چندان وقت  
اور مشکل معلوم نہوگی بلکہ انکے دلوں میں اگلی چاشنی کے سبب سے ایک لولہ  
اور شوق پیدا ہوگا اور روز بروز اپنے جوش اور شوق سے علمی مدارج میں ترقی  
اخذ رونق پکڑتے جائینگے۔ یونان کے حکیموں کا ابتداء سے ہی قاعدہ اور محل مقرر  
تھا کہ وہ اپنے اولاد کو قبل از ادخال اسکول خود سبادی علوم سے آشنا کر دیا کرتے  
تھے اور نہایت دلچسپ اور دلورز تعلیموں سے انکے آتش شوق کو سیر کاتی تھے

اس معقول قاعدہ کے برہمن سے اونکے اولاد صغرنسہن میں ہی تحصیل علوم کی شہرت  
 ہو جاتی تھے جیسا یونانی حکیموں کا اصول تھا ایسا ہی یورپین فلاسفر ذکر کرتے ہیں۔  
 انگریزی زبان میں بہت سے ایسے چھوٹی چھوٹی کتابیں لینی جنہیں چھوٹی عمر کی اولاد  
 کو بادی علوم میں ذہن نشین کرانے کے لیے نہایت دلچسپ اور نرم جلوں میں چھو  
 چھوٹی تمثیلیں لکھی گئی ہیں آپ بنگ اگر اودن کتابوں کو دیکھیں گے تو آپ کو بہت سی  
 ایسی کہانیاں اور تمثیلیں لینگیں جو کون اور لڑکیوں کے مانوں کی زبانی بیان ہوئی  
 ہیں کہیں کسی لڑکے کے ہندو اور پیشہ مان نرم نرم جلوں میں بڑے پیار اور  
 خوشی سے آسمان کا حال بیان کرتی ہیں اور تمثیل میں علم ہوا اور علم اب بیان ہوتا  
 کسی میں علم کسٹری اور چالو جی کے مسائل بیان ہوئے ہیں کسی کی مان آسان  
 آسان فقرات میں قومی ہمدردی کے فوائد بیان ہوئے ہیں کسی کوئی اپنی ننھے سے پیارے  
 بچے کو گلس کے سفر کا حال بتاتے ہیں بہت ان مفید اور عمدہ اصولوں کے پیارے  
 ملک کے لوگ اپنے خورد سال اولاد کو ادا سے بڑے بڑے حرکات اور عادات  
 کے پرو بنادیتے ہیں اگر یورپ میں بچے لڑکوں اور لڑکیوں کو بادی علوم  
 سکھائے جاتے ہیں تو ہندوستان میں بچے اور لڑکیوں کے تعلیم ہوتی تو  
 مصرع بہ بین تفاوت رہ از کجاست بچہ چونکہ اب تعلیم کا بیان شروع  
 کیا گیا ہے اس واسطے ذکر اور ادا کے خیال سے یہ بیان دو نمبروں  
 میں لکھا جاتا ہے۔ پہلے نمبر میں ہندو کی تعلیم کا بیان ہوگا اور دوسرے  
 نمبر میں لڑکیوں کا۔

نمیب اور ملک

والدین پر فرض اور ضروری ہے کہ اولاد کو آٹھ سال کی عمر میں لڑکے کو سکول  
 میں داخل کریں گریہ نہ کہ بعد ازاں کسی ایسی ہی تعلیم اور تربیت سے ہاتھ

اسٹالین جیسے کہ قبل از دخول اسکول پرائیوٹ میں تربیت کا سلسلہ جاری تھا سطح پر بعد از احوال جاری اور قائم رہنا مناسب ہے اگر ایک طرف لڑکوں کو اسکول میں تعلیم ملتی ہو اور دوسری طرف پرائیوٹ میں تعلیم ملے گی تو تربیت دو بالا ہو جائیگی اور دونوں میں ہی علم اور تہذیب کی جہاد و ترقی ملے گی۔

جب لڑکا اسکول میں دو تین علم شاخوں میں جہاد و ترقی اور درجہ پیداکرے تو پھر والدین کو اس کے طبعی میلان کی طرف توجہ دینا چاہیے اور خیال کرنا چاہیے کہ لڑکے کی طبیعت کس شے کی طرف راجع ہے کیونکہ انسان طبعوں میں اختلاف رکھتا ہے جسکو میں یہ کہتا ہوں اسکول میں کوئی دوسرا بھائی پسند نہیں کرتا اور یہ بات تجربہ سے ہاتھ لگا کر معلوم کی جا سکتی ہے۔ لڑکے کے طبعی میلان کے مطابق تعلیم کے وقت ایک یا دو علموں سے پرانا لڑکا ہو اور دوسرا ہو تو تین پس والدین کو لازم ہے کہ اپنی اولاد کے طبعی میلان کی طرف توجہ دے تاکہ لڑکے میں جس شاخ کی طرف اونکو توجہ دے کر راجع دیکھیں اور اگر لڑکے کو اس کی طبیعت کے لوٹ غیر مانوس شاطون میں دیکھیں تو اسے ایک کراہت اور عدم میلان کے باعث لڑکا تحصیل علوم سے محروم ہو جائے۔

والدین پر ضرور اور مناسب ہے کہ ان کو ابتدائی میں اخلاقی اور سوشل تعلیم سے مانوس کریں بڑے بڑے پروفیسر اور سوشلزم اور کمیونزم کا ماننا ہوا عقولہ ہے کہ سب سے اول اولاد کو اخلاقی خصلت پابند اور مانوس بنانا چاہیے یونان کی ہسٹریوں اور قومی واقعات ان کے متورون سے اس امر کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ یونانی لوگ سب سے پہلے اپنی او علم اخلاق کی تعلیم کیا کرتے تھے اُن کے ہاں یہ اصول بندھ گیا تھا کہ جب تک کہ لڑکے کی اخلاقی اور سوشل طاقتوں کو جلا اور فروغ نہیں ہوگا اور وقت نہ ملے گا تعلیم ایک عمدگی اور خوش اسلوبی سے اپنے

علمی مطالب اور مقاصد کو پورا نہیں کر سکیگا۔

والدین کو مناسب ہے کہ اپنے عزیز اور پیارے بچوں کو زمانہ کے موافق تعلیم دین میں دیکھتا ہوں کہ اب بعض لوگ باوجود انقلاب زمانہ وہی سکھ شاہی تعلیم لے جاتی ہیں جس سے اولاد کی مٹی خراب ہو جاتی ہے بھلا اس زمانہ میں ہر کرن شاہی تعلیم کا کیا فائدہ رہو سکتا ہے کوئی خیال بھی نہیں کرتا۔ جہاں ریاضی۔ اور ہیئت۔

اور علم حیا لوجی اور فزیک جبرقی اور علم کمٹری اور علم آب اور علم ہوا اور علم برق اور ڈاکٹری اور علم نباتات اور علم فلاحات اور علم حیوانات اور علم معدنیات اور جغرافیہ تاریخ۔ فوٹو گراف وغیرہ غیب رہ مفید علوم کا زور اور چرچا ہوتا ہے مکتبوں کے کلاؤں اور دھرم سالہ کے پنڈتوں کی تعلیم وہ بھی ڈھاک کے مکتبوں کی کیا قدر رکھتی ہے نئی تحقیقات کے آفتاب کی شعاعوں اور کرنوں نے پڑائے

علوم کے آفتاب کو مات کر دیا ہے جو اشخاص منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہیں ان کو ضرور ہے کہ مشرقی آفتاب سے پھر کر مغربی آفتاب کے شعاعوں سے راہ ڈھونڈھیں۔ بعض لوگ خصوصاً ہمارے مسلمان بھائیوں کا عقواید ہے کہ علوم

جدیدہ کا حاصل کرنا گناہ ہے کیونکہ وہ عیسائیوں کی بدولت حاصل ہوتے ہیں مسلمان کا یہ وہم کہ علوم متعارفہ اور خیالات جدیدہ کا حاصل کرنا گناہ ہے ایک خیال ہے اسلامی قانون کا کوئی ایسا دفعہ اور ضمن نہیں ہے جسکے سائے اس امر

پر دال ہوں کہ عیسائیوں سے علوم کا سیکھنا گناہ میں داخل ہے اگر یہ امر ہوتا تو اسپر ابتدا اسلام سے ہی عمل کیا جاتا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ متقدمین اہل اسلام برابر غیر قوموں سے مختلف علوم سیکھتے رہے ہیں اپنی قوم کے داناؤں اور فہم خوں

سے پوچھتا ہوں کہ عرب نے جو آفتاب اسلامی کا مشرق ہی علم منطق اور علم ریاضی اور علم طب اور علم ہیئت کہاں سے سیکھا شاید آپ یہی جواب دینگے کہ اہل کونان

پس فرمائیے کہ یونانی کون تھے اسے پیارو جب ہمارے بزرگوں نے غیر قوموں سے سفید رغبت علوم کو حاصل کر لیا تھا تو ہم کسے اگر اسلام میں کچھ بھی ممانعت ہوتی تو ہمارے بزرگ کا ہے کو اس گناہ کو اپنے سروں پر لیتے ہارون الرشید مسلمانوں کا ایک بڑا دین دار اور مشہور خلیفہ ہوا ہے اسکے عہد میں مختلف زبانوں کے یورینیون اور مدرسے جاری ہوئے اور مختلف زبانوں سے کتا مین ترجمہ کی گئیں سکے دربار میں یہودی۔ عیسائی۔ پارسی۔ ہندو۔ کو مسلمانوں کی طرح دخل تھا اسے عزیز و اگر اسلامی قانون کا کوئی دفعہ اور مادہ بھی اس امر کے مخالف ہو تا تو اتنا بڑا خلیفہ باوجود ایک مسلم الثبوت دین دار اور متقی ہونے کے کیوں اوسکے برخلاف چلتا اسلامی قانون تو کسی پہلو سے مانع نہیں بلکہ اس دین کے ایک سبب سے بڑے بزرگ کا قول ہے کہ اطلبوا العلم ولو کان بالیقین۔ جب چین میں جا کر علم سیکھنے کی تاکید ہے تو بہر کیوں گہرائے ہوئے عیسائیوں سے نہ سیکھا جائے لوگ خیال کرتے ہیں کہ متقدمین کی تحقیقات کو چھوڑ کر متاخرین کے نقش قدم پر کیونکر چلیں افسوس انکو یہ خیال نہیں آتا کہ متقدمین کی تحقیقاتیں الہامی تحقیقات ہیں نہیں ہیں کہ اونہیں وقوع اعلاط کا احتمال ہی نہو یورپین حکیموں نے اس مسئلہ کو بڑے بڑے راسخ اور محکم دلیلوں سے ثابت کر دکھایا کہ زمین متحرک ہو اب کوئی عاقل اس بارہ میں متقدمین کی کمزور تحقیقات کو باوجود عقل و عینش کیونکر مان لگا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین کے استکمال کے لئے سب علوم متعارفہ اور فنون جدیدہ کے کمال حاجت اور ضرورت ہے کیا علم ہیئت کی ضرورت نہیں ہے کیا علم جغرافیہ اور علم کمٹری درکار نہیں کیا علم مریا نظر اور علم ہندسہ کی ضرورت نہ بڑی کی کیا علم طب کا حاصل کرنا ضرور نہیں ہے وہ کون سا طب یا بس، جس سے امور دینی کو مدد نہیں ملتی حقیقت میں دیکھو تو یہ علوم ایک جہت سے دین سے علاوہ

رکتے ہیں اور ایک جہت سے انسانی حواج اور ضروریات کے منہم اور منہم ہیں جیسا دینی قانون تحصیل علوم جدیدہ سے مانع نہیں ہے اس طرح ہمارے کانٹنٹن بھی مانع نہیں ہے ہماری کانٹنٹن ایسی بات کو پسند نہیں کرتے جو ترقی اور بہبود انسانی کے مانع ہو لیں اسے بجائیو از رو سے ہدایت مذہبی قوانین اور کانٹنٹن علوم جدیدہ کے حاصل کرنے میں کوئی قباحت اور بُرائی نہیں۔ بہتر ہے کہ اس پرانے خیال کو جو ترقی کا مانع ہے دل سے دور کر دو اور اپنی اولاد کو علوم مفیدہ اور ستعارفہ کی تحصیل میں لگاؤ تاکہ روز افزون ترقی کے مالک اور وارث بنو۔

چونکہ ملک ہندوستان میں ہر ایک مذہب و ملت کا آدمی ایک معقول کثرت سے بودو یا شریک تھا ہے اس لحاظ سے ہماری گورنمنٹ نے (جس کے حصول سلطنت عامہ آسائش اور عین انصاف اور عدالت پر مبنی ہیں) گورنمنٹی اسکولوں اور کیتھولین امور دینیات کو داخل نہیں کیا کیونکہ اس میں ایک عام ناراضگی کا احتمال تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر ایک مذہب و ملت وائے کو قوانین مذہبی اور اصول دینی کا سیکھنا ضروریات سے ہوتا ہے اس خیال سے والدین کو لازم ہے کہ اپنے طور پر اپنے اچھے اولاد کو دینیات کی تعلیم کریں ہمارے ملک کا قدیمی دستور ہے کہ جب لڑکے کو استاد کے سپرد کیا تو اس کے پرائیویٹ تعلیم (جو اس کے واسطے طبعاً نہایت موزون اور فائدہ بخش خیال کنگینی ہے) دست کش ہوگی جس سے طرح طرح کی خرابئیں پیدا ہوتی ہیں اگرچہ یہ بات ہے کہ سرکاری اسکولوں میں ترقی تہذیب اور اصلاح طلبانہ طلباء کے واسطے نہایت معقول طور پر انتظام کیا گیا ہے مگر بہر بھی وقوع بعض نواقص سے جو اسکولوں میں پائے جاتے ہیں اکثر کے طالب علموں کی طبیعتوں میں سجا آزادگی اور آوارگی (جو وحشت کے قریب پہنچ جاتی ہے) پیدا ہو جاتی ہے جس سے لوگوں کو

موجودہ تعلیم حاصل کرنے سے ایک کراہیت اور آزردگی سی ہو جاتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں کی خرابی اور آزردگی کا اصلی موجب انگریزی تعلیم اور سولینریشن ہی ہے لوگوں کا یہ خیال بظاہر تو قابل تسلیم ہے معلوم دیتا ہوں کہ کیونکہ وہ اپنے خیالی دعویٰ پر ملک میں بہت سی نظیریں دیتے ہیں ( مگر اگر یہ نظر اس کا دیکھا جاوے تو ان کا یہ ادعا مدلل اور موجب ادعا نہیں ہے اگرچہ میں مانتا ہوں کہ ان کے ہاتھ میں اپنے دعویٰ پر نظیریں بھی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہندی سٹوڈنٹوں کی خرابی اور بجا آزردگی کا باعث انگلش تعلیم اور سولینریشن نہیں ہے ( کیونکہ اصل میں سولینریشن ایک ہی معنی سے مراد لیجاتی ہے اگرچہ کسی ملک کی ہون یا نہ ہون کا اختلاف ضرور ہوتا ہے جو طبعی اور قدرتی اسباب کو مخالف کی تاثر ہے) بلکہ اس آزردگی اور اشری کا موجب والدین ہی ہیں اگر والدین اجداد خال سکول اپنے لڑکوں کو اپنے طور پر اخلاق اور دنیاویات کی تعلیم دیتے تو کیوں ان میں یہ آزردگی پیدا ہوتی - ہندوستان کے اسٹوڈنٹ جب ابتدائے اسکولوں میں ابتدائے تعلیم حاصل کر لیتے ہیں تو ان کے والدین دوسرے نمبر کے اسکولوں میں جانے سے روکتے ہیں اس دلیل سے کہ وہ اسکول اپنے گھر اور شہر سے دور ہیں وہاں جانے سے سفر کے باعث لڑکوں کو تکلیف ہوگی اگرچہ ہندوستانی سٹوڈنٹوں کے والدین کا یہ خیال ایک محبت اور پیار سے ہو مگر بچارے لڑکوں کی عمر کو بلکہ لگجائے جب تک لڑکے تکلیف نہ اٹھائینگے تب تک کیونکر لائق اور معقول نینگے لڑکوں کا طالب علمی کی حالت میں سفر اختیار کرنا بڑے بڑے نتیجہ پیدا کرتا ہے ابتدائی حالت میں ہی ان کو سفر کی صعوبتوں اور سختیوں پر صبر اور برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے کیا آپ لوگوں نے سننا نہیں ہے کہ ولایت میں یونیورسٹی کیمپس اور اسفور و کالج میں دور دور سے لوگ آکر تعلیم پاتے ہیں اور پھر بڑے بڑے امیروں

اور دو متمندوں کے بیٹے جو اپنے گھر میں استاد اور ماسٹر نوکر رکھ کر ان پر لڑکوں کو تعلیم دے سکتے ہیں۔ خدیو مصر جو آج ایک اعلیٰ درجہ کی ریاست کا امیر اور رئیس گنا جاتا ہے اس کا بیٹا حسن پاشا اسکورڈ کا اسی تعلیم یافتہ ہے کیا خدیو مصر اپنے بیٹے کو پڑائی کو بیٹ طور پر تعلیم نہیں دے سکتا مناسب کچھ کر سکتا تھا مگر اسکے نظر تو تکمیل تعلیم پر تھی انڈین سٹوڈنٹوں کے حق میں اس بات سے اور کوئی بات زیادہ تر مفید اور مضبوط نہیں کہ انکو ابتدائی عمر میں ہی سفر کا خوگیا اور مانوس بنا یا جاوے ہندوستانیوں کا یہ قاعدہ اور اصول کہ لڑکوں کو سفر کے مانوس نہ کرنا چاہیے بات پھر اصولوں میں سے ہی جو اولاد اور والدین کے حق میں زہریلی تاثیرات رکھتا ہے و قیاسی خیالات کی تقلید سے اولاد کو ایک بھاری چشم زخم پہونچنے کا احتمال ہے۔ لوگوں کی یہ بھی عادت ہے کہ جب اونکے لڑکے تعلیم پاتے ہیں تو انکو ملازمت کا شوق دلاتے ہیں اولاد کے حق میں یہ اشتیاق اور اشتعال زہری کی تاثیر رکھتا ہے کیونکہ جب والدین نے ہی اولاد کے دلوں میں انقلاب سلسلہ تعلیم کا دلولہ اور جوش پیدا کر دیا تو پھر کیا باقی رہا تعلیم سے حصول ملازمت غرض نہیں ہے بلکہ متعلیمین کا فہم اور عقیل اور سو پلاؤ بننا والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو ترقی تعلیم کا شوق دلانے اور اونکو نصیحت کریں کہ آزاد میں ہمیشہ خست یا رکرو جس سے قوم اور ملک کو بھی کچھ فائدہ ہو اگر سب لوگوں کا گرفتشت کی ملازمت پر ہی مدار رہا تو کسی دن مطلع صاف ہو جیسا اولاد کو علوم کا سکھانا پڑھانا لازم اور موجب بہبودی ہے ایسا ہی اس موجود زمانہ کے لحاظ سے کسی تک کسی مقید ہنر اور فن کا سکھانا بھی ضروریات سے ہے ہمارے ملک کو لوگ تحصیل ہنر اور کتابت فنون کو ایک عار اور لغو امر خیال کرتے ہیں مگر یہ خیال دانا اور محذب لوگوں کے نزدیک کچھ ہی وقعت اور



قدر و منزلت نہیں رکھتا کیونکہ عقل اور تہذیب کے خلاف ہر کسی ہنر اور فن کا سیکھنا  
 عین مقصداً عقل و قیاس ہے انسان کی زندگی میں بہت سی ایسی وقت آتی ہیں  
 جن میں ہنر اور فن پورے طور سے مدد دیتا ہے اگر کسی ہنر اور فن کا اکتساب مذہب  
 اور محبوب ہوتا تو بڑے بڑے امیر اور بادشاہ نہ سیکھتے حالانکہ ہم کو اونکو واقعات  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فنون اور ہنروں کو بڑی جاہت اور خوشی سے  
 سیکھا اور اخیر پر وہ ہی ہنر اور فن اونکے کام بھی آئے دور کیوں جاتے ہو تو بہت  
 کو ہی دیکھ لو کہ بڑے بڑے دیوک اور لارڈ بھی کوئی نہ کوئی ہنر اور فن جانتے ہی ہیں  
 گو دو لہند اور امیر خیال کرتا ہے کہ میری دولت مندی اور امارت کو چشم زخم نہ پہونچے گا  
 مگر یہ خیال درست نہیں ہے کیا انسان کہہ سکتا ہے کہ میں تمام عمر خوشی اور فراخ رو  
 میں ہی بسر کرونگا انسان کی زندگی میں بہت سی ایسے محسوس وقت آجاتے ہیں  
 جن میں اوکو طوعاً و کرہاً محتاج ہونا پڑتا ہے کیا انسان کہہ سکتا ہے کہ میری تمام  
 عمر اپنے گھر کے صحن اور شہر کے گلی کو چون میں ہے گذرگی کوئی ایسا وقت بھی  
 ضرور ہے آوے گا کہ جین ہکو ہنر اور فن کا محتاج ہونا پڑے گا حذب والدین پر  
 ضرور ہے کہ وہ اپنی عزیز اولاد کو فنون اور کسب کی جاٹ بھی لگا دیں تاکہ انکی  
 اولاد ہر یک طرح سے کامل ہونکے اور اونکو تکمیل التعليم کا ثمنہ ملجاوے۔ اللهم آمین  
 ہندوستان میں دو قسم کی قومیں بودو باش رکھتی ہیں ایک وہ جو قدیم سے  
 ملازمت پیشہ ہیں اور ایک وہ جو پیشہ ور قومیں گنی جاتی ہیں ملازمت پیشہ کو  
 تو قدیم سے ہی اکتساب ہنر اور فنون سے عار تھا اب اس نئی تعلیم کی ترقی سے  
 پیشہ ور قومیں بھی ایک طرف ہی چلتی ہیں جہاں کسی پیشہ ور قوم کا لڑکا چشم مدد  
 اسکول میں داخل ہوا اسی دم سے خود بدولت حضرت والد صاحب نے عدالت  
 چوکھٹ پکڑ لی شیخ جلی کی طرح خیالی ملاوچکا اس امر کے گرد ہو گئے کہ اب کہہ دو

کو ضلع میں لڑکر ہے کر اگر چھوڑ چکے اندر سے خیالات تعلیم نہ ہونی سمجھو جھڑکیا  
 (حضرات ناظرین ان دو سطروں سے یہ نہ سمجھیں گے کہ میں قومی فخر کا قائل ہو گیا ہوں  
 یا ان پیشہ ور قوموں کو حقیر جانتا ہوں تو بہ تو بہ) اسے پیشہ ور قوموں کے سرگرم  
 تعلیم عامہ سے گورنمنٹ کی یہ غرض اور مدعا نہیں ہے کہ لوگ تعلیم پا کر اپنے اپنے  
 پیشوں سے دست بردار ہو جائیں نہ بلکہ اسکی یہ غرض ہے کہ یہ پیشہ ور قومیں  
 بھی تعلیم یافتہ ہو کر ایک انائی اور عقل سے بھر پور مین کی طرح اپنے کسبوں اور پیشوں  
 کو جلا دین اور علمی روشنی اور لطافت کی نور اور مادہ سے روز افزون ترقی حاصل  
 کریں مگر کہا کچھ اور سمجھ لیا کچھ پیشہ ور قوموں کو ضرور اور مناسب ہے کہ حتیٰ المقدور  
 اپنی اولاد کو مفید مفید ہنر اور پیشے سکھانے میں کی طرح سے درلغ اور عدم توجہی  
 کو راہ نہ دیں کیونکہ اس میں اونکے متولی اور دولتمندی اور خوشحالی اور آزادی میں  
 فرق آئیگا اندیشہ ہے اور ظاہر بھی ہو رہا ہے کہ ملک ہندوستان روز بروز  
 جو بحر افلاس میں ڈوبا جاتا ہے یہ کمی فزون کا ہی باعث ہے ان اولاد پیشوں کو  
 نہ سکھانے میں جو معیوب اور مذموم ہوں وہ لوگ جو امارت اور ریاست کے مالک  
 ہیں انکو لازم ہے کہ اپنے اولاد کو فن سپہ گری اور فن سواری وغیرہ سے بھی  
 مانوس بنادیں کیونکہ اس میں انکی طاقتیں زیادہ ہوتی ہیں اور حوصلے بڑھتے ہیں  
 امیرون اور رئیسوں کو اپنی اولاد کو فن سپہ گری اور سواری وغیرہ سکھانے میں  
 کی طرح کی وقت اور شکل نہیں ہے ہماری عادل گورنمنٹ نے انکو ہر یک طرح سے  
 آزادی دے رکھی ہے باوجود اس آزادی کے بھی اگر امیر لوگ اپنی اولاد کو باطنی  
 تربیت نہ کریں تو سخت افسوس ہے۔

ہندوستانی ملاؤں اور پنڈتوں اور بھائیوں کا ایک پورا نا دستور ہے کہ  
 طالب علموں کو تمام روز صبح سے تا شام ایک ہی کوڑی بر جکڑی رکھا کیا محال کی تعلیم

سرک بھی جاوے با این ہمہ مطلع صاف آوے خاک بھی نہیں والدین بھی تاکید  
 کر دیتے ہیں کہ سیانچی دیکھنا لو کاہنے نہ پاوے افسوس اس قید اور بندش میں  
 لڑکے کو کیا آوے خاک سارا دن میان نڈت قصائی بنے میٹھا ہے لڑکا سرکا تراک  
 سر پر ڈنڈا اتھر سے نشانہ کتب کیا کر چانداری سے خیال کرنا چاہیے کہ جب طالب علم  
 کو فراغ طبیعت ہی حاصل نہیں ہوگا اور استاد صاحب کا لے بیوت کی طرح ڈنڈا  
 لیے سر پر ہی چڑھے رہیگے تو آنا جانا خاک ہر ایک کام انقباض اوقات سے کرنا لازم  
 ہے والدین اور خصوصاً اساتذہ کو لازم ہے کہ طلباء کے فراغ طبائع کے لیے کوئی  
 وقت منتخب کریں اور اس وقت میں انکو کوئی مہذب کیل مثل کرکٹ اور گیند  
 کھلاوین تاکہ اس ریاضت سے اونکے قواسم میں ایک طاقت اور تفریح پیدا  
 اگر طالب علموں کو سارے دن میں سے کوئی وقت بھی فراغت اور کیل کا نہیں  
 دیا جاوے گا تو قطع نظر دل برداشتہ ہونے کے حدوث امراض کا اندیشہ ہر شخص  
 نقصانات کو دیکھ کر اہل یورپ نے سسٹو ڈنٹون کے واسطے کیل کا ہونا ضروری  
 سے سمجھا ہو ریاضت کی ریاضت اور فراغت کی فراغت یہ قاعدہ صرف یورپین  
 کے ہی ایجادات میں سے نہیں ہے بلکہ پچھلے زمانوں میں ہی اسکا رواج متا  
 یونانیوں کے علمی واقعات اسپرٹا ہین اٹلی کی ترقی اور روم کی دماندین اس  
 قاعدہ کو بھی ترقی ترقی غرض کہ سب مہذب لوگوں نے اگرچہ وہ کسی ملک کے ہوں  
 اس قاعدہ کو طالب علموں کے حق میں مفید سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

جب سڑکوں کو اسکول میں داخل کریں تو بعد اداخل اونکے اسکولی اصراف اور  
 اخراجات کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں بالخصوص اون اسباب  
 اور مواد کا حیا اور پورا کرنا اپنے پر واجب اور فرض سمجھ لیں کہ جو طالب علموں کی  
 پڑھائی اور تعلیم میں معاون ہیں اگر ایسے ضروری اسباب اور اشیا کو ایک معقول

مہیا نکلیا جاسیگا تو طلباء کی تعلیم اور پڑھائی میں ضرور ایک انقلاب اور فرق واقع ہوگا ہم بہتوں کی عادت ہو گئی ہے کہ اپنے عزیز لڑکوں کو اسکول میں داخل کر کے انکی تعلیمی اور ضروری اسباب کے تہیہ سے مطلقاً غافل اور لاپرواہ ہو جاتے ہیں انکے نزدیک اسکول میں ہی داخل کرنا مکتفی ہے مگر اگر غور سے دیکھا جاوے تو والدین کی یہ لاپرواہی اور غفلت لڑکوں کے حق میں اخیر پرزہر بنی تا اثرات پیدا کر سکتی ہے حال کی اسکولوں اور طالب علموں کے مصارف اور حوائج پورا نہ کرنے زمانہ کے مکتبوں اور مدرسوں کے عام اخراجات سے بڑھ کر زمین ہن اور نہ ان مصارف کا ایک شخص پر بوجھ پڑتا ہے موجودہ اسکولوں کے طلباء کی ضروریات کو پورا کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے باوجود ایسی آسانی اور کمی کے بھی اگر سٹوڈنٹ اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے سے قاصر اور معذور رہے تو سوائے تحیر اور تجب کے کیا کہا جاوے والدین پر فرض بل افرض ہے کہ اپنی اولاد کے اسکولی اخراجات کے پورا کرنے میں حتی الوسع والا سکان ہمیشہ ساعی رہیں اگر طالب علموں کو ہمہ وجہ مصارف اسکولی مہیا کر دیے جاوینگے تو انکی تعلیمی ٹرین نہایت جرسنگی اور تیزی سے چلیگی۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کی پوشاک اور لوازمات بدنی اور حاجات جسمی کے مکمل اور پورا کرنے میں تساہل اور تقاضا کر کے بٹا جھوم یہ بات اکثر اشخاص اور انصار میں پائی جاتی ہے کہ انکے خیالات اپنی اولاد کی صفائی اور اخلافت کی بابت کم درجہ پر کم وزن ہوتے ہیں وہ لڑکے جو اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں انکی صفائی کی طرف خیال اور بظاہر کتنا انکی صحت اور ترقی تعلیم میں مدد کرنا ہے اگر طالب علم کے پوشاک میل اور کشیف ہوگی تو ضرور اسکی عمدگی خیالات اور صحت بدنی میں فرق آجائیگا صفائی ایک ایسی عمدہ چیز ہے جو انسان کے خیالات اور صحت میں پوری پوری معاون اور مددگار قبل از بلوغت یا من بعد دخول سنین بلوغت بعض لڑکے اس مذہب اور مخدعہ عادت

اور فو کے عادی اور گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ جب گرد اور اوارہ لڑکوں کے ساتھ لکڑیوں کی گلی کو چون بن وقت بوقت چکر لگاتے رہتے ہیں جس سے اونکی طبیعتوں میں ایک آوارگی اور خود سری بیٹھ جاتی ہے جو اونکی اصلاح اور بہتری کے مانع اور آڑ ہو جاتی ہے۔ مان باپ کو مناسب ہو کہ ایسے دقتوں میں حکیمانہ طور پر نگرانی کریں کیونکہ اگر اولاد کو اپنے ہی طریق اور روش پر چھوڑا جائیگا تو اوہیں ایک سرکشی اور خود سری جم جانیگی اور پھر اوسکا دور کرنا ایک مشکل امر ہو جائیگا طبائع نسیہ اور خیالات مبدلہ اوس صورت میں اپنے مرکز اور محل پر آسکتے ہیں کہ جب اونکی صلاحیت اور صداقت میں ابتدا میں زور دیا جاوے ولعمہ ما قبل - ع حشر شدہ شاید گرفتار میل : جب کسی شخص کی اولاد ایسی بجا حرکات اور ناروا سے خیالات میں مصروف اور مبتلا ہو تو اوس پر فرض ہے کہ اونکی ازالہ اور راحت میں بہت جلدی سامعی ہو مگر ایسے موقعوں پر جو کارروائی کجاوے حکیمانہ طور پر ہو پہلے لڑکوں کو سختی اور درستی اور زرد کو باپ اور گالی گلج سے نہ بچھوین کیونکہ اس طرز عمل سے باعث اشتغال ہر شغف غلبہ اور ضد و کراہت اونکی طبیعتوں میں پہلے ہی بھی زیادہ سرکشی اور خود سری آجائیگی اور انہیں کے تناسیب اور نا صمیمین کے نصایح کا کچھ اثر ہوگا تجارت گذشتہ اور موجودہ اس امر کے اثبات پر شاہد اور مویہ ہیں کہ سخت فہمائش سے اکثر اشخاص خصوصاً لڑکوں کے طبائع میں ایک ضد اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور اونکی طبیعتیں تاثرات اضلیح سے متاثر نہیں ہوتیں اور یہ بات تو اظہر من الشمس وادین من الالاس ہے کہ جس انسان کو کسی کام سے ہٹایا جاوے تو وہ آدمی برخلاف ترک اور احتراز کے اوسی کام کو کیے جاتا ہے مان باپ کو مناسب ہو کہ ایسی دقتوں میں اصول حکم اور قواعد عقلیہ اور قوانین اخلاقہ کے استعمال اور زور سے کام لیں جب کسی شخص معلوم ہو کہ اوسکا بیٹا حرکات رویہ اور خیالات وامیہ کا خوگیر اور پابند ہوتا جاتا ہے تو اوسکو

لازم ہے کہ کسی ایسے وقت میں جبکہ وہ لڑکا دوسرا آدمیوں میں ایک جمعیت میں بیٹا ہو  
 دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہو کر اون افعال اور اعمال کے قبایح اور محائب لطیفہ  
 اور تمثیل سنا دے کہ جنہیں وہ لڑکا گرفتار اور مبتلا ہو لیکن یہ یاد رہے کہ اس حقیقی  
 مشارالہ یعنی لڑکے کو اصلاً معلوم نہ ہو کہ اون باتوں کے کرنے سے میرا سمجھنا منظور ہے  
 بلکہ وہ سنتے ہوئے یہی جانے کہ کسی اور شخص کا ذکر کر رہے ہیں اس طرز عمل سے تو  
 امید ہو سکتی ہے کہ منضوج اور مشارالہ اپنے برے افعال اور کردہ اطوار سے ایک  
 آسانگی سے باز آ جاوے گا ایسے خفیہ تنبیہ میں یہ فائدہ ہوگا کہ منضوج کی طبیعت میں غریبی  
 اور کشمکش شعلہ زن ہونگی اور دوسرا یہ کہ جب وہ لڑکا اپنے مشابہ افعال اور حرکت  
 کے نتائج اور تاثرات کو ایک دوسرے ہم جنس کے حق میں مضر اور نقصان ساز  
 دیکھے گا تو ضرور اپنی حالت پر غور کرے گا اگر منضوج اس حکمت عملی سے بھی باز نہ آوے  
 تو پھر علانیہ نرم نرم لفظوں میں سمجھانا چاہیے اگر پھر بھی نہ مانے تو نرمی سختی آمیز سے  
 پیش آنا چاہیے اگر پھر بھی درست نہ ہو تو اس صورت میں کوئی اور مضبوط تدبیر  
 کرنی چاہیے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک سہولت اور نرمی سے کار براری ہوئی  
 اور درستگی سے پیش نہ آوین کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک لڑکا نرم نرم تاویب اور  
 نصیحت سے قابو میں آ جاوے لڑکوں کو ابتداً عمر میں کئی ایک ضروریات اور  
 حاجات پیش آتے ہیں جنکے رفع کرنے کے واسطے روپیہ پیسہ کی ضرورت پڑتی ہے اور  
 یہ بات ظاہر ہے کہ ابتداً عمر میں لڑکوں کو گھر پر چند ان دخل نہیں ہوتا اور ضرورت  
 کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے پس والدین کو لازم ہے کہ اپنے اولاد کی ضروریات پر  
 کر کر انکو روپیہ پیسہ سے مدد دیا کریں تا وہ در صورت عدم استطاعت رفع ضروریات  
 سے تنگ آ کر چوری کے عادی نہ ہو جاوین۔

امیر والدین کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اولاد کو کون اور کون

چندان مخلوط نہ رہے اور نہ اولاد سے کچھ تسخیر کرنے پاوے کیونکہ اس صورت میں لڑکوں کی تربیت اور ذاتی رعب و داب میں فرق آنے کا اندیشہ ہے ہمیشہ لڑکوں کو کڑوں اور ملازموں پر والدین کی طرح رعب و داب چاہیے اگر لڑکوں کو کسی امیر کے گھر کے برابر ابتدائی عمر کے حصہ میں اپنے مکرو ذریعہ اور جا پوسی عارضی سے غافل کیا جائے تو جوانی میں بھی اوس لڑکے کا رعب و داب قائم نہیں رہیگا اور اس صورت میں امارت اور ریاست میں فرق آجائیگا۔ یہ بھی ضرور اور مناسب ہے کہ لڑکوں کو زیادہ تر عورتوں سے مانوس نہ رکھا جاوے کیونکہ اسمیں اکثر لڑکے بے تربیتی ہوتے ہیں اور خراب ہو جاتے ہیں جہاں تک ہوسکے مردوں کی صحبت میں رکھنا چاہیے تاکہ انکی خور بھر کے مانوس اور عادی ہوں۔ ہر ایک ملک اور ہر ایک گھرانہ کی ذاتی دستورات اور ضوابط اور رسوم جدا گانہ ہوتے ہیں لڑکوں کو اوسے بھی ماہر اور واقف کرنا لازم ہے یہ بات ظاہر ہے کہ خاندانوں کے قلمی صرف وجود اولاد پر ہی مبنی ہے اگر اولاد کو پرائیویٹ امور اور انتظامات سے واقف اور آگاہ نہ کیا جائیگا تو اود کو اپنے وقت میں دقیق اور شکلیں اور ایمانی پڑائیگی کیونکہ جس حالت میں اولاد کو اپنے خانگی انتظامات اور امور سے آگاہی اور واقفی نہ ہو تو وہ کیونکر پیش آمدہ کاموں کو جلا سکتے ہیں۔

والدین پر مناسب ہے کہ جب انکی اولاد لایق ہو جائے تو اود کو خانگی امور سے انصرام اور انجام میں دخل دین تاکہ بیکاری سے انکی شبابی طبالع میں آوارگی اور سر خودی گھر نہ کر جائے اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو اولاد ضرور خراب ہو جائیگی۔ کاروبار کرنے کے لایق ہو کر اولاد کا شہر بے ہمار کی طرح گلی کو چون بن بہرنا کسی روز کو اس امر کا باعث اور موجب بنے گا کہ انکی آوارگی اور خود سہی سے بزرگوں کی موتی سے بھی خراب ہوئی بعض لوگ کہہ کرتے ہیں کہ بزرگوں کے ہوتے اولاد کی گردن پر

دنیا کے کاروبار اور تمام کا پھر خطرہ اکیڈن رکھا جائے۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ یہ خیال ہمارے ہستی سے کئی درجہ پیچھے ہٹا ہوا ہے ہم کہتے ہیں کہ جب بزرگون اور عزیز مان باپ تانا چپا کی ملا روح نفیس بدنی کو چھوڑ کر تشیعانہ گورن بسیر کر گیا تو پھر ان مہمات دنیوی کا بوجھ کون سر پر اٹھائیگا۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں اور شاید یہ لوگ بھی میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ جب بزرگ اور مان باپ مر جاتے ہیں تو ان مہمات دنیوی کا بوجھ اولاد کے سر پر ہی رکھا جاتا ہے اور وقت نہ تو میری ٹی مان باپ کو اولاد کی حالت پر رحم آتا ہے اور نہ عزیز دن اور دوستوں کو وہ دین کا موقع ملتا ہے چارہ ناچار اولاد ہی کو سب کچھ کرنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر اولاد مان باپ کی زندگی میں ان مہمات کے پورا کرنے کے اصولوں اور قواعد اور ضرورتوں سے قوت اور ماہر ہو چکی ہوئی تب تو اونکی وفات کے بعد چند ان مشکلات پیش نہ آئینگے اور اگر خدا نخواستہ نری لاڈلی ہی رہی ہے تو پھر خدا حافظ ناکہائی نصیب کے پڑنے سے سو میں سے دو چاری قائم رہتے ہیں خانہ انی ننگ و ناموس اسلاف کی عزت و مرتبت کو دریائے نا تجربہ کاری اور بحر غفلت میں ڈبو کر حل و تہین عالم لوگ یہ بزدلی اور نالائقی دیکھ کر اولاد کو ملزم بتاتے ہیں مگر یہ اونکی غلطی ہے اولاد کا کیا قصور ہے جو کچھ قصور ہے اونکے ولیوں اور مان باپ کا ہے اگر ان باپوں کو اپنی حیات میں دنیا کی مصیبتوں اور وقتوں کا مقابلہ کرنے کے لائق بنا دیتے تو اونکو یہ دن کیوں دیکھنے پڑتے۔ جب کوئی آدمی نا تجربہ کاری کی حالت میں کسی مشکل کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کے دل پر مایوسی اور نا اُمیدی کا خوف بٹھ جاتا ہے اور اسی حالت میں اس میں آئندہ مشکل کے حل کرنے کی ذہنی کو چھوڑ دیتا ہے اگر کسی شخص نے اپنی گزشتہ زندگی میں بجلی کی کرک نہ سنی ہو تو وہ پہلی دفعہ سننے سے ضرور ڈر جائیگا اور کوشش کرے گا کہ پھر ایسی صد مہ رسان آواز کاٹو





خدا تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کا اسطورہ پر سلسلہ قائم کیا ہے کہ ایک پیدائش کے آرام اور آسائش اور ترقی کے واسطے دوسری پیدائش کا مددگار اور شامل ہونا ضروری اور لازمی گردانا ہے۔ ہم دنیا کے پردہ پر کوئی ایسی پیدائش نہیں دیکھتے کہ جو محض اپنی ذاتی قوتوں سے اپنی ترقی اور آسائش حاصل کر سکتے ہو پیدائش جب تک دوسری پیدائش سے مدد نہ ملے تب تک ترقی اور آسائش حاصل نہیں کر سکتے انسان اگرچہ اپنی قوتوں اور خیالات کی وسعت کے لحاظ سے اس بات پر آمادہ ہوتا ہے کہ بلا کسی اور کے شمول اور مدد سے اپنے کاموں اور ضرورتوں کو انجام دے مگر اس میں اس کو کامیابی کی ڈگری نہیں ملتی ربّ قدیر نے اپنی حکمت اور قدرت سے انسان کو خلقت میں ہی جوڑہ بنا دیا ہے ایک مرد اور ایک عورت۔ دنیا کے کاموں کے چلانے اور چٹانے کے واسطے مرد اور عورت آپس میں ایک ایسا رستہ اور رابطہ پیدا کر کے اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ جو اور رشتوں اور رابطوں سے کہیں زیادہ تر نازک اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس اتفاق مرد و عورت کو دنیا داروں کی اصطلاح میں زانہ داری کہتے ہیں خانہ داری کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے واسطے ہر ایک مرد بچا ہے بادشاہ کے اور ادنیٰ عورت بنگلہ دہیر یا ندیم اور عزیز اور قریبی لواحق کارکن اور مددگار شمار کجالی ہیں جیسا بادشاہوں کو حصول حکمرانی اور ضروریات سلطنت سے ماہر اور واقف ہونا ضروری ہے ایسا ہی مختلف گھروں کے مالک مردوں کو خانہ داری کے اصولوں اور ضروریات سے واقف ہونا لازمی ہے جیسا وزیران سلطنت اور مدبران ملک کو دورانہ پیش اور محتاط اور قابل صلاح و مسورت ہونا چاہیے ایسا ہی غریبوں کو مردوں کے مقابلہ میں داناویہ دورانہ پیش اور محتاط اور قابل صلاح و مسورت ہونا لازم ہے۔ اور عزیزوں اور

متعلقین کی حفاظت اور نگرانی اور دیگر علاج پر ایجوٹ کے انصرام کے واسطے بالکل سزا  
 مرد اور عورت کا بادشاہ اور وزیر کی طرح لالچ اور دہرہ ہونا ضروری ہے جیسا بادشاہ  
 کے واقف اور نالائق اور وزیر کے غیر محتاط اور جاہل ہونے سے امور سلطنت میں  
 ابتری اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور رعایا خراب و خستہ ہو کر برباد ہو جاتی ہے۔  
 اس طرح ایک گھر کے مالک مرد اور عورت کی جمالت اور حماقت سے گھر اور گھر کے  
 متعلقین خراب ہو جاتے ہیں اگر ملک کا بادشاہ اچھا ہو اور جس طرح کار و وزیر اچھا اور  
 دانا نہ ہو تب بھی ملک کی حالت اچھی نہیں رہتی سارے کام بادشاہ سے ہی متعلق  
 نہیں ہوتے وزیروں کو کبھی دخل دینا پڑتا ہے اگر وزیر با تدبیر اور دانا نہ ہو تو اپنے  
 فرائض کے ادا کرنے میں ضرور غلطی کر جائیگا جس سے ملک کو نقصان پہنچے گا اس طرح  
 اگر گھر کا مالک مرد لائق اور تدبیر دانا ہو اور اس کا وزیر عورت جاہل اور بیوقوف ہو  
 تو گھر اور گھر والوں کو کئی ایک وقتوں اور نقصانات کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور وہ پر کیا  
 موقوف ہے خود مرد ہی تنگ حال ہو جائیگا اگر ایک گھر کی حیثیت کے قائم رکھنے کیونکہ  
 دو ستون کھڑے کرین جنہیں سے ایک تو مضبوط ہو مگر دوسرا گھٹن خورہ اور بودہ ہو  
 تو حیثیت کا سارا بوجھ اور پہاڑ مضبوط ستون پر جائیگا اور اخیر کو مضبوط ستون  
 جائیگا اور حیثیت و ہم سے زمین پر آ پڑے گی مرد اور عورت بھی گھر کے واسطے دو ستون  
 کا زمینہ رکھتے ہیں جب تک یہ دو ستون یکساں مضبوط اور زور آور ہوں تب تک گھر کا  
 قائم رہنا مشکل ہے اگر صرف مرد ہی کو ہمت خانگی کا تحمل قرار دیا جائیگا تو مضبوط  
 کی طرح کسی روز کو یہ بھی ٹوٹ جائیگا گھر کے قائم اور ثابت رکھنے کے واسطے مرد کی طرح  
 عورت کو بھی لائقہ اور تدبیر ہونا چاہیے کیونکہ وہ گھر کا ایک دوسرا ستون ہے اس کے  
 سر پر ہمت خانگی کا بھار ڈالنا ضروری ہے گھر سے مرد ہی کیلئے نفع نہیں آتا  
 مرد کو ہی آسائش حاصل نہیں ہوتی عورت مرد کی حصار ہے مرد کی طرح اس کو بھی

گھر سے آسائش اور نفع اٹھانا پڑتا ہے بلکہ مرد سے کئی حصہ زیادہ اوسکو آرام اور آسائش ملتی ہے مرد ہمیشہ معاش کے لیے مارے مارے پہرتے ہیں عورتوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ دن میں بیٹھے بیٹھے سب کچھ میسر ہو جاتا ہے اگر عورتوں کو باوجود اس آرام کے امور خانہ داری کے انصرام میں شامل نہ کیا جائے اور ان کا اون تین اونکو مدخل نہ دیا جائے جنہیں اونکا مدخل دینا اور شامل ہونا ضروری اور لازمی ہو تو بیچارے مردوں پر ظلم و ستم کرنا ہے عورتیں خود اس دخول و شمول سے محترراؤ کنارہ گزین نہیں ہوتیں مرد اونکو خود ہی علم دے رکھنا چاہتے ہیں اگر مرد چاہیں تو عورتیں آج اپنے فرائض کو اٹھاسکتے ہیں اس بے ترتیبی سے ایک طرف سے مردوں کو گھر کے تمام ہمت اور کاروبار کا ہونا پڑتا ہے اور دوسری طرف سے حقوق تلف ہوتے ہیں عورتیں خانگی ضرورتوں اور کاروبار کو اونہیں اصولوں اور قاعدوں پر انجام دے سکتے ہیں کہ جو مردوں کو حاصل ہیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ وہی مرد دنیا کے کاموں اور ضرورتوں کو آسانی اور بہتری کے ساتھ پورا کرتے ہیں کہ جو زلیور علم سے آراستہ ہوں دنیا کے کاموں کے پورا کرنے سے ہمارا یہ فتنہ نہیں کہ مرہٹ کر پیٹ بھر لیا یا معمولی باتوں اور سہولتوں کو انجام دیدیا۔ دنیا کے کام پورا کرنے سے ہماری مراد وہ باقاعدہ عمل ہے کہ جس سے انسانوں کو کچی آسائش اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ایک سوسائٹی میں رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں انسان دنیا میں رہ کر دو طرح بر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک بے قاعدہ اور ایک باقاعدہ۔ بے قاعدہ زندگی سے وہ زندگی مراد ہے کہ جسکا اصول محض کھانا پینا ہنسنارونا اٹھنا بیٹھا لیٹنا سونا جاگنا۔ ہوتا ہے جو لوگ اس اصول سے زندگی بسر کرتے ہیں انکو دنیا کے نشیب و فراز اور سرد گرم پر کچھ نظر نہیں ہوتی اگر مل لیا کھائی کر دشیوں کی طرح لیٹ رہے اگر نہ ملا تو جیکھ مانگ کر یا کسی اور طرح گذار لیا

او کی نظر میں دن اس واسطے چڑھتا ہے کہ بیٹ بھر کر کہاں اور پر نہیں اور رات اس واسطے  
 پڑتی ہے کہ سرے سے سوئیں کر ڈٹ اس وقت بدلیں کہ جب دن چڑھ جائے۔  
 ان کو اپنی آمدنی اور خرچ اور ضرورتوں پر کچھ نظر نہیں ہوتی اور نہ وہ سوسائٹی کے  
 شرائط اور پابندیوں کو خیال میں لاتے ہیں اور نہ اپنی ذاتی طاقتوں سے جی طرح  
 کام لیتے ہیں۔ اگر ان کو اصول مباشرت کا لا بعقل حیوانوں کے اصول معاشرت سے  
 مقابلہ کیا جائے تو کچھ فرق نہیں نکلا اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ تم دنیا میں  
 اس واسطے آئے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ کھانے پینے اور جاگنے سونے کے واسطے  
 ایسے لوگوں کو صرف صورت ظاہری کے اعتبار سے آدمی کہا جاتا ہے ورنہ اصل  
 ان کی ذات میں کوئی بات آدمیت اور انسانیت کی نہیں پائی جاتی۔ بعض حیوان  
 ناطق ہوتے ہیں۔ باقاعدہ زندگی سے وہ زندگی مراد ہے کہ جس کے اصول بقاعدہ  
 زندگی کے اصولوں سے متاثر اور جدا ہیں اور جن سب سے بڑا یہ اصول ہے کہ انسان  
 کو دنیا میں رکھ کر صرف کھانے پینے سونے جاگنے بنسنے رونے بیٹھنے اوٹھنے لیٹنے کو  
 بے زندگی کا نتیجہ نہ خیال کرنا چاہیے بلکہ ان ضرورتوں کو زندگی کے قایمی کا وسیلہ  
 اور ذریعہ گردان کر تمدن نفس اور شائستگی خیالات اور زمانہ کے سر و گرم اور نشیب  
 فراز اور مقدم و موخر کے معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان اصولوں اور  
 قاعدوں کو اپنا طریق عمل بنانا چاہیے کہ جس کے ذریعہ سے سوسائٹی میں زندگی بسر  
 کی جاسکتی ہے باقاعدہ زندگی بسر کرنے کے اصولوں کے لحاظ سے انسانِ نیا  
 صرف کھانے پینے کے واسطے نہیں سمجھا گیا بلکہ اس واسطے کہ دنیا میں بہک نیک اور متا  
 اور اچھی باتوں کو حاصل کرے اور دائمی اور دور اندیشی سے اپنی ضرورتوں کو انجام  
 دے اب بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی نچا ہے۔ جو لوگ باقاعدہ  
 زندگی بسر کرتے ہیں وہ کھانے پینے سونے جاگنے بیٹھنے اوٹھنے سے محروم اور محتر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ان ضروریات کو دانائی اور قاعدہ سے انجام دیتے ہیں ایک حکیم آدمی کھاپی کر حکیم کہلاتا ہے اور عورت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اوس کا جاہل سمجھائے بیٹ بھر کے کھاتا ہے مگر اوسکو نہ تو کوئی حکیم کہتا ہے اور نہ اوسکی زندگی عورت کے ساتھ گذرتی ہے وانا لوگ اوسکو ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ جیسے اسی حیوانات کو دیکھتے ہیں تو حکیم فٹش اور جاہل آدمی ایک ہی صورت اور ذیل ڈول کے ہوتے ہیں یہ فرق صرف اس واسطے پڑ جاتا ہے کہ ایک آدمی زندگی کو باقاعدہ بسر کرتا ہے اور دوسرا بیقاعدہ اگر دوسرا بھی باقاعدہ بسر کرتا تو اوسکے سر پر بھی عزت اور حکمت کا مبارک تاج مرصع رکھا جاتا جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ دنیا میں رکھ کر انسانوں کو باقاعدہ زندگی بسر کرنی چاہیے تو اب ہم اس امر کے اظہار کی اجازت مانگتے ہیں کہ باقاعدہ زندگی بسر کرنے کے واسطے مرد اور عورت دونوں کا وانا اور محتاط اور دور اندیش اور مدبر اور فہیم اور بردبار ہونا لازم ہے جب تک یہ دونوں سرے برابر نہ ہوں گے تب تک کوئی کام بھی پورا نہ او ترے گا اگر مرد وانا مدبر محتاط عقل مند دور اندیش ہوا اور عورت بالکل جاہلہ اور عدہ بدہوشی تو مرد کی دانائی اور تدبیر اور اسے کیا فائدہ دے گی۔ ہاں اگر دونوں طرفین ایسی ہی ہوں تو بھر سب کچھ ہو سکتا ہے ہندوستان کے لوگ اپنی عورتوں کو تعلیم دینا معیوب خیال کرتے ہیں اوسکے خیال میں عورتوں کو دانائیت اور پڑھنے کے کوئی ضرورت نہیں ہے ہندوستان میں کیا یہ خیال واقعہ کے مطابق نہیں ہے ہم اوپر کی سطروں میں اس امر کو ثابت کر چکے ہیں کہ باقاعدہ زندگی بسر کرنے کے واسطے دونوں فریقوں یعنی مرد و عورت کا اسی اور تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے جیسا خداوند کریم نے مردوں کو علم حاصل کرنے کے واسطے اور عورتوں کو حاصل کرنے کے واسطے عطا کیے ہیں۔ ایسا ہی عورتوں کو حاصل ہونا چاہیے مردوں کو علوم کے حاصل کرنے اور فنون کے سیکھنے کی ضرورتیں ہیں ایسا ہی عورتوں کو جیسا

مردوں کو خانگی ضروریات کے رفع کے واسطے عقل اور علم کی ضرورت ہے ایسا بھی مردوں  
 جیسا کہ لکھن کو والدین پر اپنی تہذیب اور شائستگی کے حاصل کرنے کے حقوق حاصل ہیں  
 ایسا ہی بچاری لڑکیوں کو۔ جیسا کہ انہوں نے طبعی طور پر مردوں کو فکر و غور کا مادہ اور  
 قوت خیالیہ قوت حافظہ قوت تمیز و قوت ذہنیہ اور عقل عطا کی ہے ایسا ہی مردوں  
 کو یہ قوتیں عطا کی گئی ہیں جیسا کہ مردوں کو دوا نگہین اور دوا بخار اور دیگر علاج  
 بخشے ہیں ایسا ہی عورتوں کو حاصل ہیں انھیں طبعی سامانوں اور قوتوں سے مردوں  
 و فضل حاصل کر کے عزت اور بزرگی کی ڈگری لیتے ہیں اگر عورتوں کو یہ کچھ دکھایا جا  
 تو وہ بھی انھیں طبعی سامانوں اور قوتوں کے زور سے مردوں کی طرح عالمہ اور فاضلہ  
 بنکر لالیقہ اور مدبرہ بن سکتے ہیں مردوں و فضل حاصل کر کے اگر گھروں کی ضرورتوں  
 اور کاموں کو انجام دیتے ہیں تو عورتیں بھی انھیں کی طرح اپنے متعلقہ فرائض کو  
 شائستگی اور دانائی کے ساتھ پوری کرتے رہیں گے گھروں میں بہت سے ایسے کام ہوتے  
 ہیں کہ جنکو مرد انجام دے ہی نہیں سکتے اور اگر دین بھی تو انہیں خرابی پڑ جاتی ہے  
 جبکہ عورتیں جزو رس اور اپنے گھر کی خیر خواہ ہوتی ہیں اس قدر مرد نہیں ہوتے  
 عورتوں کو باوجود بے علم ہونے کے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ ان کی خانگی ضروریات  
 کے پورے کرنے کے وسائل ہر وقت گھر میں احاطہ کے ساتھ جمع رہیں اور وقتاً  
 فوقتاً کام آئیں۔ گھر کی صفائی اور اخراجات اور حفاظت کا جبکہ عورتیں بہت  
 کر سکتی ہیں مردوں کو وہاں تک رسائی ہی نہیں جس گھر کی عورت دانا اور مدبرہ  
 ہوتی ہے اس گھر کے مرد کو خانگی ضروریات کے پورا کرنے کی اصلاح نہیں ہوتی  
 همان آتے ہیں اور عورت خود بخود ہی ان کی خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا  
 انتظام کر دیتی ہے مرد کا کام صرف کھانا دینا ہوتا ہے مرد ہر جاتے ہیں تو عورتیں اپنے  
 مرد کی کمائی کو نہایت تنگ دستی اور کفایت سے خرچ کرتی ہیں اور گھر کی عزت پر خیال کرتی

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں کے نسبت عورتیں زیادہ ترکفایت شمار ہوتی ہیں۔ اگر اونکو علمی طاقتیں حاصل ہوں تو نہایت عمدگی سے کفایت شمار ثابت ہوں تاکہ جب کسی قدر اونکی کفایت شعاری میں بے ترتیبی اور کمزوری پائی جاتی ہے تب یہ اونکی علمی کا نتیجہ اور اثر ہی اگر کسی قدر علم پڑھ جائیں تو اونکی کفایت شعاری سے مردوں کو بہت فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ابتدائیں اولاد کی محبت اور اُلفت خاص کر بہت مردوں کے عورتوں سے زیادہ ہوتی ہے شاید اسکا یہ باعث ہو کہ اولاد ابتدائی عمر میں زیادہ تر اپنی ماؤں کے پاس رہتی ہے خواہ کچھ ہی سبب ہو اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدائی عمر کے حصوں میں اولاد کو اپنے ماؤں سے بہ نسبت باپوں کے زیادہ تعلق اور اُنس ہوتا ہے۔ جب ابتدائی عمر میں اولاد کو ماؤں سے زیادہ ترجیح اور اُلفت ہوتی ہے تو قبول کرنا پڑتا ہے کہ ماؤں کے اخلاق اور خیالات اولاد کی طبیعتوں میں خوب زور سے موثر ہوتی ہوگی اور ماؤں کے کئے سنے کو اولاد اچھا خیال کرتی ہوگی یہ بات مان لی گئی ہے کہ انسان کے اخلاق اور خیالات اسی حالت میں اچھے ہو سکتے ہیں کہ جب اوسکو علمی طاقتیں حاصل ہوں۔ اس سے ہم استدلال کرتے ہیں کہ اگر عورتوں کو تعلیم دیا جاسے تو اولاد کو اونکی صحبت میں رہ کر خرد و محضائے کا موقع مل سکتا ہو اور اگر برخلاف اسکے عورتیں جاہلہ اور نا تعلیم یافتہ ہوں تو اولاد کے بگڑ جانے اور خراب ہونے کا خطرہ اور احتمال ہے کیونکہ جیسے اچھے خیال اور نیک اخلاق موثر ہوتے ہیں ایسے ہی برے اخلاق اور مذموم خیالات کا اثر ہو سکتا ہے جیسا جاہل اور بے وقوف مردوں کی صحبت اولاد کو خراب کر سکتی ہے ایسا جاہلہ عورتوں کی صحبت میں اثر ہے۔

بچوں کی طبیعت میں ترقی کا مادہ ایسا ہی موجود ہوتا ہے جیسا کہ کسی گٹھلی میں عاقلانہ اور نادر درخت کے ہو جانے کا مادہ اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اگر اوس گٹھلی کو کوئی



وانا بنام عمدہ طور پر لگائے تو اس سے ایک اچھا تندر اور بچہ دار درخت پرورش  
 پا کر خاندانہ پہنچا سکتا ہے اور اگر اس گھسلی کو کوئی بیوقوف اور نا تجربہ کار باغبان بچے  
 سے لٹائے تو بچہ سے ایک تندر درخت ہونے کے کہا و بجا نیکی اس سطح پر اگر بچوں کو  
 ابتدائیں ہی تعلیم یافتہ ماؤں کے ذریعہ سے تربیت ہونی شروع ہو تو وہ بھی کسی روز کو  
 ایک آپن معقول اور عورت واسے بن سکتے ہیں اور اگر جاہلہ اور بے وقوف ماؤں کی  
 صحبت میں رہیں تو گھسلی کی طرح خراب اور ابتر حال ہو جائیں گے گھسلی کی کہا تو کہتے کے  
 کام آجاتی ہے بگڑے ہوئے بچے کسی کام بھی نہیں آتے البتہ اپنے خاندان اور بچے  
 اسلام کی رسوائی اور بدنامی کا ضرور موجب بن جاتے ہیں۔ جو عورتیں تعلیم یافتہ  
 اور ہمدرد ہوتی ہیں ان کی اولاد اور بچے تعلیم یافتہ اور غیر ہمدرد عورتوں کے بچوں  
 اور اولاد سے کئی دیرے اچھے ہوتے ہیں تعلیم یافتہ عورتوں کی اولاد اور بچے بہت  
 ترقی پا کر ممتاز اور معزز بن جاتے ہیں آپ بھی آرام اور خوشی میں رہتے ہیں اور  
 ماؤں باپ اور دیگر اقربا اور بزرگوں کو بھی آرام میں رکھتے ہیں اس امر کو مانتا  
 ہوں کہ غیر تعلیم یافتہ عورتوں کی بھی اکثر بچے لائق اور متمتعین ہو گئے ہیں مگر یہ بات  
 عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کو کمزور نہیں کرتی کیونکہ غیر تعلیم یافتہ عورتوں کے اکثر بچے  
 کا تعلیم یافتہ ہونا یہ بات ثابت نہیں کرتا کہ ان کو ابتداً عمر میں ماؤں کی تربیت اور  
 تعلیم کی ضرورت نہ تھی ماؤں کا تعلیم یافتہ ہونا اولاد کی تربیت اور بہتری کے واسطے ایک  
 عمدہ ذریعہ ہے جو اور عمدہ ذریعوں کے انفی نہیں کرتا مگر چونکہ یہ ابتدائی اور نوثر ذریعہ  
 ہے اس واسطے اولاد کے واسطے اسکی بہت ضرورت ہے۔

جب ہم عورتوں کی پیدائش پر خیال کرتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں  
 کی پیدائش سے ایک یہ بھی مقصود اور غرض ہے کہ اوقات فرصت میں مردوں کے  
 واسطے دل بہلانے اور جائز عیش و عشرت اور ہر محبت کا باعث ہوں یہ بات ان

لیکنی ہے کہ دل بھلانے اور جائز عیش و عشرت اور مہر و محبت کے واسطے عورتوں کا  
 عقیدہ اور دانا ہونا ضروری ہے اگر عورتیں زیر عقل اور دانائی سے آراستہ اور  
 میراستہ نہ ہوں گی تو مردوں کے دل بھلانے کے بجائے ایک کراہت اور نفرت کا  
 سامان بن جائیں گے بہت مرد محض اس واسطے اپنے چال و چلن کو بگاڑ دیتے ہیں کہ ان کے  
 لازمی رفیق ایسے سنگوہہ عورتیں بالکل کندہ و ناتراش اور جاہلہ ہوں تو یہ نہیں بچیں  
 کلام کرنے کا طریقہ آتا ہے اور نہ گفتگو و بول چال کا سلیقہ صرف کہانا پینا اور گونا  
 ہی جانتی ہیں جب شوہر گہرا آتا ہے تو بیوی صاحبہ کے ماتھے پر سوسوہل پڑتا ہے  
 نہ کلام نہ نرمی اور نہ گفتگو میں ملامت جاتی بلتی روٹی کھائی اور خود بدولت  
 چولہے کے ارد گرد طواف کرنے لگ گئے گھر کا مالک پڑے بہاڑ میں اونکا چولہا سٹا  
 رہے ذرا کچھ سلیقہ والی ہوں تو چپکے سے بیٹھیں کیلچ چار پائی پر آلیٹی - اور جو اس  
 زیادہ ہوں تو ساس نند کی سدا کہانی لے بیٹھی - ہاں کلمنٹوم کے باپ میں تو تیری  
 ہاں کبھو نہ رہو گی تیری سگے بہن صغرائے ہمیشہ تبھان کہتی رہتی ہے تیری بوڑھی  
 اماں بھی اوسیکا ساتھ دیتی ہے بس جگر نہ رکا اکل صبح نر کے ترکے ہی ڈولی  
 کر اور میں سیکے جلی جاؤ گی میان بیچارے نے چپکے سے کھاری بھلی مانس کچھ سچوچ  
 تو سہی بس گلے کا مار ہو گی میں آج فیصلہ کر کے ہی روٹی کھاؤں گی یا تیری اماں  
 اور بہن سہی گی اور یا میں رہو گی - بیچارے میان بھیا چھوڑ کر خدا خدا کر کے  
 باہر نکل آئے - ایک روز پنڈت صاحب جو کتھا کر کے گھر رسوائی کمانے گئے تو کیا  
 دیکھتے ہیں کہ پنڈت صاحبہ اٹھوائی کٹھوائی لیے پڑی ہیں آپ نے ہست گئی ہو چھا  
 اکین غیر تو ہی پوچھنا کیا تھا بلا میں گرفتار ہو گئے پنڈت صاحبہ نے وہ بی نظیہ صلوہ میں  
 اسلو میں کہ پنڈت صاحب کو کتھا دیتا سب بھول گئی جان کے لالے پڑ گئے شوہر  
 سنکر اپنے پرانے سب کٹھنے ہو گئے کہ سنکر پنڈت صاحب کی خلاصی کرائی جب

عورتوں کا یہ حال ہے تو پہر بھلے مانس چاک والے گھر جائیں یا نہ جائیں اگر عورتوں کا  
 علم سکھایا پڑھایا جاوے تو وہ عقلمند ہو کر اپنے خاوندوں کے واسطے ایک عمدہ چکر  
 جائز عیش و عشرت اور دل بہلانے کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ ارباب نشاط کو  
 تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں مگر کس قدر اونچیں شائستگی ہوتی ہے جس پر کمزور خیال کے آدمی  
 فوراً فدا اور لٹو ہو جاتے ہیں افسوس، اونکے نا تجربہ کار نظر اونکی ظاہری شائستگی  
 پر ہی پڑتی ہے اگر وہ اونکے اندرونی کثافتوں اور خباثتوں اور برائیوں اور عیوب  
 کو دیکھیں تو کبھی بھی اونکے دام تزدیر میں نا تجربہ کار طائر دل کو نہ پھنسا ئیں۔  
 افسوس اگر گھر کی منکوحہ عورتیں لالچہ اور شائستہ ہوں تو لوگ اس مصنوعی اور  
 ملمع کی شائستگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر جان دیکر قاطع انسل کیوں نہیں۔  
 ارباب نشاط کے پاس جانے سے صد ہا لوگ تو قاطع انسل ہو گئے ہیں اور صد ہا  
 امراض مستعد یہ ہیں جھنڈے عریض نہان کھو چکے ہیں اور صد ہا لوگوں کی خانہ بربادی  
 ہو گئی ہے اس میں کسی کا کیا قصور ہے، جو ٹھیکے سو کا ٹھیکے اگر عورتیں شائستہ اور  
 لالچہ ہوں تو اس قدر خرابی اور باتری کیوں ہو ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ عورتیں ہتھیار  
 اپنے خاوندوں کے وزیر کا رتبہ رکھتی ہیں جیسا وزیر کے مدبر اور داماد ہونے سے  
 بادشاہ کی طبیعت رستی اور صداقت اور سعادت کے مرکز پر قائم رہتی ہے ایسا ہی  
 عورت کے دانا اور لالچہ ہونے سے خاوند کی طبیعت صلاحیت اور رنگینی کی طرف  
 مائل رہتی ہے دو چار گھڑی تک رفیق دانا کے پاس رہنے سے انسان کی طبیعت میں  
 عمدہ باتوں اور نیک کاموں کا جوش پیدا ہو جاتا ہے اگر ساری عمر کا رفیق دانا اور  
 مدبر اور لالچہ ہو تو دوسری جانب کو کیوں نہ فائدہ پہنچے۔ عورتیں تو بالکل  
 بیوقوف اور جاہلہ ہوتی ہیں اونکی بے سلیقہ باتوں کا مردوں کے دلوں میں کب  
 اثر ہوتا ہے جب مرد اونکو بات کرنے کے ہی قابل نہیں سمجھتے تو پھر اونکی نصیحتوں کو

کب قبول کرتے ہیں نصیحت بھی اوس وقت موثر ہوتی ہے کہ جب منصف ناصح کو کوئی شے  
 سمجھتا ہو جب منصف ناصح کو اپنے سے بھی گیا گذرا سمجھے تو پھر اثر کیا ہوتا ہے خاک  
 لوگ کوشش کیا کرتے ہیں کہ سفر میں جو چند روز کے واسطے ہوتا ہے کوئی ایسا رفیق  
 ملے جو دانا اور لائق اور یرودبار ہو افسوس ہم اوس رفیق کی بابت جسے ہمارے ساتھ  
 ساری عمر بھر غمی اور خوشی نقصان اور فائدہ کا حصہ دار بنتا ہے چند روز کے سفر  
 جتنا بھی خیال نہیں رکھتے۔ وہ کیا رفیق ہے جو ہمیشہ آمدہ معاملات اور امورات  
 میں اسے صائب دینے کی بھی قابل نہ ہو وہ کیا رفیق ہے جو صرف کھانے کے  
 چٹے ہو وہ کیا رفیق ہے جسکو بات تک کرنے کا بھی سلیقہ نہ ہو وہ کیا رفیق ہے جو  
 ہمارے ساتھ رہ کر جو انون کی طرح زندگی بسر کرتا ہو وہ کیا رفیق ہے جو گھر اور اولاد  
 بھی انتظام نہ کر سکتا ہو وہ کیا رفیق ہے جو ہماری رفاقت کا فائدہ صرف روٹی کھانا  
 اور کھلا دینا ہی سمجھتا ہو وہ کیا رفیق ہے کہ جسکو ہمارے حقوق کی بھی خبر نہ ہو وہ کیا  
 رفیق ہے کہ جو اپنے حقوق سے بھی واقف نہ ہو وہ کیا رفیق ہے کہ جو عارضی طور پر ہمارا  
 ہمدرد اور خیر خواہ ہو وہ کیا رفیق ہے جسکو دنیا و مافیہا سے مطلقاً آگاہی نہ ہو وہ  
 کیا رفیق ہے جو یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اگلے رہ کر زندگی کیونکر اور کن اصولوں پر بسر  
 کرنی چاہیے۔ وہ کیا رفیق ہے کہ جو اسے ہمدردی اور رفاقت کے ہمیشہ چھوٹی  
 چوٹی باتوں پر ہمارے ساتھ لڑتا بڑھتا رہے۔ وہ کیا رفیق ہے کہ جو نہ ہمارا  
 تابعدار ہو اور نہ ہمارے بزرگوں کا وہ کیا رفیق ہے کہ جب کوئی ممتاز اور شریف  
 آدمی ہمارے ملنے کے واسطے آوے تو وہ اسکی معمولی خیر گیری اور خاطر واری سے  
 بھی درگزر کرے وہ کیا رفیق ہے کہ جو ہماری خیر حاضری میں کسی کام کا بھی نہ رہے  
 وہ کیا رفیق ہے کہ جو ہمارے واسطے صادق مددگار اور سچے خیر خواہ کا رشتہ نہ رکھے  
 وہ کیا رفیق ہے جو ہمیشہ ایمان میں ایمان لائی جاوے وہ کیا رفیق ہے جو ہمکو مری

باقون اور ناقص خیالات اور محبوب اخلاق سے منکرے ساری عمر کا رفیق وہ چاہئے  
 جو ہمارے واسطے ہر طرح سے مفید ہونہ وہ جسکے وجود سے مجا سے فائدہ ون کے نقصان  
 اور ضرر پہنچیں۔ عورتیں ہماری ساری عمر کی رفیق ہین ایسے ہمین مناسب ہے کہ  
 اوکمل لائقہ اور شائستہ بنانے میں دل سے سعی اور کوشش کریں۔ بعض لوگوں کا  
 مقولہ ہے کہ اگر عورتوں کو پڑھایا جائیگا تو وہ خراب ہو جائیں گے مردوں کی برابری  
 کرینگے گہروں میں بسنا اور خنیں شکل ہو جائیگا۔ لکھتا پڑھنا اونکی خرابی کا ایک حل  
 ذریعہ جائیگا۔ ہمارے خیال میں لوگوں کا یہ مقولہ صداقت سے بعید و علم ایسی  
 نہیں ہے کہ اوسکا حاصل کرنا حاصل کرنے والے کے حق میں ضرر اور نقصان رسا  
 ثابت ہو علم صرف اوسلے پڑھایا لکھایا جاتا ہے کہ پڑھنے اور سیکھنے والے پڑھیکہ  
 دانا اور عقیل اور شائستہ اور تہذیب بن جائیں جیسا مردوں کے واسطے علم کا پڑھنا  
 یا سیکھنا مفید ثابت ہوا ہے ایسا ہی عورتوں کے واسطے اگر علم کا تو خاصہ ہی ہے  
 کہ دانائی اور عقیل اور تہذیب اور شائستگی کو ترقی بخشنے آہین مرد و عورت کی کوئی خصوصیت  
 نہیں ہے البتہ جن لوگوں کی طبیعتیں قدرتا ہی خراب واقعہ ہوئی ہین وہ متاثر ہے  
 نہیں ہوتے عورتوں پر کیا موقوف ہے مرد بھی شہدے پچھے چھٹے ہوئے نکل آئے  
 جسکی طبیعت موزون اور قابل ہوگی وہ ضرور علم حاصل کر کے دانا اور عقیل اور تہذیب  
 بن جائیگا خواہ عورت ہو اور خواہ مرد ہو جب ہم اس امر کو مان چکے ہین کہ علم بڑا مفید  
 ہے تو پھر اوسکو ایک شوق کے واسطے غیر مفید قرار دینا اپنے قول کی تکذیب کرنا ہے  
 عورتیں علم پڑھ کر خراب نہیں ہو سکتی ہین اگر یہی بات ہو تو چاہیے کہ ان پڑھ عورتیں  
 اس خراب سے پاک صاف ہون کر ہم تو دیکھتے ہین کہ ان پڑھ عورتوں میں جھگڑائی  
 پائی جاتی ہے پڑھی ہوئی عورتوں میں اوسکا عشرہ عشرہ بھی نہیں۔ پڑھی ہوئی عورتیں  
 اول تو اپنے مردوں کی برابری کرتی نہیں اور اگر کبھی غلطی سے کر بھی بیٹھتی ہین تو نہ اوس

کہ حقیقتاً ان بڑے عورتیں کرتی ہیں جیسے بے علمی خرابی کا ذریعہ بن سکتی ہے ایسی علم  
 نہیں بن سکتا علم پڑھنے کی حالت میں تو عیب کرنے کے وقت عیب کی برائی معلوم  
 ہو سکتی ہے لاکن یہ علمی کی حالت میں عیب کو صواب سمجھا جائیے عیب کو عیب جانکر  
 کرنا اور بات ہے اور عیب کو صواب سمجھ کر کرنا اور بات ہے۔ جو شخص عیب کو عیب  
 جانکر کرتا ہے وہ اسکو کبھی نہ کبھی چھوڑ دیگا اور اسکو اسطرح پر کرے گا کہ حتی المقدور  
 کسکو بھی خبر نہ ہوگی اور کہنے سننے پر اس کے ارتکاب سے ہٹ جائیگا۔ لاکن جو آدمی  
 عیب کو صواب سمجھ کر کرتا ہے وہ اسکو چھوڑ نہیں سکتا اور نہ محفوظ طور پر کرتا ہے اور نہ  
 اپنی غلطی پر متنبہ ہوتا ہے دیکھو ان پڑھ اور پڑھے ہوئے کی حالت میں کتنا فرق ہے کیا یہ  
 حالت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے حق میں علم کا حاصل کرنا نقصان دہ  
 اور ضرر نہیں ہے بلکہ سراسر مفید انسان کی طبیعت میں یہ رغبت پائی جاتی ہے کہ وہ ان  
 امثال پر غور کرتا ہے جو اس کے موافق ہوں اور ان امثال کو نظر انداز کر جاتا ہے جو ناموافق  
 ہوں انسان کا امثال موافق کی طرف رغبت سے غور کرتا اور امثال ناموافق کو نظر انداز  
 کر جاتا اسوقت زیادہ تر مضبوط ہو جاتا ہے کہ جب اس کے ساتھ متضد طبیعت اور تقلید  
 رسوم شامل ہو جائے لوگ ان عورتوں کے خراب عادات اور طریق عمل کو جو بڑھی  
 ہوئی ہوتی ہیں نہایت شوق اور اعتبار سے دیکھتے اور سنتی ہیں اور انکو اپنی دعویٰ  
 کے اثبات کے واسطے ایک عمدہ دلیل قرار دیتے ہیں اور برخلاف اس کے ہزاروں ایسے  
 شالین کہ جن سے بڑھی عورتوں کی فضیلت اور صداقت اور نیکی اور وسعت خیالی اور پاکیزگی  
 اور شائستگی اور شرافت ثابت ہوتی ہے نظر انداز کر جاتے ہیں ایسی شالون اور زندہ  
 نظیروں پر اگر کبھی غور بھی کرتے ہیں تو شاید وہ اندر لکھ کر اپنے دعویٰ کو قائم رکھتے ہیں  
 مقصد اور متضد طبیعت اور رسوم کی تقلید یا خاص قسموں کے مزاج بھی سچی شالون کے  
 مشابہہ سے روکتے ہیں عاشق اپنے معشوق میں بچہ اچھائی اور بھلائی کے عیب

اور برائی کہ ہرگز نہیں دیکھ سکتا گوئی لحدت عشق کی ذات بھی سے خالی نہیں ہوتی  
مگر عاشق بباعث عشق اور محبت مفرط کے اوسکے عجبوں کو بھی صواب سمجھتا ہے چونکہ  
لوگوں کو عورتوں کی تعلیم سے ایک نفرت اور کراہت ہو گئی ہے اس واسطے پڑھی ہوئی  
عورتوں کی ایک اتفاقی اور ذرا سی لغزش کو بھی ایک دلیل بنا لیتے ہیں مگر ان پڑھ عورتوں  
کی صد ہا خرابیوں اور کمزوریوں کی طرف مطلقاً نظر نہیں کرتے جس نظر سے خواندہ  
عورتوں کی ذرا سی اور اتفاقی لغزش پر نکتہ چینی کرتی ہیں اگر اسی نظر سے ناخواندہ  
عورتوں کی خرابیوں اور کمزوریوں کو دیکھیں تو خواندہ اور ناخواندہ عورتوں کی حیثیت  
میں آسانی سے تمیز ہو سکتی ہے ہم اس امر کا صداقت سے اقرار کرتے ہیں کہ خواندہ عورتیں  
بھی بعض اوقات خراب اور کمزور خیال نکل آتی ہیں مگر اس خرابی اور کمزوری کا باعث  
علم کا حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ وہ بے ترتیبی ہے کہ جو علم کے پڑھنے میں جائز  
اور روا رکھی جاتی ہے اگر اچھے اصولوں اور معقول تربیت کے ساتھ عورتوں کو تعلیم کیا  
تو کیوں خرابیاں پیدا ہوں عورتیں تو ذرا نازک اور کمزور مزاج ہوتی ہیں اگر مردوں  
کو بے ترتیبی سے تعلیم دیجائے تو وہ خراب ہو جاتی ہیں افسوس ہم اپنی غلطیوں اور  
لغزشوں پر فکر اور غور نہیں کرتے اور لمے علم کو کوستی ہیں جب ہم نینو ہی مضبوط  
اور ختہ نہیں رکھتے تو اوپر کی عمارت گرنے کا کیوں افسوس کرتے ہیں جس عمارت اور  
مکان کے کمزور نینو ہوگی وہ ضرور گر پڑے گا اگر ہلکے عمارتوں اور مکانوں کے گرنے کا  
افسوس ہے تو نینو کو ختہ اور مضبوط رکھنا چاہیے اگر معقول تربیت سے عورتوں کو  
ضروری ضروری تعلیم دیجائے تو بلا شک وہ ہی فوائد حاصل کر سکتے ہیں جنکی بنیاد پر تعلیم  
دیجاتی ہے اور اوس طرح پر عورتیں ہمدرد اور لایق بن سکتی ہیں کہ حیطہ درمحل  
حاصل کر کے بن جاتے ہیں اور اگر بُرے اور کمزور اصولوں پر تعلیم دیکر بہتری کی امید  
اور توقع رکھیں تو یہ ایک وہم اطل اور خیال فاسد ہے بڑے اصولوں اور کمزور

قاعدون کی تاثیر میں کبھی مفید اور اچھی ثابت نہیں ہوتی، علیٰ ہذا القیاس اچھی اور مفید قاعدوں کے نتیجے کبھی معیوب اور برے ثابت نہیں ہوئے۔

اوپر کی سطروں میں بالعموم عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کو بیان کیا گیا ہے اب ہم بالخصوص صغیر سن لڑکیاں کی حالت کو ذکر کر کے انکے والدین کو تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں ہمارے ملکی بچائیوں کے صغیر سن اور خرد سال لڑکیاں عام اس سے کہ وہ عرفاً شریف ہوں یا رذیل اپنی اوس عمر اور عہد و نزوات کو جسمین وہ ہر ایک قسم کا کمال اور بہتر پیدا کر سکتے ہیں اپنی والدین کی عدم توجہی اور لا پرواہی سے لہو و لعب میں برباد اور رایگان دیتے ہیں ہمارے بچائیوں کے خرد سال اور صغیر سن لڑکیوں کے حصص زندگی میں کوئی ایسا وقت اور حصہ نہیں آتا کہ جسمین انکے والدین انکو کسی بہتر اور کمال کے حاصل کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں ان بچاریوں کی ساری عمر گورڈوں کے کھیلنے اور مصنوعی گہر بنانے میں ہی صرف ہو جاتی ہے حیف صد حیف انکے واسطے کوئی دن نہیں چڑھتا کہ جس دن میں انکے والدین اور وارث انکو چرخہ کا تنے کے سوا کسی اور کام پر بھی متوجہ کریں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملکی بچائیوں کے صغیر سن لڑکیاں چشم بدور و زہین اور فہیم بھی ہوتی ہیں اگر انکو کسی علم اور فن کے حاصل کرنے پر لگایا جاوے تو وہ بہت جلدی اوس فن میں کمال حاصل کر سکتے ہیں اور مردوں کی طرح صاحب علم اور فن بن سکتے ہیں مگر افسوس انکی ذہانت اور عقل خدا واد کا بادہ انکے والدین کی لا پرواہی سے گورڈوں کے کھیل اور چرخہ کے ارد گرد صرف ہو جاتا ہے اگر انکو چرخہ کا تنہا اور چکی پسینا اور ہنڈیا کا بچانا لگے تو سب کچھ آگیا ہمارے ملکی بچائیوں کو از بس ضرور اور مناسب ہے کہ اپنی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو جب تک عمر اور وقت حصول کمال کے واسطے ایک عمدہ وقت ہی تحصیل علوم اور فنون کی جانب مایل کریں اور انکو مختصر طور پر ایسے ایسے دو چار فن سکھادیں کہ جیسے



وہ اپنے وقت اور عمر کو عمدہ طرح سے بسر کریں اور شکوہ دل سے دعا میں دین میں بہ  
 نہیں کہتا کہ تم اپنی لڑکیوں کو عالمہ فاضلہ بناؤں تو یہ یک رہا ہوں کہ حتی المقدور  
 کچھ علم ہی سکھاؤ اور ساتھ ہی اوسکے کوئی فن سکھاؤ جب ہمارے ملک میں مختصر  
 طور پر تحصیل علوم کا شوق پیدا ہو جائیگا تو پھر خود بخود عہدین عالمہ اور فاضلہ بننے  
 طیار ہو جائیگی۔ اسے بجائیو کیا ہندوستان میں کوئی ایسی دستکاری نہیں  
 ہے جسکو تمہاری لڑکیوں اور تمہاری عورتیں سیکھ سکیں کیا کوئی ایسی علم نہیں ہے  
 جو تمہارے خورد سال لڑکیوں کے حصہ میں رکھا گیا ہو۔ کیا تمہاری لڑکیوں کو خدا نے  
 عقل نہیں دی کیا نرے لایعقل ہی ہیں۔ تو یہ تو یہ ہمارا کیا مقصد ہے کہ بدیہات سے  
 انکار کریں کیوں نہیں ایک چھوڑ کر سزا روں اور لاکھوں فن ہیں کہ جسکو صنعتیں  
 لڑکیوں ایک عمدگی اور آسانی سے حاصل کر سکتی ہیں انہیں خدا نے عقل اور فہم کا  
 ادھ بھی عطا کر رکھا ہے یہ ہماری ہی کج فہمی اور ہٹ دھرمی ہے کہ اپنی لڑکیوں کو  
 علم پڑھانا اور فن سکھانا معیوب خیال کرتے ہیں ورنہ قدرت نے ہر ایک طرح سے  
 انکو تحصیل علوم اور فنون کے لائق پیدا کیا ہے جب ہمارے ملک کی لڑکیوں کی  
 شادی ہو جاتی ہے تو بعد شادی کے انکی حالت زار اس وجہ اور نمونہ کے  
 بن جاتی ہے کہ دیکھ دیکھ کر رونا آتا ہے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔  
 سچ ہے کہ ایسی شادی اونکے حق میں وبال جان سے کم نہیں ہوتی باعث اس  
 تکلیف اور مصیبت کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکیاں باعث جاہل اور احمق ہونے کے  
 اپنے اصول زندگی کو اچھی طرح سے قابو میں نہیں لاتی اور ادھر سے حضراتِ دانش  
 صاحب بھی چشم بد دور کر کے خاصہ شیخ چلے کے بھائی ہوتے ہیں دوسروں کی  
 کے ہٹنے سے خوب گراؤں پہنچتی ہے اور دوسرے یہ کہ عموماً ہمارے ملک کی لڑکیوں کی  
 شادی چھوٹی عمر میں کی جاتی ہے بالوں کہو کہ والدہ کے پیٹ سے نکلتے ہی طرفین

یہ کہ ڈوم اور برآں کے وساطت سے کئی پیریشادی غمی کا نمونہ ہو یا نہ ہو اور کیا  
 بیجا یہی گھبراہٹیں نہ تو اور کیا کریں اگر کوئی فن آتا ہو تو اسی میں لگے ہیں عالمہ ہوتے  
 تو کتب ہی کا مطالعہ کر کے اپنا دل پسلا میں مگر ادھر سے تو مطلع صاف پہنچا  
 نہ پیشین تو کیا کریں۔ جب ہمارے ملک کی اردو نگین اکیلی اور تنہا کسی گوشہ میں  
 بیٹھتی ہیں تو یوں نوحہ کرتی ہیں اے آسمان تو نے ہمارے اوپر کیوں غلام کیا تو  
 ہمارے طوطے کے مصائب اور نواب کیوں دکھایا ہے کیا شکوہ رحم نہیں آتا کہ  
 جانیں اور دل اتنی مصیبتوں اور سختیوں کی کیونکر برداشت کر سکتے ہیں و احسن  
 مارتے ہیں اور اونچا ہاتھ کر کے آسمان کو بلبل ہند میر حسن کا شعر پڑھ کر سناتے ہیں  
 ۵ فلک تو نے اتنا ہنسایا نہ تھا کہ جسکے عوض یوں رولانے لگا جب ہمارے  
 صدمہ یکم سے کوئی جواب نہیں پاتیں تو ناچار ہو کر زمین کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔  
 کہ اے زمین کیا تو ہماری نازک اور سخت حالت کو دیکھ کر کچھٹ نہیں جاتی اے زمین  
 خدا کے لیے شوق ہو جا کہ ہم تجھ میں سما جاوین اور ان مصیبتوں سے خلاصی پاوین  
 جب زمین بھی کوئی جواب نہیں دیتی تو اپنے گرد اگر دیواروں سے رو رو کر یوں  
 کہتے ہیں۔ اے دیوارو ہماری سرورں پر گر کر چور ہو جاو ہم ان سختیوں اور مصیبتوں  
 کو جو ہمارے نازک دلوں اور جانوں پر حملہ کر رہے ہیں برداشت نہیں کر سکتیں۔  
 جب سب طرف سے عالم سکوت دیکھتے ہیں اور کوئی عجیب نہیں پاتیں تو چشم پر آب  
 ہو کر اپنے خالق کی درگاہ مقدس میں یوں گویا ہوتی ہیں۔ کہ اے ہمارے خالق  
 اور اے ہمارے خدا دیکھ ہمارے چھوٹے چھوٹے دلوں اور جانوں پر کیسی سختی  
 ہی ہیں کوئی نہیں کہ ہمارے بلاؤں سے رہائی بخشنے ہاں ایک تو یہی ہے کہ ہمیں رحم  
 فرماوے۔ اے ہمارے ملکی بھائیو کیا تمہارے کالوں میں اپنی عزیز لڑکیوں کے  
 نوحہ اور رونے کی آواز نہیں آتی کہ تم انکی بہتری کا بند و بست نہیں کرتے ہاے

کیسے سخت دل اور بے رحم ہو اپنی لڑکیوں پر بھی رحم نہیں کرتے وہ دن مبارک ہوگا کہ جب ہمارے ملک کی مبارک لڑکیئیں یورپین کی لڑکیوں کی طرح زیور علوم اور اہل بیتوں پہنکر تہذیب اور شائستگی کی کرسی پر جلوس فرما ہوں گی۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ لڑکوں کی تعلیم اور تدریس سے تو والدین کو یہ فائدہ ہوا کہ والدین کو ان سے بڑا پے مین کئی قسم کی مدد اور اعانت پہنچے گی اور ان سے ضروری ضروری خدمات لین گے لڑکیوں کی تعلیم سے والدین کو کیا فائدہ ہے جب ان کی شادی بیاہ ہو جائیگا اپنے اپنے گھر وں میں جا بیٹینگے اسے حضرات ذرا ادھر متوجہ ہوئے اگر آپ لوگوں کا ہی قول مدور نانا جاوے تو پھر لازم آتا ہے کہ لڑکیوں کو سب حقوق و محروم رکھا جاوے حالانکہ لڑکوں کی طرح والدین کی طرف سے حقوق ادائی کیے جاتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک حق میں لڑکیوں کو محروم کیا جاوے کیا قدرت نے فتوا لگا دیا ہے کہ لڑکیئیں تحصیل علوم سے محروم رکھی جاوے یا قدرتی معنی نے حکم دیدیا ہے کہ اناث کو تہذیب اور شائستگی کی کچھ حاجت نہیں والدین پر جیسا ذکر کا حق ہے ایسا ہی اناث کا بلکہ ایک طرح پر اناث کا حق زیادہ ہے ذکر تو ہمیشہ والدین کے پاس ہی رہینگے اور ان کے مال اور جائداد پر قابض اور تصرف ہونگے اور اناث نکاح کے بعد اپنے شوہر اور سسرال کے گھر چلے جانے کو باعث سے والدین کی جائداد سے بالکل محروم ہو جائینگے اگر والدین اپنی ہوتے انکو شائستہ اور مہذب بنا دینگے اور نفیہ رفیدہ فلول اور نہر سکھاوین گے تو اناث کے حق میں یہی بڑی جائداد اور مال سمجھا جائیگا اور وہ تمام عمر اپنی پیاری اور عزیز والدین کے دل سے ممنون اور شکر رہینگے۔

جب لڑکے سات آٹھ سال کی ہوتے او سکے واسطے کوئی پنکنت اور شائستہ عورت ہم پہنچا جائے جو او سکے مادی علوم سے واقف اور ماہر کرے مگر چونکہ اس ملک میں عورات مہذبہ اور علمہ کا ملنا عتقا کا حکم رکھتا ہے اسلئے مناسب اور بہتر ہے کہ اگر لڑکے کو والدین

یا بجائی بند تعلیم یافتہ اور مذہب ہون تو وہی اپنے طور پر اسکو تعلیم دین اور اگر کوئی  
 نہیں ہے تو کوئی نیک بخت پرہیزگار مرد مقرر کرنا چاہیے جو ایک شائستگی اور نیکو  
 پڑھائے۔ لڑکیوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں داخل کرنا لازم ہے جنکے منہ  
 مطالب اخلاقی تعلیمات سے ملتے جلتے ہوں اور جن میں فحش اور غلط الفاظ  
 مثل معراج المستورات اور مرآت العروس اور ہادی النساء اور مجالس النساء  
 پر لازم ہے کہ وہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی پرائیویٹ طور پر تربیت کرتے رہیں۔  
 انکو ایسے ایسے اخلاق اور اطوار کا پابند اور خوگیر بنا دیں جنہیں انکو اپنی شائستگی  
 بنانے اور اپنی عصمت اور عفت قائم رکھنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔ معلمہ یا علم  
 پر لازم ہے کہ جہاں لڑکیاں پڑھتی ہوں اچانکہ میں کسی غیر آدمی کو داخل نہ دیوے اور  
 لڑکیوں کو لڑکوں کی طرح کیسل کو دیکھنے کی اجازت دینی چندان ضروری نہیں ہے۔  
 جب لڑکیاں مبادی علوم سے فراغت پائیں تو انکو مفید و مفید علوم کے تحصیل پر  
 چاہیے جنہیں انکے عقول اور زبان کو ترقی اور جلا ہو مگر ہر ایک علم میں ہی لحاظ رہنا  
 کہ اس میں کوئی بات اخلاقی اور مذہبیہ کے خلاف نہ ہو۔ یہاں تعلیمات ضروری ضروری  
 علوم سے فراغت پانچکین تو انکو کسب فنون کی طرف لگانا لازم ہے لاکن لڑکیوں کو  
 وہ فنون سکھانے چاہئیں جو فی زمانہ مروج اور موزون ہوں ہمارے ملک میں انات  
 جو جو فنون اور ہنر سکھانے جاتے ہیں ان سب کا آخری نمبر چرچہ اور چکی ہے اصل میں  
 پوچھو تو یہ دونوں ہنر بہانم کے ہنر ہیں سے ہیں۔ آٹا پیسا اور سوت کا تھکا کا کام  
 یورپ میں کلون سے لیتے ہیں اور ہمارے ملک میں عورتوں سے مخصوص ہے فنون اور  
 ہنروں کے سیکھنے کا تہ ہی امرا اور فائدہ ہے کہ جب ان ہنروں اور فنون کے تعلیم  
 اور تاشیرت خاطر خواہ پیدا ہوتے ہوں اور جنکے اہل زمانہ قدر و منزلت کرتے ہوں۔  
 چکی اور چرخہ کچھ ہنر ہیں سے ہنر نہیں ہیں یہ آخری نمبر کی مزدوری اور محنت ہے

کر سکتا ہوں کہ اگر کوئی انڈین عورت کچھ علم پڑھ جاتی ہوگی تو وہ ضرور ان ابائی  
 ہنرمون سے متنفر ہو جاتی ہوگی سوزن کاری اور چکن کا ہنر اگرچہ اب بھی ہندوستان  
 میں پائا جاتا ہے مگر منزل کی حالت میں ہی اب تک اس میں کس طرح کی ترقی اور رونق  
 و سکون غیر ملک کے لوگ پسند کرتے ہیں میرے نزدیک اگر اسی ہنر کو تحصیل عامہ کے بعد  
 ہندوستان کی لڑکیوں کو سکھایا جاوے تو بہت رونق پکڑ سکتا ہے جب سے شہر  
 ن لیڈی ہو بڑا صاحبہ نے ہندوستانی لڑکیوں کے واسطے اس میں ہندو ہنر کو  
 در ترقی دی ہے اور دم سے ہندوستان کی لڑکیوں نے اس فن میں خوب  
 پیدا کی ہے چنانچہ ان کے ہاتھوں کے نکالے ہوئے روال لندن اور برلن تک  
 بے چین اور جنگی تعریف کی گئی ہے ہندوستانی عورت میں اکتسابِ فوٹن کا مادہ  
 ہے اور وہ ہر یک طرح سے اپنے آپ کو شائستہ اور تعلیم یافتہ بنا سکتے ہیں مگر  
 یہ ہے کہ اونا دھند اور بغضِ باتوں کی تحصیل اور اکتساب میں لگا رہی نہیں جاتی  
 ہندی لوگوں کی ایک ستمہ عادت ہے کہ اپنی بیوی لڑکیوں کو اس میں لگنے کی ہمت  
 نہ دے اور ماہر نہیں کرتے وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنی لڑکیوں کو خانگی  
 بات کے انصرام میں متوجہ کرینگے تو اس سے ہمارے برادری اچھوٹے ہوں گے اور  
 ہیں کہ اگر ہم لڑکیوں کو کھانا پکانا وغیرہ سکھائینگے تو بدنام ہو جائینگے علی لوگوں کی  
 غلطی ہے لڑکیوں کو کھانا پکانا سکھانا عیب اور طعنہ کی بات نہیں تاج سے  
 ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امیرزادہ اور بادشاہوں کی عورتیں کھانا پکانے میں استاد  
 انسان کے حیاتی حصص ایک اسی حالت اور صورت پر قائم نہیں رہتے زمانہ کی آمد  
 سے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے فرض کرو کہ اگر کسی امیر پر زمانہ نے ہاتھ مٹا کیا تو اس  
 میں اگر اوسکو اور اوسکی عورت کو کھانا پکانے تک بھی نہ آتا ہوگا تو اوسکی عورت  
 کو کیا کچھ گونہ پہنچے گا ہندوستان کے امیر اور دولت مند لوگوں کو یہ ہے کہ ہماری

رہ لیکن اور عورتیں کس غرض کے اصول کے واسطے ہنر اور فن سیکھیں خدا نے سب کچھ  
 دیا ہے لو ٹڈیوں خوامین سب کچھ کر سکتی ہیں اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے گی قیمتاً بازار  
 سے سٹو لینگے امیران ہندوستان کا یہ خیال نہایت کمزور اور لغو خیال ہے ہنر اور  
 فن اور علوم عورات کو اس واسطے نہیں سکھائے جاتے کہ وہ محتاج اور کنگال ہیں  
 القاب فنون اور تحصیل علوم سے صرف اتنی ہی غرض ہے کہ انکے خیالات ہمہ گیر  
 شائستہ بنادین اور شکل اوقات پر انکو فنون اور علوم سے اعانت اور مدد پہونچے  
 انصیر الدین جو ایک بڑا اولی العزم بادشاہ ہو چکا ہے اسکی عورت علاوہ عالم ہونے کے  
 فنون اور ہنرون میں کامل دستگاہ رکھتی تھی کھانا خوب پکاتے تھی ہماری حضور علیہ  
 وکلتورہ یاقیصر ہند کو انکی والدہ ماجدہ ڈچس آف کنٹ نے چھوٹی عمر میں اپنی شوہر کے  
 انتقال کے بعد اپنے طور پر پڑھایا سکھایا اور سب سے پہلے اپنی خانگی ضروریات اور  
 انتظامات سے آگاہ کیا تاکہ زمانہ کے انقلاب میں کوئی وقت اور مشکل پیش نہ آوے  
 ملکی لوگوں کو لازم ہے کہ زمانہ کے انقلاب اور کچ رفتار یوں پر دھیان کر کر اپنی عورت  
 لڑکیوں کو خانگی ضروریات سے ضرور واقف اور آگاہ کر دیا کریں لڑکیوں کے قسین  
 یہ طرز عمل نہایت مفید اور مفیض ہے یہ نہیں کہ اس طرز عمل سے خاصہ عورتوں کو  
 فائدہ ہو اگر ہم غور سے دیکھیں گے تو اقرار کریں کہ اس سے مردوں کو بھی سہولت اور  
 آرام اور آسائش ہوتی ہے وہ مرد کہ جسکے عورت پر ایسے انتظامات میں کامل اور  
 ناما مل ہے کبھی خوشی اور آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکا اگرچہ وہ اپنے گھر سے صد  
 میل پر بیٹھا ہو مگر تب بھی اسکے ولین شب و روز اپنی عورت کی بے اعتدالیوں پر  
 ناقص کار رویوں کا کھٹکا لگا ہی رہتا ہو گا برخلاف اسکے وہ مرد کہ جسکی عورت پر ایسے  
 ضروریات کے انعام میں جربستہ اور کامل ہو نہایت آرام اور راحت میں رہتا ہے اگرچہ  
 اپنے گھر سے صد ماوس پر ہو اسکے ولین کی طرح کا کھٹکا اور خوف نہیں ہوگا۔ والدین

لازم ہے کہ لڑکیوں کو ابتداً عمر میں ہی کفایت شعاری سے مانوس اور مرغوب بنادین  
 اگر لڑکیاں ابتداً سے ہی کفایت شعاری کی خوگر اور عادی ہو جائیں گی تو اپنی اختیاری  
 زمانہ میں نہایت خوش اسلوبی اور آرام سے رہیں گے اور انکی پرائیویٹ کاموں کے طریق  
 ٹھیک ٹھیک رفتار پر چلا کر رہیں گی۔ والدین پر لازم ہے کہ اپنی لڑکیوں سے ایسی تربیت  
 اور لڑکیوں کو دور رکھیں جنکی عادات اور اخلاق مذموم اور محبوب ہوں کیونکہ اگر لڑکیوں  
 کو ایسی لڑکیوں اور عورتوں سے مانوس رکھا جائیگا تو انکے پاکیزہ طبائع میں اپنے  
 ہم صحبتوں کی طرح برعادات گہر کر جائیں گی یہ بات تجربہ سے حاصل ہو چکی ہے کہ عورت  
 کی طبائع نہایت سٹلون ہوتے ہیں انکے دلوں پر ہم جنسوں اور ہم عمر دن کی باتیں  
 بڑی جلدی سے موثر ہوتی ہیں والدین کو ہر ایک امر میں حکیمانہ نگرانی رکھنی چاہیے  
 ہندوستانی لوگ لڑکیوں کے پیدا ہونے سے بہت ناخوش ہوتے ہیں اس لیے  
 پہلے زمانہ کے لوگ باوجود عقید اور دانا ہونے کے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی گانگوٹھ  
 ارڈالتے تھے (دختر کشی کی رسم اگرچہ پہلے دنوں میں لکس پنجاب میں بڑی کثرت سے  
 تھی مگر اب بالکل نیست و ابود ہو گئی ہے یہ قانون کا طویل ہے) ابکی ہندوستانی  
 اگرچہ لڑکیوں کو جان سے تو نہیں مارتے مگر تب بھی بعض بعض لوگ لڑکیوں کی پرورش  
 اور تربیت سے نفرت کرتے ہیں اور انکو بہت لڑکوں کے کم چاہتے ہیں اپنے  
 سخت دل لوگوں کی لڑکیوں کی زندگی بہائم اور حیوانات کی طرح بسر ہوتی ہے وہ لڑکی  
 جو ایسی نکلتے اور بوسے خیالات میں مبتلا ہیں انکو جاننا چاہیے کہ خداوند کرم  
 اس مکروہ فعل سے خوش اور راضی نہیں ہے قانون قدرت سے جیسا لڑکوں کو  
 والدین پر عہدہ پرورش اور عقول تربیت کی ذمہ داری حاصل ہے ایسا ہی لڑکیوں کو  
 لڑکیوں نے کون سے گناہ اور قصور کیا ہے جبکہ بولے اون بیچاروں سے نفرت  
 اور کراہت کیجاتی ہے بیشک اوس روز کہ جب ہر ایک آدمی کا اعمال نامہ کھولا جائے گا

اور جسدن ایسے سخت دل لوگوں سے لڑکیوں کی بابت ان الفاظ سے سوال ہو گا کہ -  
 (بائی ذنب قتلکت) ان مظلوم اور زیادتیوں کی سزا میں لینگی - والدین پر لازم کیا  
 الزم اور اسب ہو کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں اور لڑکوں کو طبع  
 ادنیٰ تربیت اور تعلیم میں ساعی رہیں - سطور بالا میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم  
 اور تربیت کا بالاختصار ذکر ہو لیا ہے اگرچہ مناسب تھا کہ جداگانہ دونوں نمبروں  
 تعلیم کے تعلقات شادی وغیرہ کا ذکر کیا جاتا مگر چونکہ نہایت مختصر میں ذکر اور امانت و دلوز  
 شامل ہیں اس لحاظ سے تیسرے نمبر میں دونوں کا بالاشتعال ذکر کیا جاتا ہے -

### نمبر سوم

جب ہم انسان کے طبعی خاصوں پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو بطبع  
 عورت کی طرف میلان اور رغبت ہے اور علیٰ ہذا القیاس عورت کو مرد کی طرف یہ میلان  
 اور رغبت کسی خاص حصہ یا کسی خاص ملک کے لوگوں اور خاص قسم کے مزاج اور حالت  
 والوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلعموم ہر ایک آدمی میں (خواہ وہ کسی ملک اور  
 قوم اور کسی حالت اور مزاج کا ہو) پائی جاتی ہے - بزرگوں اور حکیم منشی اور فلاسفوں  
 کی ذات میں بھی یہ خاصہ پایا جاتا ہے اور عام لوگوں اور جاہل آدمیوں میں بھی موجود  
 ہوتا ہے اگرچہ بعض لوگ اس خاصہ کے استعمال اور اظہار سے پرہیز کرتے اور حسی مقلد  
 بچتے ہیں اور بسا اوقات اونکے پرہیز اور احتراز کامل اور با اثر ہی نظر آتا ہے مگر اس  
 ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ انسانوں کے بعض افراد اس خاصہ سے خالی اور پاک صاف ہیں  
 ایک خاصہ کا یا طبع انسانوں میں پایا جانا اور بات ہے اور اس سے احتراز کرنا اور بچنا  
 اور صورت ہے - ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ خاصہ بعض لوگوں کی طبیعتوں میں موجود ہی نہیں  
 ہوتا تو یہ وہ اس سے اپنے آپ کو بچاتے کیوں ہیں جو خاصہ اونکی طبیعتوں میں موجود  
 نہیں اس سے بچنا اور ڈرنا فضول ہے ایسے لوگوں کی نسبت اور لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ



کہ انھوں نے اس خاصہ کو اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے جب ان کی طبیعتوں میں اس خاصہ کا نام نشان نہیں تھا تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ اس خاصہ کو اپنے قابو میں کرتے ہیں۔ قابو میں وہ ہی شے رکھی جاتی ہے جو موجود ہو جو شے موجود نہ ہو اس کو قابو میں کیا کہ مناسب ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ خاصہ طبعی نہیں ہوتا بلکہ کسی اور جو خاصہ کہتے ہیں اس لئے بھی انسانوں کو بطور حفظ و اتمام کمال کے اس واسطے انسانوں میں سے بعض انسان اس لئے پرہیز اور احتراز کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ قول درست اور ٹھیک نہیں ہے خاصہ مذکور بلا شک طبعی اور فطرتی ہے طبعی خاصہ دو قسم میں ہوتے ہیں ایک خاص اور ایک عام۔ خاص تو وہ ہیں کہ سارے انسانوں میں یکساں طور پر نہیں پائی جاتی جیسے طبع اور ذہن ہر انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے مگر یہ خاصہ سارے انسانوں میں یکساں طور پر نہیں پایا جاتا کوئی زیادہ ذہین اور طبع ہوتا ہے اور کوئی کم اور کوئی اوس سے بھی کم۔ عام خاصہ وہ ہیں جو یکساں طور پر سارے انسانوں میں پائے جاتے ہیں جیسے ہونا انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے اور یکساں طور پر سارے انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہنسنا انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے اور یکساں طور پر سارے انسانوں میں پایا جاتا ہے انہیں خاصوں کی طرح مرد کا عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی طرف میل اور رغبت کرنا ایک عام خاصہ ہے سارے انسانوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض انسان اس عام خاصہ کو مضبوطی سے روک لیتے اور اس کے استعمال اور اظہار سے کلی طور پر پرہیز اور احتراز کرتے ہیں سو یہ ایک دوسری صورت ہے اس سے خاصہ مذکور کے وجود طبعی کے نفی نہیں ہو سکتے فی حقیقت ایک شے کا پایا جانا اور ہونا اور بات ہی اور اس کے اظہار اور استعمال کو روک دینا اور صورت ہے۔ اس بات کو مان لیا گیا ہے کہ حرارت زیادہ ہوتی ہوتے آخر کار پانی کی بجائے بن جاتی ہے۔ اور یہ کہ برت گرم ہوتی ہوتے جب ۳۲ درجے

حرارت پر پہنچ جاتی ہے تو اس کا پھر پانی بننے لگتا ہے۔ پانی کا خاصہ ہے کہ بہت گرم کرنے سے بجا پ بن جاتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس برف کا خاصہ ہے کہ ۳۲ درجے کی حرارت پر پہنچ کر پانی بننے لگتی ہے اگر کوئی شخص پانی کو بہت گرم نہ کرے اور یا برف کو ۳۲ درجے کی حرارت پر نہ پہنچائے اور اس سبب سے پانی بجا پ نہ بنے اور برف پانی نہ بنے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی میں بجا پ بننے اور برف میں ۳۲ درجے کی حرارت پہنچ کر پانی بننے کی قوت اور خاصہ موجود نہیں ہے پانی میں بجا پ بنتے اور برف میں پانی بننے کی قوت اور خاصہ تو موجود ہے مگر اس کو اظہار کو روک دیا گیا ہے جو علیحدہ بات ہے جس سے پانی اور برف کی قوت اور خاصہ نہ کوئی نفعی نہیں ہو سکتی جب یہ بات مسلم اور ثابت ہے کہ بالطبع مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف رغبت اور میلان ہے اور کوئی انسان اس خواہش سے خالی نہیں تو اب ہم اس بات کو جملانا چاہتے ہیں کہ یہ طبعی خاصہ کس طبقہ پر استعمال ہوتا ہے آسکتا ہے جیسے ہم اس خاصہ کے طبعی ہونے کے قائل ہیں ایسی ہی ہو سکتا ہے اس بات کا اقرار ہے کہ اس خاصہ کے اظہار اور عمل میں لانے کے بہت سے طریق اور اصول ہیں جنہیں سے بعض طریق اور اصول تو معقول اور فائدہ بخش اور عمدہ ہیں اور بعض غیر معقول اور نقصان رسان اور ضرر ہیں ان اصولوں اور طریقوں میں سے بعض اصول اور طریقے تو قوم یا ملک کی رسموں کی بنیاد پر موضوع ہیں اور بعض اصولوں اور طریقوں میں مذہبی اور اعتقادی باتیں اور شہائد اور پابندیان ملی ہیں جو کہ ان اصولوں اور طریقوں میں قومی ملکی اور مذہبی قہدین اور رسمیں اور پابندیان مل جل گئی ہیں اس واسطے ایک ملک قوم فرقہ اور مذہب والے کے اصول اور طریقے ہر ایک بات میں ملکر اور مقابلہ نہیں کر سکتے کچھ نہ کچھ فرق رہتا ہے البتہ بعض اصول اور طریقے ایسے ہیں کہ جو عام طور پر ہر ایک قوم اور ملک میں پائے جاتے مگر جو کہ اوپر خاصہ مذکور کو استعمال

اور عمل میں لائے گا کلی مدار اور انحصار نہیں ہے اس واسطے اور انکی مطابقت کو ایک ایک خاص اور جزوی مطابقت کہا جاتا ہے جس رغبت اور سیلان کو پہنے اور پہنے جملوں میں طبعی خاصہ قرار دیکر بیان کیا ہے اسکو دنیا میں بالعموم دوح پر استعمال کیا جاتا ہے ایک شرع یا قانون کی حمایت میں اور دوسرے شرع یا قانون کی حمایت سے باہر ہو کر پہلی قسم کو عقد یا شادی یا نکاح یا جائز سیلان اور رغبت کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا نام زنا کا رکے یا ناجائز سیلان اور رغبت کہتے ہیں۔ دوسری قسم میں تمام کہنے اور والدین اور دیگر اقربا اور عزیزوں اور قانون یا شرع کی رضا مندی نہیں ہوتی اور نہ اور عزیز اور اقربا وغیرہ اس رغبت اور سیلان کو اچھا اور جائز سمجھتے ہیں پہلی صورت میں مرد اور عورت کی طبعی سیلان اور رغبت کے ساتھ شرع اور قانون اور دیگر متعلقین کی رضا مندی اور اجازت شامل ہوتی ہے دونوں صورتوں میں جانین کی رغبت اور سیلان پایا جاتا ہے پہلی صورت میں سیلان اور رغبت کو جائز طور پر اور قانون قدرت کے موافق استعمال کیا جاتا ہے اور دوسری قسم میں ناجائز طور پر ظاہر کیا جاتا ہے اگر یہ کہا جاسکے کہ ناجائز رغبت اور سیلان کے بہت سے لوگ اور عہدین واقف باجاءت ویدیہ ہیں جیسے کنچنپون کے والدین اور وارث اسکا یہ جواب ہے کہ گواہی بل فرقوں کے لوگ اپنے لڑکیوں کو ناجائز رغبت اور سیلان کی اجازت دیدیتے ہیں مگر اس اجازت دینے پر دل سے راضی اور خوش وہ بھی نہیں ہوتے چھائی کے تقاضا سے اگرچہ اپنی لڑکیوں کو ناجائز سیلان اور رغبت کی اجازت دیدیتے ہیں مگر دل میں ہمیشہ کراہت رہتے ہیں یہ لوگ ایک قسم کی غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور جب غلطی پڑ جاتی ہے تو ایسے لوگوں پر اسکا دور کرنا دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے اس فرقہ کے لوگ اپنی بہوؤں یعنی اپنے لڑکوں کی منکوحہ عورتوں کو پرورد نہیں رکھتے ہیں اور انکے عصمت اور عفت کے واسطے طور پر

نکیرانی اور مخالفت کرتے ہیں اور اپنے لڑکوں کو جائز طور پر قانون یا شرع کی حیثیت میں لا کر بہاتے ہیں اس طریق عمل سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو جی جائز میلان اور رغبت منظور ہے جس رغبت اور میلان کے ساتھ قانون یا شرع اور لوگوں کی رضامندی اور اجازت نہیں ہوتی وہ انسان کی طبعی جذبولں اور قانون قدرت کی بھی موافق نہیں ہوتا۔ انسان کی طبیعت میں یہ خیال فطرتاً پایا جاتا ہے کہ لوگ اسکی حالت اور اعتبار پر اعتراض اور نکتہ چینی نہ کریں اور اسکی ذات میں کوئی عیب نہ نکالیں انسان طبعاً چاہتا ہے کہ اور لوگ مجھے نیک کہیں اور سیری تعریف کریں ناجائز رغبت اور میلان میں انسان کی اس طبعی خاصہ کو کمزور یا حاصل ہو کر نقصان پہنچتا ہے اور بجائے نیک کہن اور تعریف کرنے کے لوگ اسکا بدنامی کرتے ہیں اس سے یہ ثابت ہوا کہ ناجائز میلان اور رغبت ایک قدرتی خاصہ کے مخالف ہے اور جو شے یا حالت قدرتی خاصوں کے مخالف ہو وہ قانون قدرت کے مخالف ہوتی ہے جب کسی شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کے مقابلہ میں اس قسم کا ناجائز میلان اور رغبت ظاہر ہوتی ہے تو اس وقت بالعموم جانبین کے حقوقین اور متعلقین کے دلوں میں (اگرچہ وہ بھی اپنی زندگی میں ایسے ناجائز میلان اور رغبت کے مرتکب ہو چکے ہوں) ایک قسم کی نارضامندی اور کراہت و نفرت پیدا ہو جاتی ہے بعض دفعہ تو یہ ناجائز میلان اور رغبت کشت و خون کا باعث بن جاتی ہے حدوث کراہت اور ظہور نفرت سے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا میلان اور رغبت انسان کی طبعی خواہشوں اور جذبولں کے خلاف ہے انسان طبعاً چاہتا ہے کہ ایسا نہ ہو جب اس قسم کا میلان اور رغبت انسان کی طبعی خواہشوں اور جذبولں کے خلاف ہوئی تو ماننا پڑتا ہے کہ ناجائز میلان اور رغبت قانون قدرت کے موافق نہیں ہے اسکے مقابل میں اگر ہم دوسرے قسم کی رغبت اور

میلان کے آثار کو دیکھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ عموماً انسانی خواہشیں اور جذبات  
 اور سکول پسند کرتی ہیں اور انکی بابت کسی قسم کی نفرت اور کراہت ظاہر نہیں کی جاتی اگر یہ  
 کہا جائے کہ انسان میلان اور رغبت کے پہلی قسم کو اوسط پسند کرتا ہے کہ اسکو  
 بالعموم تمام انسان تسلیم کر چکے ہیں اور دوسری قسم کو اوسط پسند کرتا ہے کہ اسکو  
 تمام انسان تسلیم نہیں کرتے اگر پہلی قسم کی طرح اس مترک قسم کو بھی انسانی چٹنیں  
 تسلیم کر لیں تو یہ اور اسکو بھی پہلی قسم کی طرح قبول کیا جاسکتا ہے اس خدشہ کا  
 ہم یوں جواب دیتے ہیں کہ انسانی جماعتوں نے پہلی قسم کے میلان اور رغبت کو  
 منظور اور تسلیم اور دوسرے قسم کی میلان اور رغبت کو نامنظور کیا ہے اوسط  
 ہے کہ ایک طبع کی خواہشوں اور جذبول کے موافق ہے اور دوسرا موافق ایک کے  
 ساتھ قانون قدرت موافقت رکھتا ہے اور دوسرے سے ناموافق۔ جو میلان  
 اور رغبت ناجائز اور قانون قدرت اور انسانی خواہشوں اور جذبات کے مخالف ہے  
 اسکی بابت تو ہم اس کتاب کے کسی دوسرے نمبر میں بحث کریں گے اس موقع پر  
 صرف جائز اور قانون قدرت اور انسانی خواہشوں اور جذبات کے موافق رغبت  
 اور میلان کی نسبت بیان کرتے ہیں جس میلان اور رغبت کو ہم قانون قدرت اور  
 انسانی خواہشوں اور جذبات کے موافق اور جائز قرار دیتے ہیں اس کے اصول  
 اور طریق بھی آپس میں مختلف اور متفاوت ہیں یہ اختلاف اور تفاوت کچھ تو مذہب  
 کی پابندیوں کی رو سے ہے اور کچھ قومی یا ملکی رسموں کے اعتبار سے۔ جو اختلاف اور تفاوت  
 مذہب کی پابندیوں کی رو سے ہے وہ ایک ایسا اختلاف اور تفاوت ہے کہ  
 میلان اور رغبت مذکور کی حالت کو چند ان مضر نہیں بناتا اور نہ کوئی بڑی تبدیلی  
 کرتا ہے البتہ جو اختلاف اور تفاوت قومی یا ملکی رسموں کے اعتبار سے ہے اس سے  
 میلان اور رغبت مذکور کی حالت میں بہت کچھ تبدیلی واقع ہوتی ہے اور وہ تبدیلی

اوس سیلان اور رغبت کو بجائے مفید بنانے کے مضر اور نقصان رسان بنا دیتی ہے ایسا تک قوموں میں اس رغبت اور سیلان کی بابت اکثر اس قسم کی باتیں اور اصول پائے جاتے ہیں کہ جو تجربہ سے نقصان رسان اور غیر مفید ثابت ہوئے ہیں قدرت نے اس عمدہ سیلان اور جائز رغبت سے جو فائدہ سوچا تھا وہ ان اصولوں سے بالکل کمزور یا دور ہو جاتا ہے اور اسکا اثر قریب قریب ناجائز سیلان اور رغبت کے جارہتا ہے ہم اون باتوں اور اصولوں میں سے صرف چند باتوں اور اصولوں کو پیش کرتے ہیں اور جملہ تھے ہیں کہ اونکو کس طرح پر کام میں لایا جاتا ہے اور کیونکر کام میں لانا چاہیئے۔

جب مرد اور عورت کا جائز طور پر لینے عام رضامندی اور شریع یا قانون کی حمایت میں سیلان اور رغبت ہوتی ہے تو اسوقت اسکو شادی یا عقد یا نکاح کے نام سے موسوم کرتے ہیں شادی نام ایک عمدہ کام ہے جس میں یا تو بالکل معاشہ و دنیا ہوئے ہیں یا کچھ دنیوی اور کچھ دینی البشاک قوموں میں اس ضروری عہد کو سب سے پہلے باندھا جاتا ہے کہ اوس سے بجائے حصول فائدہ اور آسائش و آرام کی طرح طبع کے نقصانات اور قسم قسم کے مصیبتوں اور بدناسیوں کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ اس عہد کے باندھنے میں اگرچہ غلطیاں تو بہت کجائی ہیں مگر ہم چند غلطیوں کو بالاختصار بشروار بیان کرتے ہیں۔

### پہلی غلطی

اوپر کی سطروں میں ہم اس امر کو بالتفصیل بیان کر آئے ہیں کہ مرد کا عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی جانب رغبت اور میل کرنا ایک قدرتی یا طبعی امر ہے بلحاظ اس امر کے کہ مرد عورت کا دو طرفہ سیلان اور رغبت ایک طبعی خاصہ و لازم اور ضروری تو یہ تھا کہ اس رغبت اور سیلان کو مرد اور عورت کے شریع یا قانون یا عام

رضا مندی اور اجازت کی حمایت میں آکر اپنی رضا مندی اور خوشی سے ظاہر کرتے  
 اور دوسرے لوگوں کو صرف اس قدر تصرف اور دخل ہوتا کہ مرد اور عورت اوس رغبت  
 اور میلان کو ناجائز طور پر نہ ظاہر کریں ایسا تک قوموں میں بجائے اس معقول اور  
 عمدہ اصول کے یہ رسم پڑ گئے کہ والدین پر اس میلان اور رغبت کا انجام دینا یا  
 پورا کرنا فرض اور واجب سمجھا جاتا ہے والدین خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس رسوم  
 کو اپنے جیتے جی پورا نہ کیا تو ملک و قوم ہلکے پڑے اور نالائق خیال کر لگی۔ چونکہ والدین  
 اپنے خیال میں اپنے بچوں کی شادی کرنے کو ملکی یا قومی رسم کے بموجب فرض اور واجب  
 جانتے ہیں ایسے اوس فرض کے پورا کرنے کے واسطے یہ طریق اختیار کرتے ہیں کہ اپنے  
 چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہی بیاہ دیتے ہیں والدین تو اپنے خیال میں ننھے بچوں کو  
 بیاہ کر سُرخرو ہو جاتے ہیں مگر اصل میں دیکھو تو نہ وہ آپ سُرخرو ہوتے ہیں اور  
 نہ اونکے بچوں کو اوس سُرخروی سے کوئی فائدہ پہونچتا ہے۔ جب چھوٹی عمر میں بچوں  
 کی شادی کر دی جاتی ہے تو وہ شادی اونکے حق میں ایک سخت پابندی اور بیوقوفی  
 بوجھ کا اثر پیدا کرتی ہے غریب بچے اوس بوجھ کے تلے ایسے دبے جاتے ہیں کہ بہر  
 ساری عمر اونکو ہوش نہیں لینے ملتے جس زمانہ میں اونکو دلہن یا دولہہ بنایا جاتا ہے  
 وہ زمانہ اونکی ترقی حاصل کرنے اور لائق بننے کا ہوتا ہے۔ جب اونکا بیاہ کیا جاتا ہے  
 تو وہ ایک بیوقت بوجھ کے تلے دب کر ترقی حاصل کرنے اور لائق بننے سے رہ جاتے  
 ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا اصلی طریق بیاہ کر لینا ہے اونکی  
 طبیعتوں میں گو ترقی حاصل کرنے اور لائق بننے کا مادہ موجود ہوتا ہے مگر چونکہ اونکو  
 ہوش سنبھالتے ہی وہ کو جہ دکھایا جاتا ہے کہ جو ایک تجربہ کار بندہ دیکھنا چاہیے  
 سو اسے اونکی طبیعتیں پُر مردہ اور کال کست ہو کر ترقی حاصل کرنے اور لائق  
 بننے سے رہ جاتے ہیں۔ ترقی حاصل کرنے اور لائق بننے کے واسطے طبیعتوں کا فضا

اور چیت و چالاک ہونا ضروری اور لازمی ہے اور چھوٹی عمر میں بیاہ کرنے سے طبیعت کی صفائی اور جسمی بالکل اُڑ جاتی ہے جن بچوں کے چھوٹی عمر میں شادی کر دی جاتی ہے جب وہ کچھ ہوش سنبھالتے ہیں تو ان کو دنیا میں آسائش اور آرام سے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے ایک تو اسوجہ سے کہ بے ہنر یا نا تعلیم یافتہ ہونے کے سبب سال معاش اور معاش کے پیدا کرنے سے محروم اور غاری ہوتے ہیں اور ایک اسوجہ سے کہ مرد کا عورت کے ساتھ اتفاق اور محبت نہیں ہوتی اور عورت کا مرد سے اتفاق نہیں ہوتا دونوں مرد عورت گھر میں غیر دل کی طرح رہتے رہتے ہیں زہر کو خانہ دہی کے اصول یاد ہوتے ہیں اور نہ عورت کو عورت کے طریق حسن معاشرت سے واقف ہوتی ہے اور نہ مرد - وحشیوں کی طرح ایک اسوجہ پر ہے کہ زندگی کے دن کاٹتے ہیں مرد کا عورت کے ساتھ اور عورت کا مرد کے ساتھ جائز میلان اور رغبت کے وسیلہ سے متفق ہو کر رہنا اسی صورت میں مفید ثابت ہوتا ہے کہ جب مرد اور عورت دونوں کی ذاتی حالت اچھی اور مضبوط ہو - جب مرد اور عورت کی شادی کر دی جاتی ہے تو ان کو گھر والے کہتے ہیں گھر کے چلانے کے واسطے لازم ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے اخلاق اور طبیعت اور حالات اور خیالات صاف اور اچھے اور نیک اور مضبوط ہوں انسان کی طبیعت مضبوطی نیکی صفائی سخاوت اور لیاقت کے مرکز پر اسی صورت میں قائم ہوتی ہے کہ جب ابتداء میں ہی اسکی درستی اور اصلاح شروع ہو جاوے جب انسان اور مشکلات میں بچھن گیا تو پھر اسکی طبیعت کا درستی اور اصلاح پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے اگر ہم ایک ہری ٹہنی کو خشک ہونے میں دین تو اس میں جو مڑ جانے کی طاقت پائی جاتی ہے وہ خشک ہونے سے مقصود اور معدوم ہو جائیگی اور پھر اس کا سواڑنا مشکل ہو جائیگا بچوں کی طبیعتیں بیشک جلاں اور زمین ہوتی ہیں مگر بچپن کی شادی انکی جولانی اور ذہانت کو گھن کی طرح کما جاتی ہے - علم طب کی رو سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اگر مرد اور عورت



چھوٹی عمر میں ہی بیاہے جائیں اور ایک دوسرے سے مخصوص ملنا جلتا کرین اور ان کے  
 دماغی اور دلی طاقتیں بہت کست اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ان کے ذہن خراب اور ان کے  
 عقلیں سبھدی اور ان کے خیالات کمزور اور ناقص نکلتے ہیں جب ان کے ہاں اولاد ہو  
 ہے تو وہ بھی پتلے دہلے اور کمزور ہوتی ہے ہاتھ لنگن کو آرسی کیا ہندوستان کے  
 موجودہ نسلوں کو دیکھو کہ کیسی کست الوجود اور کامل اور کمزور اور دلی پتلی ہوتے ہیں  
 اس کستی اور کمزوری اور لاغری کا باعث بچپن کی شادی ہی ہے ہندوستان کے  
 جن اضلاع میں جوانی کی حالت میں شادی کرتے ہیں وہاں کی نسلیں خوب زور آور اور  
 مضبوط ہوتی ہیں پشاور اور چٹناک اور اوکیندی اور دیرہ جات کے اضلاع متعلقہ  
 پنجاب میں لوگ ہندوستان کے اور ضلعوں کی نسبت اپنی اولاد کو جوان کر کے بیاتھ  
 ہیں وہاں کی نسلیں بہت اور اضلاع کی نسلوں کی خوبصورت اور جوان اور مضبوط  
 ہوتی ہیں بیاہ ایک مضبوط بندھن ہے جسمین مرد اور عورت عمر بھر کے واسطے جکڑی  
 جاتی ہیں اور اس دوا می بندھن کا حاصل اور نتیجہ طرفین کی خوشی ہے جو دونوں کے  
 باہمی الفت کا اثر ہے الفت اس وقت ہوتی ہے کہ جب دونوں کی مرضی اور طبیعت ملجاو  
 اندر یہ بات ظاہر ہے کہ چھوٹی عمر میں طبیعت کا ملنا صورت پذیر نہیں ہو سکتا ننھی ننھی  
 لڑکیاں اور لڑکے مرضی ملا کر آپس میں سچی الفت اور حقیقی محبت کیونکر پیدا کر سکتے ہیں وہ تو  
 سچی محبت کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں جوانی میں اگر تقدیر سے اتفاق ہو گیا تو  
 زندگی آرام اور آسائش سے بسر ہوئی اور اگر نا اتفاقی رہی تو بچپن کی شادی بجا  
 آبادی اور سفید ہونے کے خانہ بربادی ثابت ہوگی میان الگ بٹھا سے اور بیوی  
 جدا اپنی قسمت کو رو رہی ہے میان بیوی کو نہیں چاہتا بیوی میان کی شکل سے  
 سزاوار ہے اور خانہ جنگی کا یہ حال ہے کہ کبھی میان پور یا بدعتا اوٹھا چلنے کی ٹھہرتے ہیں  
 اور کبھی بیوی ٹھہر کر کھڑا لے ہو اکی طرح جاگی جاتی ہے کبھی ساس کے ساتھ لڑائی ہے

اور کبھی نند کے ساتھ کبھی دیکھو تو میان دروازہ کی دہلیز کپڑے سر او اندھا کے بیٹھے ہیں اور کبھی دیکھو تو بیوی دیوار کے ساتھ فقویر بنی کھڑی ہے نہ لکھ والون کو آرام ہے اور نہ لکھ والون کو ہر روز لڑائی اور جھگڑا۔ فرمائیے یہ بچپن شادی کے ہیں یا خانہ بربادی کے اگر شادی اسکا نام ہے تو اسکو اپنا سلام ہے یہ قباحتیں اور بُرائیاں اسپواسطے پیدا ہوتی ہیں کہ چھوٹی عمر میں شادی کیجاتی ہے اگر سن تیز اور وقوف میں شادی کیجائے تو اسقدر قباحتیں اور بُرائیاں کیوں پیدا ہوں اور عورِ زَنسلیں کیوں برباد اور خراب ہوں سن وقوف میں لڑکی اور لڑکے کے اطوار اور اخلاق اور چال چلن کا حال کھل جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ لڑکی یا لڑکا کس قماش کا ہے ان حالات کے معلوم ہونے سے لڑکی یا لڑکے کی شادی کی بابت عمدہ طور پر اسے قائم کیجا سکتی ہے جو ہمیشہ مفید ثابت ہوتی ہے بہت لڑکے یا لڑکیاں ابتداً عمر میں معقول مزاج اور مستعد معلوم دیتے ہیں لاکن سن وقوف میں اگر انکے اخلاق اور خیالات ایسے برکتے ہیں کہ وہی اونکی بربادی اور خرابی کا موجب بنجاتے ہیں یا تو یہ حالت تھی کہ والدین اور عزیز و اقربا اوں پر جان فنا کرتے تھے اور یا یہ کہ انکے نام سے بیزار ہیں ایسے لڑکے یا لڑکیاں کے جو بچپن میں شادی کیجاتی ہے وہ جوانی کی عمر میں اسقدر سنج اور دگر دیتی ہے کہ لڑکا اور لڑکے کے والدین اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہوتے ہیں کوئی لڑکا قمار باز نکل آتا ہے اور کوئی زندی باز کوئی بھنگی اور کوئی چرسی کوئی شہدا اور کوئی گندہ لڑکیاں دیکھو تو کوئی فاحشہ ہے اور کوئی بد زبان کوئی بد اخلاق اور کوئی نمدہ بد۔ کیا اگر نسبت کرنے کے وقت یہ بُرائیاں اور عیوب ظاہر ہوتے تو لڑکا یا لڑکی منظور کر لیتے ہرگز نہیں نہ لڑکا منظور کرتا اور نہ لڑکی ابتداً عمر میں تو ان بُرائیوں اور معایب کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ نہ نکاح اور نہ نکوہ کو خبر تھی کہ ہم جوانی میں اس شکار کے ہونگے اور نہ والدین اور عورِ بیرون کو اطلاع تھی کہ ہماری اولاد جوانی کے سن میں

ایسی ہوگی صرف موہومی امیدیں تھیں کہ ہماری اولاد ایسی ہوگی۔ اگر شادی کو جوڑنے کے دنوں پر موقوف رکھا جاتا تو برائی بھلائی سب ظاہر ہو جاتی اور فریقین اور ان کے اعزہ وغیرہ کو اسے قائم کرنے کا موقعہ ملتا ہر ایک شخص اپنے عزیز اولاد کی شادی کا تردد اس واسطے کرتا ہے کہ اسکو آرام حاصل ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ شادی کرنے کے بعد آرام کا حاصل ہونا مرد اور عورت کے لایق ثابت ہونے پر منحصر ہے اور ہم اوپر کی سطروں میں اس امر کو ثابت کر چکے ہیں کہ مرد اور عورت کا لایق یا نہ لایق ثابت ہونا سن و قوت اور باوغت پر موقوف ہے، جب تک آدمی بالغ اور جوان نہیں ہوتا تب تک اسکی طبیعت اور خیالات کا حال نہیں کہتا۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ سال کے لڑکے یا لڑکی کو شادی اور شادی کی ضرورتوں اور اغراض اور لوازمات کے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ اسکی طبیعت ضروریات اور اغراض شادی کے حاصل کرنے کی طرف رغبت کرتی ہے بہت سے ایسے لڑکے اور لڑکیاں نکلیں کہ جنکو اپنی شادی کا زمانہ بھی یاد نہ ہو گا جو لڑکے اور لڑکیاں اپنی شادی کی ضرورتوں اور اغراض اور زمانہ سے بھی ناواقف ہوتے ہیں انکے حق میں شادی و بال جان ثابت نہو تو اور کیا ہو چکین کی شادی کے برے اثر اور قباحتیں صرف نامح اور سکوچ پر ہی موثر نہیں ہوتیں والدین اور دیگر اعزہ کو بھی طح طرح کی بدنامیاں اور ہرجے اٹھانے پڑتے ہیں قطع نظر اور بدنامیوں اور ہرجوں کے اکثر لوگ چکین کی شادی کے سبب کنگال اور مفلح ہو گئے ہیں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اکثر لوگوں کے پاس سرمایہ اور دولت کچھ نہیں ہوتی اور انکو ملکی یا قومی رسموں کی پابندی سے چھوٹی عمر میں لڑکوں یا لڑکیوں کی شادی کرنی ضروری ہو جاتی ہے پاس تو کچھ ہوتا نہیں ضرورتاً قرض وام لیکر اس کام یا رسم کو پورا کرنا پڑتا ہے شادی کے کوٹھورہ سے گزرتا ہے کہ قرضہ میں جاؤ اور قرض ہو کر شلام ہو جاتی ہے ان باب کہیں پھرتے ہیں

اور لڑکے لڑکیاں کہیں نہ در نہ گھر سب خاک سیاہ ہو جاتی ہے اگر ان باب کچھ نہ  
انتظاری کر لیتے تو اس قدر تکلیف اور وقت کیوں اٹھانی پڑتی نہ آپ خراب ہوتے  
اور نہ اولاد خراب ہوتی جب لڑکی لڑکا کا ہوش سنبھالتے اور پہلے میں کچھ ہو جاتا جو  
جی میں آتا کر لیتے۔ افسوس لوگ بچپن کی شادیوں کی برائیوں اور قباحتوں کو اپنی نگاہوں  
سے دیکھتے ہیں اور پھر باز نہیں آتے محتاط طبیعت لوگوں پر فرض اور واجب ہے  
کہ بچپن کی شادیوں سے محترز ہو کر اون سچے اور مفید اصولوں کی پیروی کریں جو ان کی اولاد  
اون کی اولاد کے حق میں سراسر مفید ہیں۔

### دوسری غلطی

ایشانک قوموں میں شادی کی بابت دوسرے نمبر کے یہ غلطی ہے کہ فریقین یعنی ناک اور منکوحہ  
کی رضامندی کو ایک فضول اور غیر ضروری امر خیال کیا جاتا ہے اونکے خیال میں  
رضامندی فریقین کے قائم رکھنے سے والدین کی بزرگی اور اختیار میں فرق آتا، اگر  
ہمارے قیاس میں ایشانک قوموں کا یہ خیال اچھا اور مفید نہیں ہے فریقین کی  
رضامندی سے والدین کی بزرگی اور اختیار میں کوئی فرق اور تزلزل واقع نہیں ہوتا  
والدین یا دیگر قریبی اور مختار اعزہ فریقین کے بہرہ و اور خیر خواہ ہوتے ہیں اونکو  
اپنی بزرگی اور مربیانہ اختیار کی رو سے فریقین کی باہمی رغبت اور میلان کی واسطے  
ایسے جربہ و وسائل منتخب کرنے چاہیے کہ جو انکے حق میں ہمیشہ کے واسطے جائز مفید  
اور کافی ثابت ہوں بزرگانہ اختیار اور مربیانہ اقتدار کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ناک  
اور منکوحہ کے ملاپ اور اتفاق کے واسطے ایسے وسائل اور تجویزوں کو منتخب کریں  
کہ جو ہمیشہ کے واسطے انکے حق میں مضر اور نقصان رسان ثابت ہوں اسکو پرانہ  
شفقت اور مربیانہ اختیار نہیں کہتے بلکہ یہ تو ایک دشمنی اور بدخواہی ہے خدا نے اسکو  
اولاد اس واسطے نہیں دی کہ ہم بزرگی کے گمنام پر اونکے واجبی اور ضروری حقوق کو

تلف کر دین جس طرح پرہم اپنی اولاد سے اپنے حقوق کے ادا کرنے کے خواستگار ہوتے  
 ہیں اسے بطح برہم کو بھی اُنکے حقوق کے ادا اور پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب  
 ہم اپنی اولاد کا کوئی کپڑا سلوانے لگتے ہیں تو سود فہ درزی سے کتر بیونت کرتے ہیں  
 لڑکے یا لڑکی کو درزی کے رو بردلاتے ہیں تاکہ قطع بین فرق نہ پڑے تعجب ہے کہ ایک  
 کپڑہ کے قطع میں تو ہم اس قدر احتیاط کرتے ہیں لاکن لڑکے یا لڑکی کو ننگنی کے وقت کچھ  
 خیال بھی نہیں کرتے لڑکے لڑکی کو سامنے لانا تو جدار یا پوچھتے تاکہ نہیں جو جی میں  
 آتا ہے سو کہہ گزرتے ہیں خواہ بُرا ہو خواہ اچھا میں مانتا ہوں کہ والدین یا دیگر اعدا  
 اور وکیل ہتھ دل سے طرفین کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں اور اونسے جہاں تک  
 ہو سکتا ہے ایسی تدبیریں نکالتے ہیں جن سے اُنکے بچے ہمیشہ خوشحال رہیں لیکن کوئی  
 ہے جو جھمکو بتا دے اور میری تسلی کر دے کہ مان باب اور وکیلوں اور شاہدوں کو  
 اپنے خیالات اور تدبیروں سے تشفی اور علم ہوتا ہے کہ ہمارے بچے جوان ہو اور  
 شباب کی ترنگ میں آہاری تجویزوں اور تدبیروں کو پسند کرینگے ایسی شادیاں کہ  
 جنہیں طرفین اپنی رضامندی ظاہر نہیں کر سکتے اگر ناجائز اور موجب حدوث قبیاح او  
 نضاج نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کہا جاوے ہم لوگ شادی کو ایسا جانتے ہیں کہ  
 گویا مان باب لڑکے لڑکی کو جہان چاہتے ہیں پن دان کر دیتے ہیں حیوانات کے ہاتھ  
 جہان چاہیں جگر دین و افضیحاہ و افضیحاہ ہم یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ شادی ایک عہد  
 جو فریقین کو اپنی مرضی سے باندھنا چاہیے اگر صرف یہی ہو کہ مان باب اپنے بچوں کو  
 اس عہد حلیل القدر میں اپنی رائے دینے کے مجاز میں تو اس میں کوئی دم نہیں مار سکتا  
 مگر یہ بات کہ کیسے طح قابل تسلیم نہیں کہ مان باب اس عہد میں آپ ہی فریقین میں جائے  
 اپنے بچوں کو خواہی نخواہی اپنی بڑی بھلی تجویز پر راضی کریں اور ایک محض اپنی جھکو او  
 بیٹا بیٹی نے کہی پہلے دیکھا تک نہیں او سکوجہر اُنکے ساتھ عمر بھر کا شریک ٹھہراوین

اسمین صاف وحشی پن پایا جاتا ہے مین کیونکر مان لون کہ ایک لڑکا یا لڑکی کے والدین  
 اوسکے بلا رضا مندی اوسکو ایک جگہ پر سوب کر دیا اور وہ لڑکی یا لڑکا بلا رویت اور  
 بلا کسی قسم کی شناسائی کے اوسکے عام افعال اور اطوار کے بابت رضا مندی ظاہر کر دیا  
 اب مین اس امر کو معقولانہ لینے حکیمانہ ثابت کر کر دکھاتا ہوں مین کہتا ہوں کہ یہ جملہ تو  
 تمام لوگوں کا مانا ہوا ہے کہ انسان طبائع اور افرجہ مین مخالفت اور تضاد مین جس چیز  
 کو ایک آدمی ہمہ وجہ معقول اور پسندیدہ جانتا ہے اوسی چیز کو دوسرا آدمی اپنے  
 طبائع اور خیالات کے بموجب مکروہ اور مقبیح سمجھتا ہے فرض کرو کہ ایک لڑکے کی والدین  
 نے اپنے تجویز اور تدبیر سے اپنی لڑکی کے لیے ایک ناکھ بانسکوچہ مقرر کر کے عقد کر دیا  
 جب ناکھ اور نسکوچہ آپس مین مختلط اور مرتبط ہونگے تو کیا اونکے طبائع اور افرجہ مانوس  
 ہو سکتے ہین شاذ و نادر جب یہ امر شذوذ اور نادرات مین سے ہے تو آخری حکم ہی کا  
 ہے کہ یہ طریق عمل مقبیح اور ناپسندیدہ ہے پس مناسب ہے کہ اس طریق سے احتراز  
 اور اجتناب کیا جاوے کاش اگر ہم قطع نظر دستورات علمی اور فلسفی کے دینیات پر  
 ہی غور کریں تو اس رسم کی قباحت اور کراہت ایک ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو سکتی ہے  
 ہندو لوگ اپنے ویدوں اور شاستروں کو ہی ملاحظہ کریں اونہیں صرف اسقدر لکھا  
 ہے کہ لڑکی کی شادی سن بلوغ سے پہلے کر دینی چاہیے اور لڑکا کچھ نہیں تو لڑکے سے  
 دو گنی عمر کا ہونا چاہیے اگلے زمانہ مین ہندوستان مین سویمبر کا دستور جاری تھا  
 لفظ سویمبر کے یہ معنی ہین کہ دلہن دولہا کو پسند کر لے اگلے زمانہ مین یہاں بھی لڑکے  
 خاوند کے پسند کرنے کی مجاز تھین اور یہ بات بھی اس سے نکل آئی کہ بیاہ سے پہلے  
 وہ سن تیز کو بھی پہنچ جاتی تھین لڑکی کے خواستگار جو بلائے جاتے تھے اونکا نام  
 حال لڑکے کا باب پہلے ہی سے دریافت کر رکھتا تھا اونکی عالی خاندان اور عالی مرتبہ  
 ہونے مین کچھ شک نہ رہتا تھا ایسے ان دونوں کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تھا

تراضی طرفین کے بعد نکاح اور سکوچہ میں ایک کامل اور سچی محبت پیدا ہو جاتی تھی  
 برخلاف موجودہ زمانہ کے کہ جسمیں ایک نفرت اور بددلی کے سواے اور کچھ پیدا نہیں  
 ہوتا یہی باعث ہے کہ ہندوستانیوں میں مکر رسد کر اور دواج کے کثرت ہی اگر پہلے  
 عورت سے سچی محبت ہو تو دوسری کون کر سکتا ہے آئین کچھ شک نہیں کہ سچی محبت  
 سے پیدا ہو سکتی ہے کہ جب یہ ضروری عہد لینے نکاح تراضی طرفین سے ہو قانون اسلام  
 میں تو تراضی طرفین کو ایک مناسب اور ضروری امر قرار دیا گیا ہے چنانچہ ابام عوا  
 اپنی کتاب کیمیائی سعادت وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ خاطر کو ضروری ہے کہ قبل از  
 عقد مخطوبہ کو دیکھ لے علیٰ ہذا القیاس حدیثوں اور کتب شرع میں تراضی طرفین لینے  
 نکاح اور سکوچہ کی تاکید کی گئی ہے اور ایک مدت دراز تک اہل اسلام کا اس پر عمل  
 رہا جو اسلام میں تو منتظر مخطوبہ کی بابت بالضراحت والوضاحت حکم ہے اور برابر اس پر  
 بزرگان دین و سلف کا عمل درآمد ہوتا رہا ہے اور اب بھی بعض بعض اسلامی ملکوں  
 میں اس کا رواج پایا جاتا ہے۔

### تیسری غلطی

ہندوستانیوں میں یہ رسم بالعموم پائی جاتی ہے کہ اپنی اولاد کی شادی میں انہیں  
 مصارف بجا اور اخراجات ناروا سے کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے انواع و اقسام کے  
 مصائب اور شدائد اور نواب پیدا ہوتے ہیں ہندوستان میں سے بہت سی  
 ایسے گہرانے دکھائی دینگے جو انہیں مصارف بجا کے ارتکاب سے بچرائے ہو گئے ہیں  
 اور ہوتے جاتے ہیں اور ہونگے اسی مصارف کی تاثیرات اور نتائج سے نہ تو نکاح اور  
 سکوچہ متاثر ہوتے ہیں اور نہ والدین ہمارے نزدیک مناسب اور بہتر ہے کہ والدین  
 بوقت نہایت اولاد و سورات مندرجہ ذیل کی پابند اور عقیدہ رہن اگر ان دستوروں  
 اور قاعدوں پر عمل درآمد کیا جاوے گا تو وہ تکالیف اور سختیں جنکا تحمل ہونا پڑتا ہے

یک دفعہ نرائس اور دور ہو جائیگی۔ اول یہ کہ اون رسوم کے سواے جو ضروری ہیں اور سب رسمیں ترک کی جائیں۔ دوم یہ کہ اون رسموں کے مصارف اور اخراجات جو بکثرت میں رہیں وہ ناکھ اور منگوہ کی ذاتی جائیداد اور ورثہ قرار دیا جائے اس سے سرت یہ فائدہ ہو گا کہ ناکھ اور منگوہ کو بعد نکاح ایک سہولت نظر آئیگی۔ سوم یہ کہ جتنا روپیہ آتش بازی اور تلچ رنگ اور دیگر وہابیات کا مون پر ایک ادنیٰ خوشی اور وہاد کے حصول کے لیے صرف ہوتا ہے وہ سب کلکٹ بند کیا جاوے اور اس روپیہ کی ناکھ اور منگوہ کے ملک اور ورثہ قرار دیا جاوے جب یہ دو مہین ناکھ اور منگوہ کی ذاتی جائیداد اور ورثہ قائم ہو جائیگی تو وہ افلاس اور ناداری جو بعد نکاح ظاہر ہوتی ہے بالکل کا فور ہو جائیگی۔

### چوتھی غلطی

ہندوستان کی لڑکیاں جو بیوہ ہو جاتی ہیں عدم ازدواج ثانی کے باعث ان بچاؤ کو طح طرح کی معیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں ہندوستانیوں کے نزدیک ازدواج آیامی نہایت قبیح امر ہے انہیں کا یہ خیال عقل اور نقل کے صریح خلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ جیسا مرد اپنی عورتوں کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح کرتا ہے ایسا ہی عورتوں کو نکاح ثانی کا حق اور حصہ حاصل ہے ہمارے ملک کی عورتوں میں سے جو صغیر سنی اور خرد سالی ہیں بیوہ ہو جاتے ہیں ان کو نہایت صدمہ جاکا اٹھانا پڑتا ہے ان کو کسی قسم کی خوشی میں شریک نہیں ہونے دیا جاتا جہد نفس کشی کریں اس قدر لائق تعریف اور تحسین خیال کی جاتی ہیں وہ جس قدر قدرت و تقاضا اپنی نفسی خواہش اور اغراض اور حاجات کے پورا کرنے کی طرف مائل ہوں اور سہولت ان کو الزام دیا جاتا ہے ہر وقت ان کی معیبت زدہ حالات برابر ایک ایک کی نگاہ لڑکی ہوتی ہے اور کمال نظر بندوں سے کم نہیں ہوتا اگر اتفاق سے کوئی خوب صورت اور



خوش وضع ہے تو اس کے مان باپ اسکی نگرانی میں شب و روز مصروف ہیں مگر عیار  
لوگ اسکی تاک جہانک میں لگے رہتے ہیں اور جب وہ کہی گھر سے نکلتی ہے تو حسیط ہوتا  
ہے اپنے تئیں اوسکو دکھاتے ہیں اور ایسی تدبیر نکالتے ہیں کہ یا تو اسکے دل میں گزرا  
ایک دشوار امر تھا اور یا وہ تسخیر ہو جاتی ہے اور آخر کو یہ نا تجربہ کار جو اس گناہ کے  
مواسے اور تمام غیوب سے بہرا و منزه تھے اوت عیاروں کے دام تزدیر میں پھنس کر  
اپنی عزت اور بزرگی اور عفت اور عصمت کو برباد اور راریگات کر دیتی ہے پھر وہ عیار  
اکثر بیوفائی کی راہ سے اوسکو دغا دیتے ہیں اور اس وجہ سے جرائم سنگین جیسے قتل  
حاصل اور بچہ کشی اور کہی کہی خود کشی وغیرہ ظہور میں آتے ہیں کہی سنا جاتا ہے کہ  
غلامیہ بیوہ فلائی عیار کے ساتھ رات کو اڑ پھو ہو گئی اور فلائی فلائی جگہ کو گئے  
میں ڈوب کر مر گئی ہسائیون یا کلبے میں جو اونکے ہم عصران اور ہمہران اور ہم حریفان  
اجہی اجہی پوشاک اور زیورات سے آراستہ پیراستہ اور خانہ داری کی خوشی سے  
بہرہ مند ہوتے ہیں اونکو دیکھ کر اونکی معیبت دو بالا ہو جاتی ہے جہانک کہ وہ اپنے  
عزیز زندگی کو مرنے سے بدل کرنا اچھا خیال کرتے ہیں کہنے والا کیا اچھا کہتا ہے  
کہ بیوہ عورت کی زندگی جیتے جی کی موت ہے - میں یہ بات مانتا ہوں کہ بیوگان  
میں سے اکثر ایسی بیوہ بھی ہیں کہ خلی عصمت اور صبر اور استقلال ضرب المثل ہے  
لیکن ایسی عورتوں کا نمبر شمار بڑھا ہوا نہیں ہے اگر ہمارے ملکی سچائیوں کے کردار  
ازدواج کا مفید اور نیک اصول رواج پایا جاوے تو ملک اور قوم کے حق میں از حد  
فائدہ بخش ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کے ملامت اور مطاعن کے بیوگان کا  
عقد ثانی نہیں کرتے ہاے عقل پر پتھر پڑن سو جہتا نہیں کہ عدم ازدواج کی کیا  
برائین اور قبا حثین پیدا ہوتی ہیں لوگوں کے ملامت اور مطاعن سے کیا سرکار  
اجہی رسون کو اختیار کرے اور بری باتوں کو چوڑو لوگ تمہارے مناقص اور منافع میں

شریک نہیں ہیں عدم ازدواج سے جو ہماری پیشانیوں پر کالک کا ٹیکا لگیگا اسکا دوسرے لوگوں پر کیا اثر پہنچ سکتا ہے اچھے اصولوں اور قاعدوں پر چلنے والوں کو ہمیشہ سے لوگ ملعون اور معیوب سمجھتے رہے ہیں مگر جو لوگ معقول پسند اور طبع سلیم اور فہم قوی رکھتے ہیں وہ لوگوں کے طعن تشنیع سے ہرگز نجات نہیں ہوتے۔  
 عرفی تو سیندیش زغرغای قیدان ۛ آواز سگان کم نمکند زرق گذرا

### نمبر چہارم اصول تربیت

تربیت اولاد کے متعلق جو جو ضروری باتیں تھیں ہم انکو اوپر کے نمبروں میں بیان کر چکے ہیں اس چوتھے اور آخری نمبر میں ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ تربیت اولاد کا خیال والدین یا اور عزیزوں کے دل میں کیوں پیدا ہوتا ہے اور تربیت اولاد کے متعلق جو جو ضروری باتیں ہیں انکو کس اصول پر پورا کرنا چاہیے ہمارا پنا خیال ہے کہ والدین یا اور عزیزوں کے دل میں اپنی اولاد کی تربیت کا خیال سچی اور طبعی الفت اور محبت کی راہ سے ہوتا ہے جسکے ساتھ اپنی ذاتی بہبود اور آرام اور ناموری اور عزت اور بقائے نام یا بقائے خانہ ان کا خیال بھی مل جاتا ہے اصل میں والدین کے یہ دونوں خیال طبعی ہی ہوتے ہیں والدین کو اولاد سے محبت بھی طبعی ہوتی ہے اور نور اولاد سے آرام حاصل کرنے اور بقائے نام یا خانہ ان کا خیال بھی طبعی ہوتا ہے جب تک یہ دونوں خیال پیدا نہ ہوں تب تک اعزہ اور والدین کے دلوں میں تربیت اولاد کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ جب یہ دونوں خیال انسان کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں تو اولاد کی تربیت کی ضرورت معلوم ہونے لگتی ہے۔ انسان طبعاً اس بات کو چاہتا ہے کہ اسکی اولاد اور اعزہ ساری باتوں میں اچھی اور لائق تعریف ہوں زید اگرچہ اپنی ذات میں لائق تعریف نہیں ہے مگر طبعاً چاہتا ہے کہ بکرا اسکا بیٹا لائق تعریف ہو۔ اگر اپنی اولاد کو اچھا اور نیک بنانے کا خیال

طبعی نہونا تو زیادہ اپنے بیٹے بکر کے واسطے وہ ہی درجہ اور کام پسند اور مخصوص کرتا کہ جو اسکو خود حاصل تھا یا جسکو وہ آپ کرتا تھا زیادہ اگرچہ ڈاکو اور رہزن ہے مگر اسکا دل نہیں چاہتا کہ بکر اسکا بیٹا اسکی طرح ڈاکو اور رہزن بنے اسکا دل چاہتا ہے کہ بکر اسکا بیٹا ایک شریف النفس حج بن جائے۔ کہتے ہیں کہ ایک امیر عورت نے اپنی ایک لونڈی کو کہا کہ اگر میں تجھکو یہ مرض ٹوپی دیدوں تو تو اپنے بچہ کے سر پر رکھے یا میرے بچہ کے سر پر لونڈی نے ادب سے جواب دیا کہ دل تو بندے کا یہی چاہتا ہے کہ اپنے بچہ کے سر پر رکھوں۔ لونڈی کا امیر زادی کے بچہ پر اپنے بچہ کو فوقیت دینا ایک طبعی جذبہ یا خیال ہے جس طرح پر بعض انسانوں نے اپنی اور طبعی جذبات اور خیالات کے ساتھ ناجائز اور غیر مفید باندیوں اور کمزور راہوں کو شامل کر دیا ہے اسی طرح پر ان دونوں طبعی خیالات کے ساتھ بعض انسانوں یا قوموں نے بہت سی ایسی باتیں شامل کر دی ہیں کہ جنکی بجا شمول سے ان دونوں طبعی خیالات کی لطافت اور پاکیزگی میں فرق آ گیا ہے۔ اکثر انسان خیال کرتے ہیں کہ اولاد کے ساتھ محبت اور الفت کرنا صرف یہ ہیں تک محدود ہے کہ اونکے معمولی چار و چہر اور ناز و نیاز پوری کر دئے جو کچھ اولاد نے زبان سے کہا وہ کسی نہ کسی طرح انجام کر دئے اگر لڑکے نے کہا کہ میں میلہ جاؤنگا تو بھیج دیا اور اگر کہا کہ میں نے ایک بلبل یا ماکڑا تو لے دیا اگر لڑکے نے کہا کہ مجھے ایک رنگین چرخ چاہیے تو حاضر اور اگر کوڑیوں کے درجن مانگے تو لادے ناموری اور بقاے خاندان یا نام یہ خیال کرتے ہیں کہ نسل کا سلسلہ منقطع نہ ہونے کے بعد چار اکوئی نام لیتا رہے۔ یہ دونوں خیال اگرچہ طبعی ہیں مگر انکو ایسے برے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ بجائے فائدہ بخش ثابت ہونے کے مضر اور نقصان رسان ثابت ہوئے ہیں اولاد کے ساتھ جو والدین کی سچی محبت اور طبعی الفت ہوتی ہے اسکا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اولاد کو اس سے حقیقی اور اصلی

فائدہ حاصل جس کسبھی محبت اور الفت کا ہنسنے اور پر ذکر کیا ہے اوس سے اولاد کو کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہوتا معمولی چا و چور اور ناز و نیاز کا پورا کر دینا یا پورا ہوجانا اولاد کے حق میں کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہے ایسی معمولی باتیں دو چار سال تک ہر مفید ثابت ہوتے ہیں اسکے بعد خود اولاد ہی اولیٰ اولیٰ سے متغیر اور بیزار ہوجاتی ہے محض نسل کا قائم رہنا بھی والدین کی برائی اور ناموری اور بقائے نام کا موجب نہیں بن سکتا بقائے نام سے صرف یہ مراد نہیں کہ سلسلہ وار ایک نسل چلی آئے بھلا اس سے نسلوں کا عوت اور بزرگی کے ساتھ دنیا میں قائم رہنا مراد ہے اگر صرف نسل کا قائم رہنا مراد ہو تو بہر حال اُنق اولاد کے ہونے سے ہی تو نسل قائم ہی رہتی ہے مگر اس کو کوئی اچھا نہیں خیال کرتا۔ جب کسی شخص کے اولاد بگڑ جاتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اسکی نسل خراب ہو گئی اگر پہلا قاعدہ ٹھیک ہو تو چاہیے کہ ایسی نسلوں کو بھی بقائے نام کا موجب قرار دیا جائے جو شخص بقائے نام کے پہلے قاعدہ پر کوشش کرتا ہے وہ ایک بڑی بہاری اور فاش غلطی کی پیروی کر کر اپنی عوت اور ننگ و ناموس کو خراب کرتا ہے نسل کے ذریعہ سے وہ ہی شخص اپنے نام کو باقی اور قائم رکھ سکتا ہے کہ جبکی اولاد اٹھائے اور تہذیب اور امانت و دیانت سے دنیا میں زندگی بسر کرتی ہے طبعی الفت اور سچی محبت کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ اولاد کی حالت مہذب اور شایستہ بنجادیے۔ اور اوسکی تہذیب اور شایستگی مان باب کے واسطے ایک عزت اور قدر و منزلت کا باعث ہو یہ محبت اور الفت نہیں ہے کہ اولاد دنیا میں رکھ رہنا بیت بدنامی اور خرابی سے زندگی بسر کرے۔ ایسا ننگ قوموں میں غلطی آمیز محبت اور الفت کو بہت ترقی کر اپنی اولاد کے ساتھ اسطوریہ بر الفت اور محبت کرتے ہیں کہ جو خیر پر اولاد کے حق میں نقصان رسان نکلتے ہر تربیت کو واسطے طبعی الفت اور سچی محبت کا ہونا ضروری ہے غلطی آمیز محبت اور الفت سے تربیت اولاد کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں جس طرح ہر

صبح کا ذب اور صبح صادق کا فرق ہوتا ہے اسطرح پر طبعی محبت اور غلطی پر مبنی محبت میں  
 فرق ہے اگر لکھو اپنی عزیز اولاد کی خیر خواہی اور بہتری منظور ہے تو ترتیب کی ضرورت نہ  
 کو طبعی اور سچی محبت کے ذریعہ اور مرد سے پورا کرنا چاہیے چھوٹی عمر کی اولاد کو ظاہر سے  
 پیار اور لاٹھ کو بہت پسند کرتی ہے اور اس کی دلانت میں باعث کم عقلی اور ناتجربگی  
 کے ان باپ کی ظاہری مہربانی اور شفقت بے کافی ہے اگر دور اندیش اور دانا آدمیوں  
 کے خیال میں یہ بچا پیار اور لاٹھ اولاد کے حق میں اچھا اور مفید نہیں سمجھے جاسے اس  
 پیار اور لاٹھ کے والدین کو لازم ہے کہ اپنی اولاد کو مہذب اور لائق بنانے کی کوشش  
 کریں۔ چھوٹی عمر کی اولاد کا راضی کر لینا کچھ دشوار اور مشکل نہیں ہے مگر ان کی ناتجربگی  
 طبعیتوں میں شرافت اور انسانیت کا بچہ بونا بہت مشکل اور دقت طلب ہے ایک  
 چھوٹا لڑکا مار کمانے کے بعد بھی در پیسے کی برنی یا گندھیری سے خوش اور راضی  
 ہو سکتا ہے مگر جب اس کی طبیعت اتر اور آوارہ ہو جائے تو بہر لاکھ متین کرنے سے  
 بھی درست نہیں ہوتی سچی محبت اور طبعی الفت یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی عزیز اولاد  
 کو جینے لکھون یا گندھیروں کے واسطے خوش کریں بلکہ یہ کہ کوشش کر کے ان کے ناتجربگی کو  
 میں شرافت انسانیت اور کیاقت کا بچہ بونیں تاکہ وہ ہمارے مرنے کے بعد بھی ماری  
 عمدہ خوش رہے گو سچی اور طبعی محبت کے عمل میں لانے کے صورت میں اولاد کے بچا پیار  
 اور لاف میں کچھ فرق آجاتا ہے اور ناتجربہ کار ہونے کے سبب اولاد بھی اس بچا پیار  
 اور لاٹھ کو اپنا واجب الادا سے حق خیال کرتی ہے مگر دراصل وہ طریق عمل اولاد کے  
 حق میں پچھلی عمر کے واسطے ایک عمدہ رہنما بن جاتا ہے جس قدر بڑی باتیں اور برے  
 خیالات ہیں ان سب میں بہ نسبت نیک باتوں اور اچھے خیالات کے ایک ظاہری  
 آسانی اور چھوٹی لذت پائی جاتی ہے یہی باعث ہے کہ انسان کی طبیعت بڑی بالوں  
 اور برے خیالات کی طرف بہت جلد مائل ہو جاتی ہے بچوں کی طبیعت میں بھی برے

خیالات اور بری باتوں کی طرف بہ نسبت اچھے اور نیک خیالات اور باتوں کے بہت  
 راغب ہوتی ہیں حتی المقدور اُن سے انکو روکنا چاہیے اگر انکو ایسی باتوں اور خیالات  
 سے نہ روکا جائیگا تو ان کے ناتجربہ کار طبیعتیں بالکل ابتر اور خراب ہو جائیں گی ایسی باتوں  
 سے بچون کو روکنا ایک اعلیٰ درجہ کی محبت اور الفت ہی ہر ایک آدمی مال و دولت  
 اس واسطے کماتا ہے اور اکٹھا کرتا ہے کہ اپنی زندگی بھی آرام سے گزرے اور اسکے بعد  
 اس کی اولاد آسائش سے بسر کرے مگر افسوس بعض لوگ اکٹھا کرنے پر ہی کفایت  
 کرتے ہیں جس اولاد کی محبت سے وہ مال و دولت کو اکٹھا کرتے ہیں اس کی دوسری اور  
 بہتری مین اس کو خرچ نہیں کرتے البتہ اس کے نام سے ایسی باتوں میں خرچ کرتے ہیں  
 کہ جس سے انکو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا لڑکے یا لڑکی کی شادی میں یا جسے پروردگار  
 ہزار روپیہ کا خرچ کر دینا لڑکے یا لڑکی کے حق میں فائدہ بخش نہیں ہے ہاں اگر اس قدر  
 روپیہ ان کی تعلیم و تربیت میں بقاعدہ معقول صرف کیا جاتا تو ضرور فائدہ بخشتا  
 'ناج رنگ اور آتش بازی اور دیگر مصارف سے اولاد کو کوئی بھی منفعت نہیں ہوتی  
 جوانی میں انکو یہ باتیں یاد بھی نہیں رہتیں اگر انکو اعلیٰ درجہ کی تعلیم و بچاے  
 تو وہ ہمیشہ کے واسطے انکو ہر ایک قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہے وہ دولت اور مال  
 جسکو والدین نے اولاد کی محبت اور الفت کے واسطے صد ہا بلکھڑون اور کلکھڑون  
 سے اکٹھا کیا تھا۔ آتش بازی کے جلانے اور نہ ناچ و رنگ کے دیکھنے کے واسطے خالی  
 کر دینا چاہیے اسکو اولاد کی تربیت کے واسطے مخصوص کرنا چاہیے اس دولت  
 لڑکوں یا لڑکیوں کو مرصع اور سنہرے کرڈن اور بالون اور گھنٹوں کے ہنادینے سے  
 طبعی الفت اور سچی محبت ظاہر نہیں ہوتی سچی محبت اور طبعی الفت یہ ہے کہ بچے  
 گھنٹوں اور کرڈن اور بالون کے اولاد کو دور دراز شہروں اور ملکوں میں پہنچا کر اعلیٰ  
 درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور توجہ دلائی جائے۔ ظاہر ہی اعضا میں سنہرے

زریروا لئے سے انسان شریف اور لائق اور مہذب نہیں بن سکتا شرافت اور قیادت  
 اور تہذیب کے حاصل کرنے کے واسطے علوم و فنون کا حاصل کرنا اور سیکھنا ضروری  
 ہے روح اور دل سونے چاندی سے اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا اونکی درستی اور اصلاح  
 کے واسطے مختلف علوم اور فنون کو حاصل کرنا اور سیکھنا چاہیئے اولاد مختلف علوم  
 اور فنون کو اس وقت حاصل کرتی اور سیکھ سکتی ہے کہ جب والدین اور دیگر افراد  
 کے اونکے ساتھ سچی محبت اور طبعی الفت ہو سچی محبت اور طبعی الفت کا اظہار دوست  
 تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ سچی محبت کے پابندیوں کو دور نہ کیا جاوے اگر ہم باوجود  
 سچی پابندیوں کے قائم رکھنے کے سچی محبت اور حقیقی الفت کو عمل میں لانا چاہیں تو شواہد  
 اور شکل ہے سچی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ اولاد کو کوئی بھی دوکھ اور تکلیف نہ ہو اور  
 نہ اوسکو محنت اور ٹھانی کا موقع ملے سچی محبت اس امر کے متقاضی ہے کہ اولاد کسی  
 نہ کسی طرح لائق اور ہوشیار رہے خواہ اوسکو دوکھ اور تکلیف ہی اوٹھانے پڑے  
 حقیقی الفت کا یہ اصول ہے کہ جب تک اولاد تکلیف اور دوکھ نہ اوٹھائے تب تک  
 شائستہ اولاد نہیں بنتی سچی محبت اور حقیقی الفت کا جو اصول ہے وہ فی الاصل  
 درست اور ٹھیک ہے کہ چونکہ کوئی شخص بجز اسکے دنیا میں عورت کے ساتھ زندگی بسر  
 نہیں کر سکتا کہ طرح طرح کی محنتوں اور تکلیفات کے اوٹھانے کے بعد قدر و منزلت  
 پیدا کرے اگر ہم چاہیں کہ ہماری اولاد بلا محنت کرنے اور تکلیفوں کے اوٹھانے کے  
 ممتاز اور عزیز اور شریف بن جائے تو یہ ناممکن اور مشکل ہے حقیقی شرافت اور سچی عفت  
 تو اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ جب ہماری اولاد موافق قاعدہ کے طرح  
 طرح کی محنتیں اور تکلیفیں اوٹھائے اور بچہ دوکھ اور کمزوری کی متحمل ہو عجز و  
 خیال کرے کہ جب دنیا کی خفیف خفیف مرادیں محنت اور تردد کے سواے حاصل نہیں  
 ہو سکتیں اتنے افسوس سے متنازع ہوا بلا محنت اور فکر و تردد کہ کیا حاصل

ہو سکتی ہے یہ ہماری بڑی بھاری غلطی ہے کہ ہم اپنے اولاد کو دو جہی تردد اور کوشش  
و محنت سے محفوظ رکھ کر محبت اور الفت خیال کرتے ہیں یہ محبت اور الفت نہیں ہے  
بلکہ دشمنی اور بدخواہی محبت اور الفت وہ ہوتی ہے کہ جب کا نتیجہ اولاد کے حق میں  
فائدہ بخش ثابت ہو۔ یہ کیا محبت اور الفت ہے کہ بچے فائدہ پہنچانے کے اولاد  
کو ضرر اور نقصان پہنچائے اگر ہم اپنے لڑکے یا لڑکی کو مدرسہ جانے سے ہموار  
روکین گئے کہ وہ مدرسہ میں جانا نہیں چاہتا ہے تو یہ محبت آمیز مخالفت اس  
لڑکے یا لڑکی کے حق میں مفید نہیں ہوگی اخیر پر اس بیجا مخالفت کا اثر اور نتیجہ اس  
لڑکے یا لڑکی کے حق میں برا ہی نکلیگا اگر ہم اس لڑکے یا لڑکی کو تھوڑی سی ناخوشی  
کو ارا کر کے ذرا سختی یا نرمی کے ساتھ اسکول میں بھیج دیتے تو وہ سختی اس کے حق میں  
اخیر پر ایک عمدہ محبت ثابت ہوتی الفت اور محبت کا اصول یہ ہے کہ جبکہ ساتھ  
کیجاوے اس کے واسطے بہر حال مفید ثابت ہو جس الفت اور محبت سے ضرر اور  
نقصان پہنچے وہ الفت اور محبت نہیں ہے بدخواہی اور دشمنی ہے بعض  
لوگوں کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ اس سے طریق عمل کو الفت اور محبت خیال کرتے  
ہیں کہ جبکہ ساتھ ایک قسم کی ملاکت اور درگزر اور رضامندی اور قبولیت شامل ہو  
جس طریق عمل کے ساتھ ان باتوں کو شامل نہ کیا جاوے اس کو الفت اور محبت  
منہا کر خیال کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ اصول ٹھیک نہیں ہے محبت اور  
الفت میں ہمیشہ رضامندی اور قبولیت ہی نہیں ہوتی محبت اور الفت کو کسی  
دشمنی اور سختی سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے لڑکے اسکول نہیں جاتے تو ان باتوں کو  
باریٹ کر بھیجتے ہیں ان بات کا لڑکوں کو مارنا عداوت اور بدخواہی کی راہ ہے نہیں  
عین محبت اور الفت کا نشان ہے اگر ان بات اسی موقع پر لڑکوں کی رضامندی کو  
مقدم رکھ کر اسکول جانے کی تاکید نہ کریں تو یہ الفت اور محبت نہیں ہے لڑکوں کے



حق میں ایسی سچا الفت اور ناجائز محبت بدخواہی اور دشمنی ہے جسے جو الفت اور محبت کا یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ اس شخص کے واسطے جسکے ساتھ کیجاتی ہے بہر حال سفید ہوئی چاہیے۔ ایک عمدہ اور جربستہ اصول ہے تربیت اولاد کو وقت اگر والدین یا دیگر متاثر عزیز اس اصول کو مد نظر رکھیں تو رسمی محبت کی پابندی کی فراحت سے ایک سہولت کے ساتھ بچ سکتے ہیں جب ہم اس عمدہ اصول کو تربیت اولاد کے وقت اپنا دستور العمل بنالینگے تو ہر ایک ارادہ اور کام کے نسبتی فائدوں پر ہماری نظر پڑتی رہیگی اور تربیت کی صحت اور غلطی کا دریافت اور معلوم کر لینا آسان ہو جائیگا۔

### اطاعت گورنمنٹ

ملکوں اور قوموں کی سرسبزی اور ترقی کے واسطے امن و امان اور واجبی آزادی کا ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے جب تک کسی ملک یا کسی قوم میں امن نہ ہو اور واجبی آزادی نہ ہو تب تک اس ملک اور اس قوم کو سرسبزی اور ترقی کی کوئی نہیں مل سکتی۔ جس ملک اور جس قوم میں امن و امان اور واجبی آزادی نہ ہو وہاں بجائے سرسبزی اور ترقی کے استری اور خرابی منوہار ہوتی ہے ایسے ملکوں اور ایسی قوموں کے لوگ آرام اور آسائش اور سچی خوشی اور فراغت کے عوینہ صورت کو خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔ اوسکے عوینہ زندگی ہر اس اور خوف اور تذبذب کی حالت میں ہے گزر جاتی ہے دولت مندوں اور مال داروں کو اپنی دولت اور مال کی خوشی نہیں ہوتی اور داناؤں اور سلیم الطبع لوگوں کو اپنی دانائی اور سلامتی طبع سے نفع نہیں ہوتا صنایع اور کارگیر لوگ صنعتوں کی ترقی کی طرح توجہ نہیں کرتے اور مزدور مزدوری کو ایک فضول اور نقصان رسان امر خیال کرتے ہیں ایک ملک یا ایک قوم کی مختلف الطبائع باشندوں میں امن و امان اور واجبی

آزادی اس صورت میں قائم ہو سکتی ہے کہ جب کوئی اور زبردست اور مضبوط طاقت  
 اس کے ارادوں اور خیالات اور افعال کی محافظ اور نگران ہو جب تک ایسی طاقت کا  
 وجود نہ ہو تب تک امن وامان اور وحشی آزادی کا حاصل اور قائم ہونا دشوار اگرچہ  
 ایسی زبردست اور مضبوط طاقتوں کو ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کے لوگ اپنے اپنے  
 خیالات اور مصلحتوں کے بموجب موسوم اور تعبیر کرتے ہیں مگر بالعموم اسٹیٹس  
 کے واسطے ملکی گورنمنٹ یا ملکی حکومت کا لفظ استعمال اور اطلاق کیا گیا ہے۔ ملکی  
 گورنمنٹ کا ایک ملک میں موجود ہو کر امن وامان قائم کرنا دو طرح پر ہو سکتا ہے، ایک  
 محض زور اور رعب و داب کے ذریعہ سے اور ایک زور اور حکمت عملی اور دانائی اور  
 احتیاط اور دور اندیشی کے وسیلہ سے پہلی قسم کا امن وامان قابل اعتبار نہیں ہے  
 کیونکہ اس کے ساتھ محض جبر اور زور ملا ہوا ہے البتہ دوسری قسم کا امن وامان  
 قابل مفید و اعتبار ہے پہلی قسم کے امن وامان کی بابت تو ہم بحث کرنا نہیں چاہتے  
 دوسری قسم کے امن وامان کی بابت ہمارا یہ خیال ہے کہ وہ بجز اس کے قائم نہیں کی جا  
 سکتا کہ ملک یا قوم کے لوگ گورنمنٹ ملک کے فرمانبرداری اور اطاعت کرنی صرف اس  
 سے نہیں کہ ایک زبردست یا مضبوط فرقہ یا طاقت اتفاق سے ہمہ گیر حاکم اور سر  
 ہو گئی ہے بحالت جمہوری ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے بلکہ سچی دل سے اس کے  
 فرمانبرداری اور اطاعت کرنی چاہیے کہ ملک اور قوم میں امن وامان کی صورت  
 قائم رہے اور اس کے قائم رہنے سے انسانی جماعتیں آرام اور آسائش حاصل  
 کریں۔ اگر ہم اپنی ملکی حکومتوں کے نا فرمانبرداری اور تمرد پر تیار اور آمادہ رہیں گے  
 تو امن وامان کے بجائے ہمیشہ کے واسطے ملک میں شرارت اور فساد کی آتش  
 مشتعل رہے گی۔ شریر الامزجہ لوگ ملک اور ملک والوں کی خرابی اور بربادی کے  
 دل سے کوشش کریں گے اور ملک اور ملک والے دونوں میں ہی سقیم الحال ہو کر نکلتے

ہو جائیگی۔ جو لوگ تاج دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اونکو تاریخی واقعات میں ایک نہیں  
 بہت سے ایسی مثالیں مل سکتی ہیں کہ جیسے عہدہ طور پر ہمارے قول کی تائید اور تصدیق  
 ہو سکتی ہے بعض ملکوں اور قوموں کے برباد اور خراب ہونے کا اکثر موقع پر ہی موجب  
 اور سبب ثابت ہوا ہے کہ اول ملکوں یا قوموں کے لوگوں نے ملکی حکومتوں اور ملکی حکومتوں  
 کے قوانین اور اصول سلطنت کو بڑی بے قدری اور ہتک کی نظر سے دیکھا جب ملک  
 کے لوگ اپنی حکومتوں کو بے قدری اور ہتک کی نظر سے دیکھتے ہیں تو امن و امان دور  
 ہو کر ایک عام فساد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے اور اس ملک کے رہنے والوں کے آرام  
 اور آسائش میں خلل آ جاتا ہے۔ جس ملک کے لوگ اپنی حکومتوں اور اپنی حکومتوں  
 کے قوانین کی قدر اور عزت کرتے ہیں اونکی حکومتوں کو بھی ترقی ہوتے ہے اور  
 وہ خود بھی آرام اور آسائش میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو قومیں اور جو لوگ دنیا میں  
 رہ کر عورت اور بزرگی اور آرام و آسائش اور سچی خوشی کے ساتھ چند روزہ زندگی بسر  
 کرنا چاہتے ہیں اونکو لازم اور واجب ہے کہ اپنی حکومتوں اور اپنی حکومتوں کے قوانین  
 کی سچے دل سے فرمانبرداری اور اطاعت کریں۔ نہ مذہبی مخالفت اور نہ قومی بغاوت  
 کے باعث اپنی حکومتوں کی فرمانبرداری کو چھوڑنا چاہیے اور نہ اس باعث کہ غلام  
 قوم نے زور کے ساتھ ہم سے ہمارا ملک لے لیا ہے ہماری غرض یہ ہوتی چاہیے کہ  
 امن و امان کی صورت قائم رہے اس سے ہلکو کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہیے کہ ہماری  
 حکومتوں کے قوم اور مذہب کیا ہے۔ جب ہمارے ملک میں امن و امان اورواجبی  
 آزادی کی صورت پائی جاتی ہے تو ہم نے حکومتوں کے مذہب اور قوم سے کیا غرض اور  
 واسطہ ہے جب حکومتوں کی قومیت اور مذہب ہمارے امن و امان اور واجبی آزادی  
 کی بھل نہیں تو بہرہ کو خواہ مخواہ کی پرغاش سے کیا غرض ہے حکومتیں مذہب سے  
 کے واسطے نہیں ہوتیں کہ مذہب سے واسطہ اور غرض رکھی جاوے حکومتوں کے قائم ہونے

اصلی علت اور نجات ملک اور قوم میں امن و امان اور دہی آزادی کا بخشنا ہو، حکومتی اور دہی آزادی سے غرض رکھنی چاہیے جب ہمارے امن و امان اور دہی آزادی میں متزلزل اور خلل آنا شروع ہو تو پہلے ضرورت میں حکومتوں کو متنبہ کرنا چاہیے اگر تنبیہ سے باز نہ آئے اور امن و امان کی صورت قائم نہ ہو تو پھر ہمیں اختیار ہے کہ فرمانبرداری اور اطاعت کیلئے طاق رکھ کر فرمانبردار ہو جائیں۔ بعض لوگ جو حکومتوں کے قائم ہونے کی غرض کو نہیں سمجھتے بعض حکومتوں کو ہوائے ناپسند کرتے ہیں کہ وہ غیر قوم میں سے ہیں یہ اون کی بڑی بہاری غلطی ہے غیر قوم میں سے ہونا اس امر کا مستلزم نہیں ہے کہ ہم اُن کی اطاعت نہ کریں کسی واقعتی تصور اور لاپرواہی یا فروگذاشت پر غیر قوم کی حکومتوں کی فرمانبرداری کو مذہب و قرار دینا چاہیے۔ صرف غیر ہونے کے عذر ضعف پر اطاعت سے باہر ہو جانا عقل اور دور اندیشی کا کام نہیں ہے انسان کو صداقت اور فائدہ سے غرض رکھنی چاہیے۔ اس امر سے نہیں کہ اوس صداقت اور فائدہ کا منہج اور ماخذ اچھا اور موافق نہیں ہے اگرچہ میں ایک شیعہ گڑھے سے اُتر رہا ہوں اور میرے ہونے ایک ہلاخورد ہر حال لیگا تو کیا ہم اُس کی مدد سے باہر آ پالسنہ نہیں کریں گے کیونکہ میں ایک مرتبہ چھوڑ کر سو مرتبہ کہیں گے کہ ہمیں اس بلا سے نجات دو۔

جس گورنمنٹ کی مدد اور انصاف سے حکومت اور آسائش اور آزادی اور امن کی دگر بلی ملتی ہے لازم ہے کہ ہم سچے دل سے اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں۔ خداوند کریم کی پاک درگاہ سے دعا ہے کہ اُس کے وہ بہادر اقبال میں روز افزوں ہوں اور اطاعت حکومت یا گورنمنٹ سے ہماری یہ مراد نہیں کہ ملک کے لوگ اپنے حقوق کو تلف کر دیں یا جب گورنمنٹ غلطی سے کوئی نقصان رساں ایکٹ پاس کرے یا کوئی ایسا مضر حکم دے جو رعایا کے حقوق پر موثر ہو تو لوگ خاموش رہیں اور اس کو تسلیم کر لیں ہم اسی رضامندی اور خوشامش کو ہی ایک قسم کی نافرمانی خیال کرتے ہیں۔

ایسی ضروری موقوفوں پر ملک کے لوگوں کو نہایت ہمدردی اور تسکین سے اپنے حقوق کو اٹھانے سے بچانا چاہیے اور اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ گورنمنٹ اپنے مقرر یا نقصان رسان راستے پر نہ چلے جائے۔ جس ملک کے لوگ اپنے حقوق کے بچنے اور پر محافطت نہیں کرتے اور اپنی گورنمنٹ کو غلطیوں اور نقصان رسان راہوں اور احکام سے آگاہ نہ کرتے اور اپنی غلطیاں کرتے ہیں وہ دراصل اپنے حقوق کا بے رحمی کے ساتھ اپنے ہستون سے خون کرتے ہیں اور اپنی گورنمنٹ کو بھی بدنام کرتے ہیں جس ملک کے لوگ ہمدردی اور دانا ہوتے ہیں وہ اپنے طور پر اپنے حقوق کی محافظت کرتے ہیں اور اپنی گورنمنٹ کو غلطیوں اور نقصان رسان راہوں اور احکام سے مطلع اور آگاہ کرتے رہتے ہیں اس طریق عمل سے ان کے حقوق بھی محفوظ رہتے ہیں اور گورنمنٹ بھی غلطی نہیں کا رہو اینوں سے بچ جاتی ہے۔

ہمدردی اور دانا وہ گورنمنٹ ہے جو اپنی رعیت کے لوگوں کو اس امر کی طرف توجہ اور شوق دلاتی ہے کہ ان کو اپنے حقوق کی اپنی محافظت کر لینے کا طریق اور ڈھنگ آجائے اور جب کہیں گورنمنٹ سے کوئی غلطی سمجھو تو نشانہ لگی اور ہمدردی سے اس کو آگاہ اور مطلع کرتی رہے۔ مبارک ہیں وہ قومیں جو اپنی حکومتوں کے سچے دل سے اطاعت کرتی ہیں اور مبارک ہیں وہ حکومتیں جو اپنی رعیت کے حقوق کے وابستہ طور پر حفاظت کرتے ہیں۔

## انصاف و عدالت

عدل نوریت کہو ملک منور گردو وزیر سیمیش ہمہ آفاق معطر گردو  
دنیا میں بہت سی ایسی باتیں یا ایسی ضرورتیں بھی ہیں کہ جبکہ ایک عام غلطی کے بموجب خاص خاص امور اور یا خاص شخصوں سے نسبت دیا جاتی ہے اور دراصل ان ضرورتوں کے جو عام غلطی کے بموجب نہ ہو اور ضرورتوں میں تمام لوگوں یا

سارے انسانوں کو حاجت ہوتی ہے جیسا ایک خاص شخص کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اوسکو فلان امر کی شد ضرورت ہے دراصل ایسی ہے اور لوگوں کو ہوتی ہے مگر عام غلطی کے بموجب اوسکو ایک خاص شخص سے خاص کیا جاتا ہے اس قسم کی غلطیاں جنکو ترتیبی غلطیوں کے نام سے تعبیر کرتے ہیں (کیونکہ اوجھا عدد درجے ترتیبی کے سبب سے ہوتا ہے) بہت سے امورات میں پائے جاتے ہیں انصاف وعدالت کے بارے میں ہی عام لوگوں نے ترتیبی غلطی کو دخل کر رکھا ہے عام محاورہ یا عام اصولوں کے اعتبار سے انصاف وعدالت صرف بادشاہوں یا قاضیوں یا عاموں یا ججوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ انصاف اور عدالت صرف خاص خاص لوگوں یا کسی محدود اور ممتاز فرقہ کا کام ہے عوام کو اوس میں کچھ دخل نہیں عام لوگوں کا انصاف وعدالت کی بابت ایسا خیال انصاف وعدالت کے خلاف ہے یہ ایک ایسی نقصان رسان غلطی ہے کہ جس سے کئی ایک ضروری جانوں کا جرم سے خون ہوتا ہے انصاف اور عدالت کی کوئی ایسی ڈیوٹی نہیں ہے کہ جسکو ممتاز فرقہ یا خاص شخصوں پر ہی بڑے انصاف اور عدالت کے ایسے وسیع دائرے سے کہ جو تمام انسانوں کی محیط ہے جیسا کہ بادشاہ و آج آف کورٹ کو عدالت اور انصاف کی ضرورت ہے ایسا ہی ایک عام آدمی کے واسطے ضروری ہے امورات یا ضرورتوں کا صرف خاص شخص یا خاص پارٹی کے ساتھ مخصوص ہونا مفہوم و حالت ضرورت کے موافق ہوتا ہے اگر کسی امر یا کسی ضرورت کی حالت محدود ہو تو اوسکا التزام ہی محدود یا محصور ہوگا اور اگر حالت ضرورت غیر محدود یا غیر محصور ہوگی تو اوسکا التزام ہی غیر محصور اور غیر محدود ہوگا انصاف اور عدالت کی ضرورت کی حالت محدود اور محصور نہیں ہے کہ جسے اوسکا محدود یا محصور ہونا لازم آئے بلکہ ضرورت مذکور کی حالت غیر محدود یا غیر محصور ہے جو مستلزم ہے اس بابت کی کمال

کسی خاص شخص یا کسی ممتاز فرقہ سے مخصوص نہو تہی غلطیوں کے وقوع یا عدم وقوع کا اصلی باعث یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ تعریف یا غایات امورات یا ضرورتوں سے سن کر کل الوجہ ماہر اور واقع نہیں ہوتے ناواقفیت کی حالت کی حالت میں حقیقت کے خلاف سمجھ لیتے ہیں عام لوگوں نے عدالت کو بھی اس واسطے مخصوص کر رکھا ہے کہ اس کی غایت اور تعریف سے جا مل اور ناواقف ہیں اگر غایت یا تعریف سے مراد ہوتی تو ایسا نہ کرتے کسی شے کی تعریف کے علم سے حالت شے کا بالا جمل علم ہو جاتا ہے جو وقوع غلطی کا مراحم اور مانع ہے اگر ہم انسان کی یہ تعریف کہ انسان کما فی علیہ القدر صیغہ وناطق بنطق المخصوصہ و مددك الحقائق الاشیاء ہو جائے الغفل والحواس السلیمہ معلوم کر لیں تو اس جزوی علم سے اس قدر کفایت ہو جائے کہ ہم انسان کی ذات کو کسی ایسے فرضی یا دہی خصوصیت یا مصنوعی عمومیت سے خاص و عام نہیں کرینگے کہ جو شافی حقیقت ہو کہ یہی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعریف کے اولئے طور پر سمجھے جاتی ہے یہ روش بھی شافی حقیقت ہے علم تعریف سے مزید یہ کہ عین اپنے مرکز پر ہونے یہ کہ بین الافراط والتفریط محاط اور متدار ہو لفظ عدالت کے لغوی معنی تو انہذا اور نظیر اور برابر کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں عدالت کو الفاظ مندرجہ ذیل معنی کیا گیا ہے العدالة وضع الشیخ فحلہ یہ تعریف ایسی جامع مانع تعریف ہے کہ اس میں ہر ایک چھوٹی بڑی بات آجاتی ہے جب اس میں ہر ایک بات شامل اور داخل ہے تو معلوم ہوا کہ اسکی ضرورت کی حالت محدود نہیں ہے بلکہ غیر محدود جب غیر محدود ہوئی تو اسکا کسی خاص شخص یا کسی ممتاز فرقہ کے ساتھ مخصوص کرنا یا اطلاق ٹھہرانا مطلب مان اس بات کو مانا جاسکتا ہے کہ یہ نسبت عام لوگوں کے بارہا ہوں یا جموں کے متعلق انصاف اور عدالت کا بہت سا حصہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی طرف ملک اور لوگوں کی جانب سے اکثر امور رجوع ہوتے ہیں اور یہ بھی کام

اور امتیاز کی وجہ انفصال اور وقفا یا مروجہ ہوتی ہے جہن عدالت اور  
 عدالت کی اشد ضرورت ہو اس فرق سے جو باعتبار رقابت اور کثرت کے اور  
 نہیں آتا کہ انصاف اور عدالت مخصوص بل بعض الاشخاص یا محدود فی الواقع  
 انصاف اور عدالت باعتبار اپنی ضرورت اور حالت ضرورت کے کسی شخص  
 یا کسی فرقہ سے خاص نہیں تو ہر ایک شخص پر لازم اور فرض ہے کہ اسکے پورا کرنے  
 میں دل سے سعی اور کوشش کرے کوئی ایسا انسان نہیں کہ جسکو اپنی زندگی میں  
 کوئی ایسا موقع پیش نہ آیا ہو کہ جہن انصاف اور عدالت کی ضرورت ہو بلکہ اگر چشم  
 نہ دیکھو تو ہر ایک انسان کو اپنی زندگی میں ہمیشہ ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں  
 ہیں کہ جہن انصاف اور عدالت کی سخت ضرورت ہے اول اپنے اہل خانہ وغیرہم  
 سے نہ نہیں ملازم اور اور لوحقین داخل اور شامل ہیں عدالت کی ضرورت ہر ایک  
 کے لئے ہے نہ بقدر آدمی ہوتے ہیں اون سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسی معاملات  
 پیش آتے ہیں جہن عدالت کا برتنا لازم ہوتا ہے بیٹے کو باپ کے ساتھ عدالت سے  
 پیش آنا ضروری ہوتا ہے اور باپ کو بیٹے کے ساتھ بہن کو بھائی سے بھائی کو بہن  
 انصاف سے پیش آنا لازم ہے۔ فقہ علی هذا علائق الاخری دوسرے  
 ہر ایک انسان کو باعتبار اسکے کہ وہ مدنی الطبع ہے اپنی عمر میں اور اطفالوں کے ساتھ  
 ہر قسم کے معاملات پیش آتے ہیں جہن انصاف اور عدالت کو ضرورت پیش نظر کہنا  
 پڑتا ہے شاید کوئی ہے ایسا انسان ہوگا کہ جسکو اپنی زندگی میں اوروں سے معاملہ  
 نہ پڑتا ہو۔ تیسرے انسان کو اپنی ذات میں ہی ذاتی طور پر انصاف اور عدالت  
 کی سخت ضرورت پڑتی ہے اپنی ذاتی قوتوں اور فطرتی طاقتوں کا برتنا اور انکو استعمال  
 میں لانا ہر سے زور سے سفارش کرنا ہے کہ عدالت اور انصاف کو ملحوظ رکھا جاوے  
 یا عام قوتوں کا یہ خیال کہ صرف مروجہ معاملات میں ہی جو خاص شخصوں یا کسی خاص فرقہ کے



مقابلہ میں آگئے ہوں عدالت درکار ہے ایک کمزور اور حقیقت واقعہ کے برخلاف خیال ہے جب عدالت کی تعریف یہ ہے عدالت وضع اللہ فی محلہ تو سب کچھ آگیا وہ معاملہ جو خاص شخصوں یا کسی خاص فرقہ کے روبرو سے پیش ہوتے ہیں وہ بھی آگے اور وخصایا اور امور است بھی کہ جو ہر سہ صورتہ کو ریا اور صورتوں میں اور لوگوں کی جانب رجوع کیجاتی ہیں صورت ارجاع تو ایک ہی ہے خواہ کسی کی طرف ہو جیسا کسی جج کا ایک امر کو عین اس کے محل پر رکھنا عدالت ہی ایسا ہی کسی عام آدمی کا کسی امر کو عین اس کے محل پر قائم رکھنا عدالت ہو جیسا کسی جج کے روبرو سے ایک معاملہ پیش کرنے کی حیثیت سے معاملہ مرجعہ کہا جاتا ہے ایسا ہی کسی عام آدمی کے روبرو سے پیش کرنے سے معاملہ مرجعہ کہا جاسکتا ہے جبکہ صورت ارجاع ایک ہو تو ہر مخالفت کی کیا وجہ اور پر کی سطروں میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عدالت ہر ایک انسان کو تعلق رکھتی ہے کسی خاص شخص یا کسی خاص فرقہ سے خاص نہیں اب عنوان اشہب قائم کو یوں ثابت کرتے ہیں کہ عدالت باعتبار اپنی صورتوں یا حالتوں کے پانچ قسم بنتی ہے۔ اولیٰ عدالت حکمیہ۔ دوم عدالت نسبتیہ خاص۔ سوم عدالت نسبتیہ عام۔ چہارم عدالت ذاتیہ یا نفیسہ۔ پنجم عدالت نسبتیہ یا تعلقہ۔

### عدالت حکمیہ

عدالت حکمیہ وہ عدالت ہو کہ جو ملک کی حکومتوں کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ لوگ کرنے والے بادشاہ سے لیکر ادنیٰ جج یا الکار تک شمار کیجاتی ہیں حکومتوں کی جانب سے ملک میں جج یا حاکم مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ رعایا کے معاملات مرجعہ اور گزشتہ کی ضروریات پیش آمدہ کو انصاف اور عدالت سے فیصلہ کریں اور کہی ملک کے بادشاہوں یا خاص اور اعلیٰ حکمران مجبور کو یہی اس قسم کے فیصلوں میں شامل ہونا پڑتا ہے رعایا کے معاملات مرجعہ یا گزشتہ کی ضروریات پیش آمدہ دو قسم میں تقسیم ہیں

ایک وہ جو کسی کی طرف سے رجوع ہوتے ہیں اور ایک وہ جو بادشاہ یا کوئی خاص حکمران  
 مجمع اپنے طور پر اپنی طرف مبرا و تصفیہ و انفصال رجوع کرتا ہے خود حکومتوں یا خاص  
 حکمران شخصوں یا خاص حکمران مجموعوں یا اون لوگوں کا جو خاص حکمران شخصوں یا حکمران  
 مجموعوں کی جانب سے منصفوات یا ججوں یا اور یا جیسے ہی ناموں سے موسوم اور لقب ہو کہ  
 ملک میں معین یا مقرر ہوتے ہیں فرض ہے کہ یہ معاملات مرجعہ اور امور اتہام  
 کو بلا رورعایت یا یوں کہو کہ بلا کم و کاست فیصلہ کیا کریں رعیت کے لوگ اونکے  
 پاس اپنے معاملات اور خدمات کو سوا سوا پیش کرتے ہیں کہ اونکے ہاتھ یا توجہ سے  
 منصفانہ فیصلہ ہو اگر انھوں نے انصاف سے کام نہ لیا تو پھر ملک کیونکر ایسے گا اور  
 رعیت کے لوگ اور کس اور اپنے خدمات کے انفصال کی تکلیف دینگے خاص حکمران  
 شخصوں پر جو شخصی سلفیت کی حیثیت سے یہ خاص طور پر اپنے ہاتھ میں ہی رشتہ  
 نظم و نسق رکھتے ہیں یا خاص حکمران مجموعوں کو جمہوری سلطنت کے اعتبار سے  
 ملکہ کام کرتے ہیں لازم اور فرض ہے کہ بنایا اور لایا ملک کے ساتھ عدالت اور انصاف  
 سے پیش آئیں کیونکہ رعیت کے ساتھ عدالت سے برتاؤ کرنا ملک کی آبادی اور  
 بہتری کا نشان ہے خدا نے اونکو اسوا سوا اپنے خلقت پر اقتدار اور حکومت عین  
 بخشی کہ اوپر جبر اور ظلم کریں بلکہ اسوا سوا اپنے ہاتھ میں رشتہ اقتدار دیا گیا ہے  
 کہ رعیت کے ساتھ عدالت اور انصاف سے پیش آئیں اور سکے حقوق جنکا ادا کرنا  
 لازم اور واجب ہے ادا کیجاوین اور اپنے لازمی حقوق کا مطالبہ ہو جو بادشاہ یا  
 حکمران مجمع اپنی رعیت کے ساتھ عدالت سے برتاؤ کرتا ہے وہ اپنی اور اپنی نسل  
 کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے جمارہا ہے اسنے اپنے ہاتھ سے ایک ایسا بڑا لگایا  
 کہ جسکا بیل آپ ہی کھائیگا اور اسکی نسل بھی اس سے مستفید ہوگی۔  
 وادگری شرط جہان داری است دولت باقی ز کم آزاری است

مملکت از عدل شود پایدار کار تو از عدل تو گیر و سوار  
ہر کہ درین خانہ شبے داد کرد خانہ فردا سے فدہ آبا و کرد

خاص حکمران شخصوں یا خاص حکمران جمہوں کو لازم ہے کہ اپنے محکوم یا زیر دستوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں رعیت کے ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر اپنی نظر میں برتری اور فوقیت نہ دین اگر رعیت میں سے کسی فرقہ کو اور فرقوں پر فوقیت اور برتری دیکھا دے گی تو اور دن کے حق تلفی ہوگی اور علاوہ اس اتلاف حق کے بڑے یا فایق فرقہ دوسرے فرقوں کو اپنی نظر میں حقیر خیال کریگا جو انصاف اور عدالت کے خلاف ہے وہ بادشاہ یا وہ حکمران مجمع جو اپنی زندگی میں عدالت اور انصاف کو محبوب رکھتا ہے اپنے لئے دنیا میں بھی نیک نامی اور سعادت کا ذخیرہ جمع کرتا ہے اور عاقبت کے واسطے بھی خدا کی رضا مندی کی سند حاصل کرتا ہے

عدل و دروینا نیکو نام است کند در قیامت خراب نہ جاست کند

اندرین عالم معزز سازد بتہ چون بدان عالم زنی بنواز د

دانا اور درویش وہ بادشاہ یا وہ حکمران مجمع ہے کہ ہر وقت عدالت سے اپنے ملک اور رعیت کی بہتری اور صلاحیت چاہتا ہے بادشاہ یا حکمران مجمع کو نیک عدالت کا خیال رکھنا چاہیے کہ اسکی نیت میں بھی ہر وقت عدالت ہی کا خیال مرکوز ہو اکثر امور کا قصد و نیت پر بھی ہوتا ہے اگر کوئی بادشاہ یا حکمران مجمع عام لوگوں کے خوف کے مارے عدالت کرے اور نیت میں ظلم کی خواہش ہو اگرچہ کسی فرقہ سے ہی ہو تو بت بھی اوسکو عادل نہیں کہا جاسکتا عدالت نام بت ہی ہو سکتی ہے کہ جب ظاہر و باطن ایک ہو ملک اور رعیت بت ہی خوشحال اور باربار رہ سکتی ہے کہ جب بادشاہ یا حکمران مجمع کی نیت نیک ہو

ہر آن خم کہ از ابر باران بود در اندیشہ شہر باران بود

چو بدر گردد اندیشے بادشاہ نیا ہر زمین ہم بوقت ہوا  
 چو عادل بود شہ ز سختی مثال کہ عدلش بہت از فراحتی مال  
 چہن اور دیگر ادون اہلکاروں کو جو حکومتوں کی جانب سے مقرر ہوتے ہیں لازم ہے  
 کہ ان کے ہاتھ سے بھی رعیت کے ساتھ عدالت اور انصاف کا برتاؤ ہو رعیت اور  
 ملک والوں کے قضا یا اور معاملات پہلے انہیں لوگوں کے روبرو پیش ہوتے ہیں  
 حتیٰ المقدور عدالت پر نظر رکھنی چاہیے اگر پہلے عدالتیں رعیت اور اہل ملک کے ساتھ  
 انصاف سے پیش آئیں گے تو رعیت اور اہل ملک کو ہر یک قسم کی ترقی اور رونق سے  
 حصہ ملتا رہیگا حکومتیں ملک میں نہ جھون اور قاضیوں کو اس واسطے مقرر کرتے ہیں کہ ان کے  
 ہاتھ سے نہصفانہ فیصلے ہوں اور کسی فریق پر ظلم نہ ہو جھون کو لازم ہے کہ اس عہدے پر  
 جو حکومتوں کو اونپر ہوتا ہے بے انصافی سے ناکمل نہ کر دیں بلکہ اسکو ترقی دین  
 تاکہ حکومتوں کے نزدیک ان کی عزت دو بالا ہو۔

سہر بر آوردی بدولت یا مردی کن بطف دسترس دادت خدا افتادگان را دستگیر  
 اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں کسی معاملہ کو دیدے تو اوپر لازم ملکہ  
 الزم ہے کہ اس میں ایمان داری اور دیانت سے کارروائی کرے جھون یا اور اہلکاروں کو  
 جو ملک اور رعیت کے معاملات اور قضا یا سپرد اور تفویض کیے جاتے ہیں تو ان کو بھی  
 لازم اور واجب کہ کہ معوضہ امورات اور سپرد کردہ معاملات میں انصاف اور عدالت  
 کو مقدم رکھیں جھون یا اور اہلکاروں کے پاس جب رعایا کے کسی فریق کی جانب سے معاملات  
 فیصلہ طلب پیش ہوتے ہیں تو مدعی یا مدعا علیہ مستغنیٰ یا مستغاث علیہ کی جانب سے  
 برابر رعایت یا عہدگی فیصلہ کے کئی ایک پہلوؤں سے سفارشیں کی یا کرائی جاتی ہیں  
 علاوہ سفارشوں کے مایہ الاختطاط لینے رشوت دینے کی بھی جانبیں یا ایک جانب سے  
 سامان کیجاتی ہیں ایسے خوفناک اور نازک وقت میں جھون یا دیگر اہلکاروں کو اپنی ایمان داری

اور دیانت داری کے حیانت اور انصاف اور عدالت کی مخالفت کے واسطے جو یہی پڑی  
 سخی اور کوشش کرنی لازم ہے نہ لوگوں کے سفارشین ایما ناری اور ایسا اعتبار نہ  
 جو حکومتوں کی جانب سے ہوتا ہے قائم رکھ سکتے ہیں اور نہ مبالغہ الّا احتیاطاً یا رشہ  
 دیانت کی مخالفت کر سکتی ہے بلکہ ایما ناری اور تدبیر اور اعتبار کے ثابت اور قائم کرنے  
 کے واسطے وہی ڈیوٹی کافی ہو سکتی ہے کہ حین انصاف اور عدالت قائم رہے  
 یا رشوت کا اثر اور قیام چند روزہ ہے لا کرتا انصاف اور عدالت کا اثر یا قیام عالم اور  
 مین بھی اور عالم ثانی مین بھی ثابت اور قائم ہو گا منصف جج یا مارشل ایڈکار کے لیے  
 یہ کتنی بڑی مسرت اور خوشی کی بات ہے کہ نئی یا الہکاری سے آگے نہ آنے کے بعد لوگ  
 او سکوا سولے نیکی اور بزرگی سے یاد کرتے کہ وہ انصاف اور عدالت کو بہت پیار  
 کرتا تھا ایسے وقت مین جج یا ایڈکار ایسی مسرت اور خوشی ہوتی ہے کہ جیسے کہ انہوں  
 جنرل کو از حصہ حصین کے فتح کو نہ سے کہ بکافتح ہونا اور جنرل کے نزدیک شکل  
 ناممکن خیال کیا گیا تھا جیسا لٹری افیسروں کے واسطے لٹری ناموریوں اور مقامات  
 اور استعانات مین پورا اترنا ایک اعلیٰ درجہ کی خوشی کا باعث ہوتا ہے ایسا ہی سول فیسروں  
 کے واسطے رعایا کے نزدیک عادل اور منصف ثابت ہونا ایک اعلیٰ درجہ کی مسرت  
 اور خوشی کا باعث ہے وہ جج یا الہکار نہایت ہی دور اندیش اور دانائین کہ جو اس  
 خوشی کی تحصیل کے واسطے انصاف اور عدالت کی مبارک رشتہ کو ہاتھ سے نہیں  
 ماسوائے سفارشوں اور مبالغہ الّا احتیاط کے بعض اوقات مین ججون کو اپنے طور پر  
 خواہ قوانین کے نہ سمجھنے سے ہو اور خواہ اس واسطے کہ مقدمہ مرحومہ کی رو پر اونٹ بھی  
 گئی اور خواہ کسی اور طریق پر ہو فیصلہ دیتے وقت دھوکھا لگتا ہے جس سے  
 انصاف اور عدالت کی ڈوری ہاتھ سے چھٹ جاتی ہے ایسے بھارہ وقتوں مین ججون  
 پر لازم ہے کہ نہایت احسان نظر اور غور و فکر سے فیصلہ دین اگر ججون کے قلم سے



مجمع کی جانب سے ایسی مضبوط اور سلیم قوانین اور ضوابط ملک میں ذالیع اور شایع ہوں  
 کہ جو بالذات ملک اور ملک والوں کے حقوق اور فرائض کی نگرانی اور محافظت کرتے ہوں  
 اور جسکے تدوین کی علت ہی یہ ہو کہ اول سے رعایا کے حقوق اور فرائض کے کافی طور پر نگرانی  
 اور محافظت ہو سکے رعایا اور ملک کے واجبی حقوق اور لازمی فرائض کا حکمران شخصوں  
 یا حکمران مجموعوں کی جانب سے بوجہ حسن اور بطریق اتم پورے ہوتے رہنا ملک اور  
 ملک والوں کی بہتری اور خوشحالی کا نشان ہے جس بادشاہ یا نواب یا راجہ کے  
 ملک اور رعیت کے واسطے مضبوط اور سلیم قوانین اور ضوابط وضع اور تدوین ہوتے ہیں  
 اوسے بادشاہ یا نواب یا راجہ کو رعایا اور ملک کے حق میں مختتم سمجھا جاتا ہے اوسکے  
 حق میں یہ اعلیٰ درجہ کا جملہ اطلاق کیا جاتا ہے کہ اسپر زمانہ اور ملک اور رعیت فخر کرتی  
 ہے او سپر لوگوں کو غرور اور ناز ہے ملک اور رعایا کے واسطے جیسے کسی خاص حکمران  
 شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کی ضرورت ہے ایسے ہی ہر ایک ملک اور اہل ملک  
 کے واسطے مضبوط قوانین اور سلیم ضابطوں کی حاجت ہے جیسے بادشاہ یا کسی  
 حکمران شخص یا کسی حکمران مجمع کے ہونے سے لوگوں میں خرابی اور ابتری کے حصول  
 کا احتمال ہے ایسی ہی مضبوط قوانین اور سلیم ضابطوں کے ہونے سے تقریر اور  
 خرابی کا اندیشہ ہے نوابوں یا بادشاہوں کے وجود کے ساتھ ہی ملکی قوانین کی  
 پیدائش لازم ہے وہ نواب یا بادشاہ نہیں ہے کہ ایک ملک کا حکمران ہو کر اس  
 ملک کی ضروری نگرانی اور انتظام سے بیخبر ہو کر پیہ بگوش ہوا ہے یا فراست اور  
 دورانہ لیش وہ نواب یا بادشاہ ہے کہ جو حکمرانی کی باتوں اور ضرورتوں کو ہر وقت  
 پورا کرتا ہے حکمران لوگوں کے ہاتھ میں اور اہل ملک کے سارے معاملات اور  
 حقوق کو سپرد کیا جاتا ہے اگر انہر او کی نظر اور غور نہ ہو تو کمال حیرت اور افسوس کی  
 بات ہے حکمران شخصوں کو اپنے ملک اور اپنے ملک کی رعیت کے حقوق اور دیگر

فرانس کو اپنے پرائیویٹ معاملات اور ضروریات کی طرح خیال کرنا چاہیے جیسا کہ  
 اولاد اور دیگر خانگی ضروریات کا پورا کرنا یا سرانجام دینا یا ان پر غور کرنا ایک ضروری  
 اور لازمی ڈیوٹی خیال کی جاتی ہے ایسا ہی ملک اور اہل ملک کے حالات اور حقوق اور  
 ضرورتوں کو زیر نظر رکھنا لازم ہے بادشاہوں سے رعیت کو یہی میٹون کی نسبت  
 منصف اور عادل اور سیدار مغز بادشاہ کو رعیت اپنی بزرگ باپ کے موافق سمجھتی  
 ہے منصف باپ کا فرض ہے کہ میٹون کو ایک ہی نظر سے دیکھے جیسا اپنے خاص اور  
 سلبی میٹون اور دیگر ادنیٰ ضرورتوں اور حقوق اور پرائیویٹ امورات اور خانگی مساعلا  
 کا پورا کرنا ضروری اور لازمی معلوم ہوتا ہے ایسا رعیت کی ضرورتوں اور معاملات  
 کو خیال کرنا چاہیے ایک صورت میں بادشاہ اور حکمران شخصوں پر خانگی امورات اور  
 میٹون سے اہل ملک کا حق زیادہ ہے خانگی امورات کی بگڑنے اور میٹون کے حقوق  
 نہ ادا ہونے کی صورت میں بادشاہ یا کسی حکمران شخص کے ہاتھ اور قبضہ و تصرف  
 سے ملک اور اہل ملک نکل نہیں سکتے لکن اہل ملک کی ضروریات نہ پورا ہونے کی  
 صورت میں باوجود اسکے کہ خانگی امورات اور میٹون کی ضروریات سرانجام ہوتے  
 جاتے ہیں حکومت اور بادشاہت میں کچھ باقی نہیں رہتا حکومت اور بادشاہت  
 بقاء اس صورت میں مرغوم اور مقصور ہے کہ جب محکوم لوگوں اور اہل ملک کی ضروریات  
 اور لازمی حقوق اور واجبی فرانس پر حکومتوں کی جانب سے نظر اور غور ہوتی رہے  
 اور رعایا کے معاملات کے انفصال اور حقوق کی تحقیق اور تشخیص کے واسطے ایسے  
 مضبوط اور سلیم قوانین موضوع اور مقرر ہوں کہ جو بالطبع حقوق اور معاملات کی حفاظت  
 اور نگرانی کریں اور ایسے قوانین کی بھی تدوین ہو کہ جس سے رعایا اور ملک کے  
 حقوق کا تعین ہو سکے اگرچہ رعایا کو اپنے طور پر ہی حقوق حاصل ہوتے ہیں مگر حکومت  
 کی طرف سے ادھکا ایک خاص الفاظ کی تعریف کے ساتھ۔ جو مناسب وقت ہوں



اور خاص مقام پر معین کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ جب تک حکومت کی طرف سے  
خاص الفاظ کی تعریف اور خاص مقام پر تعین نہ ہو ٹیکس تنائج مرتب نہیں ہو سکتے  
اور نہ ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض میں تفریق اور تمیز ہو سکتی ہے رعایا کے  
اگر ان کے حقوق واحد الحیثیت نہیں ہوتی کوئی کسی حیثیت کا اور کوئی کسی حیثیت کا  
جب تک ان میں تعریف الفاظ اور تعین کی جہت سے تمیز اور تفریق نہ ہو سکے انفصال اور  
تشخیص کی صورت کیونکہ صورت پذیر ہوگی انفصال اور تشخیص اسی صورت میں تصور  
ہو سکتا ہے کہ جب مقام اور تعریف کی جہت سے تفریق اور تمیز حاصل ہو رعایا کی مخلوط  
حقوق اور مشرک فرائض کا انفصالی صورت میں لانا ایک مشکل بات ہے اکثر  
الشرحون سے اس واسطے بھی عدالت میں پوری ایمان داری ملحوظ نہیں ہوتی کہ اپنے  
ملحوظ حقوق کے انفصالی صورت حاصل نہیں ہوتی اور وہ حقوق کی تعریفی الفاظ  
اور خاص مقام کی بجائے نہیں ہوتے اس لیے جمیع اور ایسی عدالتیں ہیں کہ جو  
ان کے ذریعے کے وقت اس بات کو ہی نہیں جانتیں کہ ایک حق کو دوسرے  
حق سے الگ کیا گیا ہے اور حقوق متعارف یا موجودہ عدالت کی تعریف کن الفاظ میں کی  
ہے اور مقرر ہوئے ہیں۔ ان کو کن مقامات پر معین کیا ہے جب تک ججوں اور عدالتوں کو  
جس کے بارے میں ان کے متعارف یا موجودہ حقوق اور فرائض کا فیصلہ متصور ہے  
اور اس کی تمیز اور ان کے متعارف اصولوں سے آگاہی نہ ہو ٹیکس حقوق کا انفصال  
اور تشخیص بوجہ امکان نہیں ہو سکتی ججوں اور عدالتوں کو مخلوط حقوق کی تشخیص  
میں بعض وقت بہت ہی مشکل ہو سکتی ہے اور خاص مقامات اور حکومتی تعینات  
کے اس قسم کی پیچیدہ باتیں پیش آتی ہیں کہ انفصال اور اظہار اس کے کوئی ذریعہ  
نہیں ہو جتنی ایسی وقوں میں اکثر جج اور عدالتیں یکطرفہ اسے برہی فیصلہ لکھ دیتیں  
جوابیل و رسل کا موجب ہوتا ہے اور جس سے باعث کثرت مصارف اور زیادتی اخراجات

اہل مہمات اور رعایا کو اعلیٰ درجہ کی تکلیف ہوتی ہے وہ ملکی قوانین کو جنہیں ملک کے لوگوں کے حقوق اور فرائض میں کوئی تمیز اور فرق نہیں رکھا گیا اور جنہیں اس ضروری بحث کو شامل نہیں کیا گیا دراصل ملک اور اہل ملک کے حق میں مفید اور نافع نہیں ہیں ملک اور اہل ملک کے حق میں وہ ہی قوانین فائدہ بخش ثابت ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں کہ جو رعایا کے حقوق اور فرائض کے بحث پر حاوی اور محیط ہوں جن قوانین میں بحث مذکورہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا انکا عدم وجود رعایا کے حق میں برابر ہے۔

اصول حکمرانی اور ضوابط عدالت میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ ہر ایک ملک اور ملک کی بہبودی اور بہتری اور ہر ایک ملک کے بادشاہ یا حاکم کی عزت اور کرم اور مضبوطی رعایا کی حالت پر موقوف ہے اگر کسی ملک کے بادشاہ کی رعیت اپنی جیسے اور ضروری حقوق پر قابض و متصرف اور اپنی ذاتی حالت میں خوشحال اور فخریہ ہوگا ہے تو اس ملک کا نقصان یا حاکم اور خود وہ ملک مکرم اور ممتاز اور خوشحال ہوگا اور اگر کسی ملک یا کسی بادشاہ کی رعیت سقیم الحال ہے تو وہ ملک اور اس ملک کا سلطان یا بادشاہ اتر اور سقیم الحال ہوگا سعدی علیہ الرحمۃ کیا اچھا فرماتے ہیں

فراخی دران مژد کشور مخواه  
کد دل ننگ بینی رعیت ز شاہ

کسی ملک یا کسی ملک کے بادشاہ کی عظمت اور کرم اور خوشحالی یا اتری اور سقیم الحال رعیت سے اس واسطے وابستہ ہے کہ ہر ایک ملک اور ہر ایک ملک کا بادشاہ یا حکمران رعیت کے ہونے سے ہی ثابت اور قائم ہے اگر کسی بادشاہ کی رعیت نہ ہو یا کوئی ملک رعیت سے خالی ہو تو اس بادشاہ کو نہ بادشاہ کا معزز خطاب دیا جائیگا اور نہ اس ملک کو خوشحال اور آباد ملک کہا جائیگا کسی ملک کو آباد اور کسی بادشاہ کو بادشاہ اور حکمران کو سچوٹ کہا جائیگا کہ جب اس ملک کے رہنے والے اور اس بادشاہ کی رعیت موجود ہو ہر ایک ملک اور ہر ایک بادشاہ کی رعیت کا موجود ہونا در صورت پر ہے ایک یہ کہ کسی ملک اور کسی

بادشاہ کی رعیت اپنی ذات میں خوشحال اور فانی البال ہو اور کسی ملک میں کوہوشیا  
 رکھتی ہو اور ایک یہ کہ کسی ملک میں رعیت موجود تو ہو مگر اس کی حالت درست اور یک  
 نہو پہلی صورت سے اس ملک اور اس رعیت کی مکرست اور ممتازیت اور خوشحالی  
 ثابت ہوتی ہے اور دوسری صورت ملک اور بادشاہ کی ابتری اور خرابی کو ظاہر کرتی ہے  
 کسی ملک کے آباد ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس ملک میں دیہات اور خلقت پائی  
 جاوے آبادی سے یہ مراد ہے کہ لوگ ہر ایک طرح سے خوشحال اور صاحب عورت و  
 مکرست ہوں کسی ملک کا بظاہر آباد ہونا اور اس ملک کا خستہ حال اور بے حیثیت ہونا  
 جاننا آبادی کی علامت نہیں آباد وہ ملک کی ہے کہ جسکے رہنے والے اپنی حالتوں اور  
 حیثیتوں میں خوشحال اور آباد ہوں کسی ملک کے رہنے والوں کا خوشحال اور آباد ہونا  
 ملک کی آبادی اور خوشحالی پر آپ ہی شاہد اور گواہ ہے جب تک کوئی ملک کسی حکمران  
 یا بادشاہ کے زیر حکم اور تصرف میں نہو تب تک اس ملک کے رہنے والوں کو رعیت  
 نام سے تعبیر یا موسوم نہیں کر سکتے بادشاہ کے نہونے سے ایسے لوگوں کو صرف اہالیان  
 ملک کے نام سے موسوم کرتے ہیں جب کسی ملک کے اہالیان کسی حاکم یا بادشاہ کے زیر حکم  
 یا ماتحت ہو جاتے ہیں تو اس وقت انکو ایک بادشاہ کی رعیت سے موسوم کرتے ہیں  
 جب کسی ملک کے رہنے والے کسی بادشاہ کے زیر فرمان اور ماتحت ہو جاتے ہیں تو اس وقت  
 سے قانونی طور پر انکے حقوق اور فرائض کا تصفیہ اور انفصال شروع ہوتا ہے یا ان  
 کو کہ بادشاہ اور حکمران کے ہونے سے ہی ضروریات کے انفصال کا زمانہ شروع ہوتا ہے  
 جدا جدا جماعتوں اور ملکی فرقوں یا گروہوں کی حالت اور ضروریات اور فرائض کو ایک سلسلہ  
 میں جکڑا جاتا ہے اور ان سب ضروریات کے انصرام اور صفائی اور تینہ کے واسطے  
 خاص لوگوں یا ایک شخص کے ہاتھ سے اصول اور قوانین وضع اور مقرر ہو کر عام طور پر  
 ہوتے ہیں۔ جب ملکی حکومتوں کی طرف سے قوانین پاس ہوتے ہیں تو وہ دو حال سے

خالی نہیں ہوتی یا اونکے پاس ہونے سے ملکی لوگوں لینے رعایا کے حقوق کی پوری پوری  
 محافظت ہوتی ہے اور رعایا کے حقوق کا حق خون ہوتا ہے پہلی صورت میں رعایا ملے  
 حکومتوں کو عادل اور نصف خیال کر کے اونکی تاجداری کرتے ہیں اور دوسری صورت  
 میں ملکی حکومتوں کی فرمانبرداری بالاسے طاق رکھ کر نافرمانی اور تمرد پر آمادہ ہوجاتی  
 ہے ایک ملک کے لوگوں اور باشندگان کا اپنی ہے ملک یا کسی اور ملک کی حکومتوں  
 کو قبول کر لینا یا اونکے اطاعت اور تاجداری کر لینا جبر اور تعدی اور ظلم و ستم سے نہیں  
 ہو سکتا انصاف اور عدالت سے ہی مختلف الامزجہ لوگوں اور باشندوں کو ایک خارج  
 حکومت کا تابع اور مطیع بنایا جاسکتا ہے کسی قوم اور کسی ملک کے لوگ اور باشندے  
 میرے خیال میں اس وقت تک حکومتوں کی نافرمانی اور تمرد پرستعد اور آمادہ نہیں  
 ہوتے کہ جب تک خود حکومتوں کی طرف سے کوئی غلطی اور لغزش نہ ہو ہر ایک قوم اور  
 ملک کے لوگ اور باشندے بالطبع اس بات کی خواہش اور آرزو رکھتے ہیں کہ اونکے  
 ملک اور وطن میں ہر ایک طرح سے امن اور امان رہے اور لوگ ہلاروک ٹوک آرام اور  
 آسائش اور آزادی سے عزیز زندگی بسر کریں کسی ملک یا قوم کے لوگ بالطبع اس بات  
 کی آرزو اور خواہش نہیں رکھتے کہ اونکے ملک میں فساد اور بے امنی رہے اور وہ  
 ہمیشہ بے حیثیتی کی حالت میں رہ کر زندگی بسر کریں جب کہیں کسی ملک میں فساد اور  
 بے امنی پھیل جاتی ہے تو اسکا اصلی سبب یہ ہوتا ہے کہ حکومتوں کی طرف سے کوئی  
 غلطی سرزد ہو جاتی ہے (گو حکومتوں کو اس غلطی کا علم نہ ہو) بعض حکومتوں کے  
 رعیت جب متروک اور نافرمان ہو جاتی ہے تو حکومتیں اور اسباب بغاوت پر  
 نظر کرتے ہیں مگر اپنی غلطی کو نہیں دیکھتیں بعض وقت حکومتیں خیال کرتے ہیں  
 کہ رعیت نہ ہی مخالفت اور قومی مفارقت کے باعث متروک اور نافرمانی پر آمادہ ہو جاتی  
 ہے اور بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک ملک یا ایک قوم کی رعیت یا باشندے

دوسرے ملک یا دوسری قوم کی حکومتوں یا باشندوں کی اطاعت اور فرمانبرداری  
 کرنے کو عار اور معیوب خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں کسی ملک کی رعیت کا ترو اور نقص  
 کو پسند کرنا صرف آپ واسطے ہوتا ہے کہ ان کے حاکموں کو ان کے حقوق شناسی کی طرف  
 خیال نہ یا توجہ نہیں ہوتی کسی ملک کی رعیت اس واسطے ترو اور بقا و تائید پسند اور اختیار  
 نہیں کرتی کہ وہ ایک مضیف یا عادل حکمران شخص یا کسی ایسے حکمران مجمع کے حکومت  
 اور ماتحتی سے اپنے آپ کو سبکدوش کرے رعیت کی تمام قسم کی بغاوتوں تمام قسم کی  
 نافرمانیوں کا اصل الاصول اور اپنے آپ کو کسی خاص حکمران شخص یا کسی خاص حکمران  
 مجمع کے حکومت سے سبک دوش کرنے کا سبب صرف حاکموں کے زیروائی اور  
 عدم توجہی ہے یا توجہ اور اثر ہوتا ہے جب تک کسی رعیت کے حاکموں کی نیتوں اور  
 طریق عمل میں فرق اور انقلاب نہ آئے تب تک رعیت کے دلوں میں ہی نافرمانی  
 یا ترو کے بھرے ہوئے خیالات کا حدوث یا جوش نہیں ہوتا یہ بات کہ فلاں ملک  
 رعیت فلاں گورنمنٹ کو اس واسطے رضامندی سے قبول نہیں کرتی کہ وہ گورنمنٹ رعیت  
 مذکور کے خلاف ذہب بے ایک الزام ہے جو سارے پہلوؤں سے کہی ہی سچ نہیں  
 نکالے گا ہاں شاید کسی اور سبب سے ملکر کہی کارگر ہو جاوے تو ہو جاوے سو یہ  
 دوسری صورت ہی قانون پر لازم ہے کہ انھوں نے فلاں گورنمنٹ کو خلاف مذہب  
 کے باعث قبول کیا کسی گورنمنٹ کا کسی قوم کے جو اس کی رعیت ہو چکی ہے خلاف مذہب  
 بھی ہیں عدالت اور عمدہ حکومت کرنے کے سبب دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں  
 اور چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ان کے ملکوں پر حکمران رہیں جب کوئی قوم اپنی گورنمنٹ  
 بگڑ جاتی ہے تو اس وقت عام لوگ اس بگاڑ کے ظاہری یا بیرونی باعث ہر ہی  
 کیا کرتے ہیں اس واسطے کہ سیریل انغم ہوتے ہیں ہزاروں میں سے کوئی ہی فساد  
 اور بگاڑ کی اصلی یا اندرونی سببوں کو دیکھا کرتا ہے ورنہ سب کی نظر ظاہر اور بیرونی

معاملات پر ہی پڑتی ہے تاریخوں میں بہت سے ایسے قوموں کے نام لینگے کہ جو حکمران  
 شخصوں یا حکمران مجموعوں کے ساتھ مدتوں لڑتے بہرتے رہے ہیں یہاں تک کہ بعض قوتیں  
 ایسی بغاوت کے سبب خود مختار بھی ہو گئی ہیں مگر اگر ہم اون قوموں کی بغاوت یا تندر  
 کی اندرونی اسباب پر نظر کریں گے تو یہ بات کھل جائیگی کہ اون قوموں کی بغاوت کا  
 اعلم باعث خلاف مذہب نہ تھا بلکہ گورنمنٹ کا جبرے طور سے حکومت کرنا شاید  
 یہ بات یہاں ضروری البیان ہو کہ بعض دفعہ بعض قوموں نے اپنے حکمران شخصوں  
 یا حکمران مجموعوں کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہو کر آزادی اور خود مختاری کا دعویٰ کیا ہے  
 اور بعضوں نے کامیابی بھی حاصل کی ہے ہو سکتا ہے کہ خود مختاری اور آزادی  
 حاصل کرنے کے واسطے بھی بغاوت کا علم کھڑا کیا جاتا ہو جیسا بعض قوموں نے کیا  
 میں اس بات کو خوشی سے مان لیتا ہوں کہ بعض قوموں نے آزادی اور خود مختاری  
 کے لینے کے واسطے ضرور اپنے حکمران شخصوں یا حکمران مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا  
 چنانچہ اوہنیں سے اکثروں نے کامیابی بھی حاصل کی مگر کمولازم ہے کہ اس بات  
 کو بلاوجہ قبول نہ کریں بلکہ ضرورتاً اس بات کو ایک تشریح کے ساتھ بیان کرنا چاہیے  
 کہ کسی حکمران شخص یا کسی حکمران مجمع کی رعیت کے دلوں میں آزادی اور خود مختار  
 حاصل کرنے کا خیال کب اور کیونکر پیدا ہوتا ہے اگرچہ ہمارے نزدیک یہ بات  
 ثابت اور مسلم ہے کہ ہر ایک قوم کے دل میں آزادی اور خود مختاری پیدا کرنے کا  
 خیال قدرتی اور نیچرل طور پر موضوع اور مخلوق ہے مگر خیال مذکور کو جنبش اور جوش  
 او سوخت ہوتا ہے کہ جب قوم کی بے قدری اور زوال کن قریب آجائیں حکومتیں  
 لوگوں کے لازمی حقوق کے پورا کرنے کے طرف جب وجہ سے پیش نہیں آتیں  
 اور رعیت اپنی لازمی حقوق اور ضروری فرائض کو ایک اجبری اور خرابی کی صورت  
 میں دیکھتی ہے تو تب آزادی اور خود مختاری کے خیال کو حرکت ہوتی ہے حکومتیں

حکومتین عدالت اور حکومت کے اصولوں اور ضروریات کو ایسی صورت اور پیرائے  
 میں لوگوں پر اپنے طرز حکومت اور برتاؤ سے ظاہر کرتے ہیں کہ لوگوں کو صراحتاً  
 اپنے اوں حقوق اور فرائض کا جبر اور محض نے اپنی خوشحالی اور بہبود کا ہونا مقصد  
 یا اعتباری طور پر موقوف رکھا ہوتا ہے خون ہوتا نظر آتا ہے لوگوں کو حکومتوں  
 پر نام سے صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نہ کسی دن کو ہمارے تمام فرائض اور سارے  
 حقوق کے گرد و نون پر حکومتوں کی جانب سے نا انصافی کی چہری پھیری جائیگی ہے  
 یہ خطر و قوتوں میں جو رعیت کے حقوق کے واسطے ایک مہلک دبا ہوتے ہیں رعیت  
 کی طرف سے حکومتوں کو عجیب عجیب پیرایوں میں سمجھایا جاتا ہے اور حکومتوں کو  
 اس بات پر عجز و انکسار سے آمادہ کیا جاتا ہے کہ رعیت کے حقوق کے اتلاف کے  
 و باوجود کہ روکین جو حکومتیں انصاف کو لازمی امر اور رعیت کے حقوق اور فرائض  
 کا پورا کرنا ایک ضروری بات خیال کرتے ہیں وہ ایسی پروردگار دیادہ اشتوں کو بڑے  
 غور سے سنتے ہیں اور حتی المقدور ہمیں سہی کرتے ہیں کہ حکومتوں کے نقص اور  
 نا انصافیاں دور ہوں نہایت نرمی اور ملائمت سے رعیت کی دلہی کرتے ہیں  
 حکومتوں کی جانب سے جب اس قدر انصاف اور ملاطفت کا رعیت کو ثبوت ملتا ہے  
 تو رعیت سو جان سے قربان اور فدا ہوتی ہے خلاف مذہب چور کر کچھ ہی کیوں نہ  
 رعیت ایسی بار انصاف حکومتوں کو دل و جان سے پیار کرتی ہے۔ جب باوجود رعیت  
 کے فریاد اور غلامیت کی حکومتیں کان میں روئی و یکدم بخود ہو رہیں تو رعیت کے  
 دلوں میں اپنے حقوق اور فرائض کا فون ہوتا دکر اس قدر قی اور ازلی وابدی خیال  
 کو کہ (آؤ ہم اکٹھے ہو کر کسی نہ کسی طرح اپنی آزادی اور خود مختاری حاصل کریں تاکہ  
 اپنے طور پر اپنے حقوق اور فرائض کو پورا کرتے رہیں) ایک حرکت اور جوش ہوتا ہے  
 ایسے وقت میں رعیت کا سمجھنا اگر ممکن نہیں تو شکل تو ضروری ہو جاتا ہے جس طرح

ہوا کا رخ پاٹ جاتا ہے اسبطح پر رعیت کے خیالات کی کایا پلٹا کھا جاتی، رعیت  
 دل سے اس بات پر آئادہ ہو جاتی ہے کہ جسطح ممکن ہوا انصاف حکومتوں کی اعلیٰ  
 اور حکومت سے سبکدوشی حاصل کرے جو حکومتیں اپنے دبہ اور شوکت کو قائل  
 اور ثابت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں وہ ایسی نازک وقتوں میں بھی رعیت کے  
 دلوں کو تصرف اور قابو میں لے آتے ہیں اور اپنے اقبال اور ملک کے باغ کو فساد  
 کے خزان سے بچا کر اور حکومتوں کی نظروں میں عزت اور بزرگی حاصل کرتے ہیں  
 مگر جو بی انصاف حکومتیں روپیہ اکٹھا کرنے کے واسطے ہی کسی ملک پر قابض یا  
 مستغرق ہوئی ہیں ان کے دلوں میں انصاف اور رعایا کے حقوق ادا کرنے کے خیالات  
 پیدا نہیں ہوتے ان کے انتظامی تجویزوں اور پوٹیکل تہ بیرون کا پزیرہ ہمیشہ  
 محو پرگموتار ہوتا ہے کہ رعیت اپنی لازمی حقوق نہ لینے کے سبب ضعیف اور ناتوا  
 یا وحشی رہے اور ہم مزے سے روپیہ اکٹھا کر کے اپنے وطن مالوفہ اور خزانہ عاشر  
 کو بھیجے جاوین ایسی حکومتیں قوموں کے انصاف اور اواسے حقوق کے واسطے  
 عمال اور جعفر نہیں کرتیں بلکہ اسواسطے کہ سے حکومتوں کو دعائیں دیکر  
 ہزاروں روپیہ ماہوار تنخواہیں لیکر نا انصافی سے حکومت کریں اس قسم کے عمال  
 اور محجون کو تو ایسی حکومتوں سے آسائش اور آرام کے سواے اور کچھ حاصل تو  
 نہیں ہوتا۔ مگر ملک اور رعایا کے واسطے ایسی نا انصاف حکومتیں اور ایسے  
 ظالم جج آسائش اور آرام کی جگہ طرح طرح کی تکلیفوں اور مشکلات اور قسم قسم کی  
 وقتوں اور ٹھوکروں کا موجب بنتی ہیں ایسی حکومتیں اپنے ساتھ ہی پیغام لالی  
 ہیں کہ رعیت کے حقوق کا بڑی بیرحمی سے فون کیا جائیگا ایسے جج آتے ہیں یہ  
 خوشخبری سناتے ہیں کہ ملک اور اور ملک والوں کو کہی لازمی اور واجب حقوق کے  
 دینے کا اعتراف نہ بخشا جائیگا۔ جب حکومتوں کی لاپرواہی اور خشک مغزی کی پتلا



ذہن پہنچ جاتی ہے تو تب رعیت کے دلوں میں اس خیال کو جنش ہوتی ہے  
 کہ ہمارے ہاتھوں سے کچھ کرنا چاہیے جسکو دوسرے الفاظ میں آزادی یا خود مختار  
 کا حاصل کرنا کہتے ہیں اس آخری خیال کی جنش کرنے سے بلا شک رعیت اپنا  
 کسی خاص حکمران شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کے ساتھ معرکہ آرائی اور متروکہ  
 مقابلہ کرنے کو طیار ہوتی ہے حکومتیں نا انصافی کی مہلک نشہ میں رست اور  
 سرگردان اور بدعواں رہتے ہیں اور رعیت اپنے حقوق کا خون ہوتا دیکھ کر ان کے  
 کی ٹوکری لینے کی طیاریاں کرتی ہے کہیں رعیت کی طیاریاں اور متروکہ خیالات کا  
 حسب الامر و بہت جلد ہی نتیجہ نکل آتا ہے اور کہیں کسی قسم کے موافقات اور رکاوٹوں  
 کے سبب نتیجہ میں دیر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک وقت میں ایک قوم نے گورنمنٹ  
 کے مقابلہ میں متروکہ خیالات کی پٹری چائی اور اسکی چوٹی یا تیسری پشت نے  
 اس مقصد اور ارادہ کو پورا کیا قوموں کا کس گورنمنٹ کے مقابلہ میں آنا عام اور  
 سہل بات نہیں ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی دقتوں اور مضرتوں کے علم اور وزن کرنے کے  
 ایک مدت تک اس مقابلہ کے نسبتی فوائد اور مضرتوں کے علم اور وزن کرنے کے  
 واسطے درکار ہے اور علیٰ ہذا القیاس اپنی طاقت اور اون ضروری باتوں کے  
 وزن اور معلوم کرنے کے واسطے جدا سے مقابلوں میں پیش آتے ہیں ایک مدت  
 تک چاہے ایسے متروکہ خیالات قوموں کے دل میں صرف اس واسطے پیدا ہوتے  
 کہ ان کے ملکی حکومتوں کی حالت اچھی نہیں ہوتی اگر ملکی حکومتوں کی حالت اچھی ہو  
 تو قوموں کو آزادی اور خود مختاری کے ادعا کے کیا ضرورت ہے قوموں کے نزدیک  
 تو اپنی ذاتی اور ملکی یا قومی حقوق اور فرائض کا ہے پالینا بجائے خود ایک آزاد  
 اور خود مختاری ہوتی ہے دیکھو گورنمنٹ انگلشیہ سے رعیت اس واسطے خوش اور  
 رضامند ہے کہ اس کے اصول سلطنت رعایا کے حقوق کی تائید اور محافظت کرتے ہیں

وہ حکومتیں بہت غلطی کرتی ہیں جو ملکی لوگوں کو ادا سے حقوق کا انکار نہیں بخشتیں جن  
 قوموں کو حقوق کی ڈگری حاصل ہے وہ کہیں بھی ملکی حکومتوں کے مقابلہ میں آنا پسند  
 کرتیں قوموں کا یہ ایک مانا ہوا خیال ہے کہ گورنمنٹ سے حقوق کے دگری حاصل کر لینا  
 آزادی اور خود مختاری کی بازی جیتنا ہے جس قومی گروہ اور جس ملکی جماعت کو قومی یا  
 ملکی حقوق حاصل ہیں وہ کیوں گورنمنٹ کی برابری اور مقابلہ کو پسند کریں گی۔ اور کیوں  
 خواہ مخواہ کی دقتوں اور مشکلوں کو اپنی عورت اور جان کا دشمن بنا لیں گی کوئی ایسی  
 قوم نہیں ہے کہ جو خواہ مخواہ یا شوقیہ کسی بکھیرے کو مول لے بغاوت اور فساد کے  
 سارے خیالات جہیں آزادی اور خود مختاری کا خیال ہی شامل ہے خاص طور پر  
 کسی خاص حکمران شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کے نام انصافانہ کارروائیوں یا <sup>مصلحتوں</sup> <sup>مصلحتوں</sup> سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے خوفناک خیالات اور حکومتوں کے (جو کہیں خاص  
 حکمران شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کی طرف سے ملکی انتظام کے لیے ملک میں مقرر  
 ہوتے ہیں) نام انصافانہ حرکتوں سے جو مفصلات میں جھججھکتے یا متطمرن کے طرح  
 معین ہوتے ہیں پیدا ہوتے ہیں گورنمنٹ کی جانب سے ایسی حکومتیں ملک کے  
 خاص خاص مقامات میں اس واسطے مقرر کی جاتی ہیں کہ ان کے معرفت رعایا کو آرام اور  
 انصاف ملے ایسی حکومتوں کی معرفت ہی رعیت کا اصلی حال گورنمنٹ کے کاؤنٹ  
 پہونچتا ہے اور گورنمنٹ کے ضروری احکام بھی انہیں کی معرفت رعیت اور ملک پر  
 ظاہر ہوتے ہیں ملک کے مختلف اضلاع اور متفرق مقامات کے متفرق حکومتیں  
 اور گورنمنٹ کے درمیان ایک واسطہ اور وسیلہ ہوتی ہیں رعیت کو ایسی حکومتوں پر  
 اس بات کا کلی اعتبار ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتی ہیں ہماری گورنمنٹ کے کہنے سننے  
 سے کرتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے گورنمنٹ کو ملک اور ملک والوں کے سب حالات  
 معلوم ہیں رعیت کا یہ اعتبار جو فی الحقیقت راست اور ٹھیک ہے اس بات پر مجبور کرنا

کہ حکومتوں کے ہر ایک قسم کے برتاؤ کو گورنمنٹ کی جانب سے خیال کیا جائے رعیت کا یہ اعتباری خیال ملکی حکومتوں کے اون باتوں کو بھی جو خود انہیں کی طبیعت کا اثر ہوتی ہیں گورنمنٹ کے اصولی انتظام کے سلسلہ میں جڑ دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات جڑ پکڑ جاتی ہے کہ ہمارے ملک کی حکومتیں مجبوراً انصافی کرتی ہیں گورنمنٹ کو اون سب کا حال معلوم ہے جب اس وسوسہ کے یہاں تک نوبت پہنچ جاتے ہیں تو رعیت کے ولین تنگی اور مشکلات کے سبب بغاوت یا قہر کے خیالات پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں اور رعیت اس بات پر آمادہ ہوتی ہے کہ ان نا انصافی حکومتوں کو دور کر کے اپنے طور پر رحم دل حکومتیں مقرر کرے۔ رعیت کے ایسے ستم و انہ خیالات کا موجب حکومتوں کی غلط فہمی ہے حکومتیں کسی خاص حکمران شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کی جانب سے تقرری کا پروانہ لیکر نشہ حکومت میں اس قدر سرگردان ہوتے ہیں کہ اپنے منہبی فرائض بھی بھول جاتے ہیں اگر حکومتیں اپنے منہبی فرائض اور لازمی حقوق کو نیک نیتی اور ایمانداری سے پورا کرتے رہیں تو رعیت کے دلوں میں فاسد خیالات اور وابہات و وساوس کی آتش شعلہ دل نہو اور یہ شخص شعلہ اخیر ہر کسی خاص حکمران شخص یا کسی خاص حکمران مجمع کے اقبال کو کیوں چشم زخم پہنچائے حکمران شخصوں یا حکمران مجبوں کا اسمین یہی تصور ہے کہ وہ اپنے ماتحت اور مستغرق حکومتوں کے عمدہ طور پر نگرانی نہیں کرتے خاص حکمران شخصوں یا خاص حکمران مجبوں کے ماتحت حکومتوں اور مقرر کردہ مجبوں کی نہایت بڑی ہے کہ اپنے فرائض منہبی کو نیک نیتی سے سرانجام نہیں دیتے اور رعیت کے ساتھ ایسے خوفناک طور پر پیش آتے ہیں کہ جو رعیت کے دلوں میں سے حکومتوں کی عورت اور شان و شوکت کو کم زور ہی نہیں کرتا بلکہ اصل سے اوڑا دیتا ہے ایسے لاپرواہ حکومتوں اور بد نیت مجبوں کی بے اعتدالیوں کا اثر صرف او کی ذات سے ہی مخصوص

نہیں رہتا بلکہ گورنمنٹ کو بھی ساتھ ہی ملا لیتا ہے ایسی حکومتوں کی بہتوں سے رعیت کو اس امر کے اظہار کا کھلے طور پر موقع مل جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے ہی اصولی انتظامات میں غلطی ہے گورنمنٹ کی ہے۔ ایسا سے سب کچھ ہوتا ہے ملکی حکومتوں پر لازم اور فرض ہے کہ اپنی اعلیٰ حکمرانوں یا اپنی گورنمنٹ کی بدنامی اور رسوائی سے پرہیز کریں ملک اور رعیت کے ساتھ ایسی حکومت غلطی اور انصاف سے پیش آوین کہ تمام لوگ اچھے اور نیک اور نیک اعلیٰ حکمرانوں یا گورنمنٹ پر فدا یا قربان ہونے کو ایک ضروری با خیال کریں ملک اور رعیت کے ساتھ حکومتوں کو اس قدر انس اور محبت پیدا کرنی لازم ہے کہ جو ملک اور رعیت کو خود اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ نہایت نیک نیتی اور خلوص دل سے اپنی گورنمنٹ کے حاسدوں اور بدخواہوں کو جواب دین حکومتوں کو اس درجہ تک ہر دل عزیز بننا چاہیے کہ گورنمنٹ کے حاسدوں کو بھی اس امر کا یقین ہو جاوے کہ فلاں گورنمنٹ کی رعیت اپنی گورنمنٹ اور اپنے ملک کی حکومتوں پر پورا اعتبار رکھتی ہے اور اوپر سو جان سے فدا ہونے کو طیار ہے حکومتوں کا ملک میں ہر دل عزیز سے حاصل کرنا کوئی مشکل اور ناممکن امر نہیں ہے اسکے واسطے اولیٰ توجہ اور انصاف کی ڈیوٹی پوری کرتے رہنا درکار ہے۔

### عدالت نسبتیہ

عدالت نسبتیہ خاص وہ عدالت ہے کہ جو انسان کو اول لوگوں سے کرنی پڑتی ہے جسے نسبت خاص ہوتی ہے خاص نسبتوں سے وہ نسبتیں مراد ہیں کہ جو قریبوں یا رشتہ داروں یا نسل کے طور پر نسبت رکھتے ہیں جنکو دوسرے الفاظ میں اہلخانہ سے تعبیر کر سکتے ہیں قرابتوں یا رشتہ داروں یا اہلخانہ کا ایک دوسرے پر کچھ کچھ حق ہوتا ہے لازم ہے کہ سب قرابتوں اور رشتہ دار ایک دوسرے کا حق ادا کریں تاکہ بے انصافی نہ ہوتے بلکہ بعض گھروں کا کیا سارے ہی گھر والوں کا یہ دستور ہوتا ہے

کہ انہیں مختار اور سربرآوردہ کیا۔ یہی شخص کو شمار کیا جاتا ہے ایسے سربرآوردہ اور سر  
 مختار کے ہاتھ میں گھر کا سبب ضروری ضروری اہتمام دیا جاتا ہے گویا گھر کے لوگ اس کے  
 محتاج ہوتے ہیں اس قسم کے پرائیویٹ مختار کارکن کو نہایت عدالت اور انصاف  
 سے مختار کاری کرنی چاہیے یہ نہ کہ او اسے حقوق میں بے ترتیبی نمودار ہو کر عدالت کا  
 خون کرے جیسا کہ کسی کا حق ہو اور سیکے موافق بلا کم و کاست ادا کرنا چاہیے بعض لوگ  
 کا یہ خیال ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں پر کچھ حق نہیں باپ بچہ نہیں کیا جاسکتا کہ اولاد کے  
 حقوق ادا کرے اور بعض تو یوں کہتے ہیں کہ باپ پر اولاد کا کوئی حق ہی نہیں ہے  
 توجہات اس بات کو یاد دلانی ہیں کہ ایسے لوگ عدالت کی تعریف اور مسنون سے  
 محض ناواقف ہیں اگر اولاد کو واقفیت ہوتی تو ایسا کلمہ منجھ سے نہ نکالنے تعریف  
 عدالت کو اعتبار سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جیسی اولاد پر باپ کے حقوق ہیں ایسے  
 ہی باپ پر اولاد کے حقوق ثابت اور قائم ہیں بڑائی اور چوڑائی پر کچھ انصاف نہیں  
 یہ بعینہ ویسی بات ہے کہ جیسا کوئی زمیندار کہے کہ میرا اپنے بیٹوں پر یہ حق ہے کہ  
 میں ان سے کام لون اور مل چلاؤں لاکھن میرے بیٹوں کا میرے ہر کوئی حق نہیں  
 اس واسطے میں ان کو چارہ دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اولاد یا چھوٹوں کو بے  
 قرار دینا اعلیٰ درجہ کی بے انصافی ہے دونوں کے حق برابر ہیں جیسے باپ یا بڑا ہے  
 حقوق کا مطالبہ کر سکتا ہے ایسے ہی بیٹے یا چھوٹے کا حق ہے مطالبہ حقوق میں سب کو  
 کسی پر تفضیل نہیں جو لوگ اولاد یا چھوٹوں کے حقوق کی نفی کرتے ہیں ان کو عدالت  
 اور انصاف کے قوانین پر غور اور فکر کرنی لازم ہے بڑوں اور والدین پر لازم ہے  
 کہ اولاد اور چھوٹوں کے حقوق کو پورے طرح سے ادا کریں کیونکہ ان کو اپنے حقوق  
 کے حاصل کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ عدالت کے رو سے مطالبہ کر سکتے ہیں بعض  
 وقتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ والدین کو سبب کسی امید کے یا کسی اور باعث کو اولاد میں

ایک خاص بیانیہ کے ساتھ انسان و محبت ہوتی ہے اس باعث اپنی جائیداد میں  
 اور سب سے زیادہ اور ان کے زیادہ تر حصہ دلا جاتا ہے اس تفصیل اور خاص رعایت  
 سے انصاف اور عدالت کا خون ہو جاتا ہے نصف اور عادل والدین کو بہت ایسی  
 امید کے بدست عداوت کا خون نہ کرنا چاہیے عداوت کے نزدیک محبوب اور سبغض یا  
 غم و غم سبب بیٹھے کا حق ایک ہی وزن اور مقدار کا ہے کسی کو کسی پر برتری اور  
 تفصیل نہیں۔

عدالت نسبتیہ عام وہ عدالت ہے کہ جو ہر ایک انسان کو بلا قید نسبت خاص و بلا  
 واسطے قرابت یا رشتہ داری سارے انسانوں کے ساتھ پوری کرنی پڑتی ہے  
 اس عدالت میں جتنے اس امر کو چلے ہی بیان کیا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہیں کہ  
 جسکو اپنی زندگی میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا معاملہ نہ پڑتا ہو  
 جو آزمائش کے شکنجہ میں جکڑا نہ جاتا ہو جب ہر ایک انسان کو دنیا میں رہ کر اور  
 انجائے جنس کے ساتھ برتاؤ پڑتا ہے تو ضرور اور لازم ہے کہ اس برتاؤ میں انصاف  
 اور عدالت کو قائم اور ثابت رکھا جائے ہر ایک انسان پر لازم اور فرض ہے کہ معاملات  
 پیش آمدہ اور امورات موجودہ میں نہایت انصاف اور عدالت سے کارروائی کرے  
 کسی چھوٹے اور خفیہ معاملہ میں بھی انصاف اور عدالت سے درگزر کرے دنیا کے  
 معاملات اور فوائد اس کے گزرنے پر گزر جائیں گے مگر ایمان داری ہمیشہ قائم اور ثابت  
 رہے گی اور اسی خداوند کریم کی رضامندی کا دلوں میں لگا وہ انسان نہایت ہی  
 خوش قسمت ہے کہ جو اپنی زندگی میں دنیا کے پیش آمدہ معاملات کو انصاف اور عدالت  
 سے نبھاتا ہے اور اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اسکو منصف اور عادل  
 مزاج کہیں آدمی کی زندگی ایک حباب کے مانند ہو اور کچھ بہر و سامانہ چاہیے جیت  
 ویت کی آمد ہی چلیگی اسکو اور اگر لچائیگی اقامت زندگی کی حالت میں حباب میت

کے غلط کو انصاف اور عدالت کے آبجیات سے بھرونا چاہیے تاکہ ہر ایک کے لئے یہی اوجہ  
نشان رہے۔

عدالت ذاتیہ وہ عدالت ہے کہ جو ہر ایک انسان کو اپنی ذاتی قوتوں کے ساتھ  
عمل میں لانی پڑتی ہے خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ہر ایک  
انسان کو نیچرل طور پر مختلف طاقتیں یا قوتیں عطا کر رکھی ہیں اور ان کے استعمال  
صورتوں کو انسان کے ہاتھ میں ودیعت کیا ہے انسان کو لازم ہے کہ ان کو اپنے  
مراتب پر استعمال کرے اگر اپنے اپنے مراتب پر استعمال نہ کرے گا تو وضع اللہ فی غیر محلہ  
ہی کی صورت لازم آئے گی جو مستلزم ہے بے انصافی اور سبیدالتی کو پھر نے جس  
کام کے واسطے قوتوں کو پیدا کیا ہے انہیں پر ان کو لگانا چاہیے اکثر لوگ اپنی  
ذاتی قوتوں کو حسب مراتب استعمال نہیں کرتے جسے وضع اللہ فی غیر محلہ کی صورت  
لازم اگر عدالت کا خون ہو جاتا ہے اگر انسان اپنی اندرونی یا ذاتی طاقتوں کو حسب  
مراتب استعمال کرے تو کسی قسم کی بے انصافی نہیں ہونے پاتی اور نہ حدود  
معایب کا اندیشہ ہوتا ہے حدود معایب کا اندیشہ بھی اسی صورت میں ہے  
کہ جب ذاتی طاقتوں کو بے ترتیبی سے استعمال کیا جاوے وانا اور دور اندیش  
انسان ہے کہ جو اپنی ذاتی قوتوں کو ترتیب سے استعمال کرتا ہے اور اس بات  
کی آرزو رکھتا ہے کہ بے ترتیبی سے انصاف اور عدالت کا خون نہ ہو۔

عدالت نسبیہ یا تعلیقیہ وہ عدالت ہے جو حیوانات لایعقل کے ساتھ جسمین حیرند  
پرند بہائم وغیرہ سب آجاتے ہیں عمل میں لائے پڑتے ہیں حیوانات مذکور کو انسان  
کے ساتھ ایک ہی نسبت ہوتی ہے جس کو نسبت ضروریہ کہنا چاہیے انسانوں پر لازم  
ہے کہ ان کے ساتھ بھی عدالت اور انصاف سے پیش آئیں بعض  
لوگوں کا خیال ہے کہ ایک جانور دوسرے جانور سے لڑتے ہیں جسے ان بیچارے

کو تکلیف ہوتی ہے یہ صحیح ہے انصافی ہے اسے احتراز کرنا لازم ہے خداوند کیم نے حیوانات کو انسانوں کے ہاتھ میں اس واسطے نہیں دیا کہ وہ بے غلظت کرین بلکہ اس واسطے کہ ان کے ساتھ انصاف سے پیش آئیں بعض لوگوں کا وہ سہ تو ہے کہ جب ان کے چار یا پون یا دیگر حیوانات میں سے کوئی حیوان ضعیف اور بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کو فروخت کر دیتے ہیں یا اس کی دوا جی خبر گیری سے اس کو ان کرنے میں یہ طریق عمل عدالت اور انصاف سے بعید ہے منصف مزاج انسان کو اس سے کلی احتراز کرنا چاہیے اگر جوانی کے دنوں میں ایک جانور کو عزیز رکھا جاتا ہے تو لازم ہے کہ بوڑھا پے میں بھی اس کی خبر گیری و حفاظت کجاوے

### ہمدردی

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر ایک حالت یا ہر ایک شے اس چیز میں موثر ثابت ہوتی ہے کہ جب اس کو ایک خاص قسم یا ایک خاص درجہ کی ترکیب یا ایک دوسرے سے ضروری یا واجبی قرابت یا شراکت حاصل ہو بلا اس خاص ترکیب یا قرابت کو کوئی شے یا کوئی حالت موثر نہیں ہوتی۔ دنیا کا کوئی ایسا کام یا حالت یا شے نہیں ہے کہ جو بلا حصول ایک خاص ترکیب یا واجبی قرابت یا شراکت کے دنیا داروں کے حق میں کسی نہج سے موثر ثابت ہو سکے دنیا میں تین قسم کی موجودات ہیں بائی جاتی ہیں۔ ایک اعلیٰ۔ دوم اوسط۔ سوم اونچے قسم اول میں انسان اور قسم دوم میں مطلق حیوان قسم سوم میں نباتات اور جمادات شامل ہیں ایک خاص قسم کی موجودات اپنے مجموعہ اور اس مجموعہ کے افراد یا اجزاء یا انواع کو یا دوسرے یا تیسرے قسم کے موجودات کے مجموعہ یا افراد یا اجزاء یا انواع کو بلا حصول ایک خاص درجہ کے ترکیب یا قرابت یا شراکت سے کسی قسم کی خاص تاثیر سے (عام اس سے کہ وہ تاخیر فائدہ کی صورت میں ہو)



فی حالتین) متاثر نہیں کر سکتے انسان اور وقت تک دوسرے یا تیسرے کی  
 کی موجودہ حالت یعنی حیوانات مطلق یا نباتات اور حادثات۔ یہ نہ تو کوئی خاص یا عام  
 اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام  
 اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام اور نہ ہی خاص یا عام  
 انسان کے مقابلہ میں دوسرے یا تیسرے درجہ کی موجوداتوں کا حامل ہے۔ یہ نہ تو کوئی  
 یا قرابت اور شراکت دو قسم پر ہے ایک اولیٰ یا نباتی اور دوسری مصنوعی  
 (بالحفاظہ و رکبہ مصنوعی ہے اصل میں باعتبار حقیقت قدرتی ہے) پہلی قسم  
 کی ترکیب یا شراکت اور قرابت میں انسان کو کچھ دخل نہیں اولیٰ یا قدرتی طور  
 پر ہے اور نہ ہی وجود یا عدم عمل یا غلو میں آثار ہوتا ہے مینہ کا برسنا یا دھل کا گرنے  
 بجلی کا گزرنے یا آگ کا پڑنا ہواؤں کا چلنا بند ہو جانا سردی اور گرمی کا پڑنا  
 برف کا چلنا خود رو و خون اور پودوں کا اوگنا اور بڑھنا اور خود بخود گر پڑنا  
 وغیرہم کا وجود یا عدم قدرتی ترکیب یا شراکت سے ہی غلو یا عمل میں آتا ہے  
 انسانوں کو ایسے واقعات اور حادثات میں اصل دخل نہیں جانتے والے  
 خوب جانتے ہیں کہ ان حادثات یا واقعات کا وقوع بلا ایک خاص ترکیب یا  
 قرابت یا شراکت کے نہیں ہے خدا نے ان وجودوں میں ایسی خاص ترکیبیں اور  
 شراکتیں رکھی ہیں کہ بلا یہی فائزہ ان میں بلا ان خاص ترکیبوں یا شراکتوں  
 کے یہ وجود موثر ہی نہیں ہو سکتے (خدا قادر مطلق ہے اور سکو بجا خدا قدر مطلق  
 ہونے کے ہماری طرح خاص بندشوں پر نظر اور لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں مگر  
 ہمارے اعتبار لازمہ بشریت کے ان بندشوں پر نظر اور لحاظ کرنے کی سخت ضرورت  
 ہے کیونکہ ہمارے اسکی طرح قدرت مطلقہ حاصل نہیں) دوسری قسم کی ترکیب  
 یا قرابت اور شراکت مصنوعی ہے اور ہمیں انسان کو ایک قسم کا خاص دخل حاصل ہے

کہتا اپنا سونا جاگنا اور بٹھا جانا پھرنا کہنا سنا سو گنا دیکھنا دکھانا ملاحظہ کرنا  
 جانتا پکنا سوچنا سمجھنا مانا نیک کرنا بدی کرنا باہنا بونا کا تنہا لکھنا پڑھنا نیت  
 تنہا شخات کلین اور اوزار بنانا اونٹے کام لینا زندگی بسر کرنے کی اور وسائل کا پیدا  
 کرنا اور انکو مختلف طریقوں پر اپنے کام میں لانا وغیرہ سب ایسی صورتیں ہیں کہ  
 ہمیں انسان کو دخل حاصل ہے (گو وہ دخل اصل میں قدرتی وسائل کے  
 تابع ہو) اور جب قدر مختلف عنوان لکھے گئے ہیں وہ بلا ایک خاص ترکیب  
 یا قرابت اور شرکت کے پورے یا موثر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً انسان کھانی سکتا  
 اور بول بھی سکتا ہے مگر ظہور ان قوتوں کا (جو قدرتی ہیں) اسی صورت میں  
 ہوتا ہے کہ جب ایک خاص ترکیب حاصل ہو اگر حروف اور الفاظ کی مخصوص ترکیب  
 یا قرابت اور شرکت کو ملحوظ رکھا جائے تو قوت ناطقہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی  
 پہلے مختلف حروف یا الفاظ کو مرکب اور قریب کیا جاتا ہے اور پھر انکے اطلاق سے  
 انسان فائدہ اٹھاتا یا کسی دوسرے کو پہنچاتا ہے اگر حروف کے مخصوص ترکیب  
 اور بندش و قرابت کو ملحوظ نہ رکھا جاتا تو سوائے اسکے اور کیا حاصل ہوتا کہ ایک  
 آدمی دوسرے آدمی کے منہ کی طرف حیران ہو کر نکلتا رہے دیکھئے مفرد حروف بلا ایک  
 خاص قسم کی بندش اور ترکیب کے کسی پہنچ پر بھی موثر نہیں ہو سکتی حروف کے  
 ترکیب اور مختلف الفاظ کی بندش تو جاری بہرہ گنگے آدمی کے اشارات ہی مخصوص  
 قرابت اور ترکیب کے موثر نہیں ہو سکتی عموماً بہرون گنگوں کو منہ اور ہاتھ اور  
 سر سے کام لینا پڑتا ہے گو زبان اونکو کام نہیں دیتی مگر منہ ہاتھ اور سر کا مخصوص  
 طور پر بلہنا ہلانا کام دیتا ہے اگر بہرہ گنگا اس مخصوص قرابت و شرکت اور  
 ترکیب کو جواب دیدے تو یقیناً وہ اپنے دل کے خیالات کے اظہار پر کبھی بھی کامیاب  
 نہ ہو سکے۔ لکھنا پڑھنا ہی بلا مخصوص ترکیب اور قرابت کے کسی کام کا نہیں

لکھنے میں تو (جو گو یا معلومات کے جمع کرنے کا ایک مضبوط آلہ ہے) بہ نسبت پرچہ  
 کے مخصوص ترکیب یا شرکت اور قرابت کی بہت ہی ضرورت ہے کسی مضمون یا  
 خیال کے قلمبند کرنے کے واسطے ہاتھ قلم سیاہی کاغذ بندش حرفی کے مواضع و  
 ہے اور یہی وسائل لکھنے کے واسطے مخصوص ترکیب یا شرکت اور قرابت ہیں۔ اگر  
 اس مخصوص ترکیب یا شرکت اور قرابت کے سوا انسان لکھنا چاہے تو لکھ  
 نہیں سکتا۔ پڑھنے کے واسطے بصارت روشنی مضمون حرکت لسانی کی ضرورت  
 ہے جب تک یہ وسائل تھما نہوں تب تک پڑھنے کا وجود ہی نہیں ثابت ہوتا  
 اور یہی مخصوص وسائل پڑھنے کے مخصوص ترکیب ہیں۔ اوستھنے۔ بیٹھنے۔ چلنے  
 پھرنے کے واسطے صورت ارادہ ہی درکار نہیں ہاتھ پیردن پٹھون وغیرہ کی حرکت  
 ہی ضروری ہے اور یہی چیزیں اوستھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کی مخصوص ترکیب ہیں  
 اگر صورت ارادہ ہی پر مدار ہو تو اوستھنا بیٹھنا چلنا پھرنا ظاہر ہی نہیں ہو سکتا  
 علی ہذا القیاس ارادہ بلا خیال اور خیال بلا حسیات یا عقلیات پیدا نہیں ہو سکتا  
 خیال حسیات۔ اور عقلیات ارادہ کی مخصوص ترکیب ہیں (اگر یہ مخصوص ترکیب  
 نہ ہوں تو ارادہ کسی بیج پر موثر نہیں ہو سکتا نیکی اور بدی کا خیال انسان کے دل میں  
 (سوا اسکے کہ پہلے اس کی ضرورت اور نتیجہ دل پر نقش ہو جائے) پیدا نہیں ہو سکتا  
 اور ضرورت اور نتیجہ نیکی اور بدی کے مخصوص ترکیب ہیں ضرورت اور نتیجہ کے نقش  
 ہونے پر ہی مار نہیں نیکی اور بدی کرنے کے واسطے اور مختلف اسباب کی ضرورت  
 پڑتی ہے جو اس کی مخصوص ترکیب ہیں۔ انسان جن اسباب اور وسائل پر  
 مختصر سی زندگی بسر کرتا ہے وہ سب ایک دوسرے سے مل ملا کر موثر ہوتے ہیں جو  
 ان کی ایک مخصوص ترکیب ہے اگر زمین کے ساتھ مخصوص ترکیب کو خاص اور متعلق  
 نہ کیا جاسے تو وہ انسان کے حق میں کیسی طور پر موثر نہیں ہو سکتی زمین اور مٹی پر

انسان کے حق میں فائدہ بخش اثر طہا ہر کر سکتے ہیں کہ جب اوسکو ترکیب مخصوص کے نیچے لایا جاوے زمین کا باہر دست کرنا کہہ ڈوالنا مضبوط سیلون کارکنا بونا پانی دینا چھٹا کرنا کاشٹا غلہ کا نکالنا وغیرہ ایک مخصوص ترکیب ہین بلا اس مخصوص ترکیب (ہین انسان کو فائدہ بخش اثر نہیں پہونچا سکتی ان دو چار مثالوں پر کیا منحصر ہے کارخانہ دنیا میں کوئی ایسی چیز اور حالت نہیں ہے کہ جو بلا مخصوص ترکیب یا قرابت اور شراکت کے موثر ثابت ہو سکے جو شخص کارخانہ دنیا کے تعمیر و تبدل اور اولٹ لمٹ اور مختلف واقعات اور تفرق حادثات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے اوسکو ترکیبی یا قرابتی اور شراکتی حالت پر مضبوطی کے ساتھ یقین کرنے کا عمدہ موقع مل سکتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ دنیا کی ہر ایک شے یا حالت مخصوص ترکیب یا قرابت اور شراکت سے ہی موثر ثابت ہوتی ہے تو ہم اس صورت یا شکل سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان بلا حصول مخصوص ترکیب کے عمدہ طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا اس نتیجہ کے صحیح ثابت کرنے کے واسطے مناسب اور ضروری ہے کہ ہر سہ موجودات کی ذات اور کسب وشت کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ اوسکو اس ترکیب مخصوص یا قرابت اور شراکت کی حاجت ہی یا نہیں اور یہ کہ اونکی ذات اور رشت میں مخصوص ترکیب یا قرابت اور شراکت کی ضرورت اور احتیاج کی صفت پائی جاتی ہے یا نہیں۔ تینوں موجودات کی حالت پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک موجودات کے افراد میں فطری طور پر دو صفتیں یا دو لازمی خاصے پائے جاتے ہیں ایک محتاج ہونا اور دوسرے محتاج الیہ ہونا ان دونوں صفتوں یا لازمی خاصوں کے دلائل سے ثابت کرنی کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اظہار سن اٹھس ہیں۔ تینوں قسم کے موجودات کے افراد اور مجموعہ میں ہر دو خواص نہ کورہ بالا کا فطری طور پر پایا جاتا ہے مخصوص ترکیب یا قرابت اور شراکت کی ضرورت کو عمدہ طور پر ثابت کرتا ہے کیونکہ

مثلاً جب زید کو عمر کی احتیاج ہوئی تو اس سے ان دونوں فردوں کو آپس میں ایک  
 قسم کے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی اور تعلق کے پیدا ہونے سے مخصوص ترکیب  
 یا قرابت اور شرکت پیدا ہو جائیگی ایسی صحیح مثال کے قیاس پر اور یہی بہت سے  
 مثالیں اثبات ضرورت ترکیب کے واسطے بیان کی جا سکتی ہیں مگر چونکہ اس مثال  
 سے مدعا ثابت ہو سکتا ہے اس واسطے اور مسئلہ کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں  
 یہاں تک تو تینوں موجودات سے بالعموم بحث ہو اب ہم بالخصوص خاص مدعا  
 اظہار اور اثبات کے واسطے صرف انسان کی ذات اور سرشت کو پرکھتے ہیں کہ ان  
 فطری طور پر مخصوص ترکیب یا قرابت اور شرکت کا اثر اور جو ش پایا جاتا ہے یا نہیں  
 بحث مشترکہ اولے میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ تینوں موجودات کے مجموعہ اور  
 افراد میں فطری طور پر دو صفتیں یا دو لازمی خاصے محتاج ہونا اور محتاج الیہ ہونا  
 پائی جاتی ہیں اس بحث سے اتنی بات تو پہلے ہی ثابت ہو چکی کہ انسان کی ذات  
 میں بھی دو صفتیں یا دو لازمی خاصے پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ بنجملہ ہر سہ موجودات  
 کے ایک موجودات ہی اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کی ذات میں فطری  
 طور پر بالمقابل اپنے موجودات کے مجموعہ اور افراد اور نیز اور موجودات کے مجموعہ  
 اور افراد کے ایک خاص قسم کا سیلان اور تعلق علی قدر تفاوت الہاب پایا جاتا ہے  
 اس امر کے ثابت کرنے کے واسطے روزمرہ کے برتاؤ انسانی کے سواے اور دلائل  
 پیش کرنا فضول معلوم ہوتا ہے اس واسطے ہم اور دلائل کو برکنار رکھ کر برتاؤ انسانی  
 سے ہی سیلان اور تعلق مذکور کو ثابت کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک انسان  
 کسی بلا اور آفت میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرا انسان اس حالت کو دیکھ کر اس کی طرف  
 رحم آمیز توجہ کرتا ہے اور غمگین ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو اس آفت زدہ انسان کے  
 ساتھ کوئی خاص رشتہ حاصل نہیں ہوتا علی ہذا القیاس ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی مطلق

حیوان کو کوئی تکلیف عارض ہوتی ہے تو اسکو دیکھ کر انسان رحم آمیز توجہ کر کے بخیر  
 ہو جاتا ہے حیوانات پر کیا منحصر ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ انسان نباتات اور جودات  
 کی رومی حالت کو دیکھ کر بھی ایک خاص توجہ کر کے ساف آمیز گفتگو کرنے لگ جاتا ہے  
 ان وجوہات اور قراین ثانیہ سے صاف طور پر ترشح ہوتا ہے کہ حضرت انسان  
 کی ذات میں فطرتی طور پر بالقابل اپنے موجودات کے مجموعہ اور افراد اور نیز اور  
 موجودات کے مجموعہ اور افراد کے ایک خاص قسم کا میلان اور تعلق و ولایت کیا  
 گیا ہوتا تو ممکن نہیں ہے کہ انسان بلا کسی قسم کے خاص رشتہ کے دوسرے وجود  
 کی نازک حالت پر رحم آمیز توجہ کرے یہ اسی فطرتی خاصہ اور جوش کا اثر ہے کہ ایک  
 اجنبی راہ چلتا آدمی دوسرے وجود کو تکلیف میں گرفتار دیکھ کر مضطرب ہونا لگتا ہے  
 یہ کیا بات ہے کہ ہم ایک غیر وجود کو جس سے ہمارا کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا تکلیف  
 میں دیکھ خود نگاہیں ہو جاتے ہیں اور کیا اسی یہ اسی خاصہ فطرتی کا جوش ہے کہ  
 جو ہماری طبیعتوں میں اقسام انبی نے روز ازل سے حسب مراتب تقسیم کر رکھا ہے یہ  
 میلان اور تعلق صرف انسانوں میں ہی نہیں ہے بلکہ حیوانات مطلق کی طبیعتوں  
 میں بھی خود بخود جوش ارتبا ہے حیوانات کی حالت پر غور کرنے سے اس امر کے  
 تصدیق ہو سکتی ہے اس بحث سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ اور موجودات  
 کے مجموعہ اور افراد کی طرح انسانی موجودات کے افراد اور مجموعہ میں دو لازمی خاصے محتاج  
 ہونا اور محتاج المیہ ہونا فطرتاً پائے جاتے ہیں اور ایک یہ کہ انسان کی ذات میں  
 فطرتی طور پر بالقابل انسانی موجودات کے مجموعہ اور افراد اور نیز اور موجوداتوں کے  
 مجموعہ اور افراد کے ایک خاص قسم کا میلان اور تعلق پایا جاتا ہے ان دونوں صفوں  
 یا باتوں کے جمع کرنے سے وہی صورت نکلتی ہے کہ جسکو ہم نے اس مضمون کی ابتدائی  
 فقرہ میں ایک خاص قسم کی ترکیب یا قرابت اور شدت سے تعبیر کیا ہے پہلے فقرہ

میں یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ دنیا کے ہر ایک شے یا حالت مخصوص ترکیب یا قرابت  
 اور شے ایک سے ہی موثر ہوتی ہے اس پچھلی بحث سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ ہر دو  
 موجودات میں باجموع اور انسانی موجودات میں بالمقابل ہر دو موجودات کے مجموعہ اور  
 افراد کے یا مخصوص اس فطری خاصہ کا عمل اور برتاو پایا جاتا ہے جیسا کہ اوپر کی چند  
 مثالوں سے ثابت اور واضح ہو چکا ہے۔ ہر سہ موجودات کے دو لازمی خاصوں  
 محتاج اور محتاج الیہ اور فطرتی سیلان اور تعلق کو انسانی سوسائٹیاں اتفاق اور ہمدردی  
 کے نام سے تعبیر اور مہم کرتے ہیں۔ نتیجہ اور اثر ان دونوں خاص اور مستطیع لفظوں  
 کا بھی وہی ہے کہ جو الفاظ ترکیب یا قرابت اور شرکت اور محتاج اور محتاج الیہ اور  
 فطرتی سیلان اور تعلق کا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ پہلے الفاظ اور ان الفاظ کی  
 ترکیب حرفی میں تفاوت ہے سو یہ کچھ بات نہیں اس ضمن کی ابتدائی فقرہ میں  
 سمجھنے لفظ اتفاق اور ہمدردی کا استعمال نہیں کیا مگر اب آگے آنے والے فقرہ  
 میں الفاظ ترکیب وغیرہ کو جوڑ کر لفظ ہمدردی کا استعمال کیا جائیگا پڑھنے والوں  
 کو چاہیے کہ اس تازہ لفظ کو پہلی الفاظ کے معانی اور متبائن نہ خیال کریں۔ پہلی  
 بحثوں میں یہ بات تو اچھی طرح پر طے ہو چکی کہ دنیا کا کارخانہ ہمدردی کے بغیر چل  
 نہیں سکتا اور یہ کہ انسان کی ذات اور طبیعت میں فطرتی طور پر ہمدردی کا خیال  
 اور جوش و ادیت کیا گیا ہے جبکہ دنیا کا کارخانہ ہمدردی کے بغیر چل نہیں سکتا اور  
 انسان کی ذات میں فطرتی طور پر ہمدردی و ادیت کی گئی ہے تو انسانی جماعتوں  
 پر لازم ہے کہ ہمدردی کے اقسام اور ضروری صورتوں سے واقفیت حاصل کریں  
 کیونکہ ایسی ضروری صفت کی صورتوں سے ناواقف رہنا باوجود اسکے کہ وہ ہماری  
 طبیعتوں میں مودعہ اور موجود ہے کمال بے سمجھی کا کام ہے سب سے اول ہم آں کو  
 ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہم ہمدردی کی ضرورتوں اور صورتوں سے ناواقف اور

نامحرم اسی ہوں مگر ہمارے ہر ایک کام میں ہمدردی کا وجود پایا جاتا ہے اور حقیقت  
 تو جبراً ہی اگر ہم عہدِ ابی اپنے کسی کام کو ہمدردی سے بسر اور خالی رکھنا چاہیں تو  
 ممکن ہے ہماری ضرورتوں اور کاموں کا ڈھنگ ہے ایسا ہی کہ اونٹن کے پاؤں سے باوجود  
 ہونے سے ہمدردی کی صورت نکل آتی ہے تفصیل اس اجمال کی یوں کیجی سکتی کہ  
 ہمارا کوئی ایسا کام اور ضرورت نہیں ہوگی کہ جسمیں کسی نہ کسی قسم کی اوروں کو شراکت  
 حاصل نہ ہو سکے ہم اگرچہ خود خواہش مند ہیں کہ ہماری ضرورتوں اور کاموں میں  
 اوروں کو کسی قسم کی شراکت اور دخل نہ ہو مگر اس خواہش کا پورا ہونا مشکل ہی نہیں ہے  
 بلکہ ناممکن ہے ہمارا کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو اپنے واسطے کریں اور اوسمیں دوسروں  
 کا فائدہ نہ ہو ہم تو چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہمارے کاموں سے کی صورت میں  
 فائدہ نہ اٹھا سکیں مگر دنیا کا عام دستور اُنکو ایسے فائدہ کے اٹھانے سے  
 کی صورت میں روک نہیں سکتا اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ہمارے جس کام سے  
 اوروں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے وہ ہمارا ایک ذاتی کام ہوتا ہے اس  
 کام کے کرنے کے وقت کو ہمارے دل میں کسی اور شخص کو فائدہ پہنچانے کی نیت  
 نہ ہو مگر جب وہ کام قوت سے فعل میں آتا ہے تو کئی ایک آدمی اوس سے فائدہ  
 اٹھاتے ہیں۔ ہم اگر ایک دوکاندار سے ایک دیاسلانی ڈبل پیسہ کو مول  
 لیں تو گو ہم نے دیاسلانی کو محض اپنے فائدہ کے واسطے لیا مگر اس سے ایک تو  
 ہلکا فائدہ پہنچا اور ساتھ ہی اوسکے دوکاندار اور دوکاندار کے واسطے ہر ایک  
 جزوی فائدہ دیاسلانی کی ابتدائی سودا گردن اور کارخانہ والوں کو بھی پہنچا۔  
 چار گز خلائین ہزار سے لیکر ہم قیص سلاتے ہیں اس میں لبطاً ہر تو ہمارا ہی فائدہ  
 ہے مگر اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو اس سے ہزار درزی اور دھوبی کو بھی فائدہ پہنچا  
 اپنے یا اپنے ہاں باپ کے آرام کے واسطے ہم ایک مکان بناتے ہیں مگر اوسکی تعمیر



صرف ہمو یا ہمارے بال بچوں کو ہی فائدہ نہیں پہونچتا بلکہ حسب مراتب ہمار  
نچار لہ پار مزدور وغیرہ کو بھی فائدہ پہونچ جاتا ہے۔

ہم اپنے فائدہ کے واسطے علم پڑھتے ہیں مگر اس سے اور لوگوں کو بھی جزوی فائدہ  
پہونچ جاتے ہیں زمیندار اپنے فائدہ کی غرض اور آمدنی بڑھانے کی خواہش سے  
پڑی تکلیف اور شب و روز کی محنت و مشقت سے کاشت کرتا ہے رات دن اسی  
تزوہ اور فکر میں لگا رہتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص میرے کھیتوں میں داخل ہو کر دست  
اندر لگے مگر بچہ بھی دیکھو تو ایک نہیں بیسوں آدمیوں کو فائدہ پہونچ جاتا ہے آدمیوں پر  
کیا منحصر ہے درندہ چرندے اور پرندے بھی حصہ دار بن جاتے ہیں ان چند  
شالوں پر کیا منحصر ہے دنیا کے جس کام کو دیکھو آدمیوں اور لوگوں کا بھی حصہ ہوتا  
اور کرنے والے کا بھی۔ یہ کام یا در کہنے کے قابل ہے کہ ہمارے اور کاموں سے  
جنکو ہم خاص اپنے ہی فائدہ اور آرام کے واسطے کرتے یا کرتے ہیں ان کے فائدوں  
میں دوسرے اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں بلکہ غیر اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں  
جیسے ہمارے ذاتی مفید کاموں سے اور لوگوں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے ایسے ہی ہمارے  
نقصان یا کسی کام کا پورا یا شروع نہ ہونا یا غیر مفید کام اور لوگوں کو نقصان پہونچانا  
ہے غرض یہ کہ ہمارا ایک کام کو کرنا یا نہ کرنا فائدہ یا نقصان کی حیثیت سے اور  
اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں اور غیر اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں جبکہ ہمارا ہر ایک کام فائدہ یا  
نقصان کی حیثیت سے اور اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں اور ہمارے کاموں میں  
اور لوگ بھی حصہ دار بن جاتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم اس فطرتی خاصہ کو جو بہر حال  
ملوٹا کرنا پورا ہوتا رہتا ہے باقاعدہ استعمال کریں اور خاص طور پر اس بات  
سوچیں کہ یہ خاصہ ہماری طبیعتوں میں قدرت نے کیوں اور کس غرض کے واسطے  
دولت کو رکھنا ہے اور اس فطرتی خاصہ کو کن شرائط کے ساتھ عمل میں لانا چاہیے

چونکہ یہ بحث ذرا تشبیح طلب ہے اس واسطے ہم اسکو منظر افادت عام بمثل واپس آنے  
 کرنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ اوّل ہمدردی کیا شے ہے۔ دوم ہمدردی کے  
 ضرورت کیوں ہے۔ سوم ہمدردی کن بشرطوں سے پوری ہو سکتی ہے۔  
 چہارم ہمدردی کی کتنی قسمیں ہیں۔ پنجم ہمدردی کی حد کہاں تک ہے۔  
 اوّل اگرچہ مخصوص ترکیب یا قرابت اور شرکت وغیرہ کی بحث میں ضمناً  
 ہمدردی کی تعریف کیجا چکی ہے مگر ملحوظ وضاحت تادمہ کے بیان بھی کیجا جائے  
 ہمدردی سے انسان کا وہ قدرتی اور دلی جوش مراد ہے کہ جسکے عمل میں لانے  
 اور اظہار سے دنیا کا کارخانہ ایک عمارت کی اور خوش اسلوبی سے چلتا ہے۔  
 دوم ہمدردی کی ضرورت کے ثابت کرنے کے واسطے اگرچہ اور بھی بہت سے  
 دلائل اور اسباب بیان کیجا سکتے ہیں مگر میرے خیال میں ان سب سے واضح  
 اور بڑی یقین یہ سبب ہے کہ اسکے بغیر دنیا کا کام نہیں چلتا۔ یہی سبب ہے  
 کہ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی طبیعت میں ہی طبعی طور پر  
 اس عمدہ خاصہ اور ضروری جوش کو پیدا کر رکھا ہے ہم اوپر کے فقر و غنا میں  
 کسی مقام پر اس امر کو ظاہر کر چکے ہیں کہ انسان انہی ضروریات اور محتاجیوں  
 کے پورا کرنے میں ایک دوسرے کے دست نگر اور محتاج ہیں ایک انسان کی  
 ضرورت کی گاڑی دوسرے کی امدادی انجن کے بغیر چل نہیں سکتی جبکہ انسان  
 ایک دوسرے کے محتاج ہیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ نسبت احتیاجیہ کے قائم کرنے  
 کے واسطے باہمی ہمدردی کی کثرت ضرورت ہے کیونکہ جب تک باہمی ہمدردی  
 ہی نہ ہوگی تو نسبت احتیاجیہ کیونکر قائم ہو سکیگی اور جب نسبت احتیاجیہ قائم نہ ہوگی تو  
 دنیا کا کام چلنا ناممکن ہو جائیگا۔ فرض کرو کہ زید کو اپنے مکرہ کی صفائی کے واسطے  
 ایک بلشر کرنے والے کی ضرورت ہے اور اوسکے ساتھ ہی سہی قرض کر لو کہ زید اور

بلتر کرنے والے میں بجائے باہمی ہمدردی کے باہمی تباہی اور مخالف ہوابازوں کے درمیان نسبت احتیاجیہ قائم ہو تو کیونکر ہو۔

ہمدردی یعنی ایک دوسرے کی مخصوص ترکیب یا قربت اور شرکت سے تو دونوں کو بہرہ نہیں کام کیونکر بنے دیکھیے ہمدردی کے فرضی عدم میں بھی یہی مسئلہ کیسی قباحت نظر آتی ہے اگر فی الحقیقت ہمدردی کا خواستہ صفر پر نہ ہو تو دنیا کے کاموں اور سلسلوں کا نام و نشان ہی نہ ہوتا شاید یہاں پیش کیا گیا ہو کہ دنیا میں ہمدردی کا کام کیے کر ائے جاتے ہیں اپنی ذاتی اغراض کے لیے کہے کہ اگر ہمدردی نہ ہو تو دنیا میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں مثلاً زید کا اپنے مکان کو بلتر کرانے کا کام دنیا کا کام ہے اور علی بڑا القیاس بلتر کرنے والے کا مقررہ مزدور ہے۔ یہی مسئلہ کہ دنیا کا کام ذاتی اغراض کے لیے کیا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان میں جو خصائص کام کرنے والے کے لیے بنائی گئی ہیں وہ کبھی اس کے اپنے فائدہ سے ظالی نہیں ہوتے بلکہ ان کے ضمن میں اور ان کے فائدہ پہنچ جاتا ہے بلتر کرنے اور کرانے کی بلا شک ایک ذاتی غرض ہے مگر اس سے ایک دوسرے کی ہمدردی کے ڈبوئی فوت نہیں ہو جاتی وہ بہر حال پوری ہو جاتی ہمدردی کی ہمیشہ تعریف یہی ہے کہ وہ ایک ایسا قدرتی اور ملی جوش ہے کہ جس کا طائر سے دنیا کا کارخانہ چلتا ہے خواہ اوسمیں اپنے نفسانی غرض شامل ہو یا نہ ہو اور لوگوں کی بڑی ہماری غلطی ہے کہ جو ہمدردی کو صرف انسانی غرض پر محمول کرتے ہیں جن لوگوں کو ایک میں کوئی کارخانہ جاری کرتے ہیں بیشک اس کے اجراء کے ساتھ ان کی غرض نفسانی بھی شامل ہوتی ہے مگر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس کا رخانہ کے اجراء سے ایک کو نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کو وقتاً فوقتاً فائدہ پہنچتا رہتا ہے ملک یورپ اور خصوصاً ملک انگلستان کو دیکھو کہ وہاں مختلف کارخانجات انسانی اغراض سے قائم اور جاری ہیں جن سے خاص انگلستان والوں اور دوسرے ملک والوں کو کیا کچھ فائدہ پہنچ رہا ہے

کہ اور مفید عام کارخانوں کو اون کے سالکون نے اپنی نفسانی اغراض کے سبب  
ورق قائم کیا ہے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اور کا کام ہمت اور ہمدردی سے خالی  
یہ نہیں اگر ایسے مفید عام کام ہمدردی سے خالی سمجھے جائیں تو پھر کسی کام میں  
ہمدردی کا پتہ نہیں مل سکتا ہے۔

بیان پیشہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئٹن بنوانے پیاؤ بچانے سیل لگانے وغیرہ کاموں کے  
کے لئے لگانے والے کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی صرف مخلوق خدا کو فائدہ اور آرام  
کے پہونچانا مد نظر ہوتا ہے اور عام محاورہ میں ایسے کاموں کو انسانی ہمدردی کے کام  
کہا جاتا ہے جب ہمدردی کے کاموں میں کرنے والے کی نفسانی غرض شامل ہوتی ہو  
تو اس سے لازم آتا ہے کہ ایسے کاموں کو ہمدردی آمیز نہ کہا جائے کیونکہ ان میں کرنے  
والے کی نفسانی غرض شامل نہیں ہوتی۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اول تو بچنے  
پر شرط ہی نہیں لگائی کہ ہمدردی بلا شمول شرط نفسانی ہو نہیں سکتی جتنے عام  
طور پر بیان کیا ہے کہ جن کاموں میں اغراض نفسانی ہی شامل ہوتے ہیں ان ہی  
ہمدردی سے خالی اور متبرائیں ہوتے چنانچہ لہذا فیصلہ ان سے اس مدعا کو ثابت  
کر کے ہی دکھایا گیا۔

اور دوسرا ہم کہتے ہیں کہ کنوئوں کا بنوانا پیاؤ کا بچانا سیالوں کا لگانا بھی اغراض  
نفسانی سے پاک صاف نہیں۔ جو شخص ایسے کام کرتا ہے وہ دوسری نیت سے کرتا ہو  
یا تو اس کو دنیا کی واہ واہ اور شہرت مطلوب ہوتی ہے اور دوسری خوشی اور رضا کے  
کی خواہش رکھتا ہے ان دونوں نیتوں کے سوا اسے اور کوئی نیت نہیں ہوتی اور یہ  
ہے کہ ان دونوں نیتوں میں دو مختلف نتیجہ نفسانی خواہشیں پائی جاتی ہیں دنیا میں  
کوئی کام کر کے بھلائی اور شہرت کا طالب ہو نا ہی ایک نفسانی خواہش ہے اور  
خدا کی خوشی اور رضامندی کا خواہستگار ہو نا ہی ایک نفسانی غرض ہے فرق صرف



موقوف ہیں اگر وقت مناسب کا خیال نہ کیا جاوے تو منوی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔  
 مثلاً اگر ہم اپنے ملک کی نجی بود یا نجی نسلون کو اس قسم کے تعلیم اور تربیت دینا چاہتے  
 کہ جس سے اونکو اور تیز اور قوم کو ایک ایسا سلیم راستہ ملے جہاں تک وہ ایک آسان  
 کے ساتھ اور ترقی یافتہ قوموں کو ملنے کی کوشش کریں تو ہم کو ایسی تدبیریں اختیار کرنی  
 چاہئیں کہ جنکے نتائج اور فوائد کو عام لوگ ایک سہولت سے سمجھ سکیں مدرسہ فزیکل سائنس  
 کے قائم کرنے سے بلا شک ملک والوں اور انکے عزیز نسلون کو بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے  
 مگر جو لوگ ابھی تک ابتدائی تعلیم سے ہی فارغ اور واقف نہیں ہوئے انکے واسطے  
 مدرسہ فزیکل سائنس کو قائم یا جاری کرنا وقت کے مناسب نہیں ہے وقت کا یہ  
 تقاضا نہیں ہے کہ ایک عام فہم تدبیر کو جو بزرگ شکل تدابیر کی طرف رجوع کیا جاوے  
 اگر ہم چاہیں کہ ترقی ہمدردی کے تقاضا سے زیادہ شادیوں کی فضول خرچیاں  
 یا موت اور غمی کے ناجائز اخراجات کے بند کرانے کی کوئی تدبیر اور سبیل نکالیں تو یہ بہت  
 وقت کے مناسب نہیں ہے کہ ابتدا میں ہی شادی اور غمی کی رسموں کے انسداد پر زور  
 دیا جائے کیونکہ ایسی رسمیں اکثر کر کے مذہبی باتوں میں ملی جلی ہوتی ہیں اور لوگ  
 اونکو اپنی جہالت سے اپنے مذہب کی تعلیم سمجھتے ہیں ابتدائی انسداد سے انکے دلوں میں  
 ایک قسم کا جوش پیدا ہو جاتا ہے جو مدعا کو شکل سے پورا ہونے دیتا ہے وقت کے  
 مناسب یہ ہے کہ ابتدا میں عمدہ حکمت عملیوں سے لوگوں کو اون فضول خرچیوں پر راجح  
 ناجائز کے قباحتوں اور ہزیموں سے آگاہ کر کے کفایت شعاری اور اوسکے مضبوط اور  
 فوائد پر توجہ دلائی جاوے جب لوگ ان باتوں سے آہستہ آہستہ واقف اور خبردار  
 ہو جائیں گے تو خود بخود ہی اونکی طبیعت میں فضول خرچیوں اور ناجائز اخراجات کے  
 چھوڑ دینے پر مستعد ہو جائیں گے۔ اگر کوئی گورنمنٹ کسی نئے ملک کو فتح کرے پہلے ہی پہلی  
 یہاں کی ناشائستہ لوگوں کے ناقص اور جاہلانہ یا وحشیانہ طرز معاشرت کو شائستگی اور

تہذیب سے بدلنا چاہیے تو بیشک اوسکی یہ جرات وقت کی سخت مخالفت کا یہ مقتضائیں ہے کہ ملک فتح کرتی ہے اس سیرہ کو اوستھایا جاوے وقت سے کہ سب سے پہلے ملک مغتوحہ کی قوموں اور لوگوں کو اپنی سلطنت اور عام رحم و لیں اور انصاف و عدالت اور نرمی و شفقت کے ذریعہ سے خوش کیا جائے۔ اور جب تمام لوگ سلطنت کے کاموں اور کارروائیوں پر مطمئن ہو جائیں اور انکو مختلف آزمائشوں کے اس امر کا یقین ہو جاوے کہ یہ سلطنت اور اوستھ اصول ہمارے ملک اور قوم کے حق میں سراسر مفید ہیں تو پھر عام لوگوں کے وحشیانہ طرز معاشرت کے تبدیل کے کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں ملک مغتوحہ کے لوگ گورنمنٹ کی تدابیر کو اپنے حق میں مفید سمجھیں گے اور اوپر باقائدہ عمل کرنے سے منفرد اور بیزار نہ بنیں ہوں گے۔ بہت سے انسان مختلف ہمدردیاں کرتے اور کھاتے ہیں مگر وہ صرف اسلئے کہ اونکے کرنے یا کرانے کے وقت مناسب وقت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا قوم یا ملک کے حق میں سراسر غیر مفید ثابت ہوتے ہیں اگر اونکے کرنے یا کرانے کے وقت مناسب وقت کو ملحوظ رکھا جاتا تو بہر بیج مفید ثابت ہوتے جو لوگ اپنے ملک یا قوم وغیرہ کو ہمدردی کی راہ سے کوئی آرام اور فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں اوکھلازم ہے کہ ہمدردی کے وقت مناسب کو ضرور ملحوظ رکھنا کریں۔ دوم تقدم و تاخر ضرورت۔ ہمدردی کرنے کے واسطے جیسے وقت مناسب کی پابندی ضروری ہے ایسی ہر بلکہ اوس سے بڑھکر ہمدردی کی ضرورت پر لحاظ تقدم و تاخر کی نظر کرنا ضروری ہے کسی ملک یا کسی قومی گروہ یا سارے انسانوں کے ساتھ مختلف صورتوں پر ہمدردی کی جاسکتی ہے اختلاف ہمدردی کی صورت اس امر کی متقاضی ہے کہ تقدم و تاخر کو ملحوظ رکھا جائے بہت سے لوگ نیک نیتی سے ہمدردی کرتے ہیں مگر وہ صرف اس واسطے مفید نہیں ٹھکتی کہ لحاظ ضرورت کے اوسکے تقدم و تاخر پر نظم

نہیں کیجائی۔ ہمارے ہمدردی کرنے کے پہلے احتیاط کے ساتھ اس امر پر غور اور نظر کر کے چاہیے کہ بالفعل اسکی ضرورت ہے یا نہیں اگر ضرورت ثابت ہو تو مشروع کرنا چاہیے ورنہ اس ہمدردی کی طرف رجوع کریں کہ جو ضروری ہوگا کہ کوئی نادار آدمی ہمسے موسم گرمی کا کپڑہ مانگے اور ہم اسکو موسم سردی کا لحاف دیدیں یا کوئی شخص جسے جو تامل کرے اور ہم اسکو چادر دیدیں تو ہماری یہ ہمدردی کو نیک نیتی سے ہو مگر اس سے سوالیہ پیارے کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے بجائے سرد کپڑے کے گرم کپڑے اور بجائے جوتے کے چادر کا رکنا ہی سائل پر گران اور مشکل ہو جائیگا چار سائل جسے سوال تو اسواسطے کرتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے اور ہم اسکے سوال کو اسواسطے قبول کرتے ہیں کہ اسکو فائدہ پہنچائیں سائل کی نسبت کے مخالف عمل کرنے میں یہ دونوں صورتیں مفقود ہو جاتی ہیں ہماری نیک نیتی میں کوئی شک نہیں مگر اس سے سائل کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ملتا۔ کیا اگر جسے زیادہ یہ سوال کرے کہ خط استوا میں چھ مہینہ رات اور چھ مہینہ دن کیون رہتا ہے اور ہم اسکا یہ جواب دیں کہ ملتان میں بڑی سخت دھوپ پڑتی ہے تو اس جواب سے زیادہ خوش ہو جائیگا یا اسکو کوئی فائدہ پہنچے گا ہرگز نہیں یہ تو وہی بات ہوگی سوال از آسمان جواب از زمین جسطح پر غیر متعلق جواب سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس جسطح پر غیر متعلق ہمدردی سے سائل کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہماری تمام ہمدردیاں اسکی صورت میں۔ انسان ملک اور قوم وغیرہ کے حق میں مفید ثابت ہونگی کہ جب اونکو بلحاظ ضرورت کے پورا کیا جائے اگر ہم ملک ہندوستان کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو اسکے کئی صورتیں ہیں مگر ان سب میں سے ضرورے صورت یہ ہے کہ ملک میں عام تعلیم کو عمدہ اصولوں پر پھیلا یا جائے اگر اس صورت کے سوا کسی اور صورت پر عمل کیا جائے تو گو وہ عمل نہایت نیک نیتی سے ہو مگر



چونکہ بالمقابل عام تعلیم کے اوکلی ضرورت بہت کم ہوگی اس واسطے ملک  
 اور سکو چند ان مفید خیال کیا جاوے گا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں  
 لوگ مختلف طور پر ہمدردی کی تدریجی خوش کو ظاہر کرتے ہیں مگر چونکہ اس  
 ضرورت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اس واسطے وہ ہمدردیان چند ان مفید نہیں  
 اکثر ہندو مسلمان رسمی طور پر۔ کوئین۔ سرائین۔ سندھ۔ اور سجدین وغیرہ  
 ہمدرد اور لوگوں کو جنہوں نے باوجود جنگ پہلے مستندے ہونے کے محض کاہنی اور  
 پیشہ گردانی اختیار کر رکھا ہے۔ تو تا وقتیکہ یہ دیتے دلاتے رہتے ہیں اور علیٰ ہذا اکیسا  
 اور کام دان پن کے کرتے رہتے ہیں مگر جب غور کیا جاتی ہے تو ایسے کاموں سے وہ  
 فائدہ نہیں حاصل ہوتا کہ جو ہونا چاہیے۔ بلکہ برخلاف اسکے ایسے کام اور ایسی روایاں  
 بے ضرورت ہونے کے سبب ملک اور قوم کے حق میں سخت نقصان رسان ثابت  
 ہوئی ہیں۔ کیونچہ۔ سرائین۔ سندھ۔ اور سجدین ثواب کی خاطر بنا لئے جاتے ہیں  
 مگر عدم استطاعت یا کثرت کے باعث اوکو کوئی پوجتہائی نہیں جن مستندوں اور  
 سہیلے کئے جو انون کو رسم کی پابندی سے سخاوت کے طور پر کچھ دیا دیا جاتا ہے  
 وہ اعلیٰ درجہ کی سست اور نگے ہو جاتے ہیں اونکے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی  
 ہے کہ جب صرف ایک زبان لانے سے پیٹ بھر جاتا ہے تو ہر کام کاج کر فیک  
 کیا ضرورت ہے۔ اگر لوگ محض عام رسم کی پابندی سے ایسے سست الوجود رہیں  
 کچھ دن دلائین نہیں تو یقیناً انکو بھی اور لوگوں کی طرح محنت اور کام کاج کرنے  
 خیال آئے مگر افسوس ہے کہ لوگ سمجھتے نہیں۔ اس قسم کی رسمی ہمدردیوں کی کوئی  
 ضرورت نہیں ان ہمدردیوں کے انہماک پر جبکہ صرف اور خرچ ہوتا ہے اگر اسکا  
 نصف ہی تعلیم عام کے باب میں دیا جائے تو یقیناً بہت کچھ ہو سکتا ہے تعلیم عام کے  
 باب میں نہ سہی ایسے روپیہ سے اگر وہیم خاؤن اور غریب خاؤن کو ہی جاری کیا جائے

تو یہ بھی کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ملک اور ملک کی حالت سائل کی طرح منہ سے نہیں کہہ سکتی ہے کہ کچھ کو اس امر کی ضرورت ہے مگر ہمدردی کرنے والے ملک اور ملکی حالت کے آثار اور علامات سے اس کی ضرورت کو سائل کے بیان سے زیادہ تر تشریح کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں سائل تو خاص طور پر اپنی ضرورت کو پیش کرتا ہے مگر ملک اور ملک کی حالت عام اور کھلے طور پر دو برابر الفاظ میں اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو بیان کرتا ہے ہے جو کانون اور انگوٹوں سے ٹٹے دیکھے اور دل میں عمدہ طور پر وزن کی خاطر سامعین اگر ایسے عام اور کھلے ضرورتوں کو بھی ہمدردی کرنے والے معلوم اور وزن نہ کر سکیں تو سبنا چاہیے کہ اس ملک کی اصلاح اور ترقی اور شائستگی کے دل بہت دور ہیں۔

### سوم اتمام مقدمات

ہمدردی کرنے کے واسطے جسے پابندی وقت اور تحفظ ضرورت کی حاجت ہے ایسی ہی ہمدردی کے مقدار مناسب کا ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے ہمدردی کرنے کے وقت ہمدردی کرنے والے کو احتیاطاً اس امر پر غور کرنی چاہیے کہ حسب قدر ہمدردی کی ضرورت ہے اگر اس امر پر غور نہ کیا جائے تو کمی بیشی کی صورت میں ہمدردی میں نقص اور فائدہ ہو گا مثلاً اگر ہم چاہیں کہ ملک ہندوستان کے لوگوں کو مختلف صحتی اور حرفتی کارخانوں سے فائدہ پہنچائیں تو کھلو ایسے کارخانوں کے جاری کرنے کے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ قدر و صرف اور کس قدر کارخانوں سے ملک کو فائدہ پہنچے گا مقدار پر غور کرنے سے ہم اپنی طاقت اور زور کو بھی وزن کر لیں گے جس سے ہمیں بہت مدد ملے گی اور نقصان نہ ہو گا پھر ہمدردی نہ کیا جائے تو جیسا کہ چاہیے ویسا فائدہ نہیں ہو گا۔ بہتر ہمدردی اس سے کہ قبل از شروع کرنے ہمدردی کے مقدار پر نہایت احتیاط سے غور کیا جائے اور فائدہ کے بنامی اور نقصان حاصل ہو گا۔

### چہارم تخصیص ہمدردی

یہ شرط اور ہر کی شرطوں سے بھی زیادہ تر ضروری ہے ہمدردی کرنے سے دیکھنا لازم ہے کہ ہم اپنے سچی ہمدردی کو کس طریق اور دھنگ پر بعض ہمدردی آئینہ خیال فی الحقیقہ ملک اور قوم کے واسطے نہایت ضروری ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کو کسی ایسے اصول یا طریق پر ظاہر نہیں

چندان فائدہ بخش ثابت نہیں ہوتی ہمدردی کے اصول اور طریق کے خاص ارے سے واسطے یہ قاعدہ بہت اہم ہے کہ ملک اور لوگوں کے وجودہ حالت کو دیکھا جائے اس حالت کے موافق جو اصول اور طریق ہو اس پر ہمدردی کی بنیاد کو قائم کیا جاوے مثلاً اگر ہم کسی ملک میں عام لوگوں کے عزیز انسانوں کے آرام اور سلامتی جان اور خوب صورت و شکل کے واسطے ٹھیکہ کو رواج دینا چاہیں تو قبل از رواج دینے کے ملک اور قوم کے عام خیالات اور رویہ کو دیکھنا چاہیے حکماً بھی ٹھیکہ لگایا جاسکتا ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کسی ملک اور قوم کے خیالات جمیع اور جمالت کے باعث ابتدا میں ٹھیکہ کے مخالف ہوں اگر ایسے ملک میں ایکٹ جبریہ پاس کیا جاوے تو بلا شک گو رنٹ کو چند سال تک عام لوگوں کی نفرت آئینہ خیالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ جو اس کے واسطے نقصان رساں ہے مناسب یہ ہے کہ ایسے ملک میں اس ہمدردی کو ایسی عام فہم اور سلیس اور رحم آمیز اصولوں اور طریقوں کی حمایت میں شروع اور پورا کیا جاوے کہ جو قوموں کے وحشیانہ خیالات کو بجا جوش میں نہ لاویں۔ عام لوگوں کو جنکی طبیعتیں معاملہ کے تہ کو نہیں پہنچتیں اور جو اپنی ذاتی فائدہ دن اور ضرورت کو عمدہ طور پر وزن نہیں کر سکتے ایسے قاعدوں اور طریقوں کے قبول کرنے پر راضی کرنا کہ جو ان کے وحشیانہ نظروں میں جبر آمیز سمجھے جاتے ہوں حکمت عملی اور دور اندیشی کی سخت مخالفت ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ قاعدہ اور طریقے درحقیقت ملک اور قوم کے حق میں اعلیٰ درجہ کے فائدہ بخش ہوتے ہیں مگر جبکہ ملک اور قوم کے لوگ ان کے

اور طریقوں کو اپنی جہالت اور حق سے اپنے حق میں غیر مفید خیال کرتے ہیں تو اس کے  
 جاری کرنے اور قائم رکھنے کا کیا فائدہ ہے یہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ جو کام ہم اوقاف  
 اور طریقوں سے نکالنا چاہتے ہیں وہ ایسے قاعدے اور طریقوں سے نکالا جاسے  
 کہ جو بلحاظ قائمہ پہونچانے کے اسی قسم کے ہوں مگر عام خیالات کو اور ایسے کوئی خوش  
 نہ پیدا ہوتا ہو کوئی ہمدردی ایسی اور نیک کام نہیں ہے کہ جو عام پسند قاعدوں اور  
 طریقوں کے ذریعہ سے عمل نہوسکتا ہو عام پسند قاعدوں اور طریقوں کے بوتے خوش  
 اور شکل اور درستہ آئینز قاعدوں اور طریقوں پر کار بند ہوتا ہو لیکن معاملات کے پاس  
 خلاف ہے جو لوگ مختلف قاعدوں اور ملکوں کی ہدایات دیکھنے کے شائق ہیں وہ اس  
 بات کو سمجھتے بھی زیادہ تر صحت اور عملگی سے جانتے ہیں کہ ایسی ہی چیزیں گویا  
 سب سے زیادہ ہوں گے سبب بہت دفعہ اکثر حکومتوں نے پولیٹیکل نقصانات اور مضرتیں  
 ہونے سے بچنے کے لیے ایسی باتیں لکھا ہے کہ مثلاً بن سلطان سلیم خان ثالث لیس  
 سال قبل ۱۵۱۳ء میں شہ قسطنطنیہ نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ ارادہ کیا کہ جس طرح  
 عثمانیوں کو یورپ کی فوجیں اور سپاہ قسم قسم کے آلات اور اسلحہ اور عمدہ سپاہیانہ  
 پوشش سے آراستہ اور پیراستہ کر کے اس طرح پر ترکی فوجوں اور سپاہ کو بھی آراستہ  
 اور پیراستہ کیا جاوے سلطان نے اس انتظام کا نام نظام جدید رکھا اور یک دفعہ  
 فوج کو یورپ کے پسندیدہ قواعد جنگ کے بموجب آراستہ کر کے شروع کیا گو یہ ارادہ  
 سلطان سلیم ثالث کا ترکوں اور ملک کے حق میں نہایت ہی مفید اور ضروری عمل تھا  
 مگر چونکہ سلطان موصوف نے اس ارادہ کو عمدہ طور پر عمل میں نہیں کیا تھا اس واسطے ترکوں  
 کے چرائی فوج نیک چری نے ایک شخص مسطفی نامی کو اپنا سرور مقرر کر کے اس نے  
 پر کہ سلطان نصاری کے پیروی کرتا ہے ایسا سخت فساد کیا کہ ہزاروں جانیں ضائع  
 تلف ہوئیں یہاں تک کہ اس کشت و خون کا اثر سلطان محمود ثانی کے عہد تک بدستور



مختلف نقصان اور ندامت اور ٹھکانے میں مختلف قوموں اور جدید قسطنطنیہ کا ندامت اور  
نقصان اور ٹھکانا ہمیں اس بات پر زور کے ساتھ کنیڈیشن کرتا ہے کہ ہم ہمدردی  
کرنے کے وقت مخصوص طریق کی تلاش کر لیا کریں تاکہ ندامت اور نقصان کا شک اور  
اور احتمال نہ رہے۔

### شرط پنجم استقامت

بہت سے تجربہ کاروں نے اس بات کو مختلف تجربوں اور آزمائشوں سے مار لیا  
ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا کام اور راہ نہیں ہے کہ جو استقامت کے بغیر پورا  
ہو سکے سچ یہ ہے کہ انسان بن استقامت کے دنیا میں عمدہ طور پر زندگی بسر نہیں  
کر سکتا ہمدردی دنیا کے کاموں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے اسکے واسطے اعلیٰ  
درجہ کی استقامت کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس درجہ کی استقامت حاصل نہ ہو تو ایک  
ہمدردی کی قبولی پوری نہیں ہو سکتی۔ ہمدردی اگرچہ عداوت انسانوں کے واسطے  
ایک مفید صفت ہے تو اگر انسانوں کی چال ایسی ہے کہ انہیں زمین چھوڑی اور ہمدردی  
کو اپنے دل سے کی سنتے نہ ہوں تو یہاں پہنچنا ممکن ہے کہ ان کو ناجائز مخالفتوں کے  
سبب اکثر اپنا صدمہ برداشت کرنا پڑے۔ ہمدردی کرنے کے بعد اس قبولی کو چھوڑ دیتے ہیں  
چھوٹی چھوٹی ہمدردیاں تو کون کے دلوں میں مخالفاں خیالات پیدا نہیں کر سکتیں  
مگر وہ ہمدردیاں کہ چشمہ کسی قوم یا ملک کی موجودہ حالت کو سوا کنیڈیشن کے براہ راست  
لانا یا ملک اور زمین کے اثاثہ لینے میں مراد ہوتی ہو تو لوگوں کے دل میں ناگوار  
جوش کی صورت میں برافروختہ کرنے کے واسطے کافی ہوتی ہیں جب لوگ اپنے  
قوم یا ملک کے اوں زلموں اور خیالات کو جنگوہ غلطی سے بلجس زمین یا کشن  
خیالات سمجھ رہے ہیں تبدیل ہوتے یا کرتے دیکھتے سنتے ہیں تو ان کی طبیعتوں  
میں ایک سخت وحشیانہ خوش پیدا ہو جاتا ہے جبکہ پہلا یہ کام ہوتا ہے کہ اس

شخص کو نہ نہایت نیک نیتی اور صداقت آمیز کمپٹی سے ملکہ یا قوم کی وحشیانہ  
 انسانیت اور غیر فائدہ خیالات کو دور کر کے وہ اس بات کو اچھی طرح پر اور صدقہ  
 کی سفید دھوا کو اچھی سے سمجھ لیتے ہیں کہ ہمدردی کی مبارک دیوانی سوائے تکلیف  
 کے پوری نہیں اور ترسکتی کون سی ایسی ہمدردی ہے کہ نہ تکلیف اور بھانے  
 بغیر اور ان کے حق میں فائدہ بخش ثابت ہوئی ہے کون سا ایسا نیک کام ہے  
 کہ بھین کرنے والے کو سب سے اول مختلف مصیبتوں کا مقابلہ بنیں کرنا بڑا عام  
 ہمدردی تو جیسا رہی اپنی ہمدردی ہی سوائے تکلیف اور بھانے کے پوری نہیں  
 ہو سکتی اگر ہمدردی کر نیوالا تکلیفوں کے مقابلہ میں اعلا و جبہ کے حوصلہ اور استعداد  
 کو کام میں نہ لائے تو سوائے خاموشی اور غلی کی کہ اور کیا علاج ہے ہمدردی  
 کوئی آسان کام نہیں ہے اس میں دل و جان کا خون کرنا اور عام مددگاروں اور  
 سے مقابلہ کرنا اور عام مصیبتوں اور تکلیفوں کے برعکس اس میں سب سے پہلے کام ہے  
 جب تک یہ پہلا کام نہ ہوئے تب تک آگے اپنا شکل بوجھا اس پر ہی باعث ہے کہ  
 ہمدردی کرنے کا دعویٰ تو بہت لوگ کر رہے ہیں مگر پورا کوئی بھی اور تیار و کامیابی  
 کے مبارک ہستار اور سی مرد خدا کے سر پر رکھی جاتی ہے کہ جو اچھی نیتوں اور  
 خیالات کی مبارک بنیاد کو قائم کرنا چاہتا ہے عمارت آمیز حملوں اور حوش یا منظر لانچ  
 سے اپنی عمدہ خدمتوں کے اظہار سے باز رہ کر ما جادے ایسے پر جوش اور وحشیانہ  
 خیالات کو یہاں تک ترقی ہوتی ہے کہ ملکوں کے ملک اور قوموں کی توہین کی سخت  
 بیکڑ جاتی ہیں اور پڑے زور و شور سے ابتری اور خرابی ڈالنے کی کوششیں کجاتی ہیں  
 ایسے حملوں اور جوش کو دیکھ کر ہمدردی کرنے والے کے دلیں ایک قسم کی مایوسی  
 اور ناامیدی پیدا ہو جاتی ہے اور ہمدردی کرنے والا عام لوگوں کے وحشی خیالات  
 اور بیقداری کو دیکھ کر خاموشی اور قطع تعلق پر مستعد ہو جاتا ہے بہت لوگ الگ ہی

ہو جاتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ جب ایک شخص دوسرے کے ساتھ ملتی اور  
 چاروی کر تا ہے اور وہ اس کی کچھ قدر نہیں کرتا بلکہ اولٹا اس کے گلے کا مار ہو جاتا ہے  
 تو ضرور اس کے دل میں اعلیٰ درجہ کی مایوسی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ الگ ہو کر  
 اچھا سمجھتا ہے مگر جو لوگ ایسے نازک معرکوں اور ازل معرکوں کے بہادروں کے  
 حالات سن چکے ہیں وہ عام جوش اور وحشت آمیز خیالات کی کچھ پروا نہیں کرتے  
 ہر ایک قسم کی لامت اور بدظنیتوں اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو خوشی سے برداشت  
 کر کے اپنا کام کیے جاتا ہے جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ سخت بے حوصلگی سے پس پا  
 ہو جاتا ہے ہمدردی میں تکلیفوں اور مصیبتوں کا اٹھانا اور طاعن کا برداشت  
 کرنا ہی نہیں ہوتا قسم قسم کے متواتر ناکامیاں بیان بھی نمودار ہو کر خون جگر کہاتے  
 رہتے ہیں اس کو چہ میں بھی اگر کوئی بھی مرد میدان ثابت رہتا ہے ورنہ بیسوں  
 نہیں بلکہ سیکڑوں جان سلامت لیکر بھاگ جاتے ہیں - یا حوصلہ اور مرد میدان  
 وہ آتی ہے کہ جو ان ابتدائی مصیبتوں اور مایوسیوں اور ناکامیوں کو نتیج  
 سمجھ کر اپنے حوصلہ اور استقامت میں قائم رہے دنیا کا کون سا ایسا کام ہے  
 کہ جس کے پورا کرنے کے وقت مختلف مصیبتیں اور ناکامیاں بیان نمودار نہ ہوں  
 اور جو بعد کو خوشی اور چین اور کامیابیوں سے تبدیل نہ ہو جاتی ہوں اگر ہم چاہتے  
 ہیں کہ دنیا میں رہ کر عزت اور خوشی سے زندگی بسر کریں اور اپنے اور اپنے جس کو  
 سخی آرام اور فائدہ پہنچائیں تو ہمیں اول لازمی رکاوٹوں اور مزاحمتوں اور ناکامیوں  
 اور مصیبتوں کا حوصلہ اور استقامت سے مقابلہ کرنا چاہیے کہ جو ہر ایک کام اور ارادہ  
 کے پورے کرنے کے وقت مانع اور مزاحم ہوتے ہیں اگر ہم اس گھائی یاد رہے  
 عمل گئے تو یقیناً ہر آگے صاف میدان ہے اور اگر خدا نخواستہ ایسے دڑواگئی  
 میں پھنسے رہے تو یہ بھی حافظ - و کاوشیں اور ناکامیاں چند روزہ ہوتی ہیں





معلومات اور کامیابیوں کے ساتھ جو قوم اور ملک کے حق میں اتناک عالمی سلسلوں کے  
 اٹھانے سے فائدہ بخش ثابت ہوئی ہیں اپنے وطن والوں میں واپس آیا چند روزوں میں  
 اور اتنا ہی نام کامیابیوں اور عام فائدہ لوگوں سے اپنی ہمتوں کے نواح دریا کو نہ ہو کو  
 استغناست سے آگے نہ بڑھے چاہو۔ خدا کا سیلابی دیکھا اس اصول کو مضبوطی سے یاد  
 رکھو کہ کوئی نہ کام فائدہ اور کوئی ہمدردی تکلیف اور عام نفع اللہ سے خالی نہیں ہوتا۔  
 اگر تم نہ اس نتیجے سے کام کرو گے تو اخیر پر ضرور عام مخالفین اور یکا وطن دور ہو جائو  
 وہی لوگ جو تمہارے یہ خواہشیں آپ ہی خبر خواہ بن جائیں گے۔

جو ہمدردی کرنا ہے خلق خدا سے  
 یہ دنیا میں ہر قول شعور اتناک  
 نہایت جو خالی جیسے برنج و بلا سے  
 بنیاد اگر اوسکو کہئے تو بہتر  
 جو ہمدردی کیجائے صدق و صداقت  
 جو مخلوق عامہ کو فائدہ پہنچائے  
 جو ہمدردی کا نام لاوے زبان پر  
 اگر استہاست میں کامل ہو گا  
 نہیں عام کام میدان میں آتا  
 کوئی دوسرے کے لئے کب مرے ہے  
 وہ ہی دوسروں کے مصیبت اوٹھاو  
 لیکن زمانہ کی یہ چال بد ہے  
 کرنے دل سے عجزاریاں جنگی خاطر  
 جو سن لیون نام ایسے مرد خدا کا

نہ چاہے اس سے خوفناک نہ ہو بلا سے  
 کہ الفت میں تکلیف ہوے بلا شاک  
 اور کچھ تعلق نہ صدق و صداقت  
 تصنع سے تعبیر کیجے تو بہتر  
 تو کس طرح خالی ہو نہی و بلا سے  
 مصیبت کا خود پہلے بیڑہ اوٹھائے  
 وہ پہلے رکھے جان اپنی سنان پر  
 تو ہمدردی کا رتبہ حاصل ہو گا  
 نہیں سہل ہے مفت جان کا گنوا  
 بیگانوں کی خاطر کوئی کب لڑے ہے  
 جو الفت محبت سے غم اوٹھائے  
 کہ لوگوں کو الٹا برسرے حسد ہے  
 سمجھتے ہیں وہ اوسکو خاطر و تھاصر  
 تو ٹھہراتے مرجع میں کرو دغا کا

زبان سے کرے کوئی تنقید اور سکی  
 کوئی مجھ سے قوم و ملت کا دشمن  
 کوئی کہتا ہے قتل کرنا ہے وہ جب  
 اگر کوئی سمجھائے اونکو زبان سے  
 غرض یہ کہ ہوتا ہے دشمن زمانہ  
 حقیقت پر وہ نظر کرتے نہیں ہیں  
 خدا اونہ ہوتا ہے جو مال و جان سے  
 جہالت سے پر ہمدرد کو سمجھ سکیں دشمن  
 جہان دل سے دشمن ہو سارا تو  
 مگر جبکہ دلیں سے جو شہادت  
 مقابل میں آتی ہے مگر کوئی آفت  
 وہ چاہتا نہیں صلہ اپنے وفا کا  
 نہیں قائمہ ذاتی مطلوب آہو  
 وہ آرام سمجھے جہان میں آسکو  
 اسے قوم گر بچا لے پر ہر چہ یاد  
 سر بچا لے پر بھی کہیگا وہ رو کے  
 اونٹھاتے ہیں کس پر جو بار غلامت  
 زبان سے جو کرتے تھے تنقید اونکے  
 بڑھی جب اونھوں نے کتاب حقیقت  
 جو کرتے تھے مجبور تیغ زبان سے  
 صداقت کو آخر ہوئی فتح و نصرت

قلم سے کہے کوئی تکفیر  
 کوئی صاف کہتا ہے مرد  
 دلائل سے ثابت ہوا ہے  
 تو دیتے جواب ہیں دو تیغ  
 حقارت سے دیکھتے ہیں اپنا  
 بلا آنے والی سے ڈرتے نہیں  
 خبر اور سکی لیتے ہیں تیغ زبان سے  
 خیالات باطل سے ہوتے ہیں نکل  
 زبان ایک چور و کاکین سا ٹھکانہ  
 نہ تو نہیں اس سپ کوئی ہی آفت  
 تو ہے جتنا اوسکو وہ دین راحت  
 مگر طالب آرام نسلی خدا کا  
 صرف بہتری قوم مرغوب آسکو  
 کہ ہو قائمہ خاص اوس سے سیکو  
 تو ہمدردی سے باز پر ہی آسکو  
 کہ کب خواب غفلت سے سوتے اونکو  
 وہ ہی دیکھیں آخر کو راہ سلامت  
 قلم سے جو لکھتے تھے تکفیر اونکی  
 تو ظاہر ہوئی اونہ اونکی فضیلت  
 وہ قربان ہو لے لگے مال و جان سے  
 لیا استقامت نے میدان ہر عورت

اگر استقامت سے ہونے وہ عاری	تو کب حاصل ہوتی اور نین فتح داری
عزیز نہ وہ ہاتھ سے استقامت	نہیں تو اوٹھانی پڑگی نداشت
بجز استقامت کے چارہ نہیں ہے	سوا اسکے کوئی گزارہ نہیں ہے
سوا اسکے ہمدردی کامل نہ ہو	وہ مقصود کا موتی حاصل نہ ہو
نصیحت ہی یہ یاد رکھنے کے قابل	کہ جز استقامت نہ کچھ ہو وصال

### شرط شرم نیک نیتی

ہمدردی کرنے کے واسطے سب سے اعلیٰ درجہ کی شرم نیک نیتی اور صداقت ہے جو ہمدردی نیک نیتی اور صداقت سے خالی ہو وہ ہمدردی نہیں ہے بلکہ محض شاو اور تصنع اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو کام (اگرچہ وہ نیکی کی صورت میں بھی ہو) بناوی ہو نہ تو وہ کرنے والے کو فائدہ دینا ہے اور نہ دوسروں کو دینا ایک صاف آئینہ کے مانند ہے اور میں سب کچھ نظر آجاتا ہے اگر کوئی شخص صداقت اور نیک نیتی سے کام کرتا ہے تو وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اگر ثناوٹ سے کیا جاتا ہے تو وہ بھی کھل جاتا ہے ایک نہیں ہزاروں تجربہ کاروں نے اس بات کو مضبوط شہاد توں اور تجربوں سے مان لیا ہے کہ جو کام صداقت اور نیک نیتی سے کیا جاتا ہے اوسیکو سرسبزی اور کامیابی حاصل ہوتی ہے جو کام نیک نیتی اور صداقت سے خالی ہوتا ہے اوسکو کبھی ہی سرسبزی اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی سرسبزی اور کامیابی تو درکنار ہے اوسکے کرنے والا بھی عام لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے اور جو شخص صداقت اور نیک نیتی سے کام کرتا ہے وہ اگرچہ ابتدا میں عام لوگوں کے خیالات اور وحشیانہ جوش سے کینقہ ضرر اور نقصان اوٹھاتا ہے مگر آخر پر اوسیکو کامیابی حاصل ہوتی ہے جو لوگوں سے بدعین ہوتے ہیں وہی اونکا ساتھ دیتے ہیں نیک نیتی کو لازم اور واجب ہے کہ اس کام کو ہاتھ سے نہ دین مگر یہ یاد رہے کہ ہر ایک ایجو کمیشن انسانی منجھواریوں اور باہمی ہمدردیوں

کے پیدا اور پورا کرنے کے واسطے اسی صورت میں کافی ہو سکتی ہے کہ جب وہ بچا خود عمدہ اور مضبوط بنارہا ہو موضوع اور مٹی ہو جو ایجوکیشن کے ذریعہ اصولوں پر قائم کی گئی ہو وہ تعلیمی سے بھی زیادہ تر بدنا اور خراب ہو اور پھر یہ بہرہ و سار کرنا کہ وہ انسانی سوسائٹی اور ملکی لوگوں کو باہمی غمخواری اور آپس کی ہمدردی کا مبارک سبق دے گی پہلے درجہ کی بیوقوفی اور ناتجربہ کاری ہے وہ سلسلہ تعلیمی جو ضعیف اور کمزور بناؤں اور اصولوں پر مبنی اور قائم ہو کسی حالت میں بوسفل اور فائدہ رسان نہیں ہے جب اس کی بنیاد خراب ہے تو وہ بوسفل کیونکر ہو سکتا ہے ایجوکیشن کے واسطے جو اچھے اور مضبوط اصول ہیں سمجھنے اور انکو علم کی وسیع بحث میں بیان کر دیا ہے ناظرین کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

### پہلے ہمدردی کتنی قسموں پر ہے

سب سے پہلے خیال میں ہمدردی تین درجہ ذیل قسموں اور صورتوں پر تقسیم کی جا سکتی ہے۔  
انسانی - ملکی - قومی - مذہبی - ذاتی - شخصی - نسبی - چونکہ ان سب قسموں اور صورتوں میں فرق بنا نا ضروری اور مناسب ہے اس واسطے میں ادب کے ساتھ ناظرین کتاب ہذا سے ان قسموں کے نمبر وار بیان کرنے کی اجازت مانگتا ہوں۔

### قسم اول انسانی ہمدردی

یہ وہ ہمدردی ہے کہ جو بلا کسی قسم کے تخصیص اور تفریق کے ہر ایک نوع یا فرد انسان کے ساتھ (عام اس سے کہ وہ نوع یا فرد کسی ملک یا قوم یا فرقہ یا مذہب یا گروہ کا ہو) کیجاتی ہے ہمدردی جتنی قسموں پر تقسیم کی جا سکتی ہے ان سب میں سے یہ پہلی قسم ہے ایک ایسی قسم ہے کہ جبکا پورا کرنا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہی ہے دوسرے تمام قسمیں کسی نہ کسی تعلق اور نسبت عارضی یا لازمی سے آمیزش رکھتی ہیں پہلے اس قسم کو کسی نسبت عارضی یا لازمی سے نسبت حاصل نہیں جو شخص اس قسم کی ہمدردی میں شامل ہو پورا

اوپر اور قسموں کا پورا کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ اس قسم کی ہمدردی کے حاصل یا پورا کرنے کے واسطے سب سے اول یہ امر ضروری ہے کہ اس سے نیچے اور جتنی قسموں کی ہمدردی ہین انکی نسبتوں کو ابتدائی حالت میں فرضاً دور کر دیا جاوے اگر ابتدائی حالت میں ہمدردی کے دیگر قسم کی نسبتوں اور تعلقات کو فرضاً دور نہ کیا جاوے تو اس شخص ہمدردی کا کامل اور پورا ہونا بہت مشکل ثابت ہوگا۔ ہمدردی نسبتوں کے فرضاً دور کرنے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ انکو ترک کر دیا یا چھوڑ دیا جاوے بلکہ یہ کہ اول نسبتوں کو تعصب یا ضد آمیز سیلان سے برتری اور فوقیت نہ دیا جاوے مثلاً اگر ہم چاہیں کہ ایک غیر قوم کے آدمی کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کریں تو اس ہمدردی کے پورا کرنے کے لئے سب سے اول ہمکو اپنی قومی ہمدردی کی نسبت کو تعصب اور ضد سے پاک کرنا پڑیگا جب تک ہم ایسا نہ کریں گے تب تک اس غیر قوم کے آدمی کے ساتھ ہمدردی نہیں کر سکیں گے تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام انسانوں کو یکساں آنکھ سے دیکھنا اور انکے ساتھ ایک ہی طرز ایک ہی روش ایک ہی سلوک سے پیش آنا بیشک بہت ہی مشکل اور دقت آمیز امر ہے اسکے واسطے وہ دل وہ گرد وہ دماغ چاہیے کہ ساری دنیا میں جیسے دو چار نظیرین موجود ہوں کہنے کو کون نہیں کہتا کہ میں انسانی ہمدردی پوری کر سکتا ہوں مگر میرے خیال میں اسکا پورا کرنا بہت ہی مشکل ہے قوم کو مذہب کو ملت کو رشتہ کو ناتی کو ملک کو وطن کو الگ رکھ کر ایک ہی رشتہ سے اگر تمام انسانوں کا بلا کسی قسم کے تفریق اور امتیاز کے ہر ایک پہلو سے ہمدرد بن جانا مشکل کام نہیں ہے تو کیا ہے میرے خیال میں تو اس صفت کے ہمدرد کے دنیا میں بہت ہی کم اور شاذنا در نظیرین پائی جاتی ہیں گو اس قسم کے ہمدردوں کی نظیرین کثرت موجود نہیں ہیں مگر اس قسم کی ہمدردی کے حصول میرے رائے میں یہی ہیں کہ تمام انسانوں کو ایک ہی درخت کا بھل اور ایک ہی محل کی اینٹ خیال کیا جاوے

اور جن دو صورت تفریق نمودار ہیں اوسکو عام کی شاست اعمال غیر مفروضہ کا اثر اور نتیجہ قرار دیا جاوے جب یہ اصول ہمارے صفحہ دل پر نقش ہو جاوے گا تو اسوقت ہم ایک سنا اور فیصلہ ملی سکے ساتھ موافقات اور موافقات انسانی ہمدردی کا مقابلہ کر سکیں گے جبکہ اس قسم کے اصول ہمدردی لوح نسب پر نقش نہیں ہوتی تب تک ہم اس کو چہرہ پر خطر میں قدم رکھنے کے قابل نہیں ہیں اس امر کو بھی مرکز خاطر کر لیجئے کہ اگر کسی مبارک انسان کو ہمدردی میں یہ رتبہ حاصل ہو جاوے تو پورا اوسکو بلا قاعدہ چلنا چاہیے کہ کسی قاعدہ کو اپنا دستور العمل بنانا واجب ہے ہر یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انسان کا بلا قاعدہ چلنا کسی حالت میں ہی درست اور جائز نہیں۔ ہر حالت میں کسی نہ کسی قاعدہ کا پابند ہونا لازم ہے سب سے بڑا قاعدہ یہ ہے کہ اس ہمدردی میں مناسب بات منظر ہمدردی کو مقدم اور ملحوظ کرنا چاہیئے۔ بلا شک ہر ایک انسان اس قابل ہے کہ اوسکے ساتھ ہمدردی کیجاوے مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ انسان کی ہر ایک حالت اس لائق نہیں کہ اوسکے مقابلہ میں ہمدردی کا اظہار کیا جاوے انسان اور انسان کی حالتوں میں بہت فرق ہے انسان ہر ایک قسم کی غنایت و تہ اور مرد ہمدردی کے قابل ہے مگر اوسکی لائق ہمدردی کو اس امر پر مجبور کرتی ہیں کہ اوسکے موافق ہمدردی کی ڈیوٹی عمل میں لائی جاوے ہمدردی کرنے سے ہمدرد کا یہ منشا ہونا چاہیئے کہ منظر ہمدردی کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ جاوے جب ہمدردی کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچنے کی امید ہو تو پھر ہمدردی کا کرنا محض لغو اور فضول ہے۔

### قسم دوم ملکی ہمدردی

ملکی ہمدردی وہ ہمدردی ہے کہ جو بلا لحاظ مذہب و قوم اپنے ملک والوں سے مخصوص ہوتی ہے ملک کی حالت باغبار ترقی اور تنزل کے تمام اہل ملک کے ساتھ تعلق اور واسطہ رکھتی ہے جیسے ایک آدمی کے حقوق بالا افراد ہوتے ہیں اسی طرح ہر ملک کے

حقوق اور ضروریات بالا جماع تمام اہل ملک برہنہ کر ایک خاص اور مشترکہ حق قرار پاتے ہیں۔ اگر تمام اہل ملک ان مشترکہ حقوق کو مل ٹکرا اپنی ذاتی حقوق کی طرح پورا نہ کریں تو ملک کی حالت اور حیثیت کا کامل اور بے نقص رہنا مشکل ہے جب ہماری ذاتی حیثیت اور حقوق بلا امداد خاص توجہ کے کامل اور بے نقص نہیں رہتے تو ہر ملک کی بے شمار حقوق اور گران بہا حیثیت بلا توجہ اہل ملک کیونکر عمدہ حالت پر ثابت اور قائم رہ سکتی ہے اگرچہ ہر ایک شخص ظاہر میں خیال کرتا ہے کہ اس کا کام اور ضرورتیں اور حقوق ملکی ضرورتوں اور حقوق سے بالکل الگ اور نرالی ہیں۔ مگر اگر وہ صفحہ باطن پر نظر کرے گا تو وہ اس مسجد کو بالکل گناہ و سکی ذاتی ضرورتیں اور حقوق ہی ملکی ضرورتوں اور حقوق کے ساتھ عمدہ طور پر ملی ہوئی ہیں اور سب جیسے اپنے خاص حقوق کی محافظت ضروری ہے اسی ہی ملکی ضرورتوں اور حقوق پر لحاظ کرنا ملزومات سے ہر ملک کے لفظ سے ملک کی ترقی اور درخت مراد نہیں ہیں بلکہ ملک کے عام بود و باش کرنے والے انسانوں کی حالت و تباہی میں ایک ملک نہیں بہت سے ملک ہیں۔ ہر ایک ملک میں انسانی جماعتیں ہوتی ہیں رکھتی ہیں ان جماعتوں کی ترقی اور تنزل کو ملک کی ترقی اور تنزل سے منسوب کیا جاتا ہے ملک کی ہمدردی کرنے کا مفہوم ایک خاص سرزمین کے رہنے والے انسانی جماعتوں کی ہمدردی کرنا ہے اس امر سے کہ سیکو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسانی جماعتوں کا کام ہمیشہ ترقی اور اقبال کی سڑک پر ہی قائم نہیں رہتا کبھی دلیل تنزل میں ہی پاؤں پھنس جاتا ہے ایسے وقت میں ملکی ہمدردی کے بیڑا اوٹھانے کا وقت قریب آجھو بھٹا ہے، جھڑپ سے ملک کو تنزل ہوتا نظر آتا ہو اسی جہت سے ہمدردی کرنی چاہیے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک خاص شخص کو ملک کی ہمدردی سے کیا حصول۔ ہم کہتے ہیں کہ گو ایک خاص شخص ظاہر میں اپنے حقوق کو الگ رکھ کر ملک کی ہمدردی کرتا ہے مگر دیکھو قدر اصل ملکی ہمدردی کے ضمن میں وہ اپنے آپ ہی ہمدردی کر رہا ہے۔ جسے اس بات کی کوشش کرنا چاہیے۔



کہ ہمارا ایک زور تعلیم و شائستگی سے آراستہ پیراستہ ہوتا اس کو شس اور ہمدردی کا  
نتیجہ نرا درکارین کے دل میں ہی غیبی نہیں ہے بلکہ اور ہماری نسل و اولاد و عزیز و اقارب  
کو بھی مستعد بنانے والا ہے۔ سلیح ہمارا کوئی کام ایسا نہیں کہ جہین اور دن کی منفعت ہو  
اس سلیح ہمارے کوئی ایسی ہمدردی نہ ہو جہین کہ جسکے ضمن میں ہمارے واسطے یا ہمارے  
سلسلہ نسل کے لیے کوئی منفعت فائدہ کا موجود نہ ہو۔

یہ بات کہ اگر پیشہ ملی ہمدردی سے خود فائدہ نہ اٹھایا گو ہمارے آنے والے نسل نے  
اٹھایا تو اس سے ہمارے دل و دماغ کو کیا سرور اور حصول ہوا اسکا جواب یہ کہ ہمارے  
نسل اور اپنا سہہ نہیں کہ جو فائدہ ہو گا وہ بعینہ ہمارا ذاتی فائدہ ہے ہم جانتے ہیں کہ ہم  
اس دار دنیا میں بہت عرصہ تک نہیں رہ سکتے اور جو کچھ ہم اس دارنا پایدار میں حاصل  
کرتے اور بناتے ہیں اس سے کسی وقت جدا ہونے والی ہیں ہماری جدا ہونے کے  
اوان حاصل کردہ وسائل اور اسباب سے ہماری ذات کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا  
ہماری تسلیں یا اور قرابتی ہی مستفید ہوتے ہیں جبکہ ہمارے وہ سامان اور وسائل  
جبکہ ہم اپنا کرتے ہیں ہمارے مرنے کے بعد اور دن کے کام انسانی میں اور ہم باوجود اس  
امر کے جاننے کے اور ہرزادہ و شور سے انکی فراہمی کی کوشش کرتے ہیں اور ہمارے  
ملکی کاموں اور ہمدردی کے اس فائدہ اور منفعت کے طور سے کہ جو ہمارے مرنے کے  
بعد ہماری نسلیں اور دیگر بنیاد سے جس کے کام آئیگی بدل اور حیران نہیں ہونا چاہیے

### فہم سوم قومی ہمدردی

قومی ہمدردی وہ ہمدردی ہے کہ جو خاص اپنے قوم کے ساتھ کیجاتی ہے یہاں اہم  
بحث طلب ہے کہ قوم کا مفہوم کن معنوں پر اطلاق پاتا ہے۔ اپنی اس کے اظہار کے پہلے  
ہم اہم عام اصطلاحات کو بیان کرتے ہیں کہ جو قوم کے مفہوم کی تخصیص کے باعث قریح  
اولیٰ جو لوگ ہم سب ہوں اور انکو ایک قوم کہا جاتا ہے۔ دوم عرفی ذات

حسب نسب کے معنوں کے اعتبار سے ایک خاص گروہ یا خاص پارٹی کو ایک قوم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سوم اغراض مشترکہ کے اعتبار سے بھی ایک پارٹی کو قوم کے مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ چارم ایک ملک کے رہنے والوں کو بھی بلا مشترک اور ملکوں کی قوموں کے مقابلہ میں ایک قوم کے معنوں میں لیا گیا ہے مگر تفریق سوال پر پیشہ تراک ٹوٹ کر افراد کی صورت میں جا رہتا ہے۔

اس مضمون میں ہم قوم کے لفظ کو جن خاص اور مفید معنوں پر معمول کرنا چاہتے ہیں وہ ادون چاروں اصطلاحات پر علیحدگی کے پیرایہ میں حاوی ہے ہماری دانست میں بل انہیں تخصیص مفہوم لفظ قوم کی انسانی جماعتوں کے ضروریات اور معاملات کو ایک دوسرے سے اغراض کے اعتبار اور جہت سے تقسیم کرنا چاہیئے۔ انسانی ضرورتیں اور معاملات دو قسم پر تقسیم ہیں۔ مذہبی یا اعتقادی غیر مذہبی دنیاوی۔ مذہبی وہ ہیں کہ دوسرے مذہب والوں سے مغائر ہوتی ہیں اور دوسرے مذہب والے ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ دنیاوی وہ ہیں کہ جو بلا کسی تفریق اور امتیاز کے ہر ایک انسان کے واسطے ہیں ہمارے خیال میں مذہبی ضرورتوں اور معاملات کی جہت سے ایک انسانی جماعت کو کہ جو اس مذہب کو مانتے ہو ایک الگ قوم کہنا چاہیئے اور دنیاوی ضرورتوں اور مقاصد کے اعتبار سے ایک ملک کی ہر ایک فرد بشر اور انسان کو ایک قوم قرار دینا چاہیئے مطلب یہ کہ جب مذہبی ضرورتیں اور اصطلاحیں پیش آئیں کہ جو کسی صورت میں سارے انسانوں کے واسطے ایک نہیں ہو سکتیں تو ہر ایک مذہب والے کو ایک قوم بنکر ہمدردی کرنی چاہیئے اور جب دنیاوی اغراض اور مقاصد پیش آئیں تو تمام انسانوں کو جو مذہب کے احاطہ میں آکر جدا جدا ہو گئے تھے ایک قوم ہونا چاہیئے اس تقسیم کے قاعدے پر ایک ملک میں مذہب کے لحاظ سے مختلف قومیں بود و باش رکھتی ہیں اور دنیاوی امور کے اعتبار سے سارے ملک میں ایک ہی قوم یعنی سب اس خاص تقسیم کے بعد

ہم نامنہین کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ قومی ہمدردی کرنے کے وقت  
 ہمارے دیکھنا چاہیے کہ آیا مذہب ہمدردی کا طالب ہے کہ یا دنیاوی ضرورتیں اور معاملات  
 اگر مذہبی کشش ہو تو مذہبی قوم کی طرف سے ہو کر ہمدردی کرتی جائے اور اگر دنیاوی  
 ضرورتیں یا معاملات ہمدردی کے خواہان ہیں تو مذہب کو الگ رکھ کر ہمدردی کے  
 ضروری ویوٹی کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ خدشہ پیدا کر لینا کہ جن امور میں ہم ہمدردی کا  
 کرنا چاہتے ہیں ان سے وہ لوگ مستفید ہو گئے کہ جنکو جسے مذہبی مشارکت حاصل نہیں  
 اور اس خدشہ کو اپنے مذہبی قانون کے مخالف خیال کر لینا دراصل مذہب کے دعوے  
 اور اغراض کو نہ سمجھنا ہے مذہب جو دل اور روح سے متعلق ہے یہ نہیں چاہتا کہ  
 انسانی جماعتوں کو دنیاوی امور اور مقاصد میں الگ الگ کر دے۔ بلکہ اس کا مقصد  
 منشاء اور غرض یہ ہے کہ انسانوں کے اعتقادات جنہر مذہب کی بنیاد ہے یا یہ کہ  
 جبکہ غموم مذہب ہی اپنے اپنے احاطہ میں رہیں اور اپنے خاص قواعد کے روی سے  
 تنزل سے بچ کر ترقی پاتے رہیں اور ان کے معتقد اپنی صداقت کی تہذیب اور سلاطین  
 سے ایک دوسرے پر تبلیغ کریں۔ مذہبی اغراض جو روح اور دل یا جو عابد اور مراقبہ  
 ریاضت نفسی سے مخصوص ہیں محدود اور محدود ہیں۔ برخلاف اسکے دنیاوی امور جو  
 انسان کے روزمرہ برتاؤ اور ضروریات پر محیط ہیں اس قدر فراخ اور وسیع ہیں کہ کوئی  
 انسان ہی ان سے عاری اور خالی نہیں ہے اور ایک دوسرے سے مضبوطی سے جکڑے  
 ہوئے ہیں جنکی پیوستگی اور بندش میں کہی فرق نہیں آسکتا۔ خاص طور پر مقاصد  
 کو جو صرف روح اور دل سے متعلق ہیں لعقب اور غصہ سے مزاحم اور مانع قرار دیکر دنیاوی  
 امور اور معاملات کی ہمدردی کو ترک کر دینا انصاف اور انسانی آزادی کے پالنے کا جو  
 کرتا ہے۔ ہمارے ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ دنیاوی امور میں ہماری ہمدردی کے قیام  
 کو کوئی خفیف عارضہ روک نہ سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ جس اصول پر ہم نے قوم کی لفظ کی

تشریح اور تقسیم کی ہے اور اسکے موافق ہمدردی کو ناٹری ہیئت کا کام ہے اور اسکے روکنے اور توڑنے کے واسطے بہت سی مزاحمتوں کے پیش آنے کا اندیشہ ہے اس خوف سے کہ اس مشکل تقسیم سے کوئی شخصی ہمدردی کو جواب نہ دے بیٹھے اس پہلو پر بھی لگایا جاتا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر ایک شخص کو مشارکت مذہبی کے لحاظ سے اپنی اپنی کی ہمدردی کرنی چاہیے۔

انسان کے دل میں ایک خاص جوش پایا جاتا ہے جو دو پہلو پر عمل کرتا ہے کہی تو وہ مطابق واقعہ کام کرتا ہے اور کہی جب اسکے ساتھ ناجائز رعایت اور پاس شامل ہو جاتا ہے تو واقعہ کے مخالف جبل پڑتا ہے قومی ہمدردی میں بھی اس جوش طبعی کا ظہور ہوتا ہے اور سوقت تک تو مفید ثابت ہوتا ہے کہ جب تک اسکے ساتھ حق پرستی شامل نہیں ہوتی اور اس حالت میں مضر پڑتا ہے کہ جب اسکے ساتھ ناق حق پرستی شامل ہو جاتی ہے اس بات کو خوب سمجھ لو کہ ہمیشہ ہر ایک معاملہ اور ہر ایک امر میں قوم (خواہ کسی مفہوم پر محمول ہو) لائق ہمدردی اور خیر خواہی اور امداد کے نہیں ہوتی۔ کہی قوم کی حالتیں اور اغراض اس قسم کی ہو جاتی ہیں کہ جنکے ساتھ ہمدردی کرنا غیر ضروری ہے نہیں بلکہ ناجائز ہوتا ہے۔ اگر قوم کے لوگ کسی ناجائز بات پر جم جائیں تو ضرور نہیں ہے کہ انکے ساتھ ہمدردی کیجاوے۔ ناجائز امور کے بابت قوم کا ہمدرد بننا قوم کو نقصان پہونچاتا ہے۔

حق پرستی ایک ایسی عجب ناکسی ہے کہ جو ہر ایک وقت میں انسان کو حقیقی خوشی اور کامیابی کے مرکز پر ثابت اور قائم رکھتی ہے اس ناکسی کو ہمیشہ اپنا معمول اور دستور العمل بنانا چاہیے قوم کی حالت ایک وسیع جہاز کے مانند ہے جسکو ضروریات اور مختلف معاملات کے بحر سواج میں چلنا ہے اور انسانوں کا رتبہ ناخداؤں اور ملاؤں کا ہے اگر اس وسیع جہاز ناخدا اور صلاح جہاز کے نظار اور یانی کے اوتار چڑھاو اور دیگر پیش آنے والی مصیبتوں اور

وقتوں کا ایک دوسرے سے محبت اور تعلق کر کے مقابلہ کر سیکے تو منہ پر ہے کہ کسی روز کو  
 یہ بھرا بھرا قومی جہاز تنزل اور ادبار کی لہروں اور موجوں میں پھنس کر فحاکت اور کسرت  
 کے گرداب میں ڈوب کر نیست و نابود ہو جاوے اور اوس میں بیٹھنے والے بھی ساتھ ہی  
 مرکب جائیں۔ ہم مذہبی قوم کے مفہوم اور مذہب کے انداز کو الگ رکھ کر یہ جتنا چاہتے  
 ہیں کہ قوموں کے ترقی اور تنزل کا زمانہ یا قضیہ ہمیشہ سے جلا آیا ہے قومی ہمدردی  
 ضرورت اور افادات کے وزن کرنے کے واسطے گذشتہ مختلف قوموں کے واقعات اور  
 حالات کو زیر نظر رکھنا چاہیے اور ہمیشہ عین غور کرنی چاہیے کہ قزوں کو کیونکر ادبار تنزل  
 نصیب ہوا اور کیونکر اوکلی حالتیں اور خیالات اوج ترقی اور کامیابی پر پہنچ گئی گذشتہ  
 قوموں کے تنزلات اور ترقیات ہمکو ایک سلامتی سے اوس رستہ پر لگا سکتے ہیں کہ سب  
 چلنے کی ہمکو سخت ضرورت ہے قومی تنزل اور قومی اقبال قوم کے سارے افراد پر حاوی ہوتا ہے  
 کوئی فرد بشر یہ نہ سمجھے کہ اگر قوم کو تنزل پانا پڑے تو خود ہر ایک اثر پہنچ سکتا ہے جیسے  
 آفتاب کا طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ تنزل اور قومی اقبال قوم کے سارے اجزاء اور سارے افراد پر محیط ہوتا ہے۔ انسان  
 جیسا اپنی ذاتی ہمدردی کو تابہ اس طرح ہر اوسکو قومی ہمدردی کا ضروری فرض ادا  
 کرنا چاہیے۔ ایک خاص شخص یا کئی ایک شخص کی ذاتی تنزل اور اقبال سے قوم کو  
 تنزل اور اقبال نہیں کہا جاسکتا۔ مگر قوم کے تنزل اور اقبال سے ایک شخص کی  
 ایک اشخاص کو تنزل اور اقبال کہا جاسکتا ہے۔ اگر ایک گروہ کے اندر لبیب جلایا  
 جاوے تو اوسکی روشنی ہمیشہ کمروں کی دیواروں کے اندر رہی محدود رہی مگر اگر اوسکی  
 لبیب کو کسی ایسی اونچائی پر رکھا جاوے کہ جو گروہ کے اندر رہی ہو اور دوسری جگہوں پر  
 محیط ہو تو اوسکی روشنی محدود نہیں رہی بلکہ ارد گرد کے ہر ایک جگہ کو روشن کر دیتی  
 یہی مثال قومی ترقی کی روشنی پر صادق آسکتے ہیں اقبال کو ایک جتنا ہر لبیب سمجھنا چاہیے

اگر وہ ایک یا کئی ایک متعدد اشخاص سے خاص ہے تو اس کی روشنی محدود ہوگی اور نہ  
 بہ کچھ تاثر نہ کر سکیگی اور اگر وہ سارے افراد میں بالمشترک پایا جاتا ہے تو اس کی روشنی  
 وسیع ہوگی جبکہ قومی اقبال کہا جاوے گا۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم قوم کے چند افراد کے  
 تنزل اور اقبال کو قومی تنزل اور قومی اقبال سے نامزد کرتے ہیں قوم کے چند مخصوص افراد  
 کا ذاتی تنزل اور ذاتی اقبال قوم کا تنزل اور اقبال نہیں ہے کبھی ایک شخص کے نالائق  
 یا لائق ہونے سے سارے گہرنے اور سارے خاندان کو نالائق اور لائق نہیں کہا جاسکتا  
 علیٰ ہذا القیاس کی صورت میں چند اشخاص کے نالائق یا لائق تنزل یا اقبال ہونے  
 سے ساری قوم کو نالائق یا لائق یا اقبال نہیں کہا جاسکتا البتہ ساری قوم کے تنزل  
 یا اقبال ہونے سے قوم کے چند افراد کو تنزل یا اقبال کہا جاسکتا اگر ایک چھوٹا سا  
 کمرہ بنا یا جاوے گا تو اس میں ایک دو شخص ہی گزارہ کر سکیں گے مگر اگر ایک وسیع کمرہ ملے  
 کیا جاوے تو خاندان کے تمام افراد آرام سے رہ سکیں گے یہی حال ذاتی اور قومی قبا  
 کا بھی ذاتی اقبال ایک محدود کمرہ کے مانند ہے اور قومی اقبال ایک وسیع کمرہ کے  
 بجائے ایسے قومی کمرہ کے بنانے کی کوشش کرو جس میں ساری قوم کے متفرق افراد آجائے  
 ایسا محدود کمرہ نہ بناؤ جو خود تمہارے ہی گزارہ کے موافق نہ ہو لہٰذا اور چوڑی جاوے  
 سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے مگر ایک مختصر سے کپڑے کا ٹکڑا سوا سے بے پردہ کر دے  
 اور کسی کام کا نہیں ہوتا قومی اقبال ایک وسیع چادر ہے جسکے نیچے ساری قومی افراد  
 آسکتے ہیں شخصی اقبال ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو ایک جسم کو بھی ڈھانپ نہیں سکتا ہم  
 ایک ایسی زندہ نظیر بیان کرتے ہیں جس سے ہمارے اس تہا اور بیان کی تصدیق  
 ہو جاوے گی کہ شخصی ترقی یا تنزل قومی ترقی یا قومی تنزل نہیں ہوتا اور قومی تنزل یا  
 قومی ترقی شخصی تنزل یا ترقی پر حاوی ہوتی ہے۔

ہندوستان کے سارے لوگ غیہ مذہب اور نا تعلیم یافتہ اور نالائق نہیں ہیں

آزمین بہت سے لوگ مذہب اور لائق ہی ہیں مگر چونکہ انہیں تہذیب اور تعلیم کو عام ترقی نہیں اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اقوام ہندوستان ترقی یافتہ نہیں ہیں انگریزوں میں سارے لوگ مذہب اور تعلیم یافتہ نہیں ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو بالکل غیر تعلیم یافتہ اور وحشی الیبت اور قبیح بکھلت ہیں مگر چونکہ انہیں عام طور پر تہذیب اور تعلیم وغیرہ نہیں بڑھا ہوا ہے اس واسطے ان کی قوم کو ترقی یافتہ قوم کہا جاتا ہے۔

ہندوستانی کیوں اس درجہ سے گر گئے اور انگریزوں کو یہ درجہ کیوں مل گیا اس واسطے کہ ہندوستان میں قومی ہمدردی اور قومی کاموں کے ترقی اور خیال نہیں ہے انگریزوں میں برخلاف اسکے ذاتی ہمدردی اور ذاتی کاموں کے ساتھ قومی ہمدردی اور قومی کاموں کو بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ غریبوں ذاتی کاموں کا بیان اور ذاتی مقاصد اپنے ہی گھر میں سنا کر رہتے ہیں غریبوں کے نظریں ان کو کوئی بھی عزت اور وقعت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس لئے غیر لوگ مستفید ہو سکتے ہیں قومی مقاصد اور قومی کاموں کا بیان عام طور پر بڑھوتر ہوئی ہیں۔

ایک چار دیواری کا جلتا ہوا چراغ آفتاب کے ساتھ جو ساری سطح زمین اور شیعہ و غیرہ کو گھیرے ہوئے ہے بڑی بری نہیں کر سکتا ذاتی ترقی اور کامیابی ایک چار دیواری کا چراغ ہیں اور قومی ترقی اور قومی کامیابی آفتاب کا رتبہ رکھتی ہیں۔ ہندو قومی ہمدردی کی ضرورتوں کا غور نہ کرتے جتنوں کو مختصر طور پر بتا دیا ہے اب اوپر ایک عالیشان عمارت بنالینا تو ہم کے اوگن کے اختیار میں ہے۔

### چوتھے مذہبی ہمدردی

مذہبی ہمدردی وہ ہمدردی ہے کہ جو ایک مذہب والے کو لچاؤ اسکے کہ وہ اس مذہب کو مانتا ہے اپنی مسلمہ مذہب کے ساتھ کرنی پڑتی ہے مذہبی ہمدردی اس کو کہہ سکتی ہے ایک تو یہ کہ جو لوگ اس مذہب کو مانتے ہیں وہ مضبوطی کے ساتھ اس پر

ثبات قدم رہیں اور اس کے قوانین اور اوامر و نواہی کو دل سے تسلیم کر کے اوپر عمل کریں اور ایک یہ کہ اور مذہبوں کے ماننے والے اس مذہب میں داخل اور شریک ہوں یہ دونوں باتیں انسان کے طبعی جوش اور خواہش کے موافق ہیں۔ ہر ایک انسان طبعی طور پر یہ چاہتا ہے کہ جس بات کو وہ مانتا ہے اوپر لوگ قائم رہیں اور اور لوگ بھی اسکی تصدیق کر کے اسکو مائین بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ انسان کا ان دونوں خواہشوں پر عمل کرنا مضر اور تعصب پر مبنی ہے ہمارے رائے میں یہ درست نہیں ہے ان خواہشوں پر انسان عارضی طور پر عمل نہیں کرتا بلکہ اسکا طبعی جذبہ اسکو ان خواہشوں پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے اگر ہم مذہب کو الگ لکھ کر ہی اپنی حالتوں پر نظر کریں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ ہم دنیاوی امور میں بھی اپنے اپنے اپنے جنس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اور یہ کہ جو ہمارے متفق الٹا ہو گئے ہیں وہ اپنے اتفاق پر نابت رہیں جبکہ دنیاوی امور میں ہی ہم ان خواہشوں سے کام لے لیتے ہیں تو پھر مذہبی کاموں میں تو ضرور لینا پڑیگا۔ اینجو سلمہ خیال کے پیروی کے لیے اور لوگوں کو جو کرنا تعصب اور ضد نہیں ہے عین طبعی جذبہ کے موافق ہی ایک دہریہ بھی جو اپنے آپ کو علت علت مذاہب یعنی وجود باری تعالیٰ کے ماننے اور تصدیق سے بری رکھتا ہے، ماحوشہ یہ خواہش کرتا ہے کہ اور لوگ بھی اس کے منشاء اور رائے کی تصدیق کر کے اس کے پیرو ہو جائیں۔ اگر یہ دونوں خواہشیں طبعی جذبہ کا اثر ہیں تو ضرور محض دہریہ کے وجود اور دل میں انکا اثر نہ پایا جاتا دہریہ کے دل و دماغ میں ان خواہشوں کا پایا جانا صاف طور پر اس بات کی نشین دلیل ہے کہ یہ ہر دو خواہشیں طبعی جذبہ کا اثر ہیں اور یہ کسی حال میں ترک نہیں کیں۔

ان ہم اس قدر ضرور تسلیم کریں گے کہ ان خواہشوں کے استعمال میں ناجائز اصولوں سے کام لیا جاتا ہے جس سے بادی النظر میں بعض وقت یہ رائے لگانی پڑتی ہے کہ یہ



ہر خواہشیں ضد اور تعصب کا اثر ہیں۔ ان خواہشوں کا اس حال صرف اس درجہ تک چاہیے کہ جہاں تک تبلیغ اجازت دیتی ہے تبلیغ سے بڑھ کر کارروائی کرنا بلا شک ضد اور تعصب ہے۔ تبلیغ کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ایک امر کو تہذیب اور شائستگی کے ساتھ کسی دوسرے انسان کو سمادیا جاوے اور سلامت روی سے اس کو توجہ دلائی جاوے کہ اس بات پر غور کرو اس سے بڑھ کر جو کچھ ہے وہ تبلیغ سے زیادہ ہی خواہ اس کو ضد کہو خواہ تعصب۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ ہم اپنے مذہب کو زور سے دوسروں کے گلاں میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق ٹھہراتا ہے تو وہ انسانی ازادی اور طبیعت کی مخالفت کرتا ہے کوئی مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ میرے قوانین زور سے اور لوگوں کو تعلیم کرو۔ بلکہ یہ تعلیم کرتا ہے کہ نرمی اور فروتنی سے میرے قوانین اور اوامروں کو اور لوگوں کو اطلاع کرو۔ مذہبی دنیا بھی اوسوقت تک ترقی نہیں پاسکتی اور نہ ہی اصلی بنیاد پر قائم رہ سکتی ہے کہ جب تک اس کے ساتھ ہمدردی واجب نہ کی جاوے چونکہ ہر ایک مذہب والے کو طبعی طور پر اپنا مذہب عزیز ہوتا ہے اس واسطے ہر ایک شخص کو جائز ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ تہذیب اور شائستگی سے ہمدردی کر مذہبی ہمدردی کا مختصر اصول یہ ہے کہ وہ ہمدردی تبلیغ سے بڑھ کر نہ ہو اور خاص طور پر عمدہ خصیلوں سے کوشش کی جاوے کہ مذہب میں فتور نہ واقع ہو اور نہ ہی سوسائٹی نیک نیتی اور خلوص اور ادب سے کام کرتی رہے بجا ضد اور تعصب نہ مطلقاً دخل نہ ہو۔

### پانچویں ذاتی ہمدردی

ذاتی ہمدردی وہ ہمدردی ہے کہ جو خاص اپنی ذات سے کی جاوے۔ اگرچہ ایک شخص کی ذاتی ضرورتیں اور مقاصد قوی ضرورتوں سے مقابلہ نہیں کر سکتی مگر اگر ان کا اور اپنا بھی ہمدردی ہی پر موقوف ہو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی

ہمدردی نہیں کرتا۔ یہ سچ مگر معلوم رہے کہ انسانوں کی حالت یکساں نہیں ہے بہت  
ایسے ہی انسان ہیں کہ یا تو مطلقاً اپنی ہمدردی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو ایسے  
قاعدوں پر کہ بجائے مفید ہونے کے مصرت ثابت ہوتی ہے مثلاً ایک انسان پر لازم  
کہ وہ کسی مفید اور قابل قدر علم یا فن کے سیکھنے میں کوشش کرتا مگر اوسنے بجائے اسکے  
کہیل کو دین اپنے عزیز اوقات کو صرف کر دیا اوسکی نظر میں تو یہ کام بلا شک اپنی ذاتی  
ہمدردی تھی لیکن اصل میں وہ ایک غلط اصول کی پیروی کر رہا تھا۔ اسی طور پر ذاتی  
ہمدردی کو پورا کر دے جو نیک اصولوں اور مفید قاعدوں پر مبنی ہو۔ اور جسے تمہارے  
ذاتی ضرورتوں اور مقاصد کی اصلاح ہو۔ اپنی بدنی طاقتوں ذہنی قوتوں مال و دولت  
اوقات کو بد کاموں اور بے مقصدوں میں صرف کرنا ذاتی ہمدردی کے سنائی کر  
ذاتی ہمدردی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنی ساری دنی طاقتوں ذہنی قوتوں مال و دولت  
اوقات کو نیک اور اچھے کاموں میں صرف کریں۔ — خدا یہ توفیق ہر ایک  
فرد بشر کے اخیر عمر تک نصیب اور فرمائی کرے۔

### چھٹے شخصی ہمدردی

شخصی ہمدردی وہ ہمدردی ہے کہ ایک خاص شخص کے ساتھ کیجاتی ہے۔ یہ بات  
ولنشین کر لینی چاہیئے کہ دنیا میں کوئی شخص بلا احتیاج اور بلا ضرورت نہیں ہے ہر ایک  
شخص کو احتیاج ہی ہے اور ضرورت ہی ہے یہ بھی سمجھ لو کہ ساری حاجتوں اور تمام  
ضرورتوں پر ایک آدمی تنہا کامیاب نہیں ہو سکتا جب انسان اپنی بیش آمد  
واقعات اور معاملات کا تنہا تحمل نہیں کر سکتا تو ضرور ہوگا کہ وہ اوروں سے امداد  
طلب کرے ایسی حالت میں ضرور ہے کہ اور انسانے جنس اوسکو امداد دین لے اور اسکا تح  
ہمدردی کریں۔ دنیا کی جتنی کام ہیں وہ بجز ایک دوسرے کے معاونت اور امداد کے  
انجام نہیں پاسکتے دنیا کے رہنے والے ایک دوسرے کے سہارے سے جلتے اور گر کر

قیہ کرتے ہیں، عمار کوئی کام اور کوئی ارادہ ایسا نہیں ہے کہ جو دوسروں کی ہمدردی  
 اور امداد کا محتاج نہ ہو۔ اگر ہم ایک دوسرے کی معاونت اور ہمدردی کرنا چھوڑ دیں  
 تو اوروں کو بھی تنگ کر بیٹھے اور آپ بھی مختلف بلاؤں میں پھنس جائینگے جیسے زید کو جسے  
 امداد کی ضرورت ہو ایسے ہی ہم بھی بعض باتوں میں زید کے محتاج ہیں دنیا میں سب سے  
 زیادہ تر بادشاہ مقتدر ہوتے ہیں اونکو بھی اوروں سے احتیاج ہوتی ہے بالمقابل  
 بادشاہوں کے فقیر لوگ دنیا کے علاقے سے آزاد ہوتے ہیں مگر باوجود اس قطع علاقے کے  
 اونکو بھی انسانی ہمدردی کی حاجت ہے۔ ہم ایک شخص کی ہمدردی کرتے ہیں تو  
 دوسرے شخصوں کو اور شخصوں کی ہمدردی کرنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور فی ضرورت  
 کچھ وقت تکو بھی اوس ہمدردی سے حصہ لینا پڑتا ہے۔ بعض لوگ اس شخص کی ہمدردی  
 کو بعض شرائط سے مشروط کر دیتے ہیں مثلاً یہ کہ ہندو کو مسلمان کہے اور مسلمان کو ہندو  
 کہے اور عیسائی کو مسلمان اور مسلمان کو عیسائی کی ہمدردی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ خاتمہ  
 نہ بھی اسکی اجازت نہیں دیتے ہمارے خیال میں شخصی ہمدردی کو ایسے شرائط سے  
 مشروط کرنا موجب نہیں ہے کوئی مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ مذہب کے سواے اور معاملات  
 اور امور میں ہی کسی شخص کی ہمدردی نہ کرو۔ دنیاوی مقاصد اور امور مذہبی مقاصد  
 سے جدا ہیں۔ دنیاوی امور میں اگر عیسائی یا ہندو ہمدردی کے قابل ہے تو اسکو  
 محرم نہیں رکھنا چاہیے۔ اور اگر چھٹی اس لائق ہے تو عیسائیوں اور ہندوؤں کو  
 دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئے شخص بیوقوف ہو تو ہکو اسواسطے اسکی امداد  
 اور ہمدردی سے باز نہ رہنا چاہیے کہ وہ ہمارا مذہب اور ہم مشرب نہیں۔ ہاں اگر  
 وہ جیسے ایسی ہمدردی کی درخواست کرے کہ جیسا کہ مذہبی قانون کی مخالفت کا تردد  
 اور فکر ہو تو ہمارا اختیار ہے کہ اسکی درخواست کو منظور کریں۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان  
 یا ہندو کسی عیسائی سے یہ درخواست کرے کہ میں عیسائی مذہب کے نزدیک کے واسطے

سنا و مقرر کرنا چاہتا ہوں چونکہ یہ کام سوائے عام امداد کے نہیں چل سکتا تم ہی زری  
 امداد کرو تو جائز ہے کہ عیسائی اس درخواست کو منظور کرے کیونکہ یہ درخواست اس کے  
 مذہبی قانون کے مخالف ہے یہاں یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ مذہب کے سوا اگر  
 کسی شخص کی رائے میں ایک خاص معاملہ میں ہمدردی کرنا ضروری نہ ہو اور اس کی تو  
 فیصلہ اس کے مخالف ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ ہماری رائے میں اگر وہ اس ہمدردی  
 میں کوئی اشتد نقصان دیکھتا ہو تو نہ کرے اور اگر اس کے نزدیک اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو  
 تو اس اصول پر کہ کار خیر بہر حال اچھا ہی کر دے ہاں یہ اس کا اختیار ہے کہ اپنے  
 پالنے نہ بد لے۔

### ساتوین نسبتی ہمدردی

نسبتی وہ ہمدردی ہے کہ جو کسی نسبت کے لحاظ سے کی جاتی ہے مثلاً ماں باپ -  
 جیسے بیٹیاں - باپ ان بھائی بہن دوست دوستوں سے ہمدردی کرتے ہیں  
 یہ سب نسبتی ہمدردیاں ہوتی ہیں۔ جب قدر نسبتی ہمدردیوں میں رعایت ناجائز پاس  
 خیر واجب شامل ہو جاتا ہے اس قدر اور قسم کی ہمدردیوں میں نہیں ہوتا اگر کسی کا  
 بیٹا فی الاصل قصور وار ہے ہو مگر باپ ضرور اس کی ہمدردی کرتا ہے کسی کا دوست  
 اگرچہ کسی اور شخص سے زیادہ تر ہمدردی کا مستحق نہ ہو مگر وہ ضرور اس کے مقدم رکھنے پر  
 زور دیتا ہے۔ یہ بات بڑی اہم اور ضروری ہے کہ ہم نسبتی ہمدردیوں کو پوری فادار  
 اور شوق سے پورا کریں مگر اس میں یہ بھی لحاظ رہے کہ ہمارے ہاتھ سے انصاف اور وقت  
 کا خون نہ جو جاوے بعض وقت نسبتی تعلقات اسی طور پر تقاضی ہوتے ہیں کہ ہماری  
 سچائی کی بوج مغلوب ہوتے نظر آتی ہے ایسے وقت میں ہم کو مغلوب اشوق نہ جانا چاہیے  
 بلکہ اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا انسانی جوہر اپنے صداقت پسندی پسند  
 نہ جو جاوے اگر ہمارا کوئی دوست یا کوئی اور قریبی فی الحقیقت ہمدردی کے قابل نہیں

تو ہمکو محترم نہ مہنا چاہیے اگر ہم امنزدہ نہ کریں گے تو ناحق کی رعایتی اور پاس کریندے سمجھے جائیں گے۔  
نسبتی ہمدردی صرف انسانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں آدین سے میراثات کو  
بھی جو ہمارے ارد گرد ہمارے خوشی اور خدمت کے لئے ہر تہذیب حصہ در حصہ پہنچا کر  
ہمکو اپنا ارد گرد کے جانوروں چار یا یوں وغیرہ سے ایک نسبت ہو اور انکو جیسے ہی یہ  
بہی نسبت اس امر کی تقاضی ہے کہ ہماری جانب سے انکے ساتھ بھی مناسب  
پر ہمدردی کیجاوے رہی یہ بات کہ وہ ہمارے ساتھ اسکے بل میں ہمدردی اور  
غم خواری نہیں کر سکیں گے سوا اسکایہ جواب کہ۔ بقدر اوشے اپنے اپنی طبیعت جذبہ  
اور شعور کے موافق ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں جو لوگ خدا کی مخلوق  
سید الشون کے سلسلہ ربط و ضبط اور برتاؤ کو غور کی نظر وں سے دیکھتے رہتے ہیں انکو  
اخیر پر اس بات کا مقرر اور قائل ہونا پڑا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے جانور چار یاں  
وغیرہ اپنے مقدور کے موافق جسے ہمدردی کرتے ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے  
کہ ہمکو درندہ موذی جانوروں سے کیوں ہمدردی کرنی چاہیے وہ تو ہمارے دشمن  
ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو انکو ہماری ہمدردی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی  
اور اگر کہیں لوے لنگڑے ہو کر قابو میں آجائیں۔ تو بشرط ایذا دینے کے انکا  
تلف کرنا کوئی عیب نہیں۔ انکے ساتھ بھی ہمدردی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم نے یہ  
فخر است درند جانوروں اور موذی چار یا یوں کی بابت نہیں لکھے بلکہ ان جانوروں  
اور چار یا یوں کی بابت جو انسانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں۔

### ششم

ہمدردی کی حد کہاں تک ہو  
اگرچہ جس طرح نیک دل لوگوں کے خیال میں پڑینکی اور بھلائی کرنے کی کوئی حد اور انداز  
نہیں۔ بسطیح پر سچے اور مضبوط دل ہمدردوں کے نزدیک ہمدردی کی کوئی حد نہیں

جہانک طاقت ہو اور قابو چل سکے اسکو عمل میں لانا چاہیے اعلیٰ درجہ کی ہمدردی کو ان لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ جان و ملل ننگ و نام کو بلائے طاق رکھ کر ہمدردی کے واجبی فرض کو ادا کرنا چاہیے گو یہ خیال بہت وسیع اور بہت اچھا ہے مگر یہ اون پاک نفس لوگوں کے واسطے ہے کہ جنہوں نے ملک و قوم کے مبارک نام اور عورت پر اپنی خودی اور انسانیت کو بالکل خدا اور قربان کر دیا ہے اور جو ملک اور قوم کی ضرورتوں کے مقابلہ میں اپنی جان مال عزت و ناموس ریاست امارت وغیرہ کو بیچ اور لاشی سمجھتے ہیں۔ جنکا دل اور روح اور دماغ جہیضہ ملک اور قوم کے خیال میں تسدور رہتا ہے۔ جو لوگ ایسے مقدس طبیعت والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ان کے واسطے ہمدردی کے فرائض کو غیر محدود قرار دینا اور ان کو اون فرائض کے پورا کرنے کی فہمائش کرنا گویا اس امر کی اجازت دینا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی نہ کرے۔ غیر محدود ہمدردی کرنا اون لوگوں کا کام ہے کہ جنکا ذکر خیر اوپر ہو چکا ہے عام طبیعت والوں کے ایسا ہونا یا ایسا کرنا ناممکن ہے۔ جب ایسی طبیعتوں والے اس قسم کے غیر محدود ہمدردی پوری پوری نہ کر سکیں تو وہ سمجھ لیں کہ ہمدردی کرنا مشکل ہے رفتہ رفتہ یہ رائے کسی روز کو ہمدردی کے فغول ثابت کرنے کے واسطے کافی ہوگی۔ یہ آئینہ بالمشکلین یا دولاتی ہیں کہ عام طبیعت والوں کی خاطر ہمدردی کی حد مقرر کیجاوے عزیز و یہ بات سمجھ لو کہ جیسا دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا انسانیت کا اعلیٰ فرض ہے ایسا ہی ہمارا طرز خلقت لا آف نیچر یا دولانا کیا بلکہ تاکید کرتا ہے کہ تم اپنا ہمدردی کرو۔ لوح نیچر کے اوپر جو غیر تبدیل اور غیر تغیر برے جلی موقلم حرفوں سے لکھا ہے۔ اسے آدم زاد انسانیت کا اعلیٰ فرض ہے کہ تو اور دن کے ساتھ ہمدردی کرے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھ کہ کچھ کیا بتی ذات سے بھی ہمدردی کرنی چاہیے۔ جب ہم کو اپنے ساتھ بھی ہمدردی کرنا

ضروری اور لازمی ہے تو پھر دوسرے کو گن یا قوم یا ملک کے ساتھ ہمدردی کرنے کے واسطے یہ حد بہت درست اور ٹھیک ہے کہ ہماری وہ ہمدردی یا ہمدردیاں جو دوسروں کے لغوس اور ذوات پر موثر ہوں اوسے حد تک ہونی چاہئیں کہ جس ہماری اپنی ذات خاص کو کوئی نقصان اور ضرر نہ پہنچے۔

اگر ایک شخص جیسے یہ درخو است کرے کہ فلان شخص نے جبر اور ظلم سے میری جائیداد زور کا استحقاق جزو یا حصہ دیا لیا ہے اب اوسکے گھر میں صندوق میں رکھا ہوا ہے مجھے تین ناش کرنے کی استطاعت نہیں۔ اگر تم میرے ساتھ چل کر اوسکے گھر میں سے اسباب مذکور صندوق سے نکال کر جگہ دید و تو میں اپنے انصاف کو پہنچ جاؤنگا۔ جیسے تحقیق سے معلوم بھی کر لیا کہ فی الواقعہ یہ شخص مظلوم اور فلان شخص جابر ہے مگر اگر ہم اس قابل رحم بیان پر اصول ہمدردی کے موافق اوس مظلوم شخص کے ہمراہ جاکر شخص جابر کے گھر سے زور مذکور نکال کر حقدار کو دیدین تو ہم اوس وقت زور کا قانون فوجداری پولیس کے پنجہ میں گرفتار ہو کر آہنی سبھن والے حالات میں پہنچائے جائینگے کیونکہ ہم سوائے موجودگی پولیس ماسوائے خاص اجازت مجسٹریٹ مجاز کے کسی دوسرے شخص کے گھر کی تلاشی نہیں لے سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو جرم ہے۔ گو ہمارا یہ فعل یا یہ ہمدردی سرسبز رحم آمیز اور صحیح اصول پر مبنی تھے کوئی ذرا غماز او بخل شالی نہیں تھا کہ قانون اسکی پروا نہیں کرتا۔ ہمارا یہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اپنی آپ کو اپنی باتوں سے چاہ مصیبت میں گرانا چاہتے ہیں اور طرفہ بران یکہ ہمارے اس کارروائی سے اوس مظلوم کو بھی فائدہ نہ پہنچے گا کیونکہ گہرا والا اولیٰ اوسکو الزم کیا اور عدالت ہی اوسے باز پرس کرے گی۔ ایسی درخو استوں اور حالتوں کے وقت میں ضروری اور لازمی ہے کہ ہمدردی کی دیوٹی کو او نہیں درجوں ادا اور پورا کیا جاوے کہ جو نقصان یا ضرر کی مثبت موثر نمون ہی یہ بات کہ گویا ایک ہمدرد سے ہماری ذات پر نقصان یا ضرر پہنچے

خفیف خیال کر سکتے ہیں۔ یہ درست اور ٹھیک ہے مگر اس خفیف تاثیر کے قبول کرنے سے بھی ہماری ذات کو کسی نہ کسی قدر ضرر اور نقصان پہنچے گا جب نقصان پہنچا تو ذاتی ہمدردی کی ڈیوٹی ترک ہوگی جبکہ ترک کرنا غیر واجب ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ہمدردی محسوس کر جان و مال کو ہمدردی کے نام پر فدا کر چکا ہے تو اس کو ایسا کرنا زیبا ہے۔ اور اس کا یہ کرنا اس کی ذات کے واسطے بھی زیبا نہیں بلکہ ملک و قوم کا فخر ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کوئی ہمدردی سوائے اپنی ذات کو تکلیف اور سبب۔ نقصان پہنچانے کی پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ جو شخص دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرے گا وہ اپنا خرچ بھی کرے گا اس صورت میں لازم آتا ہے کہ کوئی ہمدردی جائز نہ ہو۔ محض اس کا یہ اعتدال صرف اس واسطے ہے کہ اس نے ہمارے الفاظ کے معانی کو نہیں سمجھا اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمدردی سوائے سبب تکلیف اور ٹھانے کے پوری نہیں ہو سکتی۔ مگر جس نقصان اور ضرر کو پیش نظر رکھا ہے اس سے اسی قسم کے نقصان اور ضرر مراد ہیں جو اوپر کی مثال میں بیان کیے گئے ہیں یہ حد بڑی احتیاط کی نظر سے مقرر کی گئی ہے کیونکہ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ حد سے بڑھ کر ہمدردی کرنے کے جرم میں جھنک کر مختلف تکلیفیں اور دکھ اٹھا چکے ہیں۔

### انکشافِ حالت

اس امر کو تو میں بھی مانتا ہوں اور اور لوگ بھی ضروری تسلیم کرتے ہونگے کہ انسان سے اکثر قسم قسم کی غلطیوں اور لغزشیں ہوتی رہتی ہیں یہ بات یا یوں کہو کہ یہ نقص کسی خاص قوم کے انسانوں یا کسی خاص زمانہ اور ملک سے مخصوص نہیں ہر ایک قوم کے انسانوں اور ہر ایک زمانہ میں اس کا ظہور اور اثر پایا جاتا ہے کوئی ایسا بری لائق زمانہ نہیں کہ جس کے ساتھ یہ بات یا یہ سچ نہ لگی ہو کوئی ایسی قوم نہیں جس کے افراد میں اس نقص کو دخل نہ ہو برائے اور موجودہ حالتیں اور واقعات ہمارے اوپر کی بات کو



ایک دور سے ثابت کرتے ہیں قطع نظر اور اور غیر لغیر دن کے جب ہم اپنی ذات خیال کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور انسانوں کی جماعت میں نقص مذکور در ثر کے طور پر پایا جاتا ہے کوئی ایسا انسانی مجمع نہیں ہے کہ جس میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو یا جو اپنے آپ کو اس بات یا اس نقص سے معصون اور مامون ثابت کر سکے اگر کوئی ایسا مجمع اس بات کا دعوے کرے تو اس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں مل سکتی کیونکہ یہ اتوا عاصیت اور حقیقت کے خلاف ہے یہ بات تو ہمیں مان بھی لی اور کچھ بھی ثابت بھی کر دی کہ انسانوں سے اغلاط کا سرزد ہونا ایک ضروری بات ہے اب ہم غرض یہ ہے کہ یہ بات ظاہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ اکثر کے ہم انسانی جماعتوں میں لغیر غیور غلطیوں کا صدور اور ظہور کیوں ہوتا ہے اگرچہ ہم غلطیوں کے ظہور کے باعث اور اسباب کو کلیتہً بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس قسم کے باعث کا احصا اور شمار کوئی آسان اور سہل بات نہیں ہے مگر تاہم ایک ایسا قاعدہ یا ایک ایسی تئوری ضرورت بیان کیجاوے گی جو ہم انسانوں کی اکثر غلطیوں کا باعث یا موجب قرار دے جاسکتی ہے گو ایسے باعث کا کسی خاص قسم کی غلطیوں پر ہے احتوا انہو مگر تاہم اس کو ایک باعث خیال کیا جاسکتا ہے یہ بات بیان کرنے کے قابل ہے کہ انسانوں کے اعمال اور امور اور کچھ نہ کچھ موجب اور باعث ہوتا ہے کیونکہ کوئی فعل بلا سبب صادر نہیں ہو سکتا ایک کام کے واسطے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے انسانوں کا غلطی کرنا اور لغزش کھانا بھی ایک فعل ہی ضرور ہو کہ اس کے واسطے بھی کوئی نہ کوئی باعث اور موجب ہوگا ضروری تمہید کے بعد ناظرین پر روشن ہو کہ اکثر کے انسانوں سے اس واسطے ہی غلطیوں صادر ہوتی ہیں کہ اکثر انسان حالات شناسی یا انگشت حالات میں قاصر ہوتی ہیں حالات کے نہ پہچاننے یا نہ معلوم کرنے کے باعث غلطیوں صادر ہو جاتی ہیں شکی ایک شے کی حالت سے ہجو واقفیت اور مہارت نہیں اور ہم اس کی نسبت

مجبوراً یا ضرورتاً کسی قسم کی راسے ظاہر کرنا چاہتے ہیں اگر ہم شے مذکور کی حالت کو معلوم  
یا وزن نہ کریں گے تو ضرور دھوکا کھا جاوینگے کسی شے کی ذاتی حالت کا وزن یا معلوم  
کرنا راسے زنی کے واسطے ایک ضروری امر ہے جب تک یہ ضرورت پوری نہ ہوگی  
تب تک ہماری راسے کا وزن دیا یا مناسب ہونا ایک موہومی امر ہے اس شے  
کی ذاتی حالت کہ جسکے بابت ہم راسے ظاہر کرنا چاہتے ہیں انہما راسے کے ساتھ ایک  
ضروری اور لازمی نسبت رکھتی ہے مثلاً ہلکویہ بات تو معلوم نہیں کہ کابل کا  
معاہدہ کیونکر شروع ہوا تھا اور ہماری گورنمنٹ نے اوس میں کس وجوہات کے زور پر  
داخل دیا اور کن شرائط پر پولیٹیکل معاملات اور ضروریات کا خاتمہ ہوا اگر ہم اسکی  
بابت راسے دینا چاہتے ہیں اگرچہ ظاہر میں تو ہلکوا اس معاملہ میں انہما راسے کی  
کئی ایک راستے لین گے مگر دراصل ہماری راسے بالکل ناموزون اور کمزور اور غلط  
ثابت ہوگی جب ہلکوا کا مل کے ضروری معلومات ہی میسر نہیں تو ہماری راسے میں  
موزونیت کہاں ہوگی گو ہلکوا انہما راسے کے راستے ملجاوین مگر اوں راستوں سے  
ہم سفر یا مقصود پر کبھی ہی نہ پہنچینگے ایسی حالت میں اگر ہم انہما راسے کا حوصلہ  
کریں تو یقیناً اپنے آپ کو نادان اور کم فہم ثابت کرنے کا ہم خود غم اور ارادہ کوڑا  
ہیں ہم خود کو کشش کرتے ہیں کہ ہماری غلطین ظاہر ہوں اور لوگ اس بات کو  
پا جاوین کہ ہم بغیر علم حالات شے راسے ظاہر کرتے ہیں ہم سچ کہتے ہیں کہ ہماری  
غلطیوں کا جزو اعظم یا بڑا حصہ اشیاء کے حقیقی حالتوں کا نہ معلوم کرنا ہی ہے اگر  
ہلکویہ بات منظور ہے کہ ہماری ریلوں یا کاموں کی غلطین اور نقص ظاہر ہو کر ملوٹر  
نہ کریں تو لازمی اور ضروری یہ بات ہو کہ ہم انہما راسے کے چلے شیئوں کی حالتیں  
وزن یا معلوم کر لیا کریں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہلکوا شیئوں کی حالتیں تو معلوم نہ ہوں  
اور انکی نسبت ہماری منظرہ رائیں صحیح اور درست ثابت ہوں اگر کوئی شخص یہ

وایات اور لوح خیال رکھتا ہے تو وہ اپنی رالوں کو واقعہ کے مطابق یا صحیح ثابت  
 کر چکا کوئی ایسا کام یا کوئی ایسی بات نہیں کہ جسکی کوئی نہ کوئی حالت نہ ہو بعض لوگ ان  
 کامیابیوں و دستوریوں کے وہ شیعہوں کی حالتوں کو معلوم تو کرتے ہیں مگر اسکی طور اور وضع  
 پر کہ جو اظہار اسے کہ واسطے کافی نہیں ہوتا علم حالت سے یہ مراد نہیں کہ کسی شے  
 کی حالت کو اعتباری طور پر وزن، اسے معلوم کر لیا اور اسی پر بنا کر ان کو کسی قسم کی  
 اسے کا ظاہر کر دینا جب تک کسی شے یا کسی امر کی کلی حالت معلوم نہ ہو تب تک نہ کوئی  
 اسے صاحب نام کیج سکتی ہے اور نہ کوئی شخص ایسے اعتباری یا جبری علم پر  
 کسی قسم کی رائے دینے کا جائز خیال کیا جاسکتا ہے ہر ایک انسان پر لازم اور ضرور  
 ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس امر میں سعی اور کوشش کرے کہ اس کے ہر ایک چھوٹے  
 بیٹے، اسے شیعہوں یا انورات کی حالتوں سے نہ کرکھائے ہر ایک رستے کا صاحب  
 یا غیر صاحب ہونا اور سببیت میں خیال کیا جاوے گا کہ جب اس کے حالات سے  
 مناسبت ہو اگرچہ عدم علم حالات کی صورت میں بھی ہر ایک قسم کی اسے ظاہر کجی  
 ہے اور کہہ بھی سکتے ہیں کہ فلان شخص ہی اسے دینے کا خیال رکھتا ہے یہ سب کچھ  
 ہوگا مگر اصابت اسے کا رتبہ تو اسی وقت حاصل ہوگا کہ جب اسے واقع اور حالت  
 کے مطابق ہو جب کوئی اسے رانہ یا حالت کے مطابق نہ ہو تو اس کے واسطے اصابت  
 کا درجہ کیونکر ملے گا؟ یہ سب اسے جیسا کوئی شخص اسے ذہنی کی غرض کو مقدم حکم  
 کسی شے یا کسی امر کی حقیقی حالت کو معلوم کر لیا ہے یا معلوم کر لینے کا قصد کرتا ہے  
 تو اسے اسے دیگر کے واسطے بہت سے مفید باتیں لجاتی ہیں اور اس کو یہ بات  
 ہی معلوم ہو جاتی ہے کہ آیا اس وقت یا اس طور پر کسی اسے کا ظاہر کرنا یا اسے شیعہ کرنا  
 ضروری ہے یا غیر ضروری اسے دینے والے کے واسطے جیسا کسی شے کی حقیقی حالت  
 کا علم ضروری اور لازمی ہے اسے اس طرح پر اظہار اسے کے وقت کا جاننا لازم اور ضرور

کسی راسے کا ظاہر کرنا اویسی صورت میں فائدہ بخش ثابت ہو سکتا ہے کہ جب اوسکی کل ضروریات اور شرائط کو ملحوظ رکھا جاوے بعض شخصوں کی رائیں باوجود اسکے کہ اون رایوں میں علم حالات بھی ملحوظ ہوتا ہے صرف اسیدواسطے غیر مفید ثابت ہوتے ہیں کہ اونکو اپنے پایہ اور وقت پر غماز نہیں کیا جاتا اگر ملکوں منظور ہے کہ ہماری رایوں کا پودہ ہر ایک طرح سے عمدہ پھل لائے تو ضرور ہے کہ اوسکے سارے شرائط ضروریات کو پورا کرین پہلے جسکی نسبت ہم راسے دینا چاہتے ہیں اوسکی حالت سرمد اقصیت اور آگاہی حاصل کرین اور پھر اظہار راسے کو منت اور طور و طریق یا یوں کہو کہ وہی دوا سے ہمارے پیدا کرین ان مراتب کے حصول کے بعد بلا شک ہماری ہر ایک راسے خواہ اثبات میں ہو اور خواہ نفی میں فائدہ بخش اور با اثر ثابت ہوگی ان مراتب کے حصول سے ضرور ہماری رایوں کو احصا بت کی دگری کا پرچہ مل رہیگا۔

### قیاس

قیاس آن شہسوار عرصہ راز برادر خواندہ الہام و اعجاز

لغت میں اعطاء قیاس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں قیاس نام ہے غرض اور فکر بلع کا جب آدمی کسی چیز کی حقیقت اور اصلیت کے ادراک اور دریافت کے لئے فکر اور غرض کرتا ہے تو اوس فکر اور غرض کو قیاس کہتے ہیں ادراک حقایق اور حل و فائق کے واسطے قیاس از حد مؤید اور معاون ہے شکل سے شکل اور ادق امور میں جب قیاس کو معاون اور مؤید بنایا جاتا ہے تو ان مشکلات پر فتح و فیروزی پہچے حاصل ہوتی ہے اور ایسے ایسے حکمت اور وقایع پیدا ہوتے ہیں کہ خود انسان متحیر ہوتا ہے دنیا میں کوئی ایسا علم اور فن نہیں ہے کہ جس میں قیاس کو نہ دخل ہو تو قیاس میں قیاس ہی سے کام لیا جاتا ہے منقولات میں بھی قیاس ہی کو مؤید بنایا جاتا ہے فنون بھی قیاس سے بہتر ترقی ہوئے ہیں اور علوم نے بھی قیاس سے رونق حاصل کی

غیر منکم ہر ایک علم اور فن میں قیاس کو دخل اور دخل حاصل ہے اور اس کے رد سے  
 او کو رد و نفع اور ترکتہ حاصل ہوتی ہے ۵ قیاس از بہر ہر فن سے اساس است  
 جہاں روشن بمبہاج قیاس است ۶ مخرج قیاس انسان کی طبیعت ہر سیو اسطے  
 انسانوں کے اوقیہ مشارک اور متجانس نہیں ہیں ایک شے کے حسن و قبح یا حقیقت  
 یا غیر حقیقت کی بابت ایک شخص کچھ قیاس کرتا ہے اور دوسرا اس کے مخالف چلتا ہے  
 بعض لوگوں کے اوقیہ جو افسوسین متحد اور متحد ہو جاتے ہیں ان کے اتحاد اور اتفاق  
 کا موجب اور باعث اتفاق طبائع سے قیاس اور فکر میں صرف اتنا فرق اور تباہ  
 ہے کہ فکر پہلی حالت اور صورت کو کہتے ہیں اور قیاس آخری یا نتیجہ صورت کو کہتے ہیں جس وقت  
 کوئی آدمی کسی شے کی بابت قیاس کرنے لگتا ہے تو وہ قیاس دو صورتوں پر پڑ  
 جاتا ہے اگر اس شے کے عوارض کی بابت ہو تو اس کے قیاس عارضیہ بولتے ہیں  
 اور اگر ذاتیات کی نسبت ہو تو اس کو قیاس ذاتیہ سے موسوم کرتے ہیں جب کسی شے  
 کے عوارض کی بابت قیاس کرتا ہو تو قبل از شروع قیاس مقسّمی پر ضرور اور مناسب  
 ہے کہ شے مقسّمی کے عوارض کو ذہن میں خوب مضبوطی اور استواری سے چمک کر  
 اور بعد اجتماع اولیٰ عوارض پر بالافراد قیاس دو اسے عوارض دو قسم پر تقسیم  
 ایک عوارض مطلقہ - اور ایک عوارض خاصہ - ان دونوں قسم کے عوارض کی  
 بابت احتیاط سے قیاس کرنا چاہیے - بعض دفعہ جو قیاس غلط لگتا ہے اس کا  
 باعث یہ ہے کہ قیاس کرنے والا عوارض مطلقہ کو عوارض خاصہ سمجھنے لگتا ہے  
 اور کہی عوارض خاصہ کو عوارض مطلقہ سمجھتا ہے - بعض عوارض اس قسم کے ہیں کہ  
 شے کے خواص میں سے ہو گئے ہیں اور بعض مغائر خواص اس واسطے مقبضی کو مناسب  
 ہے کہ حتی المقدور عوارض خاصہ اور عامہ کی تحقیق اور تشخیص میں خوب زور دیا کرے  
 کیونکہ در صورت عدم تشخیص عدم صحت قیاس کا اندیشہ ہے دوسرے یہ کہ بعض عوارض

کے بھی عوارض ہوتے ہیں مقسی بعض وقت انکی بابت لحاظ نہیں کرتا اور عدم لحاظ سے  
قیاس کے صحت میں فرق آجاتا ہے مقسی عقیل اور فہیم پر لازم اور واجب ہر کہ عوارض  
شے کے عوارض پر بھی غور کر لیا کرے تاکہ صحت قیاس میں کوئی نقص اور سقم پیدا نہ ہو  
جب کسی شے کی ذاتیات کی بابت قیاس کیا جاوے تو اسوقت تحقق اور شخص اتیا  
کی نسبت بڑی سلامتی اور محنت سے کارروائی کرنی چاہیے سب سے بڑا فرض یہ ہے  
کہ ذاتیات اور عوارض کے امتیاز اور تفریق کی بابت کوئی لغزش اور غلطی نہ ہو اور  
وقع اغلاط سے قیاس کے پٹری درست اور ٹھیک نہیں جیسا کہ جب کسی شے کو عوارض  
اور ذاتیات کی تشخیص اور افتراق کی تحقیق پوری ہو لے تو اسوقت قیاس جانا  
چاہئے اور پھر اسکو تجربے اور عقل و نقل کے کھٹائی میں ڈالکر پرکھنا شروع کرنا  
کیونکہ بہت سے ایسے قیاس ہیں کہ جو ہماری پرہیزگاروں کے بموجب صحیح اور معقول ہیں الا  
اور مامول عن الاغلاط اور محفوظ عن الاوام ہیں مگر دراصل حکم اکسپریس اور حوالہ  
عقل و نقل کے مخالف اور فی نفسہ بموجب ایراد مولع اور اعتراضات ہیں اگر ایسے  
قیاسوں کو بغیر شواہد تجربہ اور اسناد عقل و نقل تسلیم کیا جائیگا تو بہت سے قبائح  
اور مکررات کے صدور اور ظہور کا موجب اور باعث بنینگے اور مقیس ہو گئے اور غلطی میں  
پھنس جائینگے بہت دفعہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کسی شے کی نسبت قوت قیاسیہ ایک  
زور سے کام نہیں دیتی اسوقت انسان کو حوصلہ نہ ہارنا چاہیے کیونکہ اگرچہ اسوقت  
قوت قیاسیہ تفکر اور تدبیر سے ہار جاتی ہے مگر ایک دوسرے وقت میں ضرور اپنے  
جواہر اور قوت سے ظاہر کرکے دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے اصل میں پوچھو تو یہ سب کچھ  
قیاس الدولہ کے ہی برکت اور طفیل ہے جسوقت کوئی شخص کوئی نئی شے ایجاد کرتا ہے  
وہ قیاس کی ہی تاثیر ہے فنون اور علوم میں بڑے بڑے نکتے اور بلدیکیان پیدا کرنا  
قیاس کی ہی امداد کا ثمرہ ہے ریل۔ اگنیوٹ برقی۔ تیلیفون وغیرہ یہ سب کچھ

قیاس ہی کی اعانت اور تائید کا نتیجہ ہے قیاس الدولہ امور پولیٹیکل اور سوشل میں بھی  
 دخل ہے اور خیالات حکمی اور دقایق فلسفی میں بھی پایا جاتا ہے ہر ایک حکیم اور فلاسفے  
 کی حکمت اور فلسفی نے اس کے زور اور مدد سے ترقی اور رونق حاصل کی اور اس کے  
 بدولت مانتے پلندے پر فائز ہوئے وہ حکیم اور فلاسفہ جو اپنی فکر اور قیاس میں کہ  
 اور کامل ہیں ملک اور قوموں کے حق میں بڑے بڑے مویدین اور مصلحین کا رتبہ  
 اور درجہ رکھتے ہیں۔ ۵ حکیمانے کہ اصحاب قیاس اندہ نظام و نسق گیتی را  
 اساس اندہ اصحاب قیاس جب کسی شے کے عراض اور ذاتیات کی بابت قیاس  
 دوڑاتے ہیں تو وہ وہ باتیں پیدا کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے اہتمام اور عقل  
 و نگ اور حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں۔ ۵ نظر چون در حقائق سے دو نہند  
 و قصد پنهان زیر یک پیدا بدانند اپنی قوت تفکر اور قیاسیہ کی مدد سے وہ  
 اسرار خفیہ اور نکات کیمہ کہول دیتے ہیں کہ کرامات کے قریب قریب پہنچ جاتے ہیں  
 گئے اسرار پنهان بازگویند گئے تفصیل ہر اعجاز گویند  
 چو دستور قیاس آغوا کردند بیا اسرار پنهان باز کردند  
 ہست حکیم کا قول ہے کہ قیاس صحیح کا نام ہی کرامت اور درایت ہے اور یہی سچی درایت ہے  
 قیاس مرد چون یاد کمالات زند پہلو بالہام و کرامات  
 چو فکر کس بلوغ تمام گردد قیاسش را کرامت نام گردد  
 بعض حکیم مزاج اور قائل الہام و کرامت کہ است کو تخرن قیاس قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں  
 کہ است باز با کان و ام کردند پس انکاء قیاسش نام کو تخرن  
 جو لوگ قیاس اور فکر میں ملکہ تمام اور درک عام رکھتے ہیں ان کی ہر ایک عقلی اور  
 بالعموم تمام اغلاط اور اسقام سے معصون اور مومن ہوتی ہے اور ان کے ہر ایک  
 رائے کو رائے صائب کہا جاسکتا ہے قیاس کی برکت اور طفیل سے انسان اپنی عقل

معلومات اور معلومات کو ٹھیک صحت اور درستگی کے مرتبہ پر پہنچا سکتا ہے اور آوازوں  
 سے آزمودہ اور مجرب ہو سکتا ہے ۵ طفیل این قیاسات ستودہ ۵ شود  
 ما آزمودہ آزمودہ ۵ قیاس کی برکت اور طفیل سے وحشی مزاج اور ہٹ و حرم لوگوں نے  
 اپنی درستگی اور اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور بڑے بڑے سخت اور قسے القلب لوگوں نے  
 خداوند کریم کی قدرتوں اور صنعتوں اور حکمتوں پر قیاس کر کے اس کے وجود و فیض جو  
 اور سبک ہستی کا دل سے اقرار کیا اور اس پر ایمان لائے یہ سچ اور درست ہے  
 کہ بہت لوگوں نے صرف اپنی ہی فکر اور قیاس سے خداوند کریم کی ہستی اور وجود مصدقہ  
 فیوض پر اقرار کیا ان کے یقین اور ایمان کا صرف فکر اور قیاس ہی باعث ہوا۔ ۵  
 قیاس از معرفت یک چشم واکرد ۵ دو چشم مردمان را سہ سار کرد  
 گو علم و فضل سے مینے اپنے دل اور روح کے عوارض اور لوازم پر آگاہی پائے مگر  
 ہمارے قیاس اور فکر نے بھی تھوڑی مدد نہیں دی اگر قیاس ہمارا مونس اور معاون  
 نہ ہوتا تو ہم اپنی دُرِاکہ قوتوں کو کیونکر ضیاء اور جلا دے سکتے اور ہمارے خیالات کس سطح پر  
 بلند ہوا کرتے ۵ قیاس آن صیقل اور اک انسان ۵ کز نور روشن شد  
 انسان را فل و جان ۵ معلومات کے استحکام اور معلومات کے استحسان کے لیے  
 قیاس نہایت ہی موید اور معاون ہے اصحابِ خبرت اور اشخاصِ فطنت کو ضرور اور  
 مناسب ہے کہ ہر ایک بات کے عوارض اور ذاتیات میں قیاس کر کر سکو اختیار  
 کیا کریں کیونکہ اس سے صحت کی امید ہوتی ہے اور ظہورِ ناقص کا اندیشہ اٹھ جاتا کر  
 اور آدمی کے قواسے دُرِاکہ بڑے مقوی اور طاقتور ہو جاتے ہیں۔ ۵  
 زمشانی غور و فکر ت پاک یکے صد میشود نیردی اوراک  
 قیاس آموز چشم خویش واکن دل آزاد با فکر آشنا کن  
 جبر



لغت میں لفظ تجربہ کے معنی آزمائے کے ہیں اور اصطلاح میں ایک باضابطہ عمل کا نام ہے یہ باضابطہ عمل کسی خاص امر اور مسئلہ سے متعلق اور مخصوص نہیں ہے اسکو ہر ایک امر اور ہر ایک مسئلہ کے ساتھ خواہ کسی قسم کا ہو علاقہ حاصل ہر انسان دنیا میں بہرہ جو کچھ سیکھتا اور کرتا سنتا دیکھتا ہے اور میں تجربہ یعنی باضابطہ عمل کی سخت ضرورت ہے اگر اس کے ساتھ تجربہ شامل نہ ہو تو اسکو کمال اور مضبوطی اور برتری کا رتبہ حاصل نہیں ہوتا جو کچھ انسان حاصل کرتا ہے وہ اسوقت تک خام اور ناقابل الاعتبار ہے جب تک کہ اسکو تجربہ کی محک پر ہوشیاری اور دانائی کسی چیز نہ جائے۔ جب انسان امور حاصل شدہ یا حاصل کردہ کو تجربہ کی محک پر دانائی اور احتیاط سے پرکھ لیتا ہے تو اوہین کوئی کمزوری اور غلطی نہیں رہتی۔ باضابطہ عمل کے صورت میں ہی غلطیاں دور ہو جاتی ہیں اور اصل میں تجربہ یعنی باضابطہ عمل کیابیگی اسیواسطے جاتا ہے کہ غلطیاں اور کمزوریاں زائل اور دور ہو جائیں۔ تحقیقات معلوم ہوا ہے کہ جب تک انسان اپنی معلومات اور مفہومات کو محک تجربہ پر نہ رکھے تب تک اسکو اون معلومات اور مفہومات کی صداقت یا بطلان کا علم کافی نہیں حاصل ہوتا مثلاً زیہ کو یہ بات معلوم ہے کہ پانی میں بجاپ بن جانی کے طاقت سے اور بجاپ بہ نسبت پانی کے زیادہ تر جگہ بہ روکتی ہے جب تک کہ زیہ اس علم کا تجربہ نہ کرے یعنی اپنے اس علم کو باضابطہ عمل سے ثابت نہ کرے گا تب تک اسکو اسکے صداقت یا بطلان کا یقین کلی نہیں ہوگا محض علم کے بھروسے پر ہم ایک امر کی صداقت یا بطلان پر اعتبار اور یقین نہیں کر سکتے یقین کلی اس صورت میں حاصل ہوگا جبکہ ہم اسکو باضابطہ عمل کے ذریعہ سے دریافت اور معلوم کر لیں گے۔ انسان قیاس کی مدد اور ذریعہ سے شکل اور اوق مسائل اور لایخل امور اور عقد کو حل کر لیتا ہے مگر اوپر اعتبار اور یقین کی اویسی حالت میں حاصل ہوتا ہے کہ جب اوکو تجربہ کی محک پر پرکھا جائے۔ دنیا میں

رہ کر انسانوں کو بہت سے ایسے علوم اور فنون اور باتیں حاصل کرنے اور سیکھنے پڑھنے  
 ہیں کہ ان کے فوائد اور نتیجے محض حاصل کرنے اور سیکھنے سے مترتب نہیں ہوتے اور ان فوائد  
 کے اظہار اور حاصل کرنے کے واسطے ضروری اور لازمی ہے کہ تجربہ کو ساتھ لیا جائے  
 علم طب یا ڈاکٹری جو انسانوں کے واسطے ایک بڑا ضروری اور لازمی اور از حد مفید شا  
 ہوا ہے محض سیکھنے اور حاصل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا اگر جبریم علم  
 طب کے بیسوں کتابیں پڑھ کر حفظ کر لیں مگر جب تک باضابطہ عمل نہ کریں گے تب تک  
 پڑھنے اور حفظ کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہوگا تجربہ کا طریقہ یا ڈاکٹری بہت  
 اوس محض عالم طبیب کے سو درجہ اچھا ہے کہ جو بالکل نا تجربہ کار ہے جو ڈاکٹر یا  
 طبیب تجربہ کار ہوتا ہے وہ باعث تجربہ کاری اور باضابطہ عمل کے علم طب کی  
 ترکیبوں کو ایسے طور پر عمل میں لاتا ہے کہ جس سے مریض کو بہر صورت فائدہ حاصل آتا  
 اور جو ڈاکٹر یا طبیب نا تجربہ کار محض عالم ہوتا ہے وہ ایسے ڈھنگ پر علاج کرتا ہے  
 کہ مریض کو بجائے حصول فوائد کے نقصانات اور تکالیف کا تحمل ہونا پڑتا ہے۔  
 علم طب پر کیا منحصر ہے ہر ایک علم اور ہر ایک فن کی یہی صورت ہے جب تک باضابطہ  
 عمل یعنی تجربہ نہ کیا جاوے تب تک فائدے حاصل نہیں ہو سکتے۔ حیطہ محض  
 عالم یا ماہر کسی شے یا علم یا فن کا بلا تجربہ غلطی کر جاتا ہے اسی طرح محض تجربہ کار  
 بلا علم صحیح غلطی کر جاتا ہے محض عالم تو اپنی غلطیوں کی اصلاح اور درستی بھی  
 کر سکتا ہے مگر محض تجربہ کار صدور اغلاط کے وقت بالکل رہ رہتا ہے محض عالم  
 اس واسطے اپنے اغلاط کو درست کر لیتا ہے کہ اس کو درستی اغلاط اور صدور اغلاط  
 کے موجبات اور اسباب کا علم ہوتا ہے وہ اوس امر کو جانتا ہے کہ غلطی پڑنے کا  
 یہ موجب ہے اور اس طور پر یہ غلطی دور اور درست ہو سکتی ہے لیکن محض تجربہ کار کو  
 صدور اور درستی اغلاط کا علم نہیں ہوتا اس کا ماتھے میں صرف باضابطہ عمل ہی ہوتا ہے

اکثر محض نا تجربہ کا طبیب جب علاج معالجہ میں غلطی کر جاتے ہیں تو باعث بے علم ہونے کے اسکی اصلاح اور ازالہ سے رہ جاتے ہیں تجربہ یعنی با ضابطہ عمل کو کمال اور مضبوطی اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ جب اس کے ساتھ قیاس صحیح اور علم کافی شامل ہو بلا قیاس صحیح اور علم کافی کے تجربہ کر کے اپنے آپ کو بلا میں پھنساتا ہے۔ جو شخص بلا قیاس صحیح اور علم کافی کے تجربہ کرتا ہے وہ آپ تکلیف اٹھاتا ہے اور اور دن کو بھی پہنچاتا ہے۔ اگر ایک ایسا ماسٹر لڑکوں اور عوام کو حساب اور جبر مقابلہ سکھائے کہ جو خود علم حساب اور جبر مقابلہ سے ماہر نہیں تو وہ آپ ہی نہ است اٹھائیگا اور لڑکوں کے واسطے بھی غلطی کا باعث ٹھہرے گا۔ دنیا میں اکثر آدمی اس طبیعت کے پائے جاتے ہیں کہ انکو ایک شے کا علم تو حاصل نہیں ہوتا مگر اس کے تجربہ اور با ضابطہ عمل کا شوق رکھتے ہیں ایسے آدمی فائدہ اور ناموری کی سوچ ہی امید میں پھنسا کر اپنے آپ کو ذواہ خواہ کی تکلیف میں پھنساتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں ایسے لوگ محض اپنے ہی بدنامی اور رسوائی کا موجب بن کر ٹھہرتے علوم اور فنون کو بھی بدنام کرتے ہیں جب عوام الناس ایسے لوگوں کو باوجود دعوتی کے غلطیان کرتے اور ٹھوکرین کھاتے دیکھتے اور سنتے ہیں تو علوم اور فنون کی حقیقتوں سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسے آدمی بجائے کمزور اور چھوٹے تجربہ کرنے کے کسی اور مفید کام کا شغل زمین تو انکو بہت فائدہ ہوئے اور علوم و فنون سے لوگ بدظن ہوں اور نہ انکو لوگ برا سمجھا لیں وانا اور دوراندیش وہ آدمی ہے کہ جو اپنی طاقت اور حوصلہ کے موافق کام کرتا ہے یہ کیا دانائی اور دوراندیشی ہے کہ علم طب کا تو ہم نام و نشان تک نہیں جانتے مگر تجربہ اور عمل رات دن شروع ہے جس طرح پر علوم اور فنون اور اشیاء جدا جدا میں اس طرح پر ہر ایک علم اور فن اور شے کا تجربہ یعنی با ضابطہ عمل جدا جدا ہے جو شخص تجربہ کار بننے کی آرزو اور خواہش رکھتا ہے

اوسکو لازم ہے کہ ہر ایک علم اور فن اور شے کے تجربے یعنی باضابطہ عمل کی خصوصیتوں اور  
 لوازمات کو قبل از تجربہ کرنے کے حاصل کرے جب تک باضابطہ عمل کی خصوصیتوں اور  
 لوازمات کو قبل از تجربہ کرنے کے حاصل نہ کیا جائے گا تب تک تجربہ یا باضابطہ عمل صحیح اور  
 درست نہ ٹھیکے گا۔ تجربہ کرنے میں انسان کو بہت سے مشکلات اور دقتوں کا سامنا اور مقابلہ  
 کرنا پڑتا ہے اونکی فراحت اور مقابلہ سے بدل نہ ہونا چاہیے ایک دفعہ نہیں میسون دفعہ  
 ہم تجربہ کرنے میں نرک اوٹھاتے ہیں ہمارا وقت بھی برباد جاتا ہے اور ہلکونا اسیدی اور  
 مایوسی کی منحوس صورت بھی دیکھتی پڑتی ہے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اور لوگ ہلکونا اسیدی  
 اور نرک اوٹھاتا دیکھ کر طح طرح کے الزام دیتے ہیں عام جلسوں میں ہماری عقل و قوت کو  
 کوسا جاتا ہے ہم خود بھی اپنی مایوسی اور نرک اور نا کامیابی اور اور لوگوں کے الزامات کو  
 دیکھ کر اپنے دل میں کسر مندہ ہوتے اور گڑھتے ہیں ایسی نا اسیدی اور مایوسی کی دقتوں  
 میں ہم کو ہمت اور حوصلہ نہ ہارنا چاہیے ایک نہیں اگر ہلکوا لکھ دفعہ تجربہ کرنے میں کامیاب  
 ہو تب بھی ہماری ہمت اور استقلال میں کمی اور فرق نہ آنا چاہیے۔ دنیا کا کوئی ایسا  
 کام نہیں کہ جس میں نا کامیابی اور نرک اوٹھانے کا احتمال اور اندیشہ نہ ہو ہر ایک کام کے  
 کرنے کے پہلے انسان کو اس امر کے تسلیم اور قبول کرنے کی طرف اپنی طبیعت اور دل  
 کو متوجہ کرنا چاہیے کہ جیت تک برہی دلائل اور مضبوط اسباب سر یہ ثابت نہ ہو جائیگا  
 کہ اب اس ارادہ اور کام میں نا کامیابی کی امید رکھنا عقل سلیم اور دانائی کے مخالف ہے  
 تب تک میں باوجود طح طرح کی نا کامیابیوں اور مایوسیوں کے بھی اپنی ہمت اور حوصلہ  
 کو نہ ہاروں گا جب تک تجربہ کرنے والوں کی ہمت اور حوصلہ مستقر مضبوط اور وسیع نہ ہو  
 تب تک شجر تجربہ سے مراد اور نا کامیابی کے پھل کی امید رکھنا ایک سوہمی امید ہے زیادہ  
 نہیں ہے۔ تجربہ کرنے میں نا کامیابی اوٹھانے سے بچاے بدول اور مایوس ہونے  
 کے تجربہ کرنے والوں کو اس نا کامیابی کے اسباب اور موجبات پر غور کرنی چاہیے

اس بات کو سخت سے معلوم کرنا چاہیے کہ اس ناکا سیابی کا کیا موجب اور سبب ہے۔  
 چین زہر سے نیابی تہ عابدل سنو۔ بلکہ باش اندر سر۔ امضای تدبیر دیگر  
 ہم جو تجربہ کرنے میں ناک اوٹھاتے ہیں اسکا آخر کوئی نہ کوئی موجب ہوتا ہے۔ جب ہم  
 اس موجب کو دریافت اور معلوم کر لیں گے تو دوسری دفعہ او سکھ روکنے اور عدم وقوع کی  
 تدبیروں کا سامان ہم پہنچ جائیگا۔ اور ہم ایوسی اور ناکا سیابی کے جملہ سے محفوظ  
 ہو جائیں گے۔ تجربہ کرنے کی ایک تدبیر اور نکتہ نہیں ہے ایک تجربہ باضابطہ عمل مختلف  
 تدبیروں اور حکمتوں سے ہو سکتا ہے اگر ایک تدبیر کارگر اور کامل نہ نکلے تو اس سے یہ  
 خیال نہ کرنا چاہیے کہ بس اور تدبیریں بھی اسی تدبیر کی طرح ناکامل نکلیں گی ایسا خیال کرنا  
 تجربوں کا خون کرنا ہے۔ بہت دفعہ ہم تجربہ کرنے میں اس واسطے بھی ایوسی اور ناکا سیاب  
 اٹھاتے ہیں کہ اس تجربہ کے حاصل کرنے کے واسطے جلازمی اور ضروری تجویزین اور  
 وسائل ہوتے ہیں انہیں ترتیبی غلطی یا کمی زیادتی ہو جاتی ہے اگر ہم قوت برقی کو جسم  
 میں ثابت کرنا چاہیں تو ہلکے ایک شیشہ کی ڈنڈی لیٹی چاہیے جس میں دھات کا دستہ  
 لگا ہوا ہو پھر اس شیشہ کی ڈنڈی کو ریشمی کپڑے سے رگڑنا چاہیے یہاں تک کہ دونوں  
 خوب گرم اور خشک ہوں اب شیشہ میں یہ خاصیت پیدا ہو جائیگی کہ الکی الکی چیزیں  
 مثلاً کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سرگنڈی کے کو دی بر اوں وغیرہ کو اپنی طرف  
 کھینچنے لگیں گے۔ شیشہ میں اس خاص خاصیت کے پیدا کرنے کے واسطے رگڑ اور گرم  
 ہونے کے ایک خاص شرط ہے جب تک یہ شرط پوری نہ ہوگی تب تک شیشہ میں یہ  
 خاصیت پیدا نہ ہوگی تجربوں کے پورا اور کامل بنانے کے واسطے لازمی شرائط اور  
 ضروریات کا مہیا اور پورا کرنا ضروری ہے تجربے دو قسم ہیں ایک ذاتی اور ایک  
 اعتباری۔ ذاتی وہ تجربے ہیں جو خود کیے جاتے ہیں اور اعتباری وہ تجربے ہیں  
 کہ جو خود تو نہیں کیجانی مگر اور شخصوں کے اعتبار پر او کو قبول اور تسلیم کیا جاتا ہے

ذاتی تجربے دو قسم پر ہیں ایک کامل اور ایک ناقص۔ کامل وہ ہیں کہ جن میں کوئی غلطی اور لغزش نہیں ہوتی اور ناقص وہ ہیں کہ جن میں غلطی اور لغزش کا احتمال ہوتا ہے۔ جس طرح ذاتی تجربے دو قسم پر ہیں اس طرح براعتباری تجربے دو قسم پر ہیں ایک کامل عام یا ناقص عام دوم کامل خاص یا ناقص خاص۔ کامل عام وہ تجربے ہیں جو بالعموم کامل اور ثابت ہوتے ہیں اور جن کوئی لغزش اور غلطی نہیں پائی جاتی مثلاً وہ تجربے ہیں کہ جن میں بالعموم نقص پایا جاتا ہے کامل خاص وہ تجربے ہیں کہ جن کو عام پر کامل تسلیم نہیں کیا جاتا مگر خاص خاص لوگ یا شخص ان کے کمالیت کو تسلیم کرتے ہیں اور ناقص خاص وہ تجربے ہیں کہ جن میں بالعموم نقص نہیں پایا جاتا ہے اعتباری تجربہ ان کے تسلیم کرنے کے واسطے عام اور خاص حالتوں کو وزن کر لینا چاہیے جب تک عام اور خاص حالتوں کو وزن نہ کیا جائے تب تک ان کے تسلیم کرنے میں، وقوع غلطی کا احتمال بلحاظ نتیجہ اور اثر کے تجربے دو قسم پر ہیں۔ ایک حقیقی اور ایک دہمی۔ حقیقی تجربے وہ ہیں کہ جو قابل الحصول ہیں جیسے علم کسٹری یا علم طب یا فن زراعت وغیرہ تجربے اس قسم کے تجربے باوجود ابتدائی ناکامیوں اور ایسیوں کی بھی حاصل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے حاصل کرنے کے اسباب اور وسائل موجود ہیں۔ اگر ہم علم کسٹری کی بات کریں یہ تجربہ کرنا چاہیں کہ پانی سے اویجن اور بیڈ روجن کے حصص معلوم کریں تو اس کا حاصل کرنے کے واسطے بہت سی تدبیریں اور وسائل مل سکتے ہیں کیونکہ وہ تجربہ دراصل قابل الحصول ہے۔ دہمی تجربے وہ ہیں کہ جو قابل الحصول نہیں ہیں اور نہ ان کے حاصل کرنے کے وسائل اور اسباب موجود ہیں جیسے لوہے تانبے سے چاندی بنانا پانی سے ہم اویجن اور بیڈ روجن کو تو مختلف تدبیروں اور وسائل سے علیحدہ کر سکتے ہیں مگر لوہے تانبے سے چاندی سونا نہیں بنا سکتے کیونکہ وسائل قلب اہستہ کی حقیقت خود نہیں ہیں اکثر انسان دہمی تجربہ ان کے حاصل کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں

چنانچہ چھوٹے کیمیا کے حاصل کرنے کے واسطے صد ہا آدمی مفت دولت و مال بر باد کر  
ہیں آج تک کسی کو کامیابی کی ڈگری نہیں ملی۔ اگر سچے تجربوں کے حاصل کرنے کی طرف  
اونٹنی دہی طبیعتیں راغب اور مائل ہوتیں تو ایک چٹورہ صد ہا تجربے حاصل کر لیتے۔  
وانا اور دور اندیش وہ آدمی ہے کہ جو دہی تجربوں کے حاصل کرنے کی طرف میل اور  
رغبت نہیں کرتا جبکہ فی الحقیقت ایک تجربہ قابل الحصول ہی نہیں تو بہر کوشش  
کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے لوگ دہی تجربوں کے حاصل کرنے کے  
واسطے ایسے کوشش کرتے ہیں کہ وہ قبل از تجربہ کرنے کے ان کو وسائل پر غور و فکر  
نہیں کرتے جو شخص یہ بات دلائل سے جانتا ہے کہ قلب ماہیت ممکن نہیں ہے  
وہ کہہ ہی لو ہے۔ پتیل۔ تاہم سے چاندی سونا بنانے کی کوشش اور جو اس  
نہیں کر سکتا اس نامراد کو چہ مین وہی لوگ جاتے ہیں کہ جو قلب ماہیت کے  
ماہمکن الحصول صورت پر غور اور فکر نہیں کرتے۔

### مشاہدہ

لغت میں لفظ مشاہدہ کے معنی دیکھنے اور حاضر ہونے کے ہیں اور اصطلاح علمی میں  
ایک خاص درجہ کے یقین کو کہتے ہیں انسان کو حیط پر اپنی زندگی میں قیاس اور  
کی تجربہ ضرورت ہے اس طرح پر مشاہدہ کی ضرورت ہے لوگوں نے جیسے قیاس اور تجربہ کے  
بارے میں غلطیاں کی ہیں ایسے ہی مشاہدہ کے باب میں کہیں ہیں اکثر لوگوں کے خیال  
میں مشاہدہ کا مفہوم یا حد صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہی یہی باعث ہے  
کہ لوگ مشاہدہ کی اولی اقسام اور صورتوں پر غور اور نظر نہیں کرتے کہ جبکہ بدولت  
مشاہدہ کو انکی علمی اور عملی طاقتوں کی ترقی اور رونق کا ایک جزو اعظم خیال کیا گیا ہے  
اگر ہم عام غلطی کی پیروی کر کے مشاہدہ سے صرف آنکھوں کی بنیائی اور عبارت ہی  
مراد لیں تو کوئی فوقیت اور علمی اور عملی طاقتوں کو چندان فائدہ بخشنے والی صورت

حاصل نہیں ہوتی محض آنکھوں سے دیکھنا تو حیوانات لایعقل کو بھی حاصل ہر آدمی کے  
 دیکھنے کو بھی محض دیکھنے کے اعتبار پر مشاہدہ کہہ سکتے ہیں انسان کی اور آدمی مشاہدہ میں  
 باعتبار محض دیکھنے کے کوئی امتیاز اور فرق نہیں ہے۔ اگر ہم عام غلطی کو چھوڑ کر  
 مشاہدہ کے دلائل اور دلچسپ صورتوں اور اقسام پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا  
 کہ حیوانات کے مشاہدہ اور انسان کے مشاہدہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے یا یوں  
 کہو کہ ایسا فرق ہے کہ جیسے انسان اور حیوان مطلق میں فرق ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے  
 کہ ہم محض دیکھنے کو مشاہدہ قرار دیتے ہیں محض دیکھنا مشاہدہ کے عام اقسام اور صورتوں  
 میں سے ایک ابتدائی جزو اور ایک عام صورت ہر اور خاص صورتوں اور اقسام کا  
 اوپر انحصار نہیں ہے جیسا انسان مشاہدہ کی ابتدائی یا عام صورت محض دیکھنے کے  
 طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے ایسا ہی اگر مشاہدہ کے خاص صورتیں حاصل کر  
 تو مختلف قسم کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں جیسا انسان کو خداوند کریم نے مشاہدہ  
 کی عام یا ابتدائی صورت یعنی محض دیکھنا عطا کیا ہے ایسا ہی مشاہدہ کی اور صورتیں  
 قدرت انسان کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ انہیں سے بعض صورتیں تو انسان  
 کو اپنی ہستی اور وجود اور حقیقت کے معلوم کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور بعض  
 خدا کے وجود کے استدلال اور شہادہ کا ذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں بعض کے  
 تائید سے انسان اپنی علمی طاقتوں میں ترقی کرتا ہے اور بعض کے وسیلہ سے انسان  
 کے عمل اور تجربہ کو مضبوطی اور صداقت حاصل ہوتی ہے مشاہدہ کا بیان اگرچہ طویل  
 اور تفصیل چاہتا ہے مگر ہم بلا اختصار ان صورتوں اور اقسام کو لکھتے ہیں کہ جو اس  
 کتاب کے مناسب حال ہیں۔ مشاہدہ دو قسم پر ہے اول مشاہدہ ذاتی مشاہدہ  
 وہ مشاہدہ ہے کہ جس کے ذریعہ اور وسیلہ سے انسان اپنی ہستی اور حقیقت کو معلوم  
 دریافت کرتا ہے مشاہدہ ذاتی میں انسان اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ میں کیا ہوں



جب انسان کے دل میں یہ عجیب سوال پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی روح بقیہ  
اور مضطرب ہو جاتی ہے نہ تو آسانی سے اس سوال کا جواب دے سکتے ہو اور نہ خدا  
اور انکار کو پسند کرتی ہو کچھ دیر گزرنے کے بعد انسان کی روحی طاقتوں اور خدا  
میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور اس سوال کی جوابی صورتیں کوستی اور ہمت  
سے بالکل خالی ہوتی ہیں اور آگے آگے ہی ہوتی ہیں یہ سب سے اوّل انسان  
کے باطنی اندیشہ کی صورت پر پڑتی ہے انسان حیران ہو کر خیال کرتا ہے کہ میں  
اس دنیا میں کیا کرتا یا جب انسان کے دل میں یہ میرے کیا خیال پیدا ہوتا ہے  
تو وہ فکر اپنے کے بعد اس بات پر قائم ہو جاتا ہے کہ اس دنیا میں کچھ ہے یا کچھ  
لائے اور میں اس علت العلل کے وسیع سے اس دنیا میں آیا کہ جس کو لوگ  
خلاق زمین و آسمان اور خدا سے جہاں کہتے ہیں۔ جب اس جملہ کے سے فراموش  
پاتا ہے تو پھر سوچتا ہے کہ میں اس دنیا میں کس واسطے آیا گیا اور اخیر پر میرے  
سامنے کیا ہوگا۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی عقلی قوت آموچہ بدلتی ہے اور ہمو  
آ جاتی ہے کہ میرے دنیا میں آنے کی علت اور غایت تیری ترکیب اور بندش  
بھی ظاہر ہوتی ہے خداوند کریم نے جسکو دنیا میں اس واسطے بھیجا ہے کہ تو اپنی او  
طاقتوں اور قوتوں کو جو تیرے بدن اور ذات میں دولیت کیلگی ہیں عدالت اور  
انصاف اور احتیاط و دورانہیشی سے استعمال اور کام میں لائے۔ اولیٰ آپ  
ہی فائدہ اٹھائے اور اور دن کو بھی پہنچائے تیرا اخیر یہ ہوگا کہ تو دنیا کو چھوڑ  
جائیگا اس مشاہدہ سے انسان کو دو فائدے حاصل ہوتے ہیں اول یہ کہ اسکو  
اپنی حقیقت اور پائداری معلوم ہو جاتی ہے جس سے اس کے دل میں تکبر اور غرور  
متکبر نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اسکو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ میں دنیا  
اور واسطے آیا ہوں کہ اپنی ذاتی قوتوں اور طاقتوں کو انصاف اور عدالت اور احتیاط

کام میں لاکر آپ بھی فائدہ اٹھاؤں اور اوروں کو بھی پہنچاؤں۔ انسان کو ہمیشہ  
 اپنی ذاتی قوتوں اور طاقتوں پر غور اور فکر کرتے رہنا چاہیے تاکہ اونکے کام میں لائیے  
 اور استعمال کا صحیح اور فائدہ بخش طریق ہاتھ آجائے۔ جب تک انسان اپنی ذاتی  
 قوتوں اور طاقتوں کو صحیح اور فائدہ بخش طریق پر استعمال نہیں کرتا تب تک اوسکو اپنی ذاتی  
 قوتوں اور طاقتوں کی اہمیت کا یقینی علم حاصل نہیں ہوتا ہم اپنی ذاتی قوتوں کی  
 اہمیت پر اسی صورت میں یقینی طور پر واقفیت اور علم حاصل کر سکتے ہیں کہ مشاہدہ  
 ذاتی کے ذریعہ اور زور سے اونکے استعمال کے صحیح اور فائدہ بخش طریق ہمارے ہاتھ  
 آجائیں ظاہری بینائی اور آنکھوں سے انسان صرف اپنے جسم اور جسم کے عوارض اور  
 ذیل ڈول اور ظاہری انسانیت کا ہی نظارہ کر سکتا ہے ذاتی مشاہدہ سے باطنی آنکھوں  
 کے ذریعہ سے اون قوتوں اور طاقتوں کا حال اور کیفیت و اہمیت کھلتی ہے کہ جو  
 قدرت نے خطا کی ہیں اور جنکو اندرونی یا اصل انسان کہنا چاہیے۔ اگر ہم صرف  
 ظاہری آنکھوں کے ذریعہ سے ہی یہ بات معلوم کرنا چاہیں گے ہم کیا بین کن چیزوں کا مجموعہ ہیں  
 تو کبھی بھی کامیابی حاصل نہ کی۔ مشاہدہ ذاتی کے ذریعہ سے بیشک ہم سوال کرنے پر  
 قادر ہو سکتے ہیں اور ہمیں وہ ملے اور سلیقہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جسکی بدولت ہم عالم  
 اصغر یا عالم ظاہری کو چھوڑ کر عالم اکبر یا عالم باطنی کے سیر کر سکتے ہیں اگر انسان مشاہدہ  
 ذاتی سے دیکھے تو اوسکو معلوم ہو جائیگا کہ اوسے جسم میں ہی دو عالم پائے جاتے ہیں  
 ایک عالم ظاہری یا عالم اصغر ہی اور دوسرا عالم باطنی یا عالم اکبر ہے ان دونوں  
 عالموں کی کیفیت اور حالت جدا جدا ہے عالم ظاہری یا عالم اصغر کی سیر ظاہری آنکھوں  
 کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور عالم باطنی یا عالم اکبر کے سیر کے لیے باطنی آنکھوں کے  
 ضرورت ہے۔ باطنی آنکھیں اوسوقت کھلتی ہیں کہ جب مشاہدہ ذاتی کے ذریعہ سے انسان  
 اپنے آپ پر غور کرے اور سمجھے کہ میں کیا ہوں اور کن کن چیزوں کا مجموعہ ہوں جب

مشاہدہ ذاتی کے ذریعہ سے انسان کی باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو عالم صغیر اور عالم اکبر کا فرق نمودار ہو جاتا ہے جو شخص عالم اکبر کی سیر کر لیتا ہے اس کو مختلف ناموں سے تعبیر اور موسوم کرتے ہیں کوئی حکیم کہتا ہے اور کوئی فلاسفہ اور کوئی دینی اور کوئی صاحبِ یمن و برکت جو شخص باطنی آنکھوں کے ذریعہ سے عالم اکبر کی سیر نہیں کرتا وہ اپنی آنکھیں طاقتوں اور قوتوں کو صحیح طور پر کام میں نہیں لاسکتا اور نہ اس کو قوتوں کی مہمت کا یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

مشاہدہ کی دوسری قسم مشاہدہ موجودات ہے جب انسان کو اپنی ذاتی قوتوں کے عمل میں لانے کا صحیح طریقہ اور یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت اصل یا اندرونی انسان یعنی روح اپنے سوا سے اور موجودات کے تغیر کی طرف توجہ کرتی ہے اس تغیر سے انسان کو موجودات کی خاصیتوں اور بندشوں اور ترکیبوں اور کیفیات و ماہیات اور تاثیرات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے جس سے اس کی علمی اور عقلی طاقتوں کو مضبوطی اور ترقی ہوتی جاتی ہے دنیا میں انسان نے جب قدرِ صنعتیں اور حکمتیں ایجاد کی ہیں ان سب کے ایجاد کا اصل الاصول مشاہدہ موجودات ہی ہے اگر انسان اپنے حواس میں سے بعض انسان مشاہدہ موجودات نہ کرتے تو دنیا میں حکمتوں اور قسم قسم کی صنعتوں کا نام و نشان ہی نہ پایا جاتا۔ انسان کے تمام قسم کی ترقیوں اور حکمتوں اور صنعتوں کا مدار مشاہدہ موجودات پر ہی ہے۔ مشاہدہ موجودات ہی انسان نے ترقی اور آرام و آسائش کی صورتیں نکالیں اور مشاہدہ موجودات سے ہی اپنے خالق علتِ اعلیٰ باعثِ موجودات خدا سے قدیر کی پاک ہستی اور مقصد و وجود پر استدلال اور پختہ انداز کیا اگر مشاہدہ ذاتی کے ساتھ مشاہدہ موجودات شامل نہ ہوتا تو انسان نہ کہا۔ تا جیسا اور پیدایشوں کو حیوان مطلق کہا جاتا ہے جیسا ہی انسان کو کہا جاتا۔ اور مخلوقات پر انسانوں کو امتیاز اور شرف اس واسطے حاصل ہے

کہ اونہیں مشاہدہ ذاتی اور مشاہدہ موجودات کی طاقت ہے۔

### استعداد و اشیاء

جو استعداد نہ ہو کار از اعجاز نکشاید۔ میسجہ کے تواند کرد روشن چشم سوزن را  
 خدانے دنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی جقدر پیدائشی سلسلہ پایا جاتا ہے اور پھر غور کر  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک پیدائش اور ہر ایک چیز کو ایک خاص درجہ اور نمبر کی استعداد  
 حاصل ہے اسی استعداد کے موافق ہر ایک شے یا ہر ایک پیدائش کام دیتی ہے کوئی  
 پیدائش یا کوئی شے اپنی ذاتی یا قدرتی استعداد کے مقدار اور وزن سے بڑھ کر کام نہیں  
 دے سکتی۔ خدانے پیدائشی سلسلہ کے مختلف شعبوں کو دو طرح کی استعدادیں بخش  
 رکھی ہیں ایک کو استعداد مؤثرہ کہتے ہیں اور دوسرے کو استعداد متاثرہ استعداد  
 مؤثرہ وہ ہے کہ جو کسی دوسری شے یا دوسری پیدائش پر اثر کرے اور استعداد  
 متاثرہ وہ ہے کہ جو کسی دوسری شے یا دوسری پیدائش کا اثر قبول کرے۔ انہیں  
 دونوں قدرتی استعداد پر دنیا کے تمام کاموں اور معاملات اور علوم فنون اور تجربہ  
 اور مشاہدات کا انحصار اور مدار ہے دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جس میں کسی نہ کسی  
 قسم کی استعداد کا دخل نہ ہو۔ یا پہلی قسم کی استعداد پائی جائیگی اور یا دوسری قسم  
 کی دنیا کی پیدائشی سلسلہ میں جو دو قسم کی استعدادیں قدرۃً و ولایت کے گم ہیں  
 اولیٰ وہ طور پر کام لیا جاتا ہے ایک تو قدرتی طور پر اور ایک مصنوعی طریق سے  
 بعض شعبوں کے استعدادیں قدرۃً ہی عمل کرتے ہیں اور بعض کو انسان اپنے  
 طور پر عمل میں لاتا ہے۔ دورانہ پیدائش اور محتاط وہ انسان ہے کہ جو ہر ایک ارادہ  
 اور کام کے شروع کرنے کے اول اشیاء کی قدرتی استعداد و فن پر غور اور فکر کرے۔ تاکہ  
 غلطی کرنے کا اندیشہ اور احتمال نہ ہو وے بہت دفعہ جو ہم کسی کام کے کرتے ہیں غائب  
 کام سمجھ دیتے ہیں اسکا اصلی باعث یہی ہوتا ہے کہ وہ کام کسی نہ کسی استعداد کی طاقت

کے برخلاف کیا جاتا ہے۔ اگر ہم کسی کام کے کرنے کے پہلے اس کی متعلقہ استعداد یا استعداد پر غور کریں اور پھر ان کے موافق کام کریں تو بہتر نہ تو غلطی پڑتی ہے اور نہ ناکامیابی ہوتی ہے۔ شیئین کے استعدادوں پر نہ خیال کرنے سے انسان کو صرف ناکامیابی ہی اوٹھانی نہیں پڑتی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ عام طور پر ایک وہم آئینہ اور غلط خیال پھیل جاتا ہے اور اور کم فہم لوگ اس خیال کو بجائے خود ایک صداقت سمجھ کر نقصان اوٹھاتے ہیں لوگوں کو اس طرف تو توجہ نہیں ہوتی کہ جو خیال غلطی کر عام طور پر پھیل گیا ہے اس کی پیدا ہونے کی جقدر اسباب اور وسائل ہیں۔ انہیں اس خیال کے پیدا کرنے کی استعداد اور طاقت ہی یا نہیں۔ صرف اس خیال کی شہرت یا عموماً کو پیش نظر رکھ کر تسلیم کر لیتے ہیں ایک نہیں بہت سے ایسے خیالات ہیں کہ جو حضرات اور بناوٹی یا تقلیدی توازن اور روایات کے اعتبار پر تسلیم کیے جاتے ہیں ایسے خیالات کے تسلیم کرنے سے انسانی جماعتوں کو ناموس اور عزت اور دولت کے متعلق مختلف نقصانات اور ضرر اوٹھانے پڑتے ہیں کیونکہ اگر کسی ایسے خیال کا خیال اسی قبیل سے ہی شہرت یا فرضی توازن اور روایات کے اعتبار پر اکثر لوگوں نے اس خیال کو قبول کر کے اپنے مال و دولت کو سخت مین برباد کر دیا ہے۔ یہ بڑی کمزور اور غلطی ہے کہ ہم دوسری طبیعتوں کے خیالات کو بلا غور اور بلا تحقیقات قبول اور تسلیم کر لیتے ہیں ہر ایک خیال کے قبول کرنے کے پہلے ہم کو دو باتوں پر خیال کرنا چاہیے کہ ایک اس شخص کی حالت پر جس کے ذریعہ سے وہ خیال نمودار ہوا اور ایک اس خیال کے علتوں اور اسباب اور وسائل پر۔ مثلاً اگر ہم کو کوئی شخص کہے کہ میں چاندی سے سونا یا لوہے یا تانبے سے چاندی سونا بنا لیتا ہوں تو ہم کو سننے کے ساتھ ہی اس خیال کو قبول نہ کرنا چاہیے پہلے اس کے قائل کی حالت اور استعداد پر غور کرنی چاہیے اور پھر اس خیال کے وسائل اور اسباب کی استعداد کو دیکھنا اور وزن کرنا چاہیے۔ اس طریق پر

ہم ایک آسانی کے ساتھ قلب ماہیت یعنی سونا چاندی کے بنانے کی اصطلاحات کو معلوم کر لیں گے۔ سونا چاندی بنانے کے خیال کو اسی واسطے عام طور پر صحیح اور درست مانا گیا ہے کہ لوگوں نے تحقیقات سے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ ایام شہرت اور بناوٹی تواثر اور فرضی روایات کے اعتبار پر مان رکھا ہے۔ اگر لوگ کیمیاگری کے اسباب اور وسائل کے استعداد پر خیال کرتے تو کبھی اس کا یقین نہ کرتے اور نہ اس کے حاصل کرنے میں مفت میں مال و دولت کو برباد دیتے لوگوں کا یہ خیال کہ بعض بوٹیاں یا بعض دوائیں اپنی استعداد موثرہ کے زور سے لوہے یا تانبے پر ایسے طور پر اثر کرتے ہیں کہ لوہا یا تانبا متاثر ہو کر سونا یا چاندی بن جاتا ہے اسی وقت تک صحیح مانا جاسکتا ہے کہ جب تک ہم اون بوٹیوں یا دواؤں اور لوہے یا تانبے کے استعداد موثرہ یا متاثرہ پر غور اور نظر نہیں کرتے اگر ان استعدادوں پر غور اور نظر کر لیں تو فرضی کیمیا بننے کی صورت میں تسلیم نہ کریں کیمیا فرضی کے خیال پر کیا شخص سے صد ہا ایسے خیالات ہیں کہ جبکہ محض اس واسطے تسلیم کیا گیا ہے کہ اب تک لوگوں نے ان کے وسائل اور اسباب متعلقہ کے دونوں استعدادوں پر غور اور فکر نہیں کی شیعوں کے ہر دہ مذکورہ بالا استعدادین دو طرح پر عمل کرتے ہیں ایک بلحاظ مقدار کے اور ایک بلحاظ طاقت کے اگر استعداد کا مقدار ٹھیک اور موافق ہو تو نتیجہ درست اور ٹھیک نکلتا ہے اور اگر اوس میں کمی یا زیادتی ہو تو نتیجہ میں غلطی اور خرابی پڑ جاتی ہے مثلاً اگر ہم ایک پانی کو چھ ماہہ مصری سے سیٹھا کرنا چاہیں تو پانی سیٹھا نہ ہو گا پانی کی کیفیت بھی بگڑ جائیگی اور مصری بھی کام کی نہ رہے گی اگر مصری کے استعداد موثرہ اور پانی کے استعداد متاثرہ ٹھیک اور موافق ہوتے تو پانی سیٹھا ہو جاتا۔ اسی طرح اگر ہم چاہیں کہ کوئی کو تپ کر ٹھنڈک اور سردی حاصل کریں تو کامیابی نہ ہو گی کیونکہ آگ کے استعداد موثرہ کی طاقت میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ سردی یا ٹھنڈک پیدا ہو جائے بلکہ اس کے استعداد موثرہ

کی یہ تاثیر ہے کہ ہماری رگ وریشہ اور جسم کو گرمی پہنچائے۔ اگر آگ کی استعداد و اثر  
میں سردی پہنچانے کی بھی طاقت ہوتی تو ضرور ہمارے جسم کو سردی اور ٹھنڈک  
پہنچتی مینجون کے صحیح اور یا مراد نکلنے کو واسطے ہلکو کاموں اور اراوون کے شروع  
اور ظاہر کرنے کی اول ان کے وسائل اور اسباب کی استعداد و اراوون کی استعداد  
کی مقدار و اراوون اور طاقتوں پر خیال اور غور کرنی چاہیے اگر قبل از یہ معلوم کرنے شیڈوں  
یا وسائل کے استعداد و اراوون استعداد و اراوون کی مقدار و اراوون اور طاقتوں کے کام  
شروع کیا جائیگا تو نتیجہ موافق مراد اور صحیح نہیں نکلیگا۔ استعداد و اراوون کے معلوم کرنے  
کو صرف کاموں کے کرنے سے ہر متعلق نہیں سمجھنا چاہیے اور طبیعتوں کے خیالات  
کے قبول اور تسلیم کرنے وقت بھی اس اصول اور قاعدہ کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیے  
کوئی خیال اس وقت تک تسلیم نہ کرنا چاہیے جب تک اس کے بانی سبانی اور اس کے  
وسائل کے استعداد و اراوون کا صحیح اور کافی علم نہ ملے۔

### ترتیب

قدرت کے انتظام اور انسانی انتظام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک  
اور ہر ایک سلسلہ اسی صورت میں قائم و بخش اور صحیح نتیجہ ثابت ہوتا ہے کہ جب  
اوسکو اوسیکے مخصوص درجہ اور نمبر پر استعمال کیا جائے۔ موجودات ایزوی میں مقدر  
صورتیں اور شے میں پائی جاتی ہیں قدرۃ اہن سب کے واسطے کوئی نہ کوئی درجہ اور  
نمبر خاص اور مقرر ہے علی ہذا القیاس انسان کی مصنوعی سلسلہ انتظام میں ہر ایک  
صورت اور شے کے واسطے نمبر اور درجہ مقرر کیا گیا ہے۔ ان دونوں سلسلوں میں  
جڑ بنیاد اور اصل کی رو سے ایک ہی ہیں کوئی ایسی شے اور چیز نہیں ہے جس کے واسطے  
کوئی نمبر یا کوئی درجہ مخصوص نہ ہو۔ ان دونوں سلسلوں کے مختلف درجوں اور نمبروں  
کے نہایت اور محفوظ کہنہ کو ترتیب کہتے ہیں اور جب ان دونوں سلسلوں کے مختلف درجوں

اور نمبروں میں انقلاب اور فرق آجائے تو اسکو بے ترتیبی سے موسوم کرتے ہیں۔ دنیا میں رہکر انسان جب قدر کام کرتا ہے اون سب کی دو صورتیں اور حالتیں ہوتی ہیں یا تو ترتیب سے کئے جاتے ہیں اور یا بے ترتیبی سے جو کام ترتیب سے کئے جاتے ہیں وہ کرنے والے اور دوسری سیدائشوں کے حق میں اچھے اور فائدہ بخش ثابت ہوتے ہیں اور جو کام بے ترتیبی سے کیے جاتے ہیں وہ کسی کے حق میں بھی اچھے اور فائدہ ثابت نہیں ہوتے کرنے والیکو بھی اونکے کرنے سے نقصان پہونچتا ہے اور دوسرے سیدائشیں بھی ضرر اور مٹاتی ہیں۔ دنیا میں جب قدر آرام اور آسائش اور ترقی کے اسباب اور صورتیں پائی جاتی ہیں ترتیب کا نتیجہ اور اثر ہیں اور رنج و دکھ اور آلامی تنزل اور بے ترتیبی کا اثر ہیں۔ ہمارا ہر ایک کار اور ارادہ جسے درخواست کرتا ہے کہ اسکو ترتیب سے کیا جائے جب تک ہم اپنے ارادوں کے پورا کرنے اور کامیابی کے انجام دینے کے واسطے ترتیب کو مد نظر اور ملحوظ رکھتے ہیں تب تک تو ہم مختلف فوائد اور ناکامیابیوں کے اٹھانے سے محفوظ رہتے ہیں اور جب ہمارے ارادوں اور کاموں میں بے ترتیبی کو دخل ہو جاتا ہے تو بہرہ کو طرح طرح کے نقصانات اور تنکلیں برداشت کرنی پڑتی ہیں ہر ایک کام کے کرنے اور ارادہ کے اظہار کے اول سکو اور ترتیب یعنی نمبروں اور درجوں پر خیال کرنا چاہیے جس نمبر اور درجہ پر اس کام کو کرنا مناسب معلوم ہو اس سے کمی اور تجاوز نہ کرنا چاہیے کمی اور بیشی کی دونوں صورتوں میں ترتیب میں فرق آجاتا ہے جیسا کمی سے ترتیب بگڑ جاتی ہے ایسا ہی بیشی سے مثلاً اگر ہم سونے کا سلویشن بنانا چاہیں تو اسکی اصل ترتیب یہ ہے کہ اول دوپالے کہیں سے ہم پہونچائے جائیں اونہیں سے ایک چینی کا اور ایک مٹی کا جو چینی کا پیالہ اتنا بڑا ہونا چاہیے کہ اسکی اندر مٹی کا پیالہ اسطرح آجائے کہ انکلی انکلی دو دو انکلی دو دو چاروں طرف خالی رہے اسکے بعد ایک اونٹن سا ڈاٹ پوٹاشیم میں سر بہرہ کر لیتا ہے



باقی ملائین اور اس پانی کو اون دو وزن پیالوں میں برابر مولاری تک بہر دین یعنی پائے  
کسی پیالہ میں اونچا اور کسی میں نیچا دے اس کے بعد تین ماشہ خالص سونے کا پتر جیا ہند  
اور چینی کے پیالہ میں الگ سے ٹکڑے اور موٹے کے تار میں ایک ٹکڑا لوہے وغیرہ کا  
باندھ کر مٹی کے پیالہ میں ڈبا دے اور اس سطح قریب بارہ گھنٹہ کے علاوہ رہنے دے  
جب بارہ گھنٹہ گزر جاوے تو آہستہ سے مٹی کا پیالہ چینی کے پیالہ میں سے نکال کر  
معہ اوس پانی کے جو مٹی کے پیالہ میں بہر دیا تھا بھینک دے اور چینی کا پیالہ باؤسکا  
احتیاط سے علاوہ رکھ چھوڑ دین یہی سونے کا سلوشین ہے۔ سونے کے حل کے واسطے  
جو قاعدہ کہ استادون نے مقرر کیا ہے اگر اوسکی ترتیب میں کمی یا زیادتی ہو جائے  
تو گھٹ کرنے میں بڑی وقت ہوگی اگر سونے کا پترہ کو الگ سے چینی کے پیالہ میں  
نہ نکالیا جائے یا موٹے کے تار میں ایک لوہے کا ٹکڑا مٹی کے پیالہ میں نہ ڈبا جائے  
تو سونے کا سلوشین نہ بنے گا۔ علم حساب میں ایک عدد کو دوسرے عدد سے تفریق  
کرنے کا یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ چھوٹے عدد کو نیچے رکھ کر بڑے رقم یا بڑے عدد  
تفریق کر دین یہ ایک ترتیب ہے اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو حساب میں سقم اور غلطی  
قوی اندیشہ ہے۔ مثلاً اگر ہم سات کی رقم کو پندرہ کی رقم میں سے تفریق کرنا چاہیں  
تو اس شکل سے تفریق کریں گے ۱۵ ناظرین کو اس شکل سے معلوم ہو جائیگا کہ بڑے  
رقم اوپر رکھی گئی ہے اور چھوٹی رقم کو نیچے لکھا گیا ہے۔ اگر یہ ترتیب ملحوظ نہ رکھی  
جاتی تو حساب کا عمل تھیک نہ اوتھرتا۔ ترتیبی غلطیاں مختلف طریقوں پر پڑتی ہیں  
یہ تھون کے صحیح نکلنے کے واسطے اون مختلف طریقوں کے مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے  
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شے یا ایک کام کے علم میں ہی ترتیبی غلطیاں پڑنے  
شروع ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی عمل میں بے ترتیبی داخل ہو جاتی ہے۔ علم کی بے ترتیبی  
سے علم کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بعض اوقات ترتیب میں غلطی پڑنے کا

یہ باعث بھی ہو جاتا ہے کہ ہم ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کے اسباب کے مقدم اور  
 مؤخر کی سلسلہ کو ملحوظ نہیں کرتے جس کو مقدم رکھنا ہوتا ہے اور مؤخر رکھ دیتے ہیں اور جس شے کو مؤخر  
 رکھنا ہوتا ہے اور اس کو مقدم رکھ دیتے ہیں۔ اس کے ترتیبی سہ ہمارے کاموں اور ارادوں میں نقص پڑ  
 جاتا ہے۔ کاموں کے کرنا یا نہ کرنے کے پہلے ہمیں اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ اولیٰ کمالات اور اسباب  
 میں سے مقدم کون ہے اور مؤخر کون کون۔ جب مقدم مؤخر کا سلسلہ معلوم ہو جائیگا تو یہ دونوں غلطیوں  
 کر گرنے کا جو مقدم مؤخر کے ترتیبی سے پڑتی ہیں احتمال اور اندیشہ نہیں ہوگا اگر انسان اپنی غلطیوں  
 لغزشوں پر غور کی نظر کرے تو دیکھ سکتا ہے کہ اسانی سے دریافت ہو جائیگا کہ اکثر غلطیاں بے ترتیبی سے  
 ہی واقع ہوئی ہیں اکثر انسانوں کا قاعدہ ہے کہ غلطیوں کے واقعہ ہونے کے موجبات پر دھیان نہیں  
 کرتے اپنی قسمت کو کوئی نہ لگتے ہیں۔ طریق دور اندیشی اور عقل سلیم کے مخالف ہر سب سے اول  
 سب کو غلطیوں کے موجبات پر غور کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ترتیب صحیح ہے یا نہیں  
 اگر باوجود صحیح ترتیب کے بھی حسب مراد نتیجہ اور اثر پیدا نہ ہو تو پھر جو چیز ہیں اس سے کہیں نہ  
 اس صورت میں ہی جلدی سے سحر صلہ نہ ہونا چاہیے۔ نتیجوں اور اثرات میں غلطی ڈالنا اور اس کی  
 ایسے اسباب ہونے ہیں کہ سرسری طور پر اس کا معلوم کرنا دشوار اور مشکل ہوتا ہے تحقیق  
 نظر سے ایسے اسباب کو معلوم اور دریافت کرنا چاہیے اگر باوجود کامل تحقیق اور درایت  
 کے کوئی مزاحم وجہ یا سبب نہ معلوم ہو تو اپنے نصیب یا قسمت کو کوئی نہ اختیار کرتے

### نتائج الافعال

ع۔ مرد آخر میں مبارک بندہ ایست : دنیا میں دو قسم کے افعال پائے جاتے ہیں  
 ایک قدرتی۔ اور ایک مصنوعی۔ قدرتی وہ فعل ہیں جنہیں انسان کو کچھ دخل اور  
 تصرف نہیں اونکا ہونا انہونا قدرت کے اختیار میں ہے مصنوعی وہ فعل ہیں جنہیں انسان  
 کو دخل اور تصرف حاصل ہیں اونکا کرنا یا نہ کرنا انسان کے اختیار میں ہے یہ دونوں  
 قسم کے فعل حسب واقعہ ہوتے ہیں تو ان سے خاص خاص قسم کے اثر اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے

اور اول مخصوص اثروں یا نتیجوں کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ موجودات کرتی ہیں  
 فائدہ بخش ہوتی ہیں اور یا نقصان رسان قدرتی مخلوق اور حادثوں سے جو نتیجے اور  
 اثر مترتب ہوتے ہیں ان کو انسان اپنی طاقت سے بند نہیں کر سکتا برے پہلے مفید  
 غیر مفید جیسے ہوں طوعاً کرہاً قبول کرنے پڑتے ہیں مصنوعی فعلوں سے جو اثر  
 اور نتیجے پیدا ہوتے ہیں انسان ان کو اپنی طاقت سے کم یا زیادہ مفید یا غیر مفید بنا  
 سکتا ہے افعال باعتبار نتیجوں اور اثروں کے دو قسم ہیں ایک بدیہی النتائج اور  
 ایک خفی النتائج۔ بدیہی النتائج وہ فعل ہیں کہ جنکے اثر اور نتیجے ظاہر ہوتے ہیں  
 جیسے کسی شخص کو گالی دینا یا گولے مارنا یا کسی شخص کو کسی نصیب سے محروم کر دینا یا بھوکے کو  
 روٹی دینا یا چوری کرنا یا زنا وغیرہ کرنا۔ ان افعال کے اثر اور نتیجے ظاہر ہیں قبل از گالی  
 دینے یا گولے مارنے کے یا بروقت گالی دینے یا گولے مارنے کے گالی دینے والا یا  
 گولی مارنے والا اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ جس آدمی کو گالی دینا یا گولی مارنا  
 جائیگی وہ ضرور غصہ اور خفا میں آئے گا یا اس کو زخم پہنچے گا۔ جس شخص کی ہم نصیب  
 میں مدد کرینگے یا بھوکے کو روٹی کھلا دیں گے تو وہ ضرور مشکور اور خوش ہوگا  
 اور خدا بھی ہم سے راضی ہوگا اور خلقت بھی ہمیں اچھا کہیگی اور جس شخص کو  
 ہم مدد دیں گے یا روٹی کھلا دیں گے اس کی مراد برائیگی چوری یا زنا کرنے سے پہلے ہم  
 اس نتیجہ اور اثر کو معلوم کر سکتے ہیں کہ اگر یہ بات اور فعل عام طوعاً کرہاً قبول کو معلوم  
 ہو گیا تو ہمارا اعتبار اونٹے جائیگا اور لوگ ہمیں بد چلن اور فاسق فاجر کہیں گے  
 اور ہمارے ایسے بُرے فعلوں سے اور لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچے گا۔ بدیہی النتائج  
 فعلوں کے آثار اور نتیجوں کی بُرائی اور اچائی کو ہم بغور غور کرنے کے دریافت کر سکتے  
 ہیں کیونکہ ان کی بُرائیاں اور خوبیاں ظاہر اور عیان ہوتی ہیں انسان کو اپنے مختصر سے  
 زندگی میں اکثر افعال یہی النتائج ہی پیش آتے ہیں ہمارا اور انسانوں کے ساتھ

جو روزمرہ کا ملنا اور جلنا اور برتاؤ ہوتا ہے اور میں ایک نہیں صد ہا ایسے فعل کرتے  
 پڑتے ہیں کہ جنکے اثر اور نتیجے بدیہی ہو سکتے ہیں ہر روز ہم اپنے اور دوسروں کے واسطے  
 ایسے کام کرتے ہیں کہ جنکے نتیجوں اور اثروں کو ہم قبل از شروع یا پورا کرنے کے سوچ سچھ  
 سکتے ہیں یا جو روزمرہ کے آمدورفت اور ملتے جلتے کردار انسانوں میں جو نفرت اور  
 خصومت پیدا ہو جاتی ہے اسکا باعث یہی ہوتا ہے کہ دونوں یا دونوں میں سے ایک  
 فریق اپنے افعال کے اثروں یا نتجوں پر دھیان اور غور نہیں کرتا جب کام کر لیتے ہیں تو  
 پھر اثروں یا نتجوں پر غور اور دھیان کرتے ہیں اور اسوقت دھیان یا غور کرنا کچھ فائدہ  
 نہیں بخشتا۔ ہماری اکثر نا کامیائیوں اور نا اتفاقیوں اور اسیسوں کا اصل  
 اور موجب یہی ہوتا ہے کہ ہم اپنے فعلوں کے اثروں اور نتجوں پر قبل از شروع کرنے  
 یا اظہار کے نظر اور غور نہیں کرتے۔ اگر ہم قبل از کسی شخص کو گولی مارنے کے حساب  
 پر خیال کریں کہ اگر اسکو گولی لگ گئی تو ہلاک کر دیگی اور ہم ملکی قانون کے موافق سزا یا  
 ہونگے اور دوسرے یہ کہ ہم جو ایک شخص کو ناحق قتل یا زخمی کرتے ہیں اس سے انتہا  
 اور عدالت کا خون ہوتا ہے خلقت ہمیں برا کئے گی اور خدا جدا ہم پر ناراض ہوگا  
 قوی امید ہے کہ اس ابتدائی خیال سے ہم ہمدوق مارنے سے رک جائیں گے ہم اپنے  
 فائدہ کے واسطے کوئی کام شروع کرتے ہیں اور اخیر پر اس کام سے ہمیں نقصان  
 اور ضرر پہنچتا ہے ہم دوسرے شخص کو اپنے خیال کو بموجب ایک نیک اور اچھی  
 بات کہتے ہیں مگر اسکے نزدیک اس سے زیادہ کوئی برائی نہیں ہوتی۔ ہم ایک  
 نیک کام کرتے ہیں مگر اخیر پر برائی نکلتی ہے۔ ہم دلیری میں اگر ایک شخص کے  
 حق کو تلف اور برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس امر کو کوئی برائی نہیں خیال  
 کرتے مگر تھوڑی مدت کے بعد ہی یہ بات کھل جاتی ہے کہ جتنے اچھا کام نہیں کیا  
 ہم خود بھی شرمندہ اور پشیمان ہوتے ہیں اور ہمارے دوست دشمن بھی ہمارے

کرتے ہیں۔ ساری کمزوریوں اور برائیوں اس واسطے ظاہر ہوتی ہیں کہ ہم کاموں کے کرنے اور ریلوں کے اظہار کے اول اونکے اثرات اور نتیجوں کو میزان عقل اور توازن دوراندیشی میں وزن نہیں کرتے۔ اگر وزن کر لیں تو یہ برائیاں اور قباحتیں پیدا ہون ہم افعال بدیہی النتائج پر جو شروع باظہار کرنے کے اول نظر اور غور نہیں کرتے اور سبک کئی ایک باعث ہو سکتے ہیں اور انہیں سے چند مشہور اور موٹے موٹے سبک کو بیان کرتا ہوں انھیں پر اور اسباب کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اول۔ تعریف۔ جب ایک انسان دوسرے انسان کی تعریف کرتا ہے تو اس وقت اس انسان کے دل میں کہ جسکی تعریف کی جاتی ہے ایک خوشی اور تکبر کی صورت پیدا ہوتی ہے خوشی اور تکبر کے پیدا ہونے سے انسان کی احتیاط اور دوراندیشی پر پردہ پڑ جاتا ہے اور انجام میں ہی کی قوت کمزور ہو جاتی ہے، ایسے وقت میں انسان اپنے فعلوں پر نظر اور غور نہیں کرتا دوراندیشی اور احتیاط پر تعریفی حجاب پڑ جاتا ہے اور انسان کے دل میں جو کچھ آتا ہے کہ گزرتا ہے جب تعریف کا غار سر سے اتر جاتا ہے تو پھر خبر ہوتی ہے انسانی جماعتوں میں بہت سے اس مزاج اور طبیعت کی انسان پائے جاتے ہیں کہ جو مزاج اور تعریف کے ذریعہ سے ہی اپنی مراد کے موافق کام نکال لیتے ہیں تعریف کرنا ہی ایک نشہ جلانا ہوتا ہے اکثر نا تجربہ کار لوگ اس فرضی نشہ سے مست ہو کر اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں مستقل مزاج اور تجربہ کار آدمی ایسی باتوں اور ایچ بیج میں نہیں آتے جب کسی آدمی کی تعریف کی جاوے تو اسکو صرف لفظوں پر ہی جان نہ دینی چاہیے سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے۔

دوم۔ امید۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ہم اپنے افعال اور خیالات کے اثرات اور نتیجوں کو امید کے اعتبار پر ملحوظ نہیں رکھتے۔ مثلاً ہمکو امید ہے کہ اگر ہم ایک غریبی ستائیں اور مارینگے تو وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکیگا کیونکہ استغاثہ کے واسطے نہ تو ادھر پاس

روپیہ ہے اور نہ عدالت میں اور نہ کوئی لحاظ کرے گا اور نہ گانون سے باعث ہمارے خوف کے کوئی آدمی عدالت میں اس کی طرف سے شہادت دیگا جب ایسی امید بندھ جاتی ہے تو ہم ایک غریب آدمی کو زور سے ستانے لگتے ہیں گو ہماری امید سچی ہے مگر اگر ہم اس بات پر غور کریں گے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ہمارے خوف کو بلا لحاظ رکھ کر غریب کا مددگار ہو جائے اور مقدمہ کسی عادل حاکم کے پاس چلا جائے جو کیسے بھی رعایت نہ کرے تو ضرور ہم ایک آدمی کے ستانے سے روک دیں جائیں گے ورنہ اگرچہ امید سے قائم ہے مگر بہت سے ایسی امیدیں ہیں کہ جو ہلکی اور ہماری عزت کو خراب اور بدنام کرنے کے واسطے کافی ہیں امیدوں پر اعتبار اور یقین کرنے کے واسطے ہمیشہ ہلکا وزن ممکن الوجود اور مزاحم صورتوں اور تبدیلات پر غور کرنی چاہیئے کہ جنکے ظہور اور حدوث سے امیدوں میں فرق اور نیبیل واقع ہو جاتی ہے۔ ان صورتوں کی ہمارے اور واقفیت سے ہم ان نقصانات کے اوٹھانے سے محفوظ رہیں گے کہ جو امید کے اعتبار پر واقع ہو سکتے ہیں۔

سوم۔ خوف۔ خوف کے غلبہ اور ظہور سے بھی انسان اپنے افعال کے اثرات اور نتیجوں کو خیال میں نہیں لاتا۔ انسان کو دو قسم کے خوف لاحق ہوتے ہیں ایک قابل التبدیل۔ اور ایک ناقابل التبدیل۔ قابل التبدیل وہ خوف ہے جنہیں انسان کو کسی اعلیٰ درجہ کی تکلیف کا خیال نہیں ہوتا اور جنکی حالت تبدیل کیجا سکتی ہے۔ ناقابل التبدیل وہ خوف ہے جنہیں انسان کو اعلیٰ درجہ کی تکلیف پہنچنے کا خیال ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے۔ پہلی صورت میں انسان کو مارے خوف کے بے سوچے سمجھے کوئی کام نہ کرنا چاہیئے۔ قبل اتر کرنے کے اپنے فعلوں کے اثرات اور نتیجوں کو وزن کر لینا چاہیئے۔ دوسری صورت میں انسان مجبور اور مقہور ہوتا ہے اس واسطے اگر اس سے کوئی فعل بغیر سوچے سمجھے نہ

سرد ہو جائے تو اختیاری بات نہیں ہے۔ دوسری صورت کا وقوع شاذ و نادر ہوتا ہے مگر پہلی صورت بعض انسانوں کے ایچ بی سی اور مکرر فریب سے کثیر الوقوع ہے جیسا کہ فریبی آدمی خفیت خفیف باتوں سے لوگوں کو ڈراتے ہیں اس سے ان کے یہ غصہ ہوتی ہے کہ لوگ خوف کے مارے بے سوچے سمجھے کوئی کام کر دیں اکثر عیاں آدمی ایک صاف دل اور سادہ طبیعت آدمی کو یہ خوف دلا کر کہ ہمارا عدالت میں یا کسی بڑے آدمی کے ساتھ رسوخ ہے اس بات پر آمادہ کر لیتے ہیں کہ ان کی فرمانبرداری میں رکھ کر بڑے افعال کام تکب ہو یا ان کے ارتکاب سے آغاز اور چشم پوشی کر کے جالاک آدمی ایسی بیڑی جھالیتے ہیں اور نا تجربہ کار ان کے دم میں آکر بے سوچے سمجھے کوئی ایسا فعل کر گزرتے ہیں کہ جب کا اثر اور نتیجہ اس حق میں برکھلتا ہے جو بڑے اثر وں اور بڑے نتیجوں سے محفوظ رہنے کے واسطے مناسب ہے کہ انسان خوف کی حالت اور صورت کو سمجھ لے اور اپنے افعال کے اثر وں اور نتیجوں پر نظر اور غور کر لے بجز اس تدبیر کے اور کوئی تدبیر برے اثر وں یا بڑے نتیجوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کی نہیں ہے۔

چہارم۔ محبت۔ انسان محبت اور الفت کے پھندے میں پھنک رہا ہے اپنے افعال کی آخری اثر وں اور نتیجوں پر غور نہیں کرتا محبت کا پھندا سب پھندوں اور ساری مجبور یوں سے نازک اور فریب دہندہ ہے۔ عام رشتے اور دولت مال سے جو کام نہیں ہو سکتا کہ جو محبت اور الفت کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جب انسان کے سر میں محبت اور الفت کا نشہ چڑھ جاتا ہے تو انسان کو اپنے افعال کے حسن و قبح اور اثر وں اور نتیجوں پر غور کرنا یاد نہیں رہتا یا یہ کہ موقعہ نہیں ملتا اندھا دھند چل جاتا ہے جی میں آتا ہے کہ گزرتا ہے جب محبت کا نشہ دماغ سے اتر جاتا ہے تو ہر انسان ہوش آتے ہیں اپنے فعل وں کو دیکھ کر پشیمان ہوتا اور پچھتاہٹا ہے۔ مگر مشین کوئی

نہیں جاتی دنیا میں سیکڑوں آدمی ایسے ملین گئے کہ جو محبت کے نشہ سے پریشان  
مست و بد حال ہو کر اپنی عورت و ناموس دولت و مال و زر و کیم کو برباد و خراب  
کر چکے ہیں۔ محبت اور الفت بہت اچھی شے ہے مگر وہیں تک جانا کہ عقل اور  
فطرت اجازت دیتی ہے جو محبت اور الفت عقلی اور فطرتی حد اور انداز سے زیادہ ہو  
وہ محبت اور الفت نہیں ہے و بال جان ہے۔ جس طرح بر شراب کے مینے سوانہ  
کی عقل اور ہوش و حواس بحبس اور سن ہو جاتے ہیں اسی طرح محبت کا نشہ کا اثر  
ہوتا ہے۔ ایک ہمارا دوست یکدل یا محبوب بے دل کہہ دیتا ہے کہ یہ کام کہ اور ہم  
اوسکی محبت بہری حکم کے بموجب وہ کام کر گزرتے ہیں جب اوسکا اثر اور متوجہ ہوتا ہے  
تو لینے کے دینے بڑجاتے ہیں ہر ایک انسان کے دل پر محبت کا دو طور ہوتا ہے  
ایک اپنی خواہش سے اور ایک دوسرے کی خواہش سے ان دو طریقوں میں  
کی غلطی کر جانے کا احتمال اور اندیشہ ہے کہسی انسان اپنی محبت کو زیادہ کر کے  
وہ ہوش ہو جاتا ہے اور نشہ کے حالت میں ہو سچے سمجھ جوجی میں آتا ہے کہ گزرتا  
ہے اور کہسی اور لوگ محبت کی تیز شراب نشہ کو لگا کر لاپرواہی کا باعث بنتے ہیں  
دور اندیش وہ انسان ہے کہ جو ان دونوں طریقوں کے پیش آئے ہر احتیاط  
کام کرے اپنے کاموں کے آخری اثر دن اور توجوں کو پہلے سمجھ لینا اپنا انداز  
اور مضبوط شعار بنائے۔ اگر انسان اس طریق عمل پر قائم اور ثابت رہے گا  
محبت اور الفت کے نشہ سے اوسکا دل غرسن میں رہے گا۔

پنجم۔ دشمنی۔ جیسا انسان کے دل پر محبت اور الفت اثر کرتی ہے ویسا  
عداوت اور دشمنی کام کر جاتی ہے فرق اتنا ہو کہ محبت اور الفت کا سیٹھا اور عکس  
نشہ ہوتا ہے اور دشمنی کا نشہ تلخ اور بد مزہ ہوتا ہے جیسے محبت اور الفت میں انسان  
کی عقل اور فطرت پر پردہ بڑھاتا ہے ویسا ہی دشمنی میں احتیاط اور سچ سمجھ پر



حجاب آجاتا ہے دشمنی کی حالت میں انسان کو اپنے فعلوں کی آخری اثرات اور نتون  
 پر غور کرنے کا موقع نہیں ملتا جب دشمنی کی خوش میں کام کر چکتا ہے تو پھر اس کے  
 حسن و قبح کی سوچ بڑتی ہے کہی انسان کے دل میں دشمنی کو خود بخود جوش ہوتا ہے  
 اور کہی اور چالاک اور دلی بدخواہ آدمی اشتعالک کی باعث ہو جاتے ہیں اپنا کام  
 نکالنے یا رسوخ جتانے کے واسطے دشمنی کی آگ کو بھڑکاتے ہیں اور دوسرا آدمی ہم میں  
 آکر بغیر سوچ سمجھ کے کوئی حرکت کر بیٹھتا ہے یا لوگ الگ ہو جاتے ہیں اور اس فعل یا  
 اس حرکت کے برے اثر یا برے نتیجے کو بے واسطے ہی کو برداشت کرنی پڑتی ہیں وانا  
 اور دوسرا اندیش وہ انسان ہے کہ جو دشمنی کی حالت میں اپنے دل کو سنبھالے رکھتا  
 اور اپنے کاموں اور ارادوں اور خیالات کو کرنے یا غماہ کرنے کے پہلے آخری اثرات  
 اور آخری نتون کے معلوم اور دریافت کرنے کے واسطے احتیاط اور دیرینی کے ترازو  
 اور فہم و فراست کے میزان میں وزن کر لیتا ہے۔ دشمنی کی حالت میں ہمارا اپنا دل  
 بھی اور اور اقبال دوست بھی ہم کو اس امر کی تحریک کرے اور جوش دلاتا ہے کہ  
 فلان کام کرنا چاہیے فلان نہ کرنا چاہیے فلان امر ہر بات فلان امر اچھا ہے اس شخص  
 اور جوش دلانے کے وقت ہکو غور اور فکر کو جواب دینا لازم نہیں ہے دورانہ نشی اور  
 احتیاط اور عدالت سے اپنی دل کے خیالوں اور اقبال دوست لوگوں کی تحریکوں کو  
 دیکھنا اور وزن کرنا چاہیے اس عہد دستور العمل کے اختیار کرنے سے ہم اپنے فعلوں  
 کو مفید طور پر استعمال میں لاسکیں گے اور صدور اغلاط سے مامون اور محفوظ رہیں گے۔  
 ششم۔ تقلید۔ تقلید سے بنی انسان اپنے کاموں اور ارادوں اور خیالات  
 آخری اثرات اور نتون پر غور اور نظر کرنے سے رہ جاتا ہے۔ ان باب یا دوستوں  
 اپنے بیگانے کو ایک کام کرتے دیکھتا ہے اور سے نقش قدم پر آپ چل نکلتا ہے اور کچھ  
 خیال اور حیلان نہیں کرتا کہ اسکا اثر اور نتیجہ میرے حق میں کیسا نکلیگا اور کیا میں اسکا

ایسے آدمی لینے کے کہ جنکی عورت اور ننگ و ناموس کے تاج کو بجا تعلید کے آنہری نے اڑا کر  
 وادیہ اوبار اور دشت شقاوت میں پھینک دیا ہے انسان کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے  
 کہ وہ اور انسانوں کے ساتھ ریس کرتا ہے اگرچہ ریس کرنا انسانوں کے حق میں مفید ہے  
 مگر جب اسکو برے اصولوں پر استعمال کیا جاتا ہے تو انسان کے حق میں اس سے  
 زیادہ تر خراب اور کوئی شے نہیں ثابت ہوتی۔ ریس کرنے کے وقت بھی اکثر انسان  
 اپنے آپ میں نہیں رہتے۔ بے سوچے سمجھے من بھاتی کر گزرتے ہیں انسان کے  
 دانائی اسیم ہے کہ ریس کرنے کے وقت اپنے کاموں اور فعلوں کے اثر و اثر  
 کو دیکھ بھال لے ممکن ہے کہ جس کام کے ہم ایک دوسرے انسان کے ساتھ ریس کرتے  
 ہیں وہ اس کے حق میں مفید ہو اور ہمارے واسطے مضر ہو۔ کام کرنے کے پہلے ہر  
 یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اسکا آنہری اثر اور نتیجہ ہمارے حق میں کیسا ہوگا۔

ہفتم۔ طمع۔ جب انسان کو طمع و انگیر ہوتی ہے تو سوچ سمجھ اور قیاس و فکر سے  
 اسکی آنکھیں بند اور دل و دماغ بے حس اور شن ہو جاتے ہیں اپنے افعال کے  
 اثر و اثر و نتیجہ پر اعتلا غور اور فکر نہیں کرتا۔ اسکا علاج سوا اس کے اور کچھ نہیں  
 کہ انسان طمع سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھے۔ اپنے کاموں اور فعلوں پر غور  
 نہ کرنے کے اسباب اور وجوہات اگرچہ بہت ہیں مگر ہم صرف انہیں سات وجوہات  
 پر کفایت کرتے ہیں وانا آدمی ان وجوہات کے ذریعہ سے اور وجہیں ہی نکال سکتا ہے  
 افعال خفیہ النتائج وہ ہیں جنکے اثر اور نتیجہ پوشیدہ یا شبہ الصدوت ہوتے ہیں  
 انسان ایسے فعلوں کے کرنے سے اپنے ذہن میں کوئی مخصوص اور قطعی نتیجہ قائم  
 نہیں کر سکتا۔ اشتباہ ہی رہتا ہے گو ہم افعال خفیہ النتائج کے اثر و اثر  
 و نتیجہ کو صاف طور پر معلوم نہیں کر سکتے مگر اس میں کیا شک ہے کہ اگر ہم ان افعال  
 کی بابت بھی غور اندیشی اور احتیاط سے کام لیں گے تو اثر اور نتیجہ مفید ہو جائے گا

ٹھیکہ کا حکم اپنا یہ دستور اعلیٰ بنانا چاہیے کہ ایسے افعال اور ارادی ہی غور اور فطرت  
خالی نہ رہیں۔

### تدبیر

انسان کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جب اس کو کوئی کام یا کوئی وقت یا کوئی مشکل مل آتی  
ہے تو اس کے حل کرنے کے طرف دوڑتا ہے جو بات یا جو صورت مفید دیکھتا ہے اس کو  
حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو اپنے مضر ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ تلاش اور جستجو  
کرتا ہے کہ کوئی ایسا راستہ نکلتے کہ جبکہ ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچ جائے یا مقدمہ  
بیش آمد کو حل کر لے۔ انسان ہر جب ابر چھا جاتا اور بدلیاں آتی ہے تو اس کا  
خوف ہے کہ شاید بیچ بربست ہم اپنے اپنے گھروں کو کام کاج چھوڑ کر دوڑتے اور اپنے  
گھروں کی چھتوں اور دیواروں کو دیکھتے ہیں جو جگہ اور موقع لائق مرست ہوتا ہے  
اور کامرست کر دیتے ہیں ہم جب کہی راہ چلتے چلتے سن پاتے ہیں کہ اور راستہ میں  
ایک اثر دار ہوتا ہے تو اس موقعہ خاص سے جہاں اثر دہر کا نشان دیا جاتا ہے چپکے  
چپکے گذر جاتے ہیں۔ جب سستے ہیں کہ گاؤں میں کوئی گٹا دیوانہ ہو گیا ہے تو گھر سے  
نکلنے کے وقت ہاتھ میں موٹی سی لاکٹی لے لیتے ہیں جب سردی کے موسم میں بخند  
ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو ڈبل اور موٹا گرم کپڑا پہن لیتے ہیں جب گرمی لگتی ہے تو ڈبل  
اور سرد کپڑا پہن لیتے ہیں جب دھوپ لگتی ہے تو سایہ بین ہوٹے ہیں جب سردی  
لگتی ہے تو سایہ ہوا ٹھک دھوپ میں جا کھڑے ہوتے ہیں جب ایک فنڈ سے لڑکے کو بھوک لیا اس کی  
توانا پاسے مخصوص اشاروں یا کلاموں میں کی یا پانی دگتا ہے جب کسی عضو میں درد یا زحمت  
کسی کسی حرکت یا اشارہ سے ظاہر کرتا ہے۔ انسان کے اس طبعی امر یا طبعی خاصہ کو ہم کہتے ہیں  
اہم یا طبعی خاصہ صرف خاص خاص انسانوں سے ہی مخصوص نہیں ہے تمام انسانوں میں  
یہ ایک کی پیدائش ہوں فطرۃً موجود ہر انسان کی طبعیت میں مختلف ہے۔

اس خاصہ میں اختلاف پایا جاتا ہے قدرت نے اس خاصہ کو سارے انسانوں میں ایک مقدار اور ایک وزن کا پیدا نہیں کیا کسی میں زیادہ ہے اور کسی میں کم کسی میں جستہ اور مضبوط اور کسی میں ذرا کم زور اور طاقت۔ اگرچہ باعتبار وزن اور طاقت کے یہ خاصہ مختلف ہو مگر بلحاظ وجود کے مختلف نہیں ہے جیسا ایک عالم فاضل کی ذات میں پایا جاتا ہے ایسا ہی ایک جاہل کو حاصل ہے جیسا یورپ کو لوگوں کی طبعیتوں میں موجود ہے ایسا ہی ایشیا والوں کی طبعیتوں میں فخر و دلچیت کیا گیا ہے خداوند کریم نے اس عجیب اور نادر خاصہ کو انسان کی طبعیت میں اس واسطے دلچیت کیا تھا کہ انسان اوسکی مدد اور ذریعہ سے دنیا میں چند روزہ کراپنے عزیز زندگے کو مضبوطی اور سہولتی اور سہولت سے بسر کرے مگر افسوس ہے کہ بعض آدمیوں نے اس خاصہ کے استعمال کو یا تو بالکل چھوڑ دیا اور ایسے طور پر استعمال کیا کہ دلچیت کے غرض فوت ہو گئی۔ دلچیت ازلی کی غرض یہ ہے کہ انسان اس خاصہ یعنی قوت مدبرہ کے ذریعہ اور مدد سے اپنے کاروبار اور حمت کو انجام دے۔ غلطی پر کرنے یا غلط استعمال سے بجائے اسکے کہ انسانی کاروبار اور حمت سہولت اور خوشحالی سے انجام پائیں قسم قسم کے نقصان اور تکلیفیں نمودار ہو کر انسان کے رنج اور کد کا باعث ٹھہرتے ہیں۔ اس خاصہ یعنی تدبیر کے بابت انسانوں میں دو قسم کے غلطیاں پائی جاتی ہیں ایک قسم کا نام ہستمالی غلطیاں ہیں اور دوسرے قسم کو غلطیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

قسم اول اغلاط استمالیہ ہر ایک رت میں فائدہ بخش ثابت ہوتی ہے کہ جب اوسکو ٹھیک ترتیب سے اسے اگر ترتیب کو چھوڑ دیا جاوے تو بہر فائدہ کی امید رکھنا اپنے آپ کو ہے قوت مدبرہ جو خداوند کریم نے انسان کو عطا کیا ہے۔ اسے اوسے صورت میں

ساتھ عمل میں لایا جائے۔ اگر عملی ترتیب میں فرق آجائے تو بجائے مفید ہونے کے  
ضرر ثابت ہوتی ہے بعض اوقات بدبرہ کو اس حال میں ضرر دیکھتے ہیں مگر اس کے  
استعمال کے جو حلی اصول اور طریقہ ہیں ان کو یاد تو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے اور بالکل  
اصولوں سے لاکر عمل نہیں لاتے ہیں۔ قوت بدبرہ کے نتیجہ میں اس حال کے میں اصل  
وقت۔ مقدار۔ نتیجہ۔ جب تک ان تینوں اصولوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تب تک  
تدبیر ٹھیک نہیں اور ترقی بہت دقت پیدا ہو جائے گی کہ ہم ایک تدبیر کرتے ہیں مگر اس کے  
کاٹھ دیکھتے ہیں اس کا بھی باعث ہوتا ہے کہ تدبیر کے فقدان اصولوں میں سے کوئی  
نہ کوئی اصول رہ جاتا ہے۔ اگر تینوں اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے تو غلطی کا خطر  
قرب قریب شکل کے ہو جاتا ہے۔ تدبیر کے صحیح استعمال کے واسطے وقت کے محفوظ  
رکھنے کی بھی نہایت ضرورت ہر وقت کے یا نہ محفوظ رکھنے سے تدبیر کے سلسلہ میں ایسی  
اتبری پڑ جاتی ہے کہ بجائے فائدہ حاصل کر کے قسم قسم کے نقصانات اور ٹھانی پڑتے  
ہیں۔ گو تدبیر کیجاتی ہے مگر چونکہ اس کا وقت گزرتا ہے اس واسطے اس کا اثر  
اور نتیجہ ظہور میں نہیں آتے۔ تدبیر کو مفید اور صحیح نتیجہ دینے کے واسطے بدبرہ  
اور لازمی ہے کہ وقت کو ملحوظ اور مد نظر رکھے قحط کے دنوں میں انسان یہ تدبیر کرنے  
ہیں کہ غلہ جمع رکھتے ہیں اور اس کو کفایت اور احتیاط سے برتتے ہیں اگر کوئی شخص  
برخلاف اس عمدہ تدبیر کے قحط کے جمع نہ کرے یا اس کو کھائیے نہ برتے  
تو اس کو کئی ایک تکلیفوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ وقت پر تدبیر کیجاتی تو تکلیف اور  
نقصان نہ اور ٹھانا پڑتا ایک گورنمنٹ کو۔ ہم میں چند شریر اور مفسد آدمی  
جمع ہو کر گورنمنٹ کے مقابلہ کی طیاریاں کرتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ بغور سنیں  
غصہ انگیز خبر کے اور جماعت کو منتشر کرے اگر اس مفید جماعت کو  
کی کوشش نہ کی جاوے گی تو ملک میں فساد مہموم ہو جائے گا۔

کیجا سکتی ہے مگر جو اثر اور زور پہل وقت کی تدبیر میں ہے وہ پچھلے میں نہیں - سطح  
 تدبیر کے صحیح استعمال کے واسطے مدبر کو وقت کی پابندی ضروری ہے اس سطح پر مقدار  
 تدبیر کا ملحوظ رکھنا اور ایجابات سے ہے۔ جیسے ہر ایک کام کا مقدار اور پیمانہ ہوتا ہے  
 ایسے ہی ہر ایک کام کی تدبیر کا وزن اور پیمانہ مقرر یا مخصوص ہوتا ہے مثلاً ایک جنگ  
 میں ہمیں محاصرہ میں اگر دشمنوں کی توپوں کے زور اور تشہبازی سے بچنے کے واسطے  
 دندمون اور حفاظتی پناہ کا بنانا ضروری ہے تو دوسرے اور حفاظتی پناہ اور سیقت  
 تک فائدہ بخش نہون گئے کہ جب تک اوکو ٹھیک اور نیک پیمانہ اور مقدار پر طیارہ نکلا  
 علیٰ ہذا القیاس اگر ہم ایک مریض کے نب کے علاج کی تدبیر کریں تو ہکو ایک خاص  
 پردواؤں کو استعمال کرنا پڑیگا اگر مقدار کو ترک کر دیے تو پ دور کر کے کرتے کسی اور  
 بد میں پھنس جائیگے تدبیر کی صحت کے واسطے تحفظ بھی ضروری ہے بسا اوقات ایسا  
 ہوتا ہے کہ ہماری تدبیر میں عدم تحفظ سے بالکل ناگیاں جاتی ہیں بہت سی تدبیریں  
 اس قسم کی ہیں اور کئی تدبیریں ہوتی ہیں اور بہت سے اس قسم کے ہیں کہ  
 ان کے اظہار سبب ہوتا ہے ان دونوں صورتوں کے ثابت اور قائم رکھنے سے تدبیر  
 کے سلسلہ میں نااطمی بنیں پڑتی مگر ان صورتوں کو ملحوظ رکھنے سے انسان گردابی  
 میں غوطے کمانے لگتا ہے تحفظ کے واسطے بھی وقت اور مقدار کی ضرورت ہے بعض  
 تدبیریں اس طرز کی ہوتی ہیں کہ ایک وقت میں ان کا اخفا ضروری ہوتا ہے اور ایک  
 وقت میں اظہار۔ اور علیٰ ہذا القیاس مقدار کی کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے ان دونوں  
 صورتوں پر مدبر کو غور اور نظر کر لینا چاہیے۔

تحفظ کو صرف کسی تدبیر کے اختفا یا اظہار میں ہی دخل نہیں تدبیروں کے اسباب اور  
 وسائل کی ترتیب اور قائم رکھنے میں بھی دخل ہے کوئی ایسی ترتیب نہیں جو کہتے ہیں کہ  
 وسیلوں سے مرکب ہوا ان وسیلوں یا سببوں کے واسطے ہی تحفظ کی ضرورت ہے

قسم دوم اغلاط کلیہ اکثر اشخاص کا یہ خیال ہے کہ تدبیر بذاتہ کوئی شے نہیں ہے اور اگر بالفرض ہے ہی تو انسان بہ سبب اپنی کلیت مجبوری کے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا بعض لوگوں کا یہ خیال عقل اور دور اندیشی سے کوئوں دور ہے اول انکو اس بات پر خیال کرنا چاہیے کہ انسان کی طبیعت ہی میں تدبیر کا خاصہ پایا جاتا ہے اگر وہ اپنی ذات پر خیال کرینگے تو روز روشن کی طرح اوجھن معلوم اور دریافت ہو جائیگا کہ تدبیر کا خاصہ اور قوتوں کی طرح خاصہ اپنی طبیعت میں ہی موجود ہے۔ دل میں ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ انسان اس خاصہ کو عمل میں لاتا ہے کہانا پکانا۔ اور کہانا پینا۔ کم و زیادہ گھر کے کاموں کو انجام دینا وغیرہ تدبیر ہے کا اثر اور قیجہ ہی قیجہ ہے کہ ہم تدبیر سے تو انکار کرتے ہیں مگر او۔ کو اپنی عمل میں روز لاتی ہیں اس انکار کے سوا سہ اسکے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم تدبیر کے سنون اور تعریف کو نہیں سمجھتے۔ بعض انسانوں کا یہ خیال ہے کہ تدبیر سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ انسان مجبور ہے بالکل کمزور اور نقص ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر انسان قدرت بالکل مجبور ہوتا تو قدرت اسکو تدبیر کا خاصہ ہی نہ بخشی جب ہم فی حد فہم محصور ہی ہیں تو پھر ہماری طبیعتوں میں خاصہ تدبیر کی ولایت کرنے کا کیا فائدہ ہے ایک طرف سے تو قدرت نے ہماری طبیعتوں میں تدبیر کا خاصہ رکھ دیا ہے اور دوسری طرف سے ہمیں محض مجبور بنا رکھا ہے اس میں قدرت کی کمزوری اور نقص ظاہر ہوتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ قانون قدرت میں کوئی نقص اور کمزوری نہیں ہی معلوم ہوا کہ ایسے فصول خیالات انسان کی کم اندیشی اور جہالت اثر ہیں یہ خیال کہ انسانوں کو تدبیر سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ بالکل مقہور اور مجبور انسان کے دل میں یہ خیال دو طرح سے پیدا ہوتا ہے ایک ذاتی ناکامیابیوں اور مایوسیوں سے اور دوسرے اوروں کی ناکامیابیوں اور مایوسیوں سے دیکھ کر بعض ایک آدمی جو کسی مدعا یا امراد کے حصول کے واسطے کوئی تدبیر کرتا ہے تو وہ تدبیر رائیگاں

جاتی ہے اس سے اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ تدبیر و حقیقت کوئی شے  
 یا کوئی خاصہ نہیں ہے یا یہ کہ تدبیر سے انسان کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ  
 محض مجبور ہے یہ انسان کا دستور اور معمول ہے کہ ناکامیابی اور مایوسی کے وقت ظن  
 ہو کر اس کو سبیلہ یا ذریعہ کے جسکے کرنے یا نکل میں لانے سے اس کو ناکامیابی یا مایوسی  
 حاصل ہوتی ہے نفی کرنے پر طیار ہو جاتا ہے انسان کو صرف اس واسطے ہی مایوسی اور  
 ناکامیابی کا مقابلہ نہیں کرنا پڑتا کہ تدبیر فی حد نفسہ کوئی شے نہیں یا اس کے عمل میں  
 سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں مایوسی ناکامیابی کا مضبوط اور اکثر یہ سبب ہے کہ تدبیر  
 ترکیب یا ترتیب ٹھیک نہیں اور نئی مایوسی یا ناکامیابی کے وقت حکم تدبیر کے نفی  
 کرنے پر مستعد اور آمادہ ہو جانا چاہیے اور مزاحم اسباب اور وسائل کو دیکر ناچار  
 کہ جو اس ناکامیابی اور مایوسی کا موجب ہوئی ہیں تدبیر کے پے اثر ہونے کے وہ ہی  
 ٹلاٹھ (یعنی وقت و مقدار تحفظ -) مذکورہ المصدر اسباب میں ان کی کمی یا زیادتی  
 سے نتیجہ برعکس ظاہر ہوتا ہے اگر ان ٹلاٹھ اسباب کی حالت میں تغیر و تبدل نہ ہو  
 تو تدبیر کے نتیجے اور اثر حسب مراد نکل سکتے ہیں ہم تدبیر کے سلسلہ کو اس صورت میں  
 انسان کے حق میں غیر مفید اور ہیچ خیال کر سکتے ہیں کہ جب اس کی ترتیبی امور اور ضرور  
 اصول مسطورہ المصدر مد نظر اور ملحوظ نہ رکھے جائیں افسوس ہے کہ ہم تدبیر و دن کے  
 ضروری اصولوں کو ملحوظ تو خود نہیں رکھتے اولیٰ تدبیر و دن کو لاشعے اور تیج قرار دے  
 ہیں ہمارے اپنی ناکامیابیوں اور مایوسیوں تدبیر و دن کے محض بیج اور لاشعے ثابت  
 کرنے کے واسطے کافی نہیں ہیں اگر ہم ان ناکامیابیوں اور مایوسیوں کے سببوں  
 پر غور کریں گے تو ہسانی کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ تدبیر و دن کو اچھے اصولوں اور  
 جیسے ہی اور فی استعمال نہیں کیا گیا اگرچہ آپ ہی اپنی غلطی کو دریافت اور معلوم  
 کر لیں اور حدی اور و شعلہ ہے مگر اگر ہم اپنی طبیعتوں کو اس طرف متوجہ کریں گے تو سہو



ہو جائیگی۔ جب کہی ہم اور لوگوں کو مایوسی یا نا کامیابی اوٹھاتے اپنی آنکھوں میں دیکھتے  
 یا کسی سے سنتے ہیں تو ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود تدبیر کرنے کے  
 غلام شخص اپوس اور نا کامیاب رہا ایسے سماعی یا عمری واقعات سے ہم یہ نتیجہ نکال  
 لیتے ہیں کہ تدبیر کوئی شے نہیں یا یہ کہ اوس کا کارنا کرنا برابر ہے۔ مگر یہ تو فی الحقیقت  
 موجود ہوتے ہیں اور انہیں کوئی غلطی نہیں ہوتی مگر ہمارے کم اندیشی اور سرسری نظر  
 اور عدم توجہ حقیقت کو چھپا دیتی ہے اگر ہم نفس الامر پر غور اور نظر کرتے تو اس نتیجہ  
 پر ایک سہولت سے پہنچ جاتے کہ بعض انسان کی مایوسی اور نا کامیابی کا باعث  
 کوئی لغزش یا غلطی ہے اگر وہ اغزش یا غلطی نہ ہوتی تو بجائے نا کامیابی کے کامیابی  
 حاصل ہوتی قطع نظر ان سب باتوں کے بلکہ اپنی روزمرہ کاموں اور امور اور  
 معاملات پر غور کر کے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیوں کر انجام پاتے ہیں غور کرنے سے معلوم  
 ہو جائیگا کہ اونسکے پورا ہونے یا کرنے اور انجام پانے یا کرنے کا کوئی نہ کوئی سبب اور  
 باعث ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ تدبیر کا وجود مختلف سببوں اور بواعث سے مرکب  
 ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ انسان کے اکثر کام اور روزمرہ کے معاملات مختلف  
 تدبیروں سے انجام پاتے اور پورے ہوتے ہیں جبکہ انسان کو بہت سے کام اور معاملات  
 تدبیر سے ہی انجام پاتے اور پورے ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ تدبیر کوئی شے ہے اور یہ  
 وہ انسان کے حق میں قائم و دائم ہے۔ اگر قبول بعض کم اندیش انسانوں کے مقدمہ  
 کوئی شے نہ ہوتی یا یہ کہ اونسکا وجود انسانوں کے حق میں قائم و دائم نہ ہوتا تو انسان کا  
 کوئی کام اور معاملہ بھی تدبیر کے ذریعہ اور زور سے بوجہ الاحسن انجام پذیر نہ ہوتا۔  
 یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم اپنے یادہ سرے آدمیوں کے مایوسیوں اور نا کامیابیوں کو  
 تدبیر کے لاشے یا غیر مفید ہونے کے واسطے ایک حجت اور دلیل گردانتے ہیں تدبیر کا  
 وجود تو بلا شک و شبہ ثابت اور انکارنازک کے حق میں مفید ہے مگر غلطی پڑ جانے سے اس کی

حالت اور نور میں ضرور فرق اور انقلاب آجاتا ہے سو یہ بات تدبیر کے الغلام کے استغناء اور مستلزم نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ انسان بعض وقت جو باوجود صحیح تدبیر کے ناکامیاب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کی تدبیر و تدبیر میں کوئی فائدہ بخش اثر نہیں ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ضرور انسان بعض ذلت باوجود تدبیر کے ایسے اور ناکامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی پیشین جاتی اور یہ صورت صرف عام لوگوں کو ہی پیش نہیں آتی بڑے بڑے دوراندیش اور محتاط اور عقیل و فہیم لوگ بھی کبھی کبھی اس مرض اور بلا میں گرفتار ہو کر ٹھٹھکی کھاتے ہیں۔ ایک نہیں سو دفعہ کوشش کرتے ہیں مگر سوائے فسرندگی اور ناکامیابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ایسی صورتیں شاذ و نادر نہیں ہیں ہزاروں زندہ نظیر پائے جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں باوجود صحیح تدبیر کے انسان کی ناکامیاب ہو جانے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کسی ایسی غلطی سے جس کا کئی ایک بوجھت سے اس کو علم نہیں ہوتا اپنے تدبیر یا اس تدبیر کے افراد اور اجزاء کو صحیح سمجھتا ہے یا کہ اپنی ناکامیابی کے وجوہات اور اسباب کو دریافت اور معلوم یا دور نہیں کر سکتا اور جو سے ہی انسان کو مختلف تدبیروں کے استعمال سے مختلف ناکامیابیوں اور مایوسیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی انسان ایسی مایوسیوں یا ناکامیابیوں کے وجوہات اور اسباب کو دریافت اور معلوم کر لیتا ہے اور کبھی ان کے دریافت اور ادراک سے بچتا ہے دوسرے بڑی بہا عالم ہوں اور آوریہ وجہ ہے کہ صحیح تدبیروں کی عزائم اور دوسروں کے واسطے ایسے کے فائدہ ہوا ہو جاتے ہیں کہ جو انسان کے حیطہ قدرت اور حیرت اختیار سے باہر ہوں اور کاو قعی یا اکثر احیران و پریشان ہو کر دیکھتا اور نگتا ہے کوئی پیش نہیں جاتی یہ حیطہ اعلیٰ اور عظم اور ہو چکا ہے سو چکا کچھ ہے اور ظہور میں کچھ آتا ایسی پریشانی ہر دفعہ اور حد میں انسان خود بھی استمد لال کرتا ہے کہ میں مجبور محض ہوں

اور علیٰ ہذا القیاس اور انسان خیال کرتے ہیں یہ اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک  
 پہلی اور ایک خفی۔ پہلی تو وہ ہیں کہ جب کو کسی نہ کسی طرح یا کسی نہ کسی وقت درپا  
 اور سلام کیا جاسکتا ہے اور خفی وہ ہیں کہ جو اور اک اور دریافت سے رجحانے ہیں  
 ایسے مزاحم اسباب کو عرف عام میں تقدیر یا تقدیر یا شکی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں  
 ان دو وزن وجہوں کی مزاحمت سے یہ لازم نہیں آتا کہ تدبیر فی نفسہ کوئی شے نہ ہو  
 یا یہ کہ تدبیر سے انسان کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا ہو تدبیر کا کچھ تصور نہیں ہے  
 مزاحم وجہوں کے حدوث اور وقوع سے فرق آجاتا ہے جو تدبیر کے لاشعے یا بیج ثابت  
 کرتے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ دو صورتیں یا جو اسباب کہ ہمارے یہ حیلہ اختیار  
 اور خیر وقت سے ہرگز اور جنگی مزاحمت اور ظہور وقوع کو کسی صورت میں ہم  
 روک نہیں سکتے اور کم حدث سے تدبیر کی حقیقت یا ضرورت یا افادت میں کوئی مکرور  
 اور فرق نہیں آتا تدبیر کی اڑین اسی حالت میں مراو کے اسٹیشن پر پہنچ سکتی ہے  
 کہ جب اس کے راستہ یا ٹرک میں کوئی روک اور مزاحمت نہ ہو جبکہ اس کے راستہ میں ایک  
 بیماری روک اور مزاحمت حائل اور لاحق ہو تو پھر اس کے ذریعہ سے نتیجہ منو کیونکر حاصل  
 یا پیدا ہو سکتا ہے۔ اور کیونکر ہم تدبیر کے انفی کر سکتے ہیں ہاں اگر ہماری تدبیر میں ہلاکت  
 اور رکاوتوں کے ناکافی اور کمزور ثابت ہوں تو پھر ضرور یہ مسئلہ لال کیا جاسکتا ہے کہ  
 فی الواقع تدبیر کوئی شے نہیں اور نہ اس سے انسان کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے  
 جو مزاحم اسباب اور رکاوتیں (عام اس سے کہ ہکو اور ماری کہ نہ یا نہی) جاری تدبیر  
 کو ناکافی اور لاشعے اور کمزور ثابت کرتے ہیں اور ہم کو اور اسباب سے یہ نہیں آسکتے  
 دیشیں وہ ہماری قدرت اور اختیار سے باہر ہوتی ہیں نہ تو انسان اور وہی سلسلہ  
 خدا سے لایزال کے یہ قدرت ہیں (بجائے اسکے کہ وہ تدبیر کوئی شے نہ ہو) (مطلقاً)  
 ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ ایسے مزاحم اسباب اور رکاوتیں اور حیلہ اختیار کے کثرت کو ہم

میں تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں ایسے مزاحم اسباب اور قدرتی برکات و بھون کے وقوع یا پیش آنے سے (جنگو ہم دور نہیں کر سکتے اور نہ وہ ہمارے اختیار میں ہیں) ہکو تدبیر کے نئی نگرانی چاہیے اس میں خاصہ تدبیر کا کیا تصور ہے جب قدرتی مزاحمتیں اور ترکاؤں میں حامل ہو گئیں تو بہر تدبیر کیونکر مفید یا حسب مراد ثابت ہو سکتی ہوگا شتکار لوگ کہیتوں کو درست کر کے غلبہ دیتے ہیں مگر بارش کے وقت ہونے سے حسب مراد فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع کہیتی کرنے کی تدبیر لاشعے یا مچھڑیہ برسنایا برسانا غریب کاشتکاروں کے اختیار میں نہیں ہوتا ہاتھ سے سلسلوں سے تعلق ہے قدرتی سلسلوں پر انسان کو کچھ اختیار نہیں ہے جسطرح ہر ایک کاشتکار مینچھ کے نہ برسنے سے کہیتی بونے سے میزار اور متفرق نہیں ہوتا اس طرح تمام انسانوں کو اور قدرتی اسباب اور مزاحمتوں کے وقوع اور پیش آنے سے تدبیر کے ضروری اور طبعی سلسلہ کو ترک نہ کرنا چاہیے قدرتی اسباب کا مزاحم اور حامل ہو جانا ایک اتفاقی امر ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تدبیر کا خاصہ بذاتہ کوئی شے نہیں ہے ہماری طبیعتوں کی حالت اور کارروائیاں ہی اس بات پر گواہ اور شاہد ہیں کہ تدبیر کا وجود ہے اور انسانوں کی ضرورتوں اور کاموں میں اس کو بہت دخل حاصل ہے دورانہ پیش اور وانا وہ انسان ہے کہ جو اپنے ہر ایک ضرورت اور کام کو تدبیر صائب سے انجام دیتا ہے اور تدبیروں کے ناکافی ثابت ہونے سے مضطرب اور دل برداشتہ نہیں ہوتا۔

### توکل

انسان کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ ایک کام کر کے یا کسی ارادہ یا صورت یا شکل یا ہیئت کے عمل یا ظاہر میں لاکر یا کسی خیال کو پیدا کر کے اس کو حسب مراد نتیجہ یا اثر کا باعث بنانے کا خاص قسم کی امید یا بھروسہ اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے جب یہ امید یا بھروسہ خاص

اپنی ذات پر ہوتا ہے تو اس وقت اسکو وصلہ - تہمت - برہاری - سے تعبیر کرتے ہیں اور جب کسی اور ذات سے مربوط اور متعلق ہوتا ہے تو اس حال میں اسکو میلان یا مہربانی یا شفقت کہتے ہیں۔ اور جب خالق موجودات اور موجود کائنات خدا و کرم کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے یا بن اعتبار کہ خداوند کریم عم نوالہ وجل جلالہ علت لعل مسبب الاسباب مقلب الامور اور قادر مطلق ہے تو اس صورت میں اسکو توکل کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان تینوں جدا جدا صورتوں کا وقوع اس حالت میں ہوتا ہے کہ جب کوئی کام کیا جائے کام کرنے کا لفظ اس مضمون میں جہان بطلاق کیا گیا ہے اس سے با ترتیب اور باقاعدہ کرنا مراد ہے عام اس سے کہ وہ کام کسی قسم سے ہو بلا کرنے کام کے ان صورتوں کا حدوث اور وقوع دشوار اور ناممکن ہے پہلی دو قسموں اور صورتوں کے بابت انسانی جماعتوں میں استقدر غلطیاں اور کمزوریاں نہیں ہیں کہ جتنی تیسری قسم کی نسبت غلطیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں انہوں نے جہاں تک ترقی کی اور زور پکڑا ہے کہ اوپر اعتقاد یا عمل کرنے سے اکثر انسان طرح طرح کی اذیتیں اور مختلف تکلیفیں اٹھا چکے ہیں اور اٹھاتے ہیں۔ تیسری شق اپنے توکل کے نسبت بعض لوگوں کے پہلی اور بڑی بیماری یہ غلطی ہے کہ انہوں نے توکل کے معنوں اور اصلی مفہوم کو نہیں سمجھا یہی باعث ہے کہ بجا سے فائدہ اٹھانے کے مختلف نقصان اور ناکامیاں بیان اور مایوسیوں اٹھتا رہے ہیں اکثر لوگوں کے نزدیک توکل سے صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا یا کوئی کام نہ کرنا مراد ہے اور اکثر انہوں نے کسی کام کے اندھا دھند یا بلاقاعدہ اور بلا ترتیب کرنے کا نام توکل رکھا ہے۔ اور اکثر لوگ کسی کام کو آبا و اجداد یا کسی اور کی پیروی اور تقلید سے کرتے ہیں حالانکہ وہ پیروی اور تقلید موجب اور مدلل نہیں ہوتی اور اصول یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کانوں کے ناوبر توکل میں چلتی ہے علی ہذا القیاس اور یہی

قسم تا اولین یا خیالات ہیں۔ میری سمجھ میں ایسے خیالات یا تاویلون سے کوئی خیال یا تاویل ہی اس قابل نہیں کہ اوسکو توکل کے صحیح معنوں یا حقیقی مفہوم پر مضمحل کیا جائے۔ ایسا ہر ایک خیال یا تاویل بجائے خود مخدوش اور غلط ہے۔ توکل کے صحیح اور مسلم سے اور مفہوم تو وہی ہے کہ جسکو ہم نے ابتدائی سطرون میں بیان کر دیا ہے اوسکو سوائے حقیقہ مسائلہ اور صورتیں ہیں وہ سب اپنے اپنے رايون یا فرضی اجتہادات کا نتیجہ اور اثر ہیں ایسے معانی اور فرضی صورتیں انسانوں کے دلوں میں مختلف طریقوں سے پیدا اور ممکن ہو جاتے ہیں میری رائے ناقص ہیں ایسی رايون اور فرضی اجتہادوں کے پیدا ہونے اور ممکن کے عموماً یہ سبب ہوتے ہیں۔ کمالی سستی، سستی غری۔ بیکاری۔ بے ہنری۔ بچا پیروی۔ جب یہ باتیں اور سبب انسان کی ذات میں پیدا ہو جاتی ہیں تو انسان توکل کے فرضی اور وہی صورتوں پر یقین واثق کر لیتا ہے اور اپنے دل میں ٹھان لیتا ہے کہ اس فرضی توکل کے وسیلے سے میری عزیز زندگی کا باغ اور چین شاداب اور سرسبز رکھ کر حسب مراد پھل دیگا اور پر کے ہرچہ سببوں یا صفتوں کا یہ لازمی خاصہ ہے کہ اوسکے ظہور یا حدوث سے انسان کا دل ایسی باتوں اور کاموں کی طرف رغبت اور میل کرتا ہے کہ جو بالطبع اوس مرکز پر جا ٹھہرتے ہیں کہ جو فرضی توکل یا فرضی توکل کے قریب قریب ہوتا ہے اور مستند نہ گورہ تو فرضی توکل کی صورت کو پیدا کرتے ہیں اور توکل کی اصل مفہوم اور غرض کی نادانیت اوس فرضی توکل پر انسان کو ثابت اور قائم رکھتی ہے اگر انسان توکل کے صحیح معنوں اور اصلی مفہوم سے واقف ہو تو فرضی توکل کے اعتبار اور ایقان سے بچ سکتا ہے اکثر لوگ توکل کو فرضی اور نقصان معنوں پر اس واسطے ماننے لگ جاتے ہیں کہ وہ اوسکی اصلیت اور حقیقت پر غور اور نہیں کرنے اگر اوسکی اصلیت اور حقیقت پر غور اور فکر کر لیں تو مصنوعی یا غیر طبیعی کے ماننے سے بچ جائیں یا غیر طبیعی توکل اور مصنوعی یا غیر طبیعی توکل میں بہت

فرق ہے طبعی یا غیر مصنوعی توکل سے انسان کی عزیز زندگی کو کوئی ضرر اور کسی قسم کا نقصان اور تکلیف نہیں اٹھانے پڑتے اور نہ وہ قانون قدرت اور خدا کی پیدائشی سلسلہ کے مخالف اور متباہن ہے۔ مصنوعی یا غیر طبعی توکل پر عمل کرنے سے انسان کو اپنی عزیز زندگی میں مختلف قسموں کے ضرر اور نقصانات اور تکلیفیں اور عسائی برطانی ہیں اور وہ قانون قدرت اور شیت ایزوی اور خدا کی پیدائشی سلسلہ اور خود بنا کی بناوٹ اور ساخت کے مخالف اور متباہن ہے۔ اصلی اور فرضی توکل میں ایک بھی فرق ہے کہ اصلی توکل ایک کام کرنے کے بعد انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور فرضی توکل کرنے کا ہی عمل میں لایا جاتا ہے۔ پہلی صورت عین قدرت کے موافق ہے اور دوسری قدرت کے مخالف۔ اس امر کو بڑی مضبوطی سے ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگرچہ خداوند کریم قادر مطلق ہے مگر اس کے کام اور ارادے بے قاعدہ اور بے اصول نہیں ہیں اور سکا ہر ایک کام اور ارادہ یا قاعدہ اور با اصول اور عین حکمت ہے اور سننے دنیا میں جو کچھ پیدا کیا اور بنایا اور جو کچھ پیدا کرتا یا بناتا ہے یا پیدا کرے یا بنائے گا وہ سب کسی نہ کسی اصول اور قاعدہ پر پیدا کیا گیا ہے اور سکا کوئی کام حکمت اور دانائی سے خالی اور باہر نہیں رہ جو کچھ چاہے کر سکتا اور بنا سکتا ہے اگرچہ وہ عقل کل اور حکیم کل ہے اس واسطے بلا حکمت اور بلا قاعدہ کچھ نہیں کرتا اور نہ کچھ بناتا ہے اور خدا کی اور عظمت اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی کام اور ارادہ یا بنائے سے خالی نہیں اور ہر نکتہ حین اور حرف گیر نکتہ حین اور حرف گیر نہیں کر سکتے اور سکا ہر ایک بناوٹ اور ساخت اور کام اور ارادہ میں ایک خاص قسم کی حکمت اور اصول پایا جاتا ہے اور سکا ہر ایک بناوٹ اور ساخت اس بات پر زور ہے ساتھ شہادت دیتی ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا حکیم ہے۔ جب یہ بات ظاہر اور ثابت ہو جائے کہ خدا سے لایزال کا کوئی کام اور ارادہ بلا قاعدہ اور بے اصول اور بے حکمت نہیں ہے

نواب اس بات کو ایک پیری صداقت سمجھنا چاہیے کہ فرضی توکل پر یقین یا عمل کرنا خدا کے حکمت کو بٹہ لگاتا ہے۔ اور اصلی توکل پر عمل کرنا خدا کے حصول اور حکمت کو ثابت کرتا ہے اگر خدا ہمیں بغیر کام کرنے اور ہاتھ پیر ہلانے کے روٹی کیڑہ بھیجے تو وہ قادر ہے مگر اس سے اس کی حکمت میں فرق آتا ہے اوسے بلکہ جو ہاتھ پیر کان زبان طاقت عقل قیاس سوج سمجھ۔ دی ہے اسکا کیا فائدہ ہے جبکہ ہم پیٹھے بٹھائے سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں تو بہرہ جوارح اور قوی کیوں عطا کیے گئے۔ ایک نوان جوارح اور قوی کا تعقل لازم آتا ہے اور ایک یہ کہ خدا بلا حکمت اور بلا قاعدہ کام کرتا ہے جو محض تعقل سے فرضی توکل کے ماننے سے صرف یہی قیاحت نہیں کہ ہمارے اعضا اور قوتوں کا تعقل لازم آتا ہے بلکہ یہ بھی کہ ہمیں ایسے نتیجوں اور اثر دن کے ظہور کا یقین اور اعتبار کرنا پڑتا ہے کہ جو کوئی بنیاد نہیں رکھتی ہم کرتے تو کچھ ہی نہیں اور امیدیں بڑی بڑی باندھتے ہیں یہ صورت ہماری فطرت اور دنیا کے حال کے مخالف ہے ہماری فطرت یہ چاہتی ہے کہ ہم اول ایک کام کو لین اور پھر اسکا اثر یا نتیجہ کی امید کریں۔ ہمارے عقل اور فطرت اس بات پر فتویٰ دیتی ہے کہ جو شخص بلا کام کرنے کے کسی اثر یا نتیجہ کی امید رکھتا ہے وہ دیوانہ اور مضبوط الحواس ہے وہ اپنی ناتجربہ کار دل میں اسی امید رکھتا ہے کہ جس سے خدا کا پاک قانون اور اصل حکمت کمزور ہوتا اور ٹوٹتا ہے ہم اپنی فطرت کے مخالف اپنے دل میں کوئی ہوس پیدا کر سکتے ہیں مگر خدا بلا قاعدہ اور بلا حکمت ہماری امیدوں اور ہوسوں کو پورا نہیں کرتا خدا نے ہمیں اس واسطے پیدا نہیں کیا کہ ہم لوے لنگڑوں کی طرح مستعدی اور ہوشیاری کو جواب دیکر کالی اور شستی یا بے ترتیبی کی نحوں بستر پر لیٹ رہیں ہمکو خدا نے اس واسطے پیدا کیا ہے کہ ہم دنیا میں رہ کر دنیا کے کام کاج اور ضرورتوں کو اپنی ہمت اور وصلہ اور ہمتا سے انجام دین آپ ہی آسائش اور آرام میں رہیں اور اپنے دیگر اہلنا سے جنس کو بھی حتیٰ



آرام اور راحت پہونچائیں۔ انسان دنیا میں رہ کر اس حالت میں اپنی چند روزہ زندگی کو آرام اور عزت کے ساتھ بسر کر سکتا ہے کہ جب اس کے طبعی قوتیں اور اعضا وغیرہ اپنے اپنے کام پر مستعدی اور ہوشیاری سے لگے رہیں اگر اُن ظاہری اعضا اور طبعی قوتوں کو اپنے کام پر نہ لگایا جاوے تو بجا سے آرام اور عزت کے بے آرامی اور بے عزتی حاصل ہوتی ہے۔ انسان کے طبعی قوتیں اور ظاہری اعضا اور خواج کی حالت اور صورت و ہیئت اس امر پر شاہد ہے کہ خدا نے اُن کو کسی مصروفیت کیونٹے موضوع اور پیدا کیا ہے اگر اس مصروفیت سے اُن قوتوں اور اعضا کو محروم اور باز رکھا جائے تو قطع نظر ایک بے تربیتی کے انسان کو آرام اور چین سے زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ فرضی توکل سے انسان کے طبعی قوتیں اور ظاہری اعضا اور خواج بیکار ہو کر بالکل نکلے اور مست ہو جاتے ہیں اور انسان ایک اعلیٰ درجہ کی بے آرامی اور بے عزتی کے گرداب میں غوطے کھانے لگتا ہے جس قدر لوگ اس فرضی توکل پر یقین اور عمل کرتے ہیں اُن سب کی حالت ابتر اور خراب ہو اور خراب کیونکہ وہ جبکہ وہ خدا کی حکمت اور اصول خلقت کو توڑتے ہیں تو آخر اس نافرمانی کا کوئی نہ کوئی اثر ظاہر ہوتا ہی ہے کتنی بے سمجھی کی بات ہے کہ ہم ایک کام کو کر رہے ہیں مگر اس کے برے بھلے اثر اور نتیجہ کی امید اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ ماننا ہے کہ خدا قادر ہے مگر ہماری خاطر وہ اپنی حکمت اور اصول کو کیونکر توڑ دے گا اس کی حکمت اور اصول یہ ہے کہ ہم اول ایک کام کر لیں اور پھر اس کے اثر و نفع اور نتیجہ کی امید اور بھروسہ رکھیں کاشتکار کہیت بوتا ہے۔ اور خدا کے پاک درگاہ سے امید رکھتا ہے کہ خاطر خواہ غلہ پیدا ہوگا کاشتکار کی یہ امید تو درست اور ٹھیک ہے مگر اگر وہ جانے کہیت کے خدا کی درگاہ سے یہ امید رکھی کہ غلہ پیدا ہو جائیگا تو یہ خیال اس کا صحیح اور درست نہیں ہے خدا کا یہ کہ کچھ کر سکتا ہے مگر یہ اس کا اصول اور قاعدہ نہیں ہے

کہ بلا کاشت کمیت کو غلہ کاشتکار کو ملے۔ غلہ اس وقت حاصل اور پیدا ہو گا کہ جب کاشتکار اس کو باقاعدہ بویگا۔ رہی یہ بات کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کرنا کچھ بھی نہیں کر اس کو ایک شے ہاتھ لگ جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا کرنے کے بھی انسان اپنی مراد پر کامیاب ہو سکتا ہے جاری سمجھ میں اس کا یہ جواب ہو کہ اس قسم کی اتفاقی واقعات فرضی توکل کے وجہ کی ضرورت کو ثابت نہیں کر سکتے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ایسے واقعات پیش آتے اور واقعہ ہوتے رہتے ہیں مگر ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا بے اصول یا بے قاعدہ کام کرتا ہے یا کوئی شخص اپنی طبعی قوتوں اور ظاہری اعضاء کو مغل کر کے اپنی مراد پر کامیاب ہو جاتا ہے ایک شخص جنگل میں جلا جاتا ہو اس کو ایک غار میں سے کچھ روپیہ مل گیا یا یہ کہ ایک شخص جنگل میں بحالت مسافرت سبھو کھا بیٹھا ہے ایک اور شخص کا جو وہاں گذر ہوا تو اس نے اس کی حالت پر رحم کیا کچھ روٹی دیدی ظاہر میں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ دونوں کام بلا موجب اور بلا قاعدہ ہو گئے مگر اگر ان کی اصلیت پر غور کیا جاسے تو معلوم ہو جاوے گا کہ دونوں کام خداوندیکم نے عین قایدہ پر انجام دیے ہیں بلا قاعدہ اس وقت ہم کہتے کہ جب بیج میں کوئی جیواں داخل ہوتا۔ طبعی توکل پر یقین اور عمل کرنے سے انسان کی تمام قوتیں اور جوارح اپنے اپنے کام پر لگے رہتے ہیں اور انسان باوجود دقت اور تکلیف اٹھانے کے چند روزہ زندگی کو چین اور آرام سے بسر کرتا ہے خدا نے انسان کو جس نمونہ پر بنایا اور طیار کیا ہے اس کے عمل اور برہستگی اور صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے مقابلہ میں محض بیج اور لاشے سمجھنا محنت اور شفقت سے کام کرتا ہے اور پھر کمال عجز اور زکسار سے اس کے اثر اور نتیجہ کے عمل اور غیر عمل کے کو خدا کے سپرد کرتا ہے گویا اپنے آپ کو باوجود ایک کام کرنے کے خدا کی حضور میں بالکل لاشے اور ناجیز خیال کرتا ہے دل میں سمجھ لیتا ہے کہ یہ

کام اور میری محنت کی کوئی حقیقت نہیں میری تمہرا اور میری تجویز میری سچ اور میری سچ  
 میری دور اندیشی اور میری عقل غیر مضبوط اور ضعیف الیاد ہے وہ قادر مطلق ہر ایک چیز  
 اور اوس چیز کی حالت پر قادر ہے انسان کے تمام تدبیریں ساری تجویزین اوس کی پاک راہ  
 کے آگے آتے اور لاشے ہیں کام اور محنت کر کے اپنے آپ کو لاشے اور بیچ خیال کرنا خدا ہے  
 تم یزید کو قادر مطلق اور سبب الاسباب اور تمام الامور بھنا اعلیٰ و جبکہ پاکیزگی اور صداقت  
 جو شخص دنیوی تجوین یا حاکمون کے روبرو باوجود ایک کام اور محنت کرنے کے اپنے آپ کو  
 ناپسند اور غریب الطبعیت ظاہر اور ثابت کرتا ہے اوس کو حاکم دل سے عزیز جانتے ہیں  
 کیونکہ اوس کے دل میں رعوت اور تکبر نہیں ہوتا مگر جو شخص نکمہ رہ کر اپنے حاکم کے روبرو  
 عاجزی ظاہر کرتا ہے اوس کو حاکم بھی اچانک نہیں سمجھتا اجنبہ میں مثال اور لوگوں جھاد  
 آتی ہے کہ جو حقیقت اور رضی توکل پر عمل درآمد کرتے ہیں سطح پر ایک کارکن الہکاری  
 عاجزی اور غریبی کو دیکھ کر حاکم راضی اور خوش اور ایک نکمہ الہکاری خشک عاجزی سے  
 ناراض ہوتا ہے سطح پر اوس شخص پر جو ایک کام کر کے خدا پر ہر ہر دہ کر تا ہے خدا خوش  
 اور راضی ہوتا ہے اور اوس شخص پر جو کوئی کام نہیں کرتا اور خدا پر یہ ہر دہ کرتا ہے  
 کہ وہ مجھے بلا قاعدہ زندگی بسر کرنے دیگا خدا ناراض ہوتا ہے جو لوگ دانا اور دور اندیش  
 ہیں وہ وہ رستہ اختیار کرتے ہیں کہ میں خدا کی رضامندی اور خوشنودی کو ملحوظ رکھتا  
 ہے اوس کی غریب دل اوس رستہ میں چلنا پسند نہیں کرتے کہ جو انسان کو کاہلی اور غور  
 و تکبر کا سبق سکھاتا ہے عزیز و اعلیٰ درجہ کی ایمان داری اور سچائی یہ ہے کہ ہم اول قول  
 اور ظاہری جوارح اور عضو دل کو جو خدا نے ایک حکمت سے ہم کو عطا کیے ہیں عمدہ طور پر  
 کام میں لا کر اونکے اثر و اتقون کی عملگی اور غیر عملگی کو خدا کے سپرد کرین محنت سے  
 ایک کام کریں اور اوس پر ہر ہر کو خدا پر چھوڑ دیں ہم کو لازم نہیں کہ اپنے کاموں اور  
 اپنی محنتوں کو کوئی شکہ خیال کریں جب ہم خود ہی سچ اور لاشے ہیں تو ہر ہر کام

اور نختین کیا ہو گی۔ طبعی اور سچا توکل یہ ہے کہ ہم محنت اور اپنی ذاتی استقامت سے (جو خدا نے فطرۃً ہمکو عطا کر رکھی ہے) ایک کام کریں اور اس کے پورا ہونے یا پورا نہ کرنے کے واسطے اپنی ذاتی تدبیر اور تجربہ کو محض وسیع اور لاشعۃ خیال کریں یہ یقین کر لیں کہ ہماری تجویزین اور تدبیریں کسی کام کی نہیں ہیں۔ اگر خدا چاہے گا تو اس محنت یا کام یا استقامت کا حسب مراد اثر اور نتیجہ نکل آئیگا ورنہ خیر۔ کسی کام یا ارادہ کا حسب مراد انجام پذیر یا پورا ہونا صرف خدا کے اختیار میں ہے جس طرح ہمارے طبعیت پر ہلکا یا یک خاص قسم کی امید اور بھروسہ کی طرف توجہ دلاتی ہے اس طرح ہر اس امر کی جانب بھی توجہ دلاتی ہے کہ انسان کو کوئی کام یا محنت کر کر کے اپنے موجد اور خالق پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جو لوگ سچا توکل اختیار کرتے ہیں اونکا دل اور روحیں ہمیشہ خوش اور ایک حالت پر جو عین سلامتی ہے ثابت اور قائم رہتے ہیں اور جو لوگ جھوٹے اور غیر طبعی توکل پر عمل کرتے ہیں اونکے دلوں اور روحوں کو کسی حالت میں آرام اور سلامتی اور استقامت نہیں حاصل ہوتی ہمیشہ مذہب الیقین رہتے ہیں۔ عزیز و شوق اور محنت سے دنیا اور دین کے کام کو دست اور کاہل نہو محنت اور شوق سے کام کر کے اونکے ہونے نہونے کو خدا کے سپرد کرو۔

ماکار خلیش را بخداوند کار ساز      بگذاشتیم تا کرم او چساکند  
صبر

صبر بہتر مرد را از ہرچہ است      تا بیا بد بر مراد خلیش دست  
انسان کی حالت پر غور اور نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نمونہ اور نقشہ پر ثابت اور قائم نہیں رہتی مختلف قسم اور وضع کے سانچوں میں دھلتے رہتے ہیں۔ انسان دنیا میں رہ کر جیسے آسائش و آرام حاصل کرتا ہے ویسے ہی دوکھ اور رنج اپنے مصیبت و تکلیف اوٹھاتا ہے۔ جیسے بعض دفعہ وہ اپنے دل کی مرادیں حاصل کرتا ہے

ویسے ہی بہت دفعہ اوسکو مایوسی اور نا کامیابی ہی اوصحافی پڑتی ہے۔ جب انسان کو  
 دل کی مراد پر کامیابی ہوتی ہے اور خواہش کے موافق کام ہو جاتا ہے تو اوسکو دل  
 میں ایک خوشی اور فرحت پیدا ہوتی ہے اوسی خوشی اور فرحت کے حاصل ہونے سے  
 انسان اپنے آپ کو آسائش اور آرام میں خیال کرتا ہے۔ اور جب اوسکو برعکس  
 انسان اپنی خواہشوں یا دلی ارادوں پر کامیاب نہیں ہوتا تو اوسکے دل میں ایک  
 غم اور فکر پیدا ہوتی ہے اوس غم اور فکر کے لاحق یا پیدا ہونے سے انسان اپنے  
 آپ کو دکھ اور مصیبت میں مبتلا اور گرفتار پاتا ہے۔ حصول آرام اور آسائش سے  
 انسان اپنے عزیز اور چند روزہ زندگی کو ایک خوبی اور عمدگی کے ساتھ گذرانتا ہے  
 مگر دکھ اور مصیبت کے لحوق سے جو غم اور فکر کا اثر اور نتیجہ ہیں زندگی کا بسر کرنا  
 اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ہم سو برس تک آرام اور آسائش میں رہیں تو ہمیں کچھ معلوم  
 ہی نہیں ہوتا مگر اگر ایک ساعت تک کسی غم اور فکر کے لحوق سے دکھ اور مصیبت میں  
 گرفتار ہو جائیں تو جینا و شوار ہو جاتا ہے۔ دس سال کی صحت اور تندرستی معلوم  
 ہی نہیں ہوتی مگر ایک منٹ کی بیماری خود کشی تک پہنچا دیتی ہے۔ اور بالمقابل  
 اس وقت کی یہ بات ظاہر اور ثابت ہے کہ ہر ایک انسان کو اپنی زندگی میں بہ اکثر و  
 مختلف قسموں کے غموں اور فکر وں کے ذریعہ سے دکھ اور مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے  
 اس وقت کے رفع کے واسطے خداوند کریم نے انسان کی طبیعت میں ایک خاص اثر اور  
 قسم کے قوت و ولایت کر رکھی ہے جسکو قوت صابرہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اس  
 نادر قوت کا خاصہ اور کام یہ ہے کہ لحوق غم اور صدمات افکار اور ظہور مصیبت و تکلیف  
 کے وقت انسان کو اپنے آپ میں قائم اور ثابت رکھتی ہے دکھ اور مصیبت کو بردہا  
 اثر کو انسان کی ذات پر موثر نہیں ہونے دیتی۔ عرف عام میں اس نادر طاقت کے  
 استعمال کو صبر کہتے ہیں اگر خداوند کریم اپنی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کی

ذات میں یہ نادرا اور پر زور طاقت و دلچسپی نہ کرتا تو غم و افکار کے لحوق سے ان کا جینا محال ہو جاتا اسی طاقت کا اثر اور برکت ہے کہ ہم ایک جانکاہ حادثہ کے حدوث سے جان بھر ہو جاتے ہیں۔ یا تو قبل از حدوث اس حادثہ کے ہم اپنے دل میں خیال کرتے ہیں کہ اگر فلاں حادثہ واقع ہو گیا تو ہمارا کیا ہو گا اور یا یہ ہے کہ اس کے حدوث پر ہماری طبیعتیں خود بخود ہی ٹھہر جاتی ہیں ایسا کیوں ہو جاتا ہے اس واسطے کہ حادثہ کے حدوث کے بعد طاقت مذکور ہم کو اس حادثہ کے قبول کرنے اور مان لینے کی طرف توجہ دلاتے ہیں جب قوت مذکور ہماری طبیعتوں کو موقعہ حادثہ قبول کر دیتی ہے تو ان کی بیکراری اور بے چینی کم کرتے کرتے اصل حالت پیدا کر دیتی ہے اور جسکو تسلی یا امن کی حالت کہنا چاہیے جس طرح ہر انسان کی اور طبعی قوتیں استعمال سے رونق اور ترقی پکڑ جاتی ہیں اور بے استعمال سے منزل ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ اس قوت کا حال ہے اگر اس کو بیکار اور معطل چھوڑ دیا جائے تو بالکل کمزور ہو جاتا ہے کہ ہر ایک سختی اور دکھ معیبت کو انسان ایک سہولت اور آسانی کے ساتھ اٹھا لیتا ہے اور ہر ایک قسم کی مایوسی اور نا کامیابی کے ظاہر ہونے پر اس کی طبیعت میں بیکراری اور بے چینی کے بجائے ایک خاص قسم کی استقامت اور استواری پیدا ہو جاتی ہے۔ قبل اسکے کہ ہم صبر کی ضرورت اور اظہار اور استقامتی طریقوں اور صورتوں کو معرض تحریر میں لائیں اس امر کو بیان کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ تو صابرہ کو طبعی قرار دینے میں تامل کرتے ہیں اور ان کے خیال میں انسان کسی طور پر اپنے آپ میں صبر کی طاقت یا خاصہ پیدا کر لیتا ہے فطرت کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے واسطے ایسے لوگ یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اگر صبر ایک طبعی خاصہ ہو تو لازم ہے کہ انسان کہی بھی بے صبر نہ ہو حالانکہ ہم خود اپنے اور سنتے ہیں کہ انسان ایک تھوڑے سے دکھ اور تکلیف سے بے صبر ہو جاتا ہے اور

اوسکو ایسی بقراری اور اضطرابی لاحق ہوتی ہے کہ جسکا کچھ انداز نہیں ہوتا اگر صبر انسان  
 کا طبعی خاصہ ہو تو لازم ہے کہ کسی مایوسی یا تکلیف اور ناکامیابی کے وقت اوسکو بقراری  
 پر نشانی اور اضطراب لاحق نہو لہذا بقراری اور حدوت فطراب و پریشانی سے یہ  
 استدلال ہو سکتا ہے کہ صبر انسان کا طبعی خاصہ نہیں ہے ایک کیسی عادت اور  
 خارجی خاصہ ہے ہمارے خیال میں یہ اعتراض صحیح اور درست نہیں ہے اگر مفسر  
 انسان کی طبعی قوتوں کی حالتوں پر فکر اور غور کرتے تو یہ کمزور اعتراض اونکے دل میں  
 پیدا ہے نہوتا ہم کہتے ہیں کہ دیکھ اور رنج کے لاحق ہونے یا کسی قسم کی مایوسی اور  
 ناکامیابی کے حصول سے انسان کے مضطرب اور پریشان ہو جانے کا یہ موجب اور  
 باعث نہیں ہے کہ فطرۃ اوسکی ذات میں قوت صابرہ مخلوق اور مودعہ نہیں ہے  
 بلکہ اوسکا اصلی موجب اور سبب یہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف ہوتی ہے یا کوئی  
 ناکامیابی اور مایوسی لاحق حال ہو جاتی ہے تو ایک اور غیر طبعی جسکو قوت مضطرب  
 کہتے ہیں اور جو طبعاً قوت صابرہ کے منافر اور مقابل پیدا کی گئی ہے۔ ہر اس اور  
 خوف اور بزدلی اور کم ہمتی کے دائرہ میں گہر کر انسان کے دل میں ایک خاص  
 قسم کا اضطراب پریشانی اور بقراری پیدا کر دیتی ہے جب قوت مضطربہ طبعی  
 عمل کو ظہور میں لا سکتی ہے تو قوت صابرہ بھی غیر طبعی عمل شروع کرتے ہی  
 قوت صابرہ کے عمل سے قوت مضطربہ کا عمل اور تاثیر کمزور ہوتے ہوئے بالکل  
 معدوم اور دور ہو جاتی ہے یا تو یہ تھا کہ انسان بقرار اور پریشان ہو رہا تھا اور  
 یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اوسکی بات اور کلام اور طریق عمل میں ایک حوصلہ اور ہمت اور  
 مضبوطی پائی جاتی ہے۔ جس طرح پر خلط سودا کے فم معدہ پر گرنے سے انسان کو سہو  
 لگ جاتی ہے اس طرح پر قوت مضطربہ کے عمل سے قوت صابرہ میں ایک جوش اور حرکت  
 پیدا ہوتی ہے جسکے ذریعہ سے انسان کے دل میں بجائے بقراری اور اضطراب

ایک تسلی اور آسن اور مضبوطی اور تہمت ظاہر اور پیدا ہوتی ہے۔ خدا نے انسان کے ذات میں قوت مضطر بہ کو بالمقابل قوت صابرہ کے پیدا ہے اس واسطے کیا ہے کہ اس کی حرکت اور غل سے قوت صابرہ حرکت اور جوش میں آکر انسان کی مضبوطی اور برکتی اور دلجمعی کا باعث ہو اگر قوت مضطر بہ حرکت اور جوش میں نہ آئے اور انسان کو بے قرار اور پریشان نہ کر دے تو قوت صابرہ میں حرکت اور جوش پیدا ہو ہی نہیں سکتا صبر کے پیدا ہونے کے واسطے یہ بات ضروری ہے کہ قوت مضطر بہ میں ایک حرکت اور جوش پیدا ہو۔ انسان پہلے بے قرار اور پریشان ہوا اور پھر اس کے دل میں اوس بے قراری اور پریشانی کے دور کو فراموش کر کے قوت صابرہ صبر اور دلجمعی کو پیدا کر دیتی ہے جبکہ انسان کی بے قرار اور پریشان ہونے کا باعث قوت مضطر بہ ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ قوت صابرہ فطرتی نہیں ہے بلکہ ایک کسبی خاصہ اور عادت ہے ہاں یہ بات اوس صورت میں صحیح اور درست ہے کہ جب انسان کی پریشانی اور بے قراری فطرتی یا طبعی نہ ہوتی جبکہ بے قراری اور پریشانی بھی بجائے خود ایک طبعی طاقت کا اثر اور نتیجہ ہے تو پھر اس کے ذریعہ سے قوت صابرہ کو غیر طبعی کہنا صداقت پر ہیہ سے منکر ہونا ہے۔ اگر ہم کو کہا جائے کہ تمہارے پاس قوت صابرہ کی طبعی ہونے کی کیا دلائل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ایک نہین بیون آئے دلائل ہیں کہ جیسے قوت صابرہ کا طبعی ہونا در روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے۔

اول یہ کہ جب ہم کو کوئی دُکھ پہنچتا اور تکلیف ہوتی ہے تو اول ایک بے قراری اور اضطرابی پیدا ہو کر جو قوت مضطر بہ کا اثر ہوتا ہے ہمارے بے قرار اور مضطر بہ دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا اب تسلی اور خاموشی اور دلجمعی بہتر اور انسب ہے اس خیال سے استدلال ہو سکتا ہے کہ خدا نے فطرۃً ہم کو قوت صابرہ عطا کر رکھی ہے اگر فطرۃً قوت مذکور ہماری ذات میں مودعہ نہیں ہے تو خود بخود ہمارے بے قرار اور مضطر بہ دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ



کہا جاسکے کہ یہ خیال اس واسطے پیدا ہو جاتا ہے کہ سمیت اور درد و سنج یا مالوسی اور  
 نامکاسبی کے حدوث اور کھوکھ کے وقت اور لوگ ہماری تشفی اور تسلی کر کے ہماری ہمت  
 اور حوصلہ اور ہمتقامت کو بھڑکتے ہیں اس واسطے ہمارے دل میں خاموشی اور تسلی  
 یا درگزر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اچھا ہماری تسلی اور خاموشی اور درگزر  
 کا باعث تو زید و عمر ہوا۔ زید اور عمر کی تسلی اور خاموشی اور درگزر کا باعث کون ہوا  
 علیٰ ہذا القیاس اس طرح پر سلسلہ وار پوچھتے جائیں گے آخر کسی پر تو سلسلہ ختم ہو گا پس  
 جیسے سلسلہ ختم ہو گا اسکی بابت ہم کہیں گے کہ اسکو اس خاموشی اور درگزر کی کہان  
 سے ہدایت ہوئی تھی ناچار معترض کو یہی کہنا پڑیگا کہ اسکا دل اسی اس طرف رجوع اور  
 متوجہ ہوا تھا اور وہی ہمارا مدعا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا  
 تو یہ محال ہے۔

دوم یہ۔ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اور نا تجربہ کار اور بے شعور بچہ کو جب کوئی لڑک  
 اور تکلیف پہنچتی ہے تو پہلے وہ بڑا ہی مضطرب اور بیقرار اور پریشان حالت میں جاتا  
 ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد وہی بچہ باوجود تکلیف کے ایک درگزر اور خاموشی کی حالت  
 میں آجاتا ہے یا تو پختہ اور چلا ہوا اور یا تیراتی کی حالت میں چپ ہو رہتا ہے یا بچہ  
 بیقرار اور مضطرب ہونا اور پھر صبر کرنا اس امر کے ایک مین اور پختہ دلیل ہے کہ قوت  
 صابرہ ایک طبعی قوت ہے۔ عقل اور باشعور آدمی پر تو گمان ہو سکتا ہے کہ اسے کسی  
 اور بے صبر کرنا سیکھا ہو گا نفعی اور نا تجربہ کار بچوں کو کہنے سکھایا۔

سوم یہ کہ جو امرا و جبابہ اور خاں جاسکے ہوتی ہے اسکا اثر عام پر کیا  
 نہیں پڑتا ضرور زمین ہے کہ سارے انسان اوپر عمل کریں صبر ہر ایک شخص میں پائے  
 جاتا ہے اگر یہ کسی اور خارجی عادت ہوتی تو عیسیت نہوتی اسکا عام ہونا اس بات  
 دلیل ہے کہ وہ طبعی ہے۔

چہارم یہ کہ صبر کے غیر طبعی ثابت کرنے کے واسطے جب قدر دلائل بیان کیے جاتے ہیں وہ سب بجا سے خود کمزور اور مخدوش ہیں جب مختلف دلائل سے صبر کا غیر طبعی ہونا ثابت نہوا تو اس امر کا مان لینا لازم ہے کہ صبر ایک قوت طبعی کا اثر ہے کیونکہ جب خبر نفعی ثابت ہوئے تو مثبت خود بخود ثابت ہو (فاقہم) اب ہم نمبر وار قوت صابر کی صورتوں اور ضرورتوں اور طریقوں کو بیان کرتے ہیں۔

نمبر اول۔ قوت صابرہ یا صبر کی تعریف اور معنوں اور مفہوم کے بیان میں۔

نمبر دوم۔ قوت صابرہ کا طبعی مقدار کے بیان میں۔

نمبر سوم۔ قوت صابرہ کی ترقی اور تنزل کے بیان میں۔

نمبر چہارم۔ اون طریقوں اور قواعد کے بیان میں جن سے قوت صابرہ کو ترقی یا تنزل ہوتا ہے۔

نمبر پنجم۔ صبر کی قسموں اور صورتوں کے بیان میں۔

نمبر ششم۔ صبر کی حد اور انداز کے بیان میں۔

نمبر ہفتم۔ صبر کی ضرورت اور فوائد کے بیان میں۔

### نمبر اول

لغت میں لفظ صبر کے معنی شکیبائی اور سہارنے کے ہیں اور اصطلاح عالمان علم اخلاق میں صبر انسان کے اوس طریق عمل اور حالت کو کہتے ہیں کہ جس میں انسان مصائب اور سختیوں۔ مایوسیوں اور ناکامیابیوں کے۔ نزول اور حدوث اور حقوق کے وقت اپنے آپ کو ایک استقامت اور ہمت اور حوصلہ اور بردباری میں ثابت اور قائم رکھتا ہے گو اس پر طرح طرح کے مصیبتیں اور سختیاں نازل ہوتی ہیں اور گو وہ قسم قسم کی مایوسیوں اور ناکامیوں سے ہٹا اور دیکھتا ہے مگر اس کی ہمت اور حوصلہ اور استقامت میں کوئی کمزوری اور فرق نہیں آتا۔

### مبسر دوم

سطح چہرہ انسانوں کے اور قوتیں ایک دوسرے انسان کی طاقتوں اور قوتوں سے مقدار و وزن جو ذات حالت میں متخالف اور متباہن ہیں اس سطح پر قوت صابرہ کا حال ہے اگرچہ یہ قوت سارے انسانوں اور تمام آدمیوں کو حاصل ہے مگر ایک مقدار و وزن جو ذات حالت پر نہیں کسی بن زیادہ ہے اور کسی میں کم کسی کے ذات میں نہایت مضبوطی سے پائی جاتی ہے اور کسی میں ذرا کمزوری سے یہی باعث ہے کہ کوئی آدمی زیادہ صابر ہو جائے اور کوئی کم صبر کی کمی زیادتی جو انسانی جماعتوں میں ہر روز دیکھی جاتی ہے اس سطح پر ہے کہ قدرت نے سارے انسانوں کو ایک نمبر اور درجہ کے قوت صابرہ عطا نہیں کیا اگر ایک درجہ کے ہوتے تو لازم تھا کہ تمام آدمی اور سارے انسان ایک قسم اور درجہ کے صابر ہوتے۔ اس امر کو کہ انسان ایک درجہ کے مستقیم المزاج اور صابر نہیں ہوتے دلائل سے ثابت کرنے کے لیے ضرورت نہیں مختلف انسانوں کے روزمرہ حالات پر ایک سرسری نظر کرنے سے بھی یہ بات ثابت اور حل ہو جائیگی کہ انسانوں میں بالعموم ایک نمبر یا ایک درجہ کا صبر نہیں ہوتا۔ جیسے انسان مزاجوں اور طبعیتوں میں متباہن اور مختلف ہیں ایسے ہی استقامت اور صبر میں اختلاف اور تباہن رکھتے ہیں۔

### مبسر سوم

حکماء طبعی اور طبی نے بڑے بڑے دلائل اور دلچسپ مباحثوں اور وسیع غور و فکر کے بعد اس امر کو دلائل واثق اور براہین یقینیہ سے ثابت کر دیا ہے کہ قادر مطلق صانع کل خداوند کریم نے انسان کو بقدر قوتیں عطا کی ہیں وہ ترقی بھی کر سکتے ہیں اور محنت نڈل بھی ہو جاتی ہیں۔ حکماء مذکور اس ترقی اور تشہل کا باعث یہ بیان کرتے ہیں کہ اون ساری فطرتوں اور طاقتوں میں موجود کل نے ایک ایسا چرخ و گردش و ولایت کر رکھا ہے کہ جبکہ بعض اسباب اور مواد کے میسر آنے اور دوسرے رونق اور تر

ہوتی شروع ہو جاتی ہے اور بعض اسباب کے معدوم یا نہ میسر ہونے سے تنزل ہو جاتا ہے جبکہ انسان کی طبعی قوتیں متری اور تنزل ہوتی رہتی ہیں تو باہر اعتبار کو قوت صابرہ بھی انسان کی طبعی قوتوں میں سے ایک قوت ہے مانتا اور قبول کرنا پڑتا ہے کہ صبر یا نہ ترقی اور تنزل ہوتا رہتا ہے۔ قطع نظر اور علمی دلائل کے ہم زور دیکھنے اور سمجھنے میں کہ ایک وقت میں ایک آدمی بڑا مضبوط صابر ہوتا ہے اور دوسرے آدمی دوسرے وقت میں یا تو بالکل ہی بے صبر ہوتا ہے اور یا صبر میں کسی قدر کمزوری اور تنزل خیل ہوتا ہے علیٰ ہذا یقیناً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک آدمی بالکل بے صبر ہوتا ہے مگر کسی دوسرے وقت میں وہی آدمی ایک بڑا مضبوط اور جبرستہ صابر بن جاتا ہے اس کمی اور زیادتی سے صبر کچھ یا کچھ لال کیا جاسکتا ہے کہ قوت صابرہ کو ترقی اور تنزل حاصل ہونا ممکن صورت ہے۔ جب ترقی کے اسباب میسر اور حاصل ہو جاتے ہیں تو ترقی ہو جاتی ہے اور جب اسباب تنزل کا زور ہو جاتا ہے تو تنزل ہو جاتا ہے خدا نے جو اس قوت میں ترقی اور تنزل کا مادہ ودیعت کر رکھا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان کی عزیز زندگی ٹھیک اصول اور پیمانہ پر گزرتے ہی دنیا میں انسان کو اپنی زندگی میں ایسے ایسے واقعات اور معاملات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ جو اپنی کیفیت اور تاثیر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جبکہ وہ واقعات اور معاملات کہ جو انسان کو اپنی زندگی میں اوٹھانے پڑتے ہیں مختلف الحیثیت ہوتے ہیں تو لازم ہے کہ صبر کو بھی اوتھے مناسب ہو مثلاً اگر ایک معاملہ یا واقعہ اعلیٰ درجہ کا ہے تو ضرور ہے کہ صبر بھی اعلیٰ درجہ کا ہو کیونکہ اگر صبر اعلیٰ درجہ کا نہ ہوگا تو انسان اعلیٰ درجہ کے معاملہ کے وقتوں سے مقابلہ نہیں کر سکیگا۔ اور اعلیٰ ہذا یقیناً اس اگر ایک معاملہ یا واقعہ اپنے ذات میں باعتبار اپنی وقتوں کے خفیف ہو تو ضرور ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے واسطے صبر بھی خفیف ہو۔ صبر کا کم یا زیادہ ہو جانا بہر حال صبر کا

منہوسکتا تھا کہ قوت صابرہ کی ذات میں کمی اور زیادتی کی قابلیت رکھی جاتی فرض کیا کہ اگر قوت صابرہ ایک ہی حالت اور مقدار پر ثابت اور قائم رہتی تو ایک بڑے معاملہ کا دھتورن کے مقابلہ کے واسطے انسان کیا کرتا قوت صابرہ کی اوس ذاتی مادہ کے جسے ذریعہ سے وہ کمی اور زیادتی قبول کرتی ہے ایسی مثال ہے جیسے کہ خمیر کی مثال جس طرح بخور یا ساخمیرہ ڈالنے سے کٹک کا آٹا یا کوئی اور ایسی ہی شے بھول جاتی ہے کیونکہ اوس آٹے وغیرہ میں بھولنے کی طاقت موجود ہوتی ہے اسی طرح پر اسباب مناسبت یا غیر مناسبت سے قوت صابرہ کو ترقی اور تنزل حاصل ہوتا رہتا ہے۔ ایسی قوت پر کیا موقوف انسان کی اور قوتیں بھی اسباب مناسبت یا غیر مناسبت کی تاثیر اور حدوث سے مترقی اور تنزل ہوتی رہتی ہیں حکماءے منٹل فلاسفہ والون نے ایسے مسائل کو اچھی تشبیہ سے لکھا ہے شائقین کو اوکے دلاویز تصنیفات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

### نمبر چہارم

اگرچہ قوت صابرہ کے اسباب ثرتی اور تنزل کے بیان کرنے کا حق حکماءے منٹل فلاسفہ کی ذمہ ہے کیونکہ یہ مسئلہ بہ نسبت علم اخلاق کے اوس علم سے زیادہ تر تعلق رکھتا ہے مگر چونکہ اس موقع پر بھی اسکا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس واسطے ہم بالاختصار اسباب مذکور میں سے چند اسباب بیان کرتے ہیں۔

اول۔ جب کوئی مصیبت واقع یا کسی قسم کی ناکامیابی یا مایوسی پیدا یا انسان کو لاحق ہو تو اوس وقت انسان کو اس امر کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ بس اب کیا ہوگا یا یہ کہ میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔ اس خیال سے قوت صابرہ میں ایک خاص قسم کی کمزوری اور نا طاقتی پیدا ہونے لگتی ہے جس سے انسان بے صبر ہو جاتا ہے مصیبت کے واقع یا کسی قسم کی ناکامیابی یا مایوسی پیدا یا لاحق ہونے کے وقت انسان کو اس امر پر غور اور فکر کرنی لازم ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اب کیا کرنا چاہیے مصیبت

اناکا سیابی یا مایوسی کی کیا حالت ہو پہلے امر پر غور کرنے سے انسان کو مصیبت یا ناکا سیابی یا مایوسی کے واقعہ یا لاحق ہونے کی صورتوں اور اسباب کا کچھ نہ کچھ علم ہو جاتا ہے جس سے اسکو وہ فائدہ حاصل ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب میرے اختیاری ہیں یا غیر اختیاری اگر اختیاری نکلتے ہیں آئندہ کو اسکو ایک احتیاط اور خیال رہتا ہے اور اگر غیر اختیاری ہوتے ہیں تو بوجہ نہ پیش جانے یا نہ پس چلنے کے اسکو ایک قسم کی تسکین ہو جاتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اسباب کی حیثیت کو کھلنے اور معلوم کرنے سے اسکو اس بات کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ وہ مصیبت یا ناکا سیابی یا مایوسی اسکی ذات یا تعلقات پر کہاں تک موثر ہے اس سے اسکی کلی حالت ایک خاص درجہ کے یقین پر قائم ہو جاتی ہے۔

دوسرے امر پر غور اور فکر کرنے سے انسان کو یہ بات دریافت ہو جاتی ہے کہ مجھکو مصیبت کے واقعہ یا ناکا سیابی یا مایوسی کے لاحق ہونے پر یہ کچھ کرنا چاہیے۔ جس سے اسکے دل میں ایک خاص درجہ کا اعتبار یا تسکین پیدا ہو جاتی ہے خواہ وہ اعتبار اور تسکین کا سیابی کے صورت میں ہو یا ناکا سیابی کی صورت میں۔

تیسرے اور پر نظر کرنے سے انسان کو مصیبت یا ناکا سیابی یا مایوسی کی حالت اور اسکا انداز معلوم ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ مصیبت یا ناکا سیابی یا مایوسی لائق مدد کرنے بلو دور ہونے ہے یا نہیں اس سے اسکے دل کی طاقت ایک درجہ پر ثابت اور قائم ہو جاتی ہے ان تینوں امور کو پر نظر اور فکر کرنے سے انسان کو ایک خاص درجہ یا نمبر کا اعتبار اور تسکین حاصل ہوتی ہے اور اسکی طبیعت اور دل ایک خاص حالت پر ثابت اور قائم ہو جاتا ہے جس سے اسکی قوت صابرہ بجائے کمزوری اور ترل حاصل ہونے کے ایک ترقی اور زور حاصل ہوتا ہے۔

دوم۔ انسان پر جب کوئی مصیبت نازل ہو یا کوئی مایوسی اور ناکا سیابی لاحق حال ہو تو اسکو لازم ہے کہ اس میں مصیبت یا ناکا سیابی اور مایوسی پر نظر کرنے سے پہلے اس امر

غور اور نظر کرے کہ انسانی چاعتون میں سے میں ہی مصیبت زدہ کا سیلاب اور  
 مایوس ہوں کہ یا انسانی افراد میں سے کوئی اور بھی اس امر پر غور اور نظر کرنے  
 سے نظر اور غور کرنے والی کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا  
 انسان نہیں ہے کہ جو اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کی مصیبت کا شکار ہو جائے اور اس کے  
 کما ستا بلکہ نہ کرنا پڑا ہو۔ اس امر کے معلوم اور دریافت ہونے سے انسان کے  
 دل میں ایک قسم کی تسلی اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے جس سے قوت  
 صابرہ کہہ سکتا ہے کہ دوری اور منزل کے ایک روز قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے  
 یہ بات تجربہ سے مان لی گئی ہے کہ انسان کو زندہ نگہائے اور موجودہ تشکیلات سے  
 ایک اعلیٰ درجہ کی تسلی - تشفی - اعتبار - اور تسکین حاصل ہوتی ہے تسلی اعتبار  
 اور تسکین پر کیا منحصر ہے انسان اپنی عزیز زندگی کو زندہ نگہائے اور موجودہ تشکیلات  
 اور واقعات کو سہارے پر ہی بسر کرتا ہے جب آدمی کسی تازہ مصیبت اور جدید  
 مایوسیوں میں گرفتار ہوتا ہے تو اوس وقت اوس کے دل میں ایک سخت قلع اور زور  
 اضطراب کا جوش ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر اوقات میں آدمی مرے پرستہ ہو جاتا  
 ایسے تازہ ہمت میں انسان کو اور لوگوں اور انسانوں کے زندہ نگہائے اور  
 واقعات اور موجودہ تشکیلات تسلی اور تسکین بخشی ہیں جس سے اوسکی قوت صابرہ  
 کو ترقی اور زور حاصل ہوتا ہے اگر انسان ایسی نظیروں اور واقعات اور تشکیلات  
 پر نظر اور غور نہ کرے تو جان پر کھیل جائے بعض لوگ جو حقوق مصاعب کو قوت  
 تنگ اگر جان پر کھیل جاتے ہیں اوسکا اصلی باعث یہی ہے کہ ایسے لوگ اور  
 لوگوں کی حالت پر نظر اور غور نہیں کرتے اگر حقوق مصاعب کو قوت اور لوگوں کی  
 حالت کو دیکھ بھال اور معلوم کر لیا کریں تو جان پر نہ کھیلین۔ اور لوگوں کی حالت  
 کے دریافت اور معلوم کرنے سے انسان کو یہ بات بالیقین معلوم ہو جاتی ہے کہ دنیا کو

پر دود پر کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے کہ در مصیبت اور مایوسی سے بچا ہوا ہو ہر ایک انسان کی حالت مصیبت آمیز ہوتی ہے کتنی دن کہ جب سکندر مرنے لگا تو اس نے اپنے مصاحبوں کو کہا کہ میری پیاری ماں کو میری زبانی یہ پیغام دیدینا کہ اگر آپ کو میرے (یعنی سکندر) طلب مغفرت کے واسطے خدا کے نام پر کچھ خیرات کرنی ہوتی ایسے شخص کو دینا جس کو اپنی عمر بہرین کوئی مصیبت اور درد دیکھ نہ پہونچا ہو۔ سکندر کی ماں نے جب ایسے شخص کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کو کسی نہ کسی مصیبت اور مایوسی کا مقابلہ نہ کرنا پڑا ہو سکندر کی حکمت علی سے مصیبت زدہ مجرہا کو ثابت ہو گیا کہ ٹھکڑی مصیبت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا کوئی شخص بھی اس دار المعائب میں اگر مصیبت اور مایوسی سے محفوظ نہیں رہا جسے اس کی قوت صابرہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی استقامت اور استقلال آگیا سکندر نے مرتے وقت اس واسطے اپنی ماں کو یہ حکمت آمیز پیغام دیا تھا کہ دنیا میں مصیبت سے کوئی خالی نہیں ہے جب میری ماں کو تلاش سے کوئی آدمی بھی ایسا نہ ملیگا کہ جس کو اپنی زندگی میں مصیبت نہ پہونچی ہو تو اس کے دل میں خود بخود ایک تسکین اور تسلی آجائیگی سکندر نے مرتے وقت اس پیغام سے جو کچھ خیال کیا تھا وہ آخر کو صحیح نکلا اور ظاہر ہو گیا سکندر کی ماں کو اس طریق عمل سے پوری پوری تسکین اور تسلی ہو گئی اس نظیر پر کیا موقوف ہے ہر ایک انسان اپنی ذاتی حالت پر خیال کرنے سے معلوم کر سکتا ہے کہ اس کی عزیز زندگی عام نظائر اور واقعات کا سہارے پر بستے ہے اگر عام نظائر اور واقعات کا سہارا نہ ہو تو انسان کو ایک دن کا جینا بھی مشکل ہو جائے۔ ہم ہر ایک مصیبت نازل ہوتی ہے یا یہ کہ ہمارے دل پر کسی مایوسی یا نا کامیابی کی فوٹاک چڑھ گئی ہے تو ہم اتنا کہ درجہ کے مضطرب اور بے قرار ہو جاتے ہیں حیران و پریشان ہو کر لوٹا وار ہو جاتے ہیں سب عیش و عشرت و سرگرم خوشیاں گرم خوشیاں بیکار ہو جاتے ہیں



ہو جاتے ہیں کہ تو خون نہیں اگر کوئی بات پوچھو تو سوائے آہ سرد کے کوئی جواب نہیں خدا کی شان دیکھئے یا تو جینا محال تھا اور یا کیا ایک یہ کایا پلٹ ہو گئے کہ اوروں کی حالت پر غور اور نظر کرنے سے دل میں ایک حوصلہ اور ہمت اور صبر آنے لگا یا تو منہ سے آہ نہیں نکلتی تھی اور یا مصیبت کو دور کرنے اور مایوسی کے ٹالنے کی تدبیر سوچنے لگے یہ کایا پلٹ اسی واسطے ہوگی کہ پہنے اور لوگوں کی حالت پر غور اور نظر اور فکر کی اگر نظر اور غور نہ کرتے تو کو طبعی تقاضا کے بموجب کسی نہ کسی وقت صبر آجاتا مگر قوت صابرہ کو تو یہ نہ حاصل ہوتی۔ جو لوگ اور لوگوں کی حالت پر غور اور نظر نہیں کرتے ان کی قوت صابرہ ہمیشہ کمزور اور تنزل رہتی ہے قوت صابرہ کی ترقی اور طاقت (واسطے اور لوگوں کی حالت پر نظر اور غور کرنا ایک لازمی امر ہے اسکو کسی حالت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ اگرچہ قوت صابرہ کی تنزل اور ترقی کی اور بھی بہت سے اسباب ہیں مگر ہم یہ نظر اختصار انہیں دونوں سببوں پر اکتفا کرتے ہیں مزید تحقیق کے واسطے ذیل خلاصہ کی کتابوں کو دیکھنا چاہیئے۔

امرنجسم - بحث نمبر دوم میں اس امر کو بیان کر چکے ہیں کہ جسطرح ہر انسان کی اور قوتیں ایک دوسرے سے متباہن المقدار ہیں اسی طرح ہر قوت صابرہ کے مقدار میں استیلا اور فرق بے طبعی اختلاف مقدار کے بموجب قوت صابرہ کی تقسیم ذیل کی صورتوں پر کی جاسکتی ہے۔ اعلیٰ - اوسط - ادنیٰ - اعلیٰ وہ صورت ہے کہ جو نزول مصاعب اور محنت مصائب اور حادثات مایوسیوں ناکامیابیوں کے وقت انسان کے دل اور حالت کو ایک استقلال اور استقامت پر ثابت اور قائم رکھتی ہے کیسی مصیبت نازل ہو انکو دل کے استقامت میں سرسوزی نہیں آتا کیسی مشکل اور خوفناک مایوسی لاحق ہو انکو حوصلہ اور ہمت میں تنزل و واقع نہیں ہوتا یہاں تک کہ چڑ کی رنگت اور مخصوص آثار بھی بہ طور ثابت اور قائم رہتے ہیں جن لوگوں کو قدرت اعلیٰ عطا

خطا ہوتی ہے وہی دنیا کے خوفناک اور پر مصائب و نکل اور اکھاڑہ میں ہمت کے بازو اور استقامت کر زور اور استقلال کی حکمت اور راوی سے کشتی لیجاتے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں کی تاریخیں انھیں لوگوں کے مبارک ناموں سے دلچسپ و لاویز اور فخر قوم و ملک گنی جاتے ہیں۔

اوسط وہ صورت ہے کہ جو یہ نسبت اعلیٰ صورت کے کسب قدر کمزور اور ناطاقت ہوتی ہے جس شخص کی ذات میں اعلیٰ صورت مودعہ ہوتی ہے اسکو نزول مصائب اور مصائب کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا مگر جس شخص کی ذات میں اوسط صورت ہوتی ہے اس کے دل میں مختلف مصیبتوں سختیوں کا سایا بیون اور مایوسیوں کو واقع اور لاحق ہونے سے کچھ کچھ خوف بیکراری بے ہمتی بے وصلگی اور لغزش پیدا ہوتی ہے جو تھوڑی دیر کے بعد رفع ہو جاتی ہے اور انسان کا دل مرکز استقامت پر ثابت اور قائم ہو جاتا ہے اوسط صورت سے ہٹ کر ادنیٰ صورت ہے جس شخص کی ذات میں یہ تیسری صورت خالق موجودات نے رکھی ہوتی ہے وہ غموں کے پیش آنے اور مصیبتوں نزول اور طرح طرح کی ناکامیوں اور مایوسیوں کے حقوق اور طور سے اس درجہ تک بیکراری جو صلہ اور مضطرب ہو جاتا ہے کہ اوپر ایک دم کا جینا دشوار ہو جاتا ہے بعض انسان تو خود کشتی ہی کر بیٹھے ہیں۔ یہ تینوں صورتیں جو ہم نے اوپر کے جلوں میں پیش کی ہیں برابر ترقی اور تنزل ہوتی رہتی ہیں مگر انکی ترقی اور تنزل حسب مراتب ہے ادنیٰ صورت کی قوت صابرہ کو ترقی کرنی رہتی ہے مگر اوسط قدر کے حبقدر اوسمیں ترقی کرنے کا مادہ مودعہ ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی صورت کو تنزل ہوتی ہے مگر اوسط کا تنزل اوسط یا ادنیٰ درجہ سے مل نہیں سکتا سیری یہ راہ ہے کہ اگرچہ اوسط یا ادنیٰ تنزل کی ترقی برابر ترقی کرتی رہتی ہے مگر اعلیٰ درجہ کی صورت سے مقابلہ نہیں کر سکتی اعلیٰ اور اوسط درجہ کی قوت صابرہ کو تنزل ہو کر ادنیٰ درجہ کی قوت صابرہ سے بڑھ کر تنزل نہیں

ہو سکتی اگر اس واسطے کو صحیح نہ خیال کیا جاوے تو اس امر کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ طرز  
 مقداروں اور شئیوں میں انقلاب اور فرق آجاتا ہے اور یہ بات نیچرل قوانین کے  
 خلاف ہے تجربہ اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نیچرل قوانین میں  
 تجربہ اور تحقیقات کی رو سے تبدیل ناممکن ہے تو پھر سوائے اسکے اور کوئی سبیل  
 نہیں ہے کہ ہم اوپر کی رائے کو زور سے تصدیق کریں۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے  
 کہ جب نیچرل قوانین کے اعتبار پر تبدیل ناممکن ہے تو پھر قواسط طبعی کی ترقی اور  
 تنزل سے انکار کرنا پڑیگا کیونکہ ترقی اور تنزل کی صورت میں تبدیل واقع ہوتی رہتی  
 ہے مختصر جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ قوت صابروہ کا مسترقی اور تنزل ہونا اس  
 امر کی دلیل نہیں ہے کہ اوسکے مقدار طبعی میں فرق آجاتا ہے ترقی اور تنزل کرنا  
 اور شے ہو اور مقدار طبعی میں فرق آجاتا اور شے۔ ترقی اور تنزل صرف مقدار  
 طبعی کے موافق ہوتا ہے جس میں کسی قوت کی ذات کو تبدیل لازم نہیں آتی اور تبدیل  
 ہو جانا ترقی اور تنزل کے برعکس ہے جہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ اب قوت صابروہ ترقی  
 یا تنزل پر ہے وہاں اوسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اوسکی مقدار طبعی میں فرق آگیا ہے  
 بلکہ یہ کہ اوس مقدار طبعی کو ایک استقامت حاصل ہو کر کمزوری یا عدم استقلال  
 پر وہ یا حجاب دور ہو گیا ہے یا یہ کہ صفائی اور استقامت زائل ہو کر کمزوری اور  
 عدم استقلال کا حجاب آگیا ہے۔ قوت صابروہ کی مثال ایک شیشے کی جگہ جب  
 شیشہ کے تہہ پر گرد پڑ جاتی ہے تو اسوقت اوسکو ایک تنزل حاصل ہوتا ہے  
 اور جب گرد اٹھ جائے یا اوتھا دی جاتی ہے تو ایک صفائی اور جلا حاصل ہوجاتا  
 ہے جسکو ترقی کہنا چاہیے اس طرح پر جب قوت صابروہ کی مقدار طبعی کمزوری کی  
 حالت میں ہوتی ہے تو اوسکو تنزل کہتے ہیں اور جب اوسکو ایک استقامت  
 حاصل ہوتی ہے تو مسترقی کہتے ہیں جیسے شیشہ کے مقدار دو لڑائی جالوتی ہیں

کمزور زیادہ نہیں ہونی کی سطح پر قوت صابرہ کے مقدار طبعی دونوں حالتوں میں محفوظ رہتی ہے۔

**امر ششم۔** قبل اسکے کہ ہم صبر کی حد اور انداز بیان کریں اس امر کا بیان ضروری ہے کہ قوت صابرہ پر انسان کو کسی قسم کا اختیار بھی حاصل ہے یا نہیں۔ ہمارے خیال میں انسان کو قوت صابرہ پر ایک قسم کا اختیار حاصل ہے جسکو ہم قوت صابرہ کی سطح طبعی قرار دیتے ہیں تاہم نہیں کر سکتے اس اختیار کے رویہ ہم قوت صابرہ کو روک بھی سکتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس تیز بھی کر سکتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ہم طبعاً قوت صابرہ پر ایک خاص قسم کا اختیار رکھتے ہیں تو اب ہم بوجہ اپنی وعدہ کے اس امر کے بیان کرنے کی اجازت مانگتے ہیں کہ صبر کی حد اور انداز کیا ہے۔

میرے خیال میں صبر کی حد اور انداز اسے قہر ہے کہ جب قدرِ فطرۃ انسان کی طبیعت میں سو وہ بہت مگر صبر کے استعانت کی حد اور انداز ضرورت کے موافق ہونی چاہیے انسان کو طبعی خواہشیں صبر کا سکھ ایک مخصوص مقدار پر رکھا گیا ہے لازم ہے کہ اس سکھ کو حسب ضرورت خرچ کیا جائے۔ اگر ضرورت کا لحاظ نہ کیا جائے گا تو وہ فائدہ جو ہم صبر سے حاصل کرتا چاہتے ہیں معدوم ہو جائیگا۔

قوت صابرہ سے انسان کو اس طور پر کام لینا چاہیے کہ جو افراط اور تقریظ سے بہتر ہو۔ دنیا کے جس کام اور جس ساخت کو دیکھو وہ کسی نہ کسی درجہ اور حد پر قائم ہو گا۔ اگر اس درجہ اور حد سے بچا و زیادگی کرو تو فوائد کی جگہ مضار اور نقصانات کا شعل ہونا پڑیگا خدا کی ساختوں اور کاموں کے عام قاعدہ کے موافق صبر کی تمام حالتیں خاص خاص حد اور انداز پر ثابت اور قائم ہے اگر ان مخصوص حدود اور اندازوں سے کمی یا تجاوز کیا جاوے تو اکثر قباحتوں کے حدوث کا اندیشہ ہو جو کہ دنیا کے سمات اور کاموں اور معاملات پر تجربہ اور غور کی نظر سے دیکھتے رہتے ہیں

اونکو اس بات کا بخوبی علم اور حقیقت ہوگی کہ بعض وقت انسان کو اس قسم کے سحر  
 معاملات اور امور پر پیش آتے ہیں کہ انہیں زیادہ صبر کرنا اچھا اور مفید نہ ہوتا ہے  
 اور بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جنہیں زیادہ صبر کرنا مضر اور نقصان رساں ہوتا ہے  
 اگر صبر کی مستحالی حالت کو اولٹ پلٹہ کیا جائے تو سخت قیامتیں پیدا ہوں گی مثلاً  
 اگر ہم کسی کام کو شروع کریں اور اسکا ابتدائی وقتوں اور تکلیفوں کو دیکھ کر صبر کو چھوڑ  
 دیں مگر پھر قیامتیں پیدا ہوں گی کی صورت میں جی ہم اپنی مراد کو نہ پھر سکیں گے  
 ایسے وقت میں لازم ہے کہ ہم صبر کو پوری توجہ اور محنت سے ساتھ ہی ساتھ اپنی  
 اگر ہمارا بھائی یا لڑکا غیر آدمیوں سے ملاپ رکھے اور ہم اوپر صبر کریں تو یہ صبر بیکار  
 حق میں اور نیکار سے اولاد کے حق میں اچھا اور مفید نہ ہوگا پہلی صورت میں ایک  
 مضبوط صبر درکار ہے اور اوس دوسری صورت میں وسیع صبر کی کوئی ضرورت نہ تھی  
 اس واسطے کہ اس آخری صورت میں وسعت صبر سے وہ معاملہ جسکے مقابلہ میں صبر کیا جا  
 رہا ہے اتر اور خراب ہو جاتا ہے ان دونوں مثالوں سے ناظرین نے اس امر کو معلوم  
 کر لیا ہوگا کہ صبر کی مستحالی حد اور اس قدر ضرورت پر منحصر ہے جیسی ضرورت ہو ویسا  
 صبر چاہیے۔ بصورت کمی بیشی وقت مدعا کا انالیشہ ہے۔

امر ہفتم۔ ہر ایک شے کی ضرورت اور فوائد کے معلوم کرنے کے واسطے اون حالتوں  
 و احوالات معاملات اور اتورات کو وزن کرنا اور دیکھنا چاہیے کہ جو ہمیشہ ہکویا ہمارے  
 ابنائے جنس کو پیش آتی رہتی رہیں اگر اون پیش آمدہ یا پیش آتیوالی حالتوں و احوالات  
 معاملات اور اتورات سے اوس شے کو کسی جہت یا کسی صورت سے ایک خاص قسم  
 کا تعلق لگاؤ واسطہ اور نسبت حاصل ہو تو سمجھ لینا یا استدلال کر لینا چاہیے کہ  
 فلان شے کی اس قدر ضرورت اور اس قدر فائدہ ہے میں اور بصورت دیگر یہ کہ اوسکی  
 کوئی ضرورت اور کوئی فائدہ نہیں۔ اسی عام قاعدہ کے موافق ہکویہ دیکھنا ہے کہ

انسان کو جس کی کیا ضرورت اور کیا فائدہ ہے۔ اوہ ہم صبر کو الگ رکھ کر پہلے یہ نوکیر  
 کہ ہم اپنی مختصر سی زندگی میں کیا کچھ کرنا اور جھگٹنا پڑتا ہے ہماری زندگی خود کو اپنے  
 کی طرح گزرتی جاتی ہے یا کہ اس کو کسی مضبوط بند اور پر زور سترہ راہ کا بھی سامنا  
 کرنا پڑتا ہے خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عزیز اور مختصر سی زندگی خود  
 پانی کی طرح نہیں گزرتی ہے بلکہ اس کو اپنی گزرنے کے ایام میں سخت سے سخت پہلو  
 اور بندشوں کا مقابلہ اور سامنا کرنا پڑتا ہے اس پر ایسا دل تو کوئی آتا ہی نہیں کہ  
 کوئی نہ کوئی مصیبت یا نعم لاحق ہونا م کو خوشی ہوتی ہے حقیقت میں دیکھ لے لو دنیا  
 بہرین مثل اسکے کوئی دیکھ لیں۔ یہ سارے دکھ اور سارے بکیرے جو دنیا میں  
 پائے جاتے ہیں ایک زندگی کے واسطے ہی ہیں زندگی ہونو پہلی نہیں جب جسم  
 خاکی سے روح پرواز کر جاتی ہے تو وہ در کی شکل تک نظر نہیں آتی اب تک  
 نتھنوں میں دم ہے تو سب کچھ ہے مگر جب دم نہیں تو کچھ بھی نہیں جیسا کہ بات  
 ثابت ہوئی کہ زندگی چین سے نہیں گزرتی تو اب اوہر سے نظر کرنی چاہیے کہ ایسی کئی  
 کی حالت میں روح انسانی کو ایک خاص قسم کی تسکین اور تسکین کیونکر حاصل ہوگی کہ  
 اسکا حاصل ہونا روح کے واسطے ضروری ہے غور کرنے اور سوچنے سے معلوم ہوتا ہے  
 کہ خالق زمین و آسمان نے اُن وقتوں - تکلیفوں - اور مشکلات کو حل کرنے اور  
 اونٹھانے اور برداشت کرنے کے واسطے جو ہمیشہ زندگی کے ارد گرد رہتے ہیں انسان  
 کو اس قسم کے آلات فراہم کیے اور طاقتیں بخش رکھی ہیں کہ جنکے سہارے اور زور سے  
 انسان کی روح کو ایک قسم کی خاص تسکین - آرام اور تازگی اور فتح و نصرت اور  
 کامیابی حاصل ہوتی رہتی ہے سچلہ ادن آلات قوائی اور طاقتوں کے ایک قوت  
 صابرہ ہی اس نادرا اور ضروری قوت کے سہارے اور ذریعہ سے انسان بڑی بڑی  
 لایحل مشکلات اور وقتوں کو حل کر لیتا ہے اگرچہ اس کو کسی ہی نام کا سیا بیان ہو

مگر اس طاقت نادرہ کی برکت و سمارے سے اوپر سر پر کبھی نہ کبھی کامیابی کا بیار آ  
تاج رکھا ہے جاتا ہے۔ اگر خدا سے لایزال اپنی قدرت، کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان  
کی ذات میں قوت صابرہ و ولایت نہ کرتا تو مختلف وقتوں - تکلیفوں - ناکامیوں  
اور مایوسیوں کے حدوث اور بحوث اور دائمی عدم انحلال سے انسان کا ایک دم تک  
جینا مشکل ہو جاتا۔ انسان کو مختلف تکلیفوں - ناکامیوں - معانات اور امور  
کا پیش آنا اس امر کو بوضاحت ثابت کرتا ہے کہ قوت صابرہ کی نہایت ضرورت  
تھی جبر سے انسان کو جو بنوا اور آرام حاصل ہوتے ہیں وہ روزمرہ تجربہ سے  
کا اشمس نما ہرگز نہیں۔ مگر تمہیل مضمون ہذا کے لئے بالانتہا چاہئے ایسے فائدہ  
اپنی عذرت کے لحاظ سے اور فائدہ دل پر محنتی ہیں تدریجاً ظہور کرتا ہوں۔

(۱) جبر سے انسان کے دل میں اہمیت - برتقاوت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے  
نہ اس سے رونق ترقی اور کامیابی کی ڈگری ملتی ہے۔

(۲) صبر کے اختیار کرنے سے انسان کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں  
رہ کر سوائے محنت مشقت اور حوصلہ کرنے کے کامیابی نہیں ہوتی۔

(۳) اگر انسان غمناک ناکامیوں اور مایوسیوں یا پیچیدہ معاملات کو حدوث  
اور وقوع کے وقت صبر سے کام نہ لے تو اس کا جینا کمال ہو جائے ویکہ جبر سے  
یہ کتنا بڑا فائدہ حاصل ہوا۔

(۴) صبر کرنے سے انسان کی طبیعت میں تحمل اور تامل کے طاقت پیدا ہو جاتی ہے  
اور یہ بات مان لی گئی ہے کہ دنیا کے پیچیدہ امور اور لابلعل معاملات پر دینی  
قادراً صبر ہوتا ہے کہ جو تحمل اور تامل ہو۔

(۵) صبر کرنے سے انسان اکثر امور اہمیت معاد اور معاش کو کامیابی سے حل کر لیتا ہے  
یا لیتا ہے اور انہیں دونوں باتوں پر انسان کی زندگی کی بہتری کا دار ہے۔

## قناعت

قناعت میں لفظ قناعت کو معنی تھوڑی چیز پر راضی ہونے کے ہیں اور اصطلاح علم اخلاق میں قناعت سے انسان کے وہ غمہ اور ضروری صفت یا طریقی عمل مراد ہے کہ جبکی بدو یا ذریعہ سے انسان ایک خاص وزن یا ایک خاص حالت کو بلا کسی قسم کے لغزش غلطی کمزوری اور بے ترتیبی کے کام میں لاسکتا ہے صبر اور قناعت کو اکثر لوگ مترادف خیال کرتے ہیں اگرچہ غلطی پر نہ ہوں تو میری رائے میں یہ خیال قریب آتا نہیں ہے لفظ صبر کے لغوی معنی سہارنے کے ہیں اور لفظ قناعت کے معنی تھوڑی چیز پر راضی ہونے کے ہیں قطع نظر اصطلاحی معنوں کے اختلاف کو ان لغوی معنوں میں بھی کسی قسم کا اتحاد اور مترادف نہیں ہے اگر ان دونوں مباحثات المعانی لفظوں کے مترادف قرار دینے کو وقت انکے مفہوم کی اصلیت اور حقیقت پر غور کیا جاتی تو ان غلطی نہوتی جسطرح برہنہ صبر کو ایک طبعی صفت یا قوت قرار دیا سچا سچ برہنہ صبر کی رائے میں صفت قناعت بھی انسان کی ایک طبعی صفت ہے کسی میں کم ہے اور کسی میں زیادہ کوئی اس عمدہ صفت سے معقول طور پر کام لینا ہے اور کسی غفلت اور سہمی سے بیکار پڑی ہے۔ ہمارے میں انسان کو اس عمدہ اور ضروری صفت سے لازمی طور پر کام لینا چاہیے۔ اسکو کام یا عمل میں لانے سے انسانی زندگی کے بہتر رہنے کے واسطے ایک قابل تسکین سبیل نکل آتی ہے جو لوگ دنیا اور دنیا کے تنہوا لوگوں کی حالت اور روزمرہ کی اندرونی اور بیرونی واقعات اور معاملات کو تجربہ اور غور کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انکو بخوبی معلوم ہے کہ دنیا اور دنیا کے رہنے والوں اور واقعات کا حال یکساں نہیں ہے نہ تو تمام آدمی یکساں حالت کے ہیں اور نہ ان کے متعلقہ واقعات اور معاملات ایک صورت کے ہیں ساری دنیا اور دنیا کے ہر گوشے کو جدا ہے خاص کر ایک آدمی کی حالت اور متعلقہ واقعات بھی یکساں نہیں ہیں یہی



اور کبھی کچھ کسی ایک حالت کو قیام نہیں جب یہ بات ثابت ہوئی کہ دنیا اور دنیا دار  
 رہنے والوں کی حالت اور واقعات یکساں نہیں ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس قاعدہ  
 سے لازم آتا ہے کہ انسانوں کو مختلف مخصوص وزنوں کی حالتیں حاصل ہوں اور  
 صفت قناعت کی رہبری اور مدد سے انسان اول مختلف مخصوص الاوزان حالتوں  
 کو بلا کسی قسم کے لغزش کمزوری غلطی اور بے ترتیبی کے کام میں لائے۔ اگر انسان  
 کے عمل کا قدم اس جاوہ مستقیم سے ہٹ کر راج پر جا پڑیگا تو بالآخر جس خواہی  
 کے واسطے اور بالعموم اور دن کے لیے سخت قباحتیں پیدا ہوگی۔ اکثر برائیاں اور  
 معیوب افعال لوگوں سے اس واسطے سرزد ہوتے ہیں کہ وہ قناعت کے ضروری اور  
 لازمی قاعدوں اور اصولوں کو عمدہ طور پر یا بالکل ملحوظ نہیں رکھتے قناعت کے  
 ضروری قاعدوں کو ملحوظ رکھنے سے اکثر برائیاں اور قباحتیں چھوٹ جاتی ہیں اور  
 نہ ملحوظ رکھنے سے اکثر قباحتیں اور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ فرض کرو کہ زید کو  
 بکر کے ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے پانچ روپیہ ماہواری پر لڑ کر کہا زید نے ایک حمیہ ڈکرائی  
 کر کے اسوجہ سے استغفار دیا کہ پانچ روپیہ میں اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ زید  
 نے ڈکری سے تو استغفار نہ دیا مگر گزارہ چلائے کے واسطے اپنی منصبی ذمہ داری کو ترک  
 کر کے رشوت یعنی شروع کر دی زید نے ان دونوں صورتوں پر اس حالت میں عمل  
 کرنا شروع کیا کہ جب اس کے دل سے قناعت کے ضروری اور معقول قواعد کا لحاظ  
 اور اعتبار اونٹھ گیا اگر زید قناعت کے ضروری اور شبیل ڈیوٹی کو پورا کرتا تو خیالاً  
 اس کے دل میں پیدا ہی نہ ہوتے قناعت تو ہلکی یہ سکھاتی ہے کہ ہم پانچ روپیہ میں ہی  
 گزارہ کریں اور اسی مخصوص وزن یا رقم سے اس وقت تک کہ جین جائز طور پر ترقی  
 کی کوئی اور شبیل ہاتھ نہ آئے کام نکالیں۔ مگر جب قناعت کو چھوڑ کر انوکھے خیال  
 میں مبتلا ہو گئے پھر بڑائیوں اور قباحتوں کے اور کیا ہاتھ آئے گا ہمارے خیالات

یہی اثر اور نتیجہ ہوگا کہ یا تو ہم زیادہ روزی کی تلاش میں خراب ہوتے پہریلے اور یا  
 رشوت لینا اور مال حرام کا اکٹھا کرنا شروع کر دینگے۔ اس قسم کے بُرے خیالات  
 کسی نہ کسی روز ہلکے وہ ناسبارک کوچہ دکھائیگی کہ جس سے ہماری عورت بزرگی و قسوت  
 اور شہرت بالکل دور ہو جائیگی البتہ اگر ہم ایک مخصوص اور حاصل شدہ وزن یا حالت  
 پر قناعت کر کے جائز و سلیوں سے ترقی کی کوشش کرتے تو کچھ بُرائی نہ ہنی کیونکہ  
 انسان کا ترقی مراتب اور تبدیل حالت کو واسطے جائز و سلیوں سے کوشش اور سعی  
 کرنا قناعت کیے مخالف نہیں ہے قناعت ہلکے ایسی ضروری کوششوں سے بندہ بہتر  
 کرتا ہے تاں ناجائز و سلیوں کو کام میں لانے سے ضرور روکتے ہیں ناجائز و سلیوں کو کام  
 میں لانے سے قناعت میں فرق آجاتا ہے مگر جائز کوششوں سے کوئی فرق نہیں آتا  
 اگر دیر پا پھر وہی کی لو کری بر قناعت اور کفایت کر کے ترقی کی کوشش کرے جو ممکن  
 ہے تو اس سے قناعت میں کوئی کمزوری اور فرق نہیں آسکتا مگر اگر ذکر و ریاضت اور  
 پاکسی اور ناجائز طریقہ سے اپنی آمدنی کو بڑھائے تو قناعت میں ایک عظیم انقلاب  
 آکر مختلف برائیاں اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اپنے آپ اور اپنے لواحقین اور مال و  
 اور اولاد کو دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے اور سرکاری قانون کے مخالف کیجاتی  
 ہے ان دونوں مثالوں پر کیا موقوف ہے اور ایسی سبکدوشوں مثالیں ہیں کہ جن سے قناعت  
 کا قائم رکھنا نہایت ضروری ثابت ہوتا ہے اور یہ بات بھی حل ہو جاتی ہے کہ قناعت  
 سے احتراز کرنے میں انسان کو مختلف برائیوں اور قباحتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے  
 اسے عویذ و تمکوج مخصوص وزن کی حالت حاصل ہے اور سکو شائستگی اور تہذیب  
 اور معقول ترتیب اور سلیقہ سے کام میں لاؤ حاصل شدہ حالت کو اپنے تصرف اور  
 قبضہ میں رکھ کر کوشش کر دے کہ تمکو ایک اور جدید حالت جو پہلی حالت سے بڑھ کر ہو  
 حاصل ہو جائے پہلے مخصوص اور حاصل شدہ حالت کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھ کر

اور عمدہ جدید حالت کی تلاش کرنے سے قناعت کا مبارک واسن ہاتھ سے نہیں  
چمٹتا مگر پہلے مخصوص اور حاصل شدہ حالت کو چھوڑ دینے سے واسن قناعت ہاتھ سے  
نکل جاتا ہے اگر ایک خاص وزن یا خاص حالت کی شے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا  
تو یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم اسکو چھوڑ دین اور کچھ دیکھتے ہیں، سو اس کے اور کیا حاصل  
ہو گا کہ ہم خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے انواع و اقسام کی بلاؤں اور بکھیروں میں مبتلا  
ہو جاویں گے۔ دور اندیشی اور دانائی اس میں ہے کہ اس حاصل شدہ نتیجہ کو  
کو قبول کر کے جائز طریقوں سے اور جدید حالت کو پیدا کرنے کی تلاش اور کوشش کرے  
اگر زید ایک روٹی سے سیر نہیں ہو سکتا تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ اس ایک روٹی  
کو بھی دو گویا خوبی قسمت سے ہاتھ لگ جائے۔ رایگان دیدی۔ زید اگر ایک روٹی کو  
گدڑان نہیں کر سکتا تو اسے لازم ہے کہ اسکو اپنے قابو میں لاکر اور روٹیوں کی  
تلاش کرے اس صورت میں پہلے حاصل شدہ روٹی بھی اپنے قبضہ اور قابو میں رہے گی  
اور شاید اور روٹیاں بھی مل جائیں۔ مگر اگر زید پہلی مقبوضہ روٹی اپنے تصرف اور  
قبضہ سے الگ کر کے اور روٹیوں کی تلاش کرے گا تو سوائے خرابی کے اور کیا حاصل  
ہوتا ہے یا نہ کہ وہ اپنی مقبوضہ کو اپنے تصرف میں رکھ کر ناجائز طور پر اور روٹیاں  
تلاش کرے اس صورت میں اول سے بھی زیادہ خرابی کا اندیشہ ہونا جائز و سبیلہ کر  
تلاش کرنا وہی صورتوں پر ہو سکتا ہے یا تو بد دوستی اور یا کسی فتنہ و فحش اور  
چوری سے یہ دونوں صورتیں خود زید اور اور انہیں جنس کے حق میں مضر اور نقصان  
رسان ہیں دیکھئے ایک قناعت کے چھوڑنے سے کس قدر بکھیروں میں پہنچنا پڑا  
اگر قناعت کو قائم رکھ کر جائز طور پر جدید حالت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے  
تو اس قدر بکھیرے کیوں دیکھنے پڑتے خوب چین سے گذرتی۔ سچ پوچھو تو قطعاً  
ناجائز حد بغض اور چوری جکاری کا وجود ہے اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ سب انسان

قناعت کر سلیم اور سید ہر رستہ کو چھوڑ کر گناہ اور ٹیڑھا راستہ اختیار کر لینا ہے  
 ایک قناعت کو اختیار کر لو طمع نفسانی ناجائز حصہ لبغض اور چوری کا نام و نشان  
 نہ رہیگا چین سے گزریگی نہ کوئی بکھڑا اور نہ دکھ اور نہ رنج ۵ اگر خواہی تھی  
 رنج بسیار پڑا باندک مایہ راحت باش خورسند۶ شائستگی اسپین ہے کہ مقبوضہ  
 شے یا حاصل شدہ حالت پر اگرچہ کم قدر اور تھوڑی ہی ہو قناعت کیجا دو آسین  
 خوشی اور فرحت ہی اور اسی میں درد اندیشی اور دانائی تھوڑی یا کم قدر شے یا حالت  
 پر قناعت نہ کرنا اور ناجائز طور پر بار و گرد ہاتھ مارنا حق اور حلال کا کام ہے یہ طریق  
 عمل اپنے آپ کو ہی اور اردن کو بھی تکلیف اور دکھ پہونچاتا ہے اور طرح طرح کی  
 برائیوں کے ارتکاب کی جرأت دلاتا ہے۔ انسان کو اس نامبارک طریق عمل سے  
 کلیتہً احتراز اور اعراض کرنا چاہیے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر قناعت کیجا دو  
 تو اس سے انسان ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ قناعت تو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ جو  
 شے یا جو حالت اور درجہ ملو حاصل ہے اسے پر بس اور کفایت کر دو اور ترقی صفت  
 ہوتی ہے کہ جب آگے بڑھنے کے اسباب اور وسائل ہم پہونچائے جائیں۔ ترقی  
 اور قناعت ایک سنزائ نہیں پہونچائیں دونوں کی منزل مقصود جدا جدا ہے اگر  
 قناعت اختیار کریں تو ترقی معدوم اور اگر ترقی کی تلاش کریں تو قناعت مفقود  
 میرے رائے میں یہ خیال صداقت آمیز نہیں ہے اگر قناعت کی حقیقی معنوں اور  
 اصلی مفہوم پر غور اور نظر کیجائیے تو ایسے خیالات پیدا ہونے ہی مشکل ہیں۔  
 اس قسم کے کمزور خیالات اور سی صورت میں پیدا ہوتے ہیں کہ جب انسان قناعت  
 کے حقیقی معنوں اور اصلی مفہوم پر غور اور نظر نہیں کرتا۔ قناعت کے یہی نہیں ہیں  
 کہ انسان ترقی کے وسائل کی تلاش سے باز رہے یا یہ کہ اپنے ایکوا یکہ ہی حالت  
 پر قائم رہنے کی کوشش کرے آگے بڑھنا اور اعلیٰ درجہ کی حالت حاصل کرنا حرام سمجھے

جو شخص قناعت کو ان معنوں سے تعبیر کرتا ہے وہ درحقیقت ایک بڑی بہاری غلطی کی پیروی کر رہا ہے قناعت ہلکویہ نہیں سکھاتی کہ ایک مرتبہ جو شے یا جو حالت ہمیں حاصل ہوگی یا مل گئی اسی پر بس اور کفایت کریں اور اعلیٰ حالت کی تلاش نہ کریں قناعت تو ہلکویہ سکھاتی ہے کہ جو حالت یا جو شے خوبی قسمت سے جاری تصرف اور قبضہ میں آگئی ہے اسکو اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھ کر غمگنی اور محفولیت سے کام لیں اور جائزہ وسیلوں سے اور اعلیٰ حالت کے حاصل کرنے کے لیے سعی اور کوشش کریں یہ کیا وانا فی ہے کہ اعلیٰ حالت کی دھن میں مقبوضہ حالت کو چھوڑ کر خراب ہوتے بہرین۔

کبھی چورینین اور کبھی حاسد کبھی رہزین اور کبھی فاجر۔ ترقی حاصل کرنے کا یہ چھاپا اصول ہے کہ اپنی پہلی حالت کو ترک کر کے جدید حالت کے دھن میں خراب ہوئے پھر ناز و عزیز وہی اصول انسان کو نیک سے برا اور اچھے سے بد بناتا ہے اس سے محفوظ رہنے اور بچنے کی کوشش کرو۔ نیک بینی اور صداقت سے اپنی پہلی حالت کو کام لیتے رہو اور جائزہ وسیلوں سے اعلیٰ حالت حاصل کرنے کی کوشش کرو قناعت تمہیں ترقی کرنے اور بڑھنے سے مانع اور مزاحم نہیں ہے قناعت تو تمہیں سکھاتی ہے کہ پہلے شے یا پہلی حالت کو قبضہ میں رکھ کر کسی اور اعلیٰ حالت کی جستجو اور تلاش کرو۔ عزیز یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم قناعت اور ترقی کو دو متضاد حالتیں خیال کرتے ہو قناعت ترقی کا پیش خیمہ ہے اگر انسان کے دل میں ترقی کرنے سے پہلی قناعت نہ ہو تو ترقی خاک کر لگاتری کرنے کے واسطے قناعت بمنزلہ خج سفر اور توشہ کے ہے کیا عمدہ اور من بھاتی بات ہے کہ خج سفر اور توشہ ساتھ لو اور ترقی کرو قناعت ہلکویہ کسی اور نیک کار اسے نہیں دکھاتی ترقی کی مبارک پلٹیا فارم پر چڑھنے کا ہوا اشارہ کرتی ہے۔

عزیز جو شخص قناعت کو ترقی کے منافی خیال کرتا ہے وہ سچائی کی پیروی نہیں کرتا اسکی کمزور باطن پر دھیان اور اعتناء نہ کرو مقبوضہ اور حاصل شدہ حالتوں پر

اور قائم رہ کر اور جدید اعلیٰ درجہ کے حالتوں کے جائز وسیلوں سے حاصل کرنے کی سعی اور کوشش کرواؤ خدا تو اپنے فضل و کرم سے سب بھائیوں کو سچ رہ ستمبر پر ملا اور انکو صد احقین اور حقیقوں کے قبول کرنے اور کمزیر کرنے کی محبت اور طاقت عطا فرمائی

## رضاء

لغت میں لفظ رضاء کے معنی خوش ہونے کے ہیں اور علم اخلاق کی مخصوص اصطلاحات کے رو سے انسان کی وہ خاص حالت مراد ہے کہ جو کجی اور حدوث غفلت پر تصدیق و تکلیفوں مایوسیوں اور ناکامیوں کے وقت ایک خاص درجہ اور خاص قسم کی تسلیم قبولیت اور منظوری خالی از شکایت کے پیرائے میں ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کی حالت پر غور اور نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وہ اس دنیا میں رہتا ہو اسکو ایک نہیں صد ہا تکلیفوں مصیبتوں اور وفوتوں کا سامنا اور مقابلہ کرنا پڑتا ہو نہیں سکتا بعض مصیبتیں اور تکالیف ہیں تو اپنے ہی انہاسے جس کے ہاتھ سے پہونچتی ہیں اور بعض غیر جس کے ہاتھ سے بعض مصیبتیں اور تکالیفیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ جو واردات لاحق تو ہو جاتی ہیں مگر ظاہر میں انکا سوا سے چند اتفاقی صورتوں کی اور کوئی با یا موجب نہیں معلوم دیتا اور نہ اس نوع کی مصیبتوں اور تکلیفوں کے روکنے کا انسان کو قدرت ہوتی ہے پہلے دو قسم کی مصیبتوں کو انسانی محاورات کی رو سے دو قسم کی مصیبتیں کہتے ہیں۔ اور تیسری قسم کو قدرتی مصیبتوں کے نام سے موسوم یا تعبیر کرتے ہیں اگرچہ پہلی دو قسم کی مصیبتیں اور تکالیفیں بھی انسان وقت اور شکل سے روک سکتا ہے مگر کہا جا سکتا ہے کہ آدمی روکنے کو وسائل انسان کے ہاتھ اور قدرت میں پائے جاتے ہیں تیسری قسم کی تکالیفیں اور مصیبتیں انسان کی حکمت علیوں اور قدرت و خدایا سے باہر ہیں انکے روکنے یا بند کرنے کی انسان میں طاقت یا ہمت نہیں ہے اس لئے انکو اور عدم استطاعتی کا اصل باعث یہ ہے کہ اس نوع ثالث کی مصیبتوں کے طور پر حدوث

کے وسائل انسان کی قدرت اور سمجھ سے باہر ہوتے ہیں انسان اون واسطوں کو جو  
 اس قسم کی مصیبتوں کے وجود کو اصل باعث ہوتے ہیں اسے طور پر جان نہیں سکتا  
 نہ اون کو مدافعت بہرہ قادر اور کامیاب ہو سکے جیسے یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا میں اگر  
 کوئی انسان بھی مصیبتوں اور تکلیفوں سے محفوظ اور خالی نہیں رہتا ایسے ہی اس امر کو  
 بھی مانا گیا ہے کہ انسان کی فطرت میں ہی ایک اس قسم کی قوت یا طاقت کچی گئی ہو  
 کہ جو حقوق مصائب اور نزول مصائب کو وقت انسان کی بقیدار اور مضطرب دل  
 میں ایک خاص قسم کی طمانیت اور تسفی تسلیم آمیز پیدا کر دیتی ہے آدمی آسمان بات کو  
 تو جانتا ہے کہ کچھ ایک یا بہت مصیبتیں نازل ہوئی ہیں مگر اس نادر قوت کی مدد سے  
 اون مصیبتوں کے حدوث یا نزول کو تسلیمی الفاظ میں ظاہر کرتا ہے میرے خیال میں  
 اس عمدہ قوت کو قوت رضائیہ کہ نام سے موسوم یا تعبیر کرنا چاہیے یہ قوت صابرہ  
 سے ایک جدا قوت ہے قوت صابرہ کو عمل میں صرف مصائب اور تکالیف وغیرہ کا  
 سہارنا اور اٹھانا ہوتا ہے زبان شکایت بند نہیں ہوتی اور نہ تسلیم و قبولیت و  
 منظوری ظاہر کیجاتی ہے برخلاف اسکی قوت رضائیہ کے عمل میں باوجود سہارنے اور  
 اٹھانے کے زبان شکایت بند اور تسلیم و قبولیت و منظوری شامل ہوتی ہے۔  
 قوت رضائیہ ایک اعلیٰ درجہ کی لطیف اور نفیس قوت ہے اگر اس پر ذرا سا بھی حجاب  
 آجائے تو اسکی حالت میں فرق اور انقلاب اگر بالکل کمزوری اور ضعف جو عدم کے  
 قریب قریب ہوتا ہے پیدا ہو جاتا ہے یہی باعث ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ قوت اور  
 قوتوں کے طرح فطرتی ہے اور ہر ایک آدمی کی ذات میں کم و زیادہ پائی جاتی ہے  
 مگر چھپر ہی اسکا کامل یا کلی طور کسی ہی کسی میں پایا جاتا ہے جسطح آئینہ برگر دیا مٹی  
 پر ٹرنے سے اسکی انعکاسی قوت میں کمزوری یا فرق آجاتا ہے اسطرح پر ایک ادنیٰ  
 حجاب بھی قوت رضائیہ کے کمزور ثابت کرنے میں نور اور اور سخت موثر ثابت ہوتا ہے

حجاب آجانے کے طریق ایک نہیں ہیں کئی رستوں اور کئی صورتوں سے آجاتے ہیں میں اول ساری صورتوں کو بیان کرنا نہیں چاہتا او نہیں سے چند صورتیں پیش کرتا ہوں وہی پیش کردہ صورتیں اور صورتوں کی حالت اور حیثیت ظاہر کرتی ہیں۔ میں اپنی دانست کو بموجب ایک سیدھی اور آسان راہ بتا دی ہے اور ہر چلنے سے چلنے والا منزل مقصود پر پہنچ جائیگا۔

(پہلی صورت) جب انسان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے دل و دماغ اور راج پر ایک صدمہ ہوتا ہے اس صدمہ سے انسان ایک بیقاری اور اضطرابی کے دائرہ میں گہر جاتا ہے بیقاری اور اضطرابی کے اس گہر سے قوت رضائیہ کا چاند چھپ جاتا ہے انسان کو اس کا خیال ہی نہیں آتا اور اوٹلا اور شور و شغب شروع کیا جاتا ہے اس حقیقی تسلی دینے والے معاون وقت مصیبت قوت رضائیہ کو ایک دور و دراز گوشہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اسے وقت میں انسان خیال کرتا ہے کہ میرا کوئی تسلی دہندہ اور معاون نہیں ہے یہاں تک غلط فہمی ہے کیونکہ ایسے وقتوں کا تسلی دہندہ اور معاون تو قدرت نے اس کے دلی فیصل میں ہی رکھ چھوڑا ہے۔

اگر انسان کی دلی آنکھیں اضطراب کی تاریکی سے اندھی نہ ہو جائیں تو یہ تسلی دہندہ بہت کچھ ادا کر سکتا ہے اس قدر تسلی دہندہ اور ذاتی معاون سے تسلی اور معاونت حاصل کرنے کے واسطے بیقاری اور اضطراب کا دور کرنا لازم ہے جب اضطراب دور ہو جائیگا تو ہم خود بخود ہی اس قدر تسلی سے تسلی حاصل کرنے کے واسطے درخواست کرینگے۔ بیقاری اور اضطراب کا دور کرنے کے لئے اس اصول کو بہت جربستہ اور بغیر تغیر سمجھ لینا ضروری ہے کہ کوئی مصیبت اور قسم کی تکلیف اضطراب اور بیقاری سے ہٹ نہیں سکتے۔ اگر ہم لاکھ برس تک



ایک مصیبت کے لحاظ سے چلاتے رہیں اور کم وصلگی غا ہر کرین تب بھی کچھ سہولت اور اتفاقہ ہوگا جب بحقوق مصائب کو وقت ہمارے دل میں اضطراب کا جن جن حلول نہیں کرے گا تو ہوش و حواس اور عقل و ذہن کے درست اور صحیح رہنے کی حالت میں ہم اس قدر ترقی تسلی و ہندہ کے فیوض سے فیضیاب ہونگے۔ جو بیماری بہتری اور استقامت طبیعت کا موجب ہوگا۔

(دوسری صورت) بحقوق مصائب اور نزول مصائب کو وقت ہمو قبل از پریشانی اور مشطرب الحال ہونے کے مصیبت لاحقہ کی حیثیت پر غور کرنے چاہیے۔ لاحقہ ترین دو مثال سے خالی نہیں ہونگی یا تو اونکا مصدر اور منبع کسی انسان یا حیوان یا خلق الہی ذات ہوگی یا اونکے ظہور اور حدوث کو باعث قدرت سے متعلق ہونگے۔ اگر اونکا موجب کوئی انسان وغیرہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اوسکا ہاتھ یا اوسکی قوت ہماری بے قراری اور اضطراب سے رک نہیں سکیگی بلکہ جب وہ ہمو اپنے فعل کی تباہی سے مشطرب الحال دیکھے گا تو اور بھی اپنے موثر فعل کے اظہار میں زور دے گا۔ پھر اگر ہم استقامت سے قوت رضائیہ کے زور سے مصائب لاحقہ کو سپر صبر بردار تسلیم کے واسطہ میں نے آئیے تو ہماری اپنی حالت بھی مستقیم رہے گی اور ہماری فحائلوں کو بھی معلوم ہو جاوے گا کہ ہم اضطراب سے کام نہیں لیتے کرتے بلکہ تسلیم اور رضائیدہ اگر مصائب وارہ کا باعث اسباب قدرتی ہوں تو فیصلہ ہی آسان ہے جبکہ سبب قدرتیہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہیں اور ہماری عقلوں کو وہاں تک رسائی نہیں تو پھر اون اسباب کو نتائج کے ظہور یا ورود کو اضطراب سے ہٹانے کی کوشش کرنا۔ محض فضول ہے نہیں ہر بلکہ یہ کہ ہم اپنی سچی ہستی کے زور پر قدرت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو کبھی سرسبز نہیں ہوگا قدرت ہماری آہ و زاری سے نہ توڑ سکتی ہے اور نہ اپنے کام کو بند کر سکتی ہے ہم کیسی ہی مصیبت زدہ ہوں وہ برابر اپنے کام میں لگے جاتی ہے

انسان کا ہاتھ توڑک بھی سکتا یا روکا جاسکتا ہے مگر قدرت کا ہاتھ نہڑک سکتا اور نہ روکا جاسکتا ہے۔ ہم قدرت اور اس کے قوانین کے تابع ہیں وہ ہم پر ہر ایک طرف سے محیط اور ہر ایک جہت سے غالب اور متصرف ہر اس کے اسباب و اسباب و اتفاق یا ظہور سے مضطرب الحال ہو کر اس کے تجسس ہوئی طاقت قوت رضائیہ کو جواب دینا بالکل کچ فہمی اور کم حوصلگی ہے۔ قوت رضائیہ ہلکے جواب نہیں دیتی اور نہ ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہے ہم خود ہی اس کو جواب دیتے اور خود ہی چھوڑتے ہیں قدرت نے تو اس کو مصیبت کے وقت ہمارے ساتھ شریک ہونے کے واسطے پیدا کر کے ہمارے جسموں اور رگ و ریشہ میں رکھا ہے اگر ہم ہی اس سے اس کا منصبی کام نہ لیں تو پھر اس کا اور اس کے موجود قدرت کا کیا تصور ہے۔

(تفسیری صورت) مصائب اور تکلیفوں کے وارد اور لاحق ہونے کے وقت انسان کو ایک نظر سے اپنی ماسوائے موجودات کو بھی ضرور دیکھنا چاہیے صرف ظاہری آنکھ سے ہی نہیں بلکہ دل اور غور کی آنکھوں سے اس ضروری اور دلی مشاہدہ سے مصیبت زدہ انسان پر یہ بات کہلی ہے نہ جا بگئی بلکہ مختلف زندہ اور گدگد ششہ نظیروں سے ثابت ہو جاوے گی کہ دنیا کے پردہ پر موجودات کا کوئی فرد بھی مختلف مصیبتوں اور صدیوں کے زرد اور جٹ سے محفوظ نہیں رہا اور یہ کہ سب موجودات ایک استقامت سے تسلیم کا لہا کر رہیں کر ادب کا سر جھکا لئے بیٹھی ہیں۔ اور موجودات کا ایک فرد دوسری فرد کو دلا سے سمجھا رہا ہے کہ یہاں بولنے کی سکت نہیں اگرچہ جبراً کر دے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ اولٹے نگو ہی ڈانٹا جاویگا اور تمہیں ہی سب لوگ کراہت کی نظر سے دیکھینگے اور تو ہی قوانین قدرت کی بے ادبی کرنے والا سمجھا جاویگا۔ ایک شہر دوسری شہ کے حال کی زبان سے بجا رہا کر کہہ رہی ہے سو یہ کہنا یہ الارش گاہ ہر تم تجربہ کے خوفناک میدان میں لائے گئے ہو ابھی تم نے دنیا اورستی کے میدان میں پہلا ہی قدم

رکھا تھا کہ قدرت نے آزمائش کی نظر سے جان بوجھ کر تجھ کو ٹھوکر دی اور تو دایہ کے  
 نا آشنا گود میں جا کر چلایا۔ یہ ٹھوکر تیرے ستمناے کو واسطے نہ تھی بلکہ اس نظر سے  
 کہ تو ہستی کے خوفناک میدان میں پہلا ہی قدم رکھتے یہ سمجھ لے کہ اس چید و زہر  
 کی راہ مصیبتوں کے کانٹوں اور تکلیفوں کے کنکر۔ رُڈ رُڈ سے بہری ہر پہلے ہی  
 قدم میں ٹھوکر نہیں ہے بلکہ اس منزل کے اخیر تک یہی حال ہے اگر تو نے پہلے ہی  
 قدم میں حوصلہ ہار دیا تو آگے کیا کرے گا روئے پٹنے سے کیسے کورم نہیں آئیگا طوعاً و  
 کرہاً اس ضروری راہ پر چلنا ہوگا۔ موجودات کے سارے اجزاء یک زبان ہو کر  
 کہہ رہے ہیں غرب سے شرق تک اور شمال سے جنوب تک کوئی فرد بشر ایسا ہی  
 دکھا دو ہمارے جزو نہیں کوئی ایسی نیک قسمت جزو بھی نکال دے کہ جو اس آزمائش  
 میں اگر ہمیشہ خوش اور فانیع البال رہے۔ دوسرا کوئی ہو تو جواب دے ساری  
 موجودات چشم پر آب ہو کر جواب دیتی ہے کہ کیوں ناحق سوال کرتے ہو۔ دیکھتے ہو  
 اور بہر تیر نہیں کرتے سنتے ہو اور بہر سمجھتی ہیں ہستی کے میدان میں کوئی بھی  
 ایسی جان اور کوئی بھی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو اول سے آخر تک یکساں فانیع البال  
 اور خوش رہا ہو۔ کوئی کسی میں گرفتار اور کوئی کسی میں یک زبان ہو کر یہ کہو کہ  
 قادر مطلق نے اس نیلگون چھت کیسے کسی وجود کو بھی پوری سلامتی کا مالک  
 نہیں بنایا (دلائل) یہ تو سوچو کہ اگر ہلکوبھی پوری سلامتی نصیب ہوتی تو کیا  
 ہم اس کاریگر سے جیسے پاک اور قدرتی ہاتھ نے ہلکو بنایا ہے کم ہوتی ہم تو اس  
 کاریگر کے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتلیان ہیں ہلکو پوری سلامتی سے کیا سروکار۔  
 جس حال میں ہو اوسے پر شکر کرو اور قدرت نے تم کو ایک ذاتی معادون جو عطا  
 کیا ہے جسکا نام قوت رضائیہ ہے اوسکے سفید مشورون پر چلو۔ اگر تم نے قوت رضائیہ  
 قدرتی رہبر ذاتی معادون کے فرمان برداری نہ کی تو تم خود ہی اپنے واسطے مصیبتیں

جمع کرنے کے ٹکب سمجھے جاؤ گے۔ عزیز و موجودات کی اس بکار و ادب کو فضول اور  
 بیہوشی نہ خیال کرو بلکہ اوسکی بیان پر غور کرو کیونکہ اوسکے دلسوز بیان سے تلو ایک شے  
 کا نیا علم ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایک پرائر ملتا ہے جس سے تمہاری تیز نزل  
 اور لغزش خوردہ دہان حصول اور بہتوں کے سنبھل جانے کے قوی امیہ  
 کیجا سکتی ہے۔ عزیز دین دوبارہ تمہارے اس امر کے بیان کرنے کی اجازت مانگتا  
 ہوں کہ دنیا کا گہر سچ محبتوں اور تکلیفوں اور مختلف آزمائشوں کا گہر ہے اس  
 گہر کے حقیقی بانی سبائی نے جب اوسکی مٹیو کا پتھر کہا تھا تو قدرتی پاک زبان سے  
 الفاظ بولے تھے اور اون الفاظ کو بد قدرت سے تہر پر کندہ کر دیا تھا۔

اسے اس گہر میں داخل ہونے والے دل کے کان کو لکر اس آواز کو سن کہ اس گہر  
 میں تجکو ضرور داخل ہونا ہے اور یہ یاد رکھ کہ جو اس گہر میں داخل ہو اس سے  
 پہلے اوسکی نا تجربہ کار سر پر مختلف مصیبتوں کا کامیاب ہون مایوسیوں اور تکلیفوں  
 کا بوجھ رکھا جائیگا ہاں تجھے یاد رہے تو کیسا ہے جلائے کیسا ہی شور و شر کہ یہ  
 بوجھ تیرے سر سے ہرگز اوتارنا نہ جائیگا بلکہ اس بوجھ صلیکے بے ہمتی کے جرم میں تجکو  
 یہ بوجھ سزا بخائیگی کہ تجھے جاری موجودات جو صلہ بے ہمتی بے استقامت  
 نالائق اور ستر نزل الحالت کینگی تیری پیشانی پر تیری مادی زبان کی موٹو جھوٹ  
 میں یہ جملہ لکھا جائیگا کہ یہ نیک خدائی خدا کے قانون کا مقابلہ کرنا اور اوسکو توڑنا چاہتا  
 آئے موجودات کے ادنیٰ خبر و انسان کے بچے پوشیاد ہو اور آنکھیں کھول یہ ضروری  
 بوجھ سر پر رکھ لے بے ہمتی بے استقلال کی پھر نہیں ہوتا تیری ذات میں مٹی ایک  
 ایسا عجب اور نادار مضبوط پرزہ رکھ دیا ہے کہ جو ان سب واروہ آفتوں مصیبتوں  
 کا کامیاب ہون مایوسیوں کو تسلیم کے دائرے میں لجا کر اوشکا سکتا ہے تیری تیز نزل  
 اور اضطراب کو اپنی مضبوط نوک پر لے لیگا تجکو ایک چین کا گہر لکھا جائیگا اگر تو اوس

مغبوط پرزہ کا نام و نشان پوچھنا چاہئے تو تجھ کو یاد دلایا جاتا ہے کہ ہنسنے روز  
آخر فیش سے اس کا نام (قوت رضائیہ رکھ دیا ہے) اگر تو اس قدر قی معاون  
کے زور پہ چلا تو تیرے واسطے فتح یابیوں نصرت و عزت خوشحالی کا سہارا دیا  
کھل جائیگا اگر تجھے کوئی غم اور فکر بھی ہوگی تو وہ بھی خوشی معلوم دہلی نصیب  
یا در کہ اور دل کو مستقیم اور مغبوط بنا۔ عزیز دنیا کے گہ کے تہہ پر اس کے  
یابی نے جو لکھ دیا اور کندہ کر دیا ہے اس کو تھننے پڑھ اور سن لیا ہے وہ کتبہ اور  
فوشہ تہین صاف صاف کہہ رہا ہے کہ اس دنیا میں انسان کے بچے کو سوا  
اسکے آرام اور آسائش کی ڈگری نہیں ملتی کہ وہ ہر ایک برائی اور مصیبت کو  
کے سپر بریکر تسلیم کرے۔

عزیز و ہر ایک مصیبت کے وارد ہونے کے وقت حوصلہ اور استقامت کو پائنتہ سے دو  
بلکہ حوصلہ اور استقامت کی رہبری سے قوت رضائیہ کے جوار سپاہی کو ساتھ لیکر  
ولی جوش سے وارد مصیبتوں اور مشکلیوں کا مقابلہ کر دے۔

ان الفاظ سے میرا یہ منشاء نہیں ہے کہ اس گہر میں اگر کسی کو آرام اور خوشی نہیں  
میلے بلکہ یہ کہ یہ ضروری گہ آرام اور تکلیف دونوں کا گہر ہے مگر اس گہر کے رسوم جلائے  
ہیں کہ اس گہر میں اکثر کر کے مصیبتیں وارد ہوتی ہیں اکثر کر کے خلیفہ مایوسیوں  
کی زہر دار ساپ ڈسنے اور کاٹنے کو دوڑتے ہیں ایک طرف خوشی کے تصویر  
نظر آتی ہے اور دوسری طرف اس کے پہلو پر ایک تکلیف کی ڈرونی صورت دکھائی  
دیتی ہے خوشی کو انسان بہت جلد ہی قبول کرتا ہے مگر مصیبت سے دل چراتا ہے اگرچہ  
جانتا ہے کہ جو مصیبت وارد ہوتی ہے وہ ٹل نہ سکیگی مگر بوجھلگی دم نہیں لینے دیتی  
ایسے ہی موقعوں کے واسطے خدا تعالیٰ نے انسان کی ذات میں قوت رضائیہ دوئی  
کر رکھی ہے ضروری ہے کہ انسان نہایت ہوشیاری سے اس کا استعمال کرے۔

کیونکہ صدمہ کم ممانعت کی کوشش اور تجویز کرنا ہے انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے مگر یہ کوششیں اور یہ تجویزیں اگر بے حوصلگی سے کام میں لائو گے تو پہلے سے ہی بڑھکر رسوائی اور کمزوری ہوگی ہاں اگر قوت رضائیہ کو ساتھ لیکر اس مساعی اور تجاویز کو وسعت دو گے تو امید قوی ہے کہ ضرورت ہماری کوششوں اور تجویزوں کے پورے کو عمدہ سہل لگیں گے اور تم اپنی ناامید دل کے ارد گرد کا سیلابیوں اور آب کی ہمارے دیکھو گے خدا ہر ایک شخص کو رضا آمیز حوصلہ اور استقامت عطا کرے۔

عزیزو اس بات کو سمجھ لو کہ ہمارے چاروں طرف قدرت نے گھیر لیا ہے اور اس کا رخا نہ کے پانی نے ہلکوائی قدرت کی زنجیر دن میں جکڑ کر کہا ہے قدرت چاروں طرف ہی کرتی ہے اور ہلکواروں لغتوں صدمہ بزرگیوں کے سارے کنارہ پر بھی لیجاتی ہے تم جانتے ہو کہ قدرت کی سمجھ سوچہ قدرت کا فعل چاہے سمجھ بوجھ ہمارے فعل سے کہیں زیادہ تر معقول اور حکمت آمیز ہے جب ایک فانی حکیم کا فعل حکمت و خالی نہیں ہوتا تو حکیموں کے حکیم کا فعل اور فانی قدرت کیوں خالی اور موز حکمت ہونے لگا۔ قدرت ہمارے مقابلہ میں یا ہمارے سامنے جو کچھ کرتی ہے وہ عین حکمت اور عین ضروری مصلحت ہے ہماری طاقت اور ہماری سکت نہیں کہ ہم اس عین دم مار سکیں اور نہ قدرت اور صاحب قدرت کے صدمہ الطاف اور عنایات اور خاص توجہات ہلکوار اس امر کی اجازت دیے ہیں کہ ہم کفر لغت کر کے اوسک فعلوں حکمت علیوں کے ظہور اور حدوث سے بچیں اور بقرار ہو کر جو صلیکے اور عدم تسلیم کی صورت کا اظہار کریں جو کچھ اوسکی طرف سے ہوتا اور ہو رہا ہے ہمارا فرض ہے کہ اوسکو نیک دلی سے تسلیم کریں۔ ہاں اگر ہم نہایت انکار اور تہلیل سے صاحب قدرت کے پاک دروازہ پر سرٹیک کر اپنی شامت اعمال کا اعتراف اور اقرار کر کے درگزر اور فضل و رحم کے خواستگار بنوں تو یہ دوسری

ہم مانتے ہیں کہ انسان کی ذات میں سچو صلی کی گامادوبی ہے وہ بھی اوسکو ہستیا کے پایہ سے گرنے کے واسطے کچھ کی نہیں کرتا مگر یاد رکھو کہ اوسکو اپنی ذات میں ہی استقلال نہیں ہوتا بہرگتا ضرور ہے مگر بہت جلدی کف دریا کی طرح بیٹھ جاتا ہے جب قوت رضائیہ کا دور آتا ہے تو اوسکو خود ہی فنا کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔ سچو صلی سے ہلکوکچہ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ہمارے معاملات اور ہمارے کام کاج دن بدن بگڑتے اور خراب ہو جاتے ہیں ہمارے دل کے آسمان پر بارشیں اور نا اسیدی کی ایک کالی گٹھا جاتی ہے ہم حیران اور پریشان ہو کر وادی جنوں کا راستہ لیتے ہیں مگر برطرف اسکے قوت رضائیہ کے حل سے ہمارے دنوں میں جو ایک تسلیم آمیز حوصلہ اور استقامت پیدا ہوتی ہے اس سے ہمارے معاملات اور کام کاج میں ایک امید اور سچے تجوی کی روح بہر جاتی ہے جن معاملات اور جن امور میں ہلکوسخت حیرانی اور سخت پریشانی ہی ہوتی ہے وہ بھی ایک ایسی تسلی آمیز حالت میں پیش آتی ہیں کہ ہمیں بجائے سچو صلی اور بے بہت ہونے کی خاص ایک قسم کی تسلیم آمیز استقامت اور استقلال حاصل ہو جاتا ہے یہ استقامت کیوں حاصل ہوتی ہے اوسکو کون لاتا ہے یہ تو سچو صلی کے ابر تسخیر میں چھب گئے تھے اب کیونکر نکل آئے۔ ہاں یاد رکھو کہ یہ اسی قوت رضائیہ کے حدوث اور ظہور کا مبارک اثر ہے۔

سیارک ہیں وہ لوگ کہ جو پیش آمدہ مصیبتوں کو نہایت حوصلہ سے برداشت کرتے ہیں اور انکو قوت رضائیہ کی پسر پرے لیتے ہیں۔ قوت رضائیہ کی پیروی سے ہمارا یہ عالم نہیں ہے کہ انسان مصیبت واردہ کی مداخلت کی کوشش اور تجویز نہ کرے نہ نہیں از ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ بے حوصلگی کو چھوڑ کر تسلیم آمیز استقامت کو شعار بنانا چاہیے۔

تسلیم کوششوں اور ضروری تجویزوں کے مخالف نہیں ہے اگر ملازم مصیبتیں تمہاری کوششوں اور خاص تجویزوں سے دور ہو سکتی ہیں تو بلاشبک اونکو کام میں لاؤ۔

بات ہی یہ تذل اور اکسار انسانیت کا لازمہ بلکہ ایک خاص خاصہ ہی انسان کی حقارت  
 ہر وقت قدرت کے سامنے بالکل عاجز اور قاصر ہیں او سکی پاک درگاہ میں سو ہے  
 خاکساری اور تذل اور کمال و درجہ کی تسلیم آمیز فروتنی کی اور کچھ مقبول و مستحضر نہیں ہے  
 کیا ایک مٹی کا برتن گھار کو کہہ سکتا ہو کہ تو نے مجھ کو ایسا کیوں بنایا ہرگز نہیں۔  
 برتن کا کیا مقدر اور حوصلہ ہے کہ یہ کلمہ منہ سے نکالے او سکو تو یہی لازم ہے کہ ہر وقت  
 اپنے موجد کے سامنے نہایت عاجزی اور تذل سے سر جھکائے رکھے خدا کی درگاہ  
 میں پہی ہم تم سب مٹی کے برتن ہیں۔ ہلکوی برابری اور نخوت کے دم بھرنے کا  
 کوئی حوصلہ اور طاقت نہیں۔

## شکر

نعت میں لفظ شکر کے معنی سپاس اور ثنا کے ہیں اور اصطلاح علم اخلاق میں  
 شکر سے انسان کا وہ سچا بیان یا وہ فعل یا وہ خیال مراد ہے کہ جو ایک دوسری ذات  
 یا وجود کے انعامات یا احسان مروت رحمت بخشش اور مہربانی کے مقابلہ میں یا بہر کسی  
 قائل کے ایسے فعل کے مقابلہ میں جو کسی دوسری ذات یا وجود کے حق میں کسی جہت  
 سے دلی خواہش یا دلی رضامندی یا دلی ایہ برابری یا دلی خوشنودی کا باعث ہو  
 ظاہر کیا یا عمل میں لایا جاتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ انعام۔ احسان مروت رحمت  
 بخشش مہربانی کسی طریق اور محیط سے ظہور میں آئے یا لالی گئی ہو۔ شکر اور سوت  
 کیا جاتا ہے جبکہ انعام مروت بخشش مہربانی احسان رحمت کا وجود ظہور میں آتا ہو  
 بلا طور انکے نہ شکر نہ شکر نہ شکر گو یا شکر اور ان خاص حالات اور صورتوں کا وجود  
 آپس میں لازم ملزوم ہے۔ خدا نے انسان کو مدنی الطبع اور صاحب احتیاج پیدا کیا ہے  
 انسان بالطبع اس امر کی طرف مائل ہے کہ وہ اور اپنا جس جس کے ساتھ مل جل کر رہے  
 شہروں اور چوٹی بڑی بستیوں کا آباد ہو تا انسان کی مدنی الطبع ہونے کی ایک بڑی



حوسے دلیل ہے اگر انسان کی طبیعت میں یہ عمدہ اور کام آئی والا جوہر نہ ودلعت کیا  
 ہو تو یہ شہر اور آبادیاں نظر نہ آئیں یہ انواع و اقسام کی ترقیات اور طرح طرح کے  
 روٹھیں اسی قدر ترقی جو ہر کا اثر اور نتیجہ ہیں ہر ایک انسان بیان کرتا اور کہتا ہے  
 کہ میرا اکیلے دل نہیں لگتا میں تن تنہا اوداس رہتا ہوں تن تنہا رہنے سے تنہا  
 مرنے بہتر ہے یہ حسرت بہرے الفاظ اور سوز و حرقت انسان کے منہ سے کیوں نکلتے ہیں  
 اس کی وجہ اس لیے کہ اس کے دل و دماغ میں مافی الطبع ہونے کا مبارک جوش بہا ہوا ہے  
 انسان کا کسی جوش نہیں رکھ سکتا قدرتی جوش کیونکر رکھ سکے لاکھ بیکڑیوں جو ہر  
 ضرور جوش مار لگا ضرور اپنے نیک آتما کو عالم میں پھیلانے کا پہلے انسان کو کہنے  
 شہر و آبادیوں کے آباد کرنے کو کہا کہ ان ترقیوں کا جوش دمایا۔ کوئی اور نہیں  
 تھا صرف یہی قدرتی جوش اور قدرتی مادہ تھا انسان جب اول ہی اول دنیا میں  
 آیا تو یہ اپنی پریشانی اور پریشانی کو دیکھ کر سخت حیران ہوا کہاں جاسکے اور کس  
 لیے۔ جنگل اور بیابان تو دونوں پرندوں بوٹیوں جھاڑیوں نے روک رکھے ہیں  
 یہ اون کی قربان اور بولی نہیں جانتا۔ کس سے گفتگو کرے اور کس سے دل بہلا  
 جالاور تڑکھلے آنے سے ڈرتے ہیں درندے ڈراتے اور جان کھاتے ہیں  
 درخت سن سان کھڑے ہیں پتھر اور پہاڑوں کی اونچی ٹیڑھی چٹانیں دریا سے  
 حیرانی میں مستغرق ہیں زمین سخت اور بالکل عجیب و حرکت ہو رہی ہے آسمان دور  
 وہاں کیونکر رسائی ہو ہوائیں اور بگولے کچھ سنتے ہی نہیں جنگل میں کڑے کڑے  
 دور سے ایک انسان صورت نظر آئی جب دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں قدرت کو  
 پہترے ہوؤں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دوڑے گلے ملا اور رو کر کہا کہ ہاں ہے ہم  
 کس نصیب میں گرفتار ہیں اودا ہی جان کہا رہی ہے اکیلا ہیں ستارہ ہے اور جنگل کے  
 بلائیں تو بات تک نہیں پوچھتے ہم کیا کریں اور کہہ رہے ہیں۔ طاقت تو میری کچھ

اور چلا کر بیٹی۔ تم کن خیلون میں پڑے ہو کیوں یہودہ فقیر بن کرتے ہو کیا میں نے  
 تمکو بارہا نہیں کہا کہ تم سب کو سب نیکیا ہو کر رہو دونوں کی آنکھیں گھل گئیں اور وہ  
 نے ایک دوسرے کی مدد سے ایک جگہ پر اکٹھا رہنا شروع کیا بال بچے ہوئے۔ لڑکے  
 جگہ پر بھی احاطہ کر لیا بڑھتے بڑھتے میدان کا میدان ہاتھ میں لے لیا اب تو ایک بڑا  
 آبادی نظر آنے لگی درندے بھی ڈرنے لگے اور پرندہ چرند بھی کام دینے لگے درخت اور  
 پتھر سب کام میں آئے اور ہوائیں بھی کام کی معلوم ہونے لگیں۔ رہنے کے بعد دفعہ  
 کہہ دیا کہ یہ ایک گاؤں آباد ہوا ہے اسی بنیاد پر بڑے بڑے شہروں اور تہذیبوں  
 کی بنیادیں پڑ گئیں اور ان سب کا نام انسانوں کی بستیاں رکھا گیا۔

انسان کا مدنی الطبع ہونا اس واسطے ضروری تھا کہ اسکی گردن پر مختلف ضرورتوں  
 اور احتیاجات کا جوار کھا گیا تھا اگر وہ مدنی الطبع نہ ہوتا تو اسکی نازک گردن جو کہ  
 بوجھ سے ضرور ٹوٹ جاتی اور وہ خستہ حال اور تباہ ہو کر موت سے ہاتھ ملاتا یہ  
 مدنی الطبع ہونے کا ہی اثر اور عمدہ نتیجہ ہے کہ وہ ایک استقامت سے اس جوے کو  
 اٹھائے ہوئے ہے۔ جبکہ یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان کے الطبع اور صاحب احتیاج  
 ہے تو یہ لازم آیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ اسکی درخواست سے  
 یا خود ہی کسی ضروری اور مناسب موقع پر اپنے طرف سے کوئی ایسا کام یا عمل ظہور  
 میں لاوے کہ جو اسکے حق میں ایک احسان یا ہمدردی مروت مہربانی نعمت و نفع  
 کا درجہ رکھے۔ انسان کی حالت پر خیال کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ انکی جماعتوں  
 سوسائٹیوں میں یہ رواج ہے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ احسان  
 مروت خلق مہربانی ہمدردی کرتا ہے۔ جبکہ احسان مروت وغیرہ کا عملہ آدھے  
 و تاب ہم اس امر کے اظہار کی اجازت مانگتے ہیں کہ آیا احسان مروت مہربانی ہمدردی  
 انعامات و انعامات کی حالت میں یا توقع کی حالت میں یا توقع کے بعد بھی کوئی ایسا خاص

یا خاص عمل ہے یا نہیں کہ جسکو پورا کرنا لازمی اور ضروری ہو اور اگر کوئی ایسا خاص عمل  
یا خاص عمل ہے تو اسکا پورا کرنا کسکے ذمہ ہے ان باتوں اور انکے استحقاقات کا جواب  
ہم نمبر وار دیتے ہیں تاکہ پوری وضاحت ہو۔

### نمبر اول

جس ذات کی طرف سے کسی دوسری ذات یا شخص کے مقابلہ میں کسی قسم کا کوئی خاص  
مرآت، انعام، ہمدردی، مہربانی، توجہ خاص عمل میں لائی جاتی ہے اسکے عمل میں  
یا لانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک بلا کسی غرض اور مدعا، خاص کے اور ایک  
کسی غرض اور مدعا سے خاص سے پہلی شق کو عمل خاص یا عمل متہ کہا جاتا ہے اور  
دوسری شق کو امر یا الغرض کہتے ہیں۔ ان دونوں شقوں کے تعلق اور تعلق سے یا تو  
صرف ایک ہی شخص یا ایک ہی ذات اور یا اسکے وسیلہ سے اور یا شق خاص و مرآت  
اور وجود ہی متاثر ہوتی ہیں اس خاص تاثیر سے (خواہ ذات واحد سے متعلق ہو  
اور خواہ ذات سے) تاثیر یا تاثیرین کی ذاتی حالت یا حالتوں میں ایک قسم کا  
خاص تغیر پیدا ہوتا ہے جس سے اپنی پہلی حالت سے دوسری حالت پر آنا پڑتا ہے اور  
اس تغیر حالت سے لازم آتا ہے کہ تغیر الحالت اس شخص کے احسانات، انعامات  
مردتوں، مہربانیوں اور توجہات کا دلی اعتراف کرے کہ جسکے بدولت اسکی حالت  
میں ایک محمود انقلاب واقع ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ تغیر الحالت پر یہ دلی اعتراف  
کیون لازمی اور ضروری ہے تو جواب اسکا یہ ہے کہ یہ دلی اعتراف انسان کی طبعی جذبہ  
کے موافق ہے کوئی صورت ہو انسان اس طبعی جذبہ کے موافق اس دلی اعتراف کو  
عالم ظہور میں لاتا ہے یا یہ کہ دل میں ہے اعتراف کر لیتا ہے جب کسی انسان کو کوئی  
دوسرا انسان کوئی بری بات یا کوئی برا کلمہ کہتا ہے تو اسکے دل میں ایک کراہت اور  
نفرت اور صورت پیزی پیدا ہوتی ہے اگرچہ انسان کیسا ہی بڑا بار اور سلیم الطبع جفا

مگر تب بھی وہ کسی شخص کی زبان سے کوئی بڑا یا نفرت آمیز کلمہ نہ ضرور اپنے دل میں  
 بُرا مانے گا اگر موت نہ ہو گا تو قائل کو زبان یا ہاتھ سے سمجھائیگا اور اگر کوئی امر مانع  
 مزاحم ہو گا تو دل میں ہی کرے گا رہیگا کیونکہ ایک شخص دوسرے شخص کے برے  
 کلمات اور کردہ الفاظ سے کشیدہ خاطر اور رنجیدہ طبیعت ہو جاتا ہے کیونکہ اولیٰ  
 پیشانی اور راستہ پر سو سو میل پڑتے ہیں اس واسطے کہ وہ باتیں اور وہ کلمے وہ الفاظ  
 اوسکے طبعی جذبہ اخلاص ہونے میں خواہ کوئی سچے طور پر کسی دوسرے شخص کی  
 نسبت برے چلے یا برے الفاظ اطلاق کرے اور یا جوئے طور پر مگر جیسے ایسے ہذا  
 اطلاق کیے جاؤ گئے وہ ضرور ہی اپنے دل میں رنجیدہ ہو گا اگر انسان کا یہ طبعی  
 نہ تو تاویسی باتوں سے اوسکو غصہ نہ آنا کہ چھپے سمجھ جاتا ہے۔ مگر پہلے تو ضرور ہی  
 آگ بگولہ ہو جاتا ہے جس حالت میں برے اور کوہ الفاظ کے اطلاق سے انسان  
 کی طبعی جذبہ میں ایک ہوش آسکتا ہے تو بہر جب اوسکے مقابلہ میں کسی دوسرے  
 ذات کی طرف سے کسی قسم کی کوئی نیکی عمل میں آئے تو ضرور ہے کہ اوسکے دل  
 میں اوسکے اعتراض کا جوش اور خیال پیدا ہو اسی جوش اور خیال کا نام شکر ہے۔

### نہم دوم

جبکہ شکر کرنا ہی انسان کا ایک طبعی جذبہ ہے تو یہ کہا جاوے گا کہ طبعی جذبہ تو کسی حالت میں  
 روز نہیں ہو سکتا بہر بعض انسان ناشکر کیونہ ہوتے ہیں جواب اسکا یہ ہے کہ بعض  
 انسانوں کے ناشکر ہونے سے شکر کے طبعی جذبہ ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔  
 جیسا انسان کے اور طبعی جذبات پر مختلف حجاب اور پردے آجاتے ہیں اس طرح  
 اس پر بھی پردوں کا آنا ممکن ہے رہی یہ بات کہ وہ حجاب کیونکر آتے ہیں اور ان کے  
 دور کر دئیے کیا ترکیب ہے سو اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں  
 خود غرضی اور مطلب پرستی اور تقدیر کفران لغت منتقش ہو جاتی ہے تو بہر شکر کے

طبعی جذبہ پر ایک بروہ آجاتا ہے اور انسان اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ یہ کام مکمل آیا یا فلاں ذات کی طرف سے جو ہونا ہونا تھا ہو گیا اس کی ایک اعتراض کی کیا ضرورت ہو اگر میں نے اعتراض کیا تو پھر لازم آئے گا کہ میں ایک نیا گریڈ ہوں اور یہ میری عورت کے شلوات ثابت ہو گا۔ ایسے حجاب اہل کے دماغ کی یہ بہت عمدہ ترکیب ہے کہ خود غرضی اور بیجا گنہگار انسان کے لئے یہ خیال کہ دل میں جگہ نہ دی جاوے۔ اور غرضی اور بیجا گنہگار اس ترکیب سے تو شکایت کرے کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے کہ جو کسی محسن اور فیاض شخص کا بوجھ نہ سمجھے جب ہم اس پھندوں سے جھٹکتے ہیں تو پھر ہلکے ضرور رہیں کہ خواہ مخواہ اس قسم کی الموج و گروہ کی کو معیوب خیال کریں۔

### منبر سوم

انسان کے مقابلہ میں جو احسان اور مروت اور انعام وغیرہ عمل میں لایا جاتا ہے وہ دو صورتوں پر مشتمل ہے ایک تو خود انسانوں کی طرف سے دوسری انسانوں پر ہوتا ہے اور ایک خداوند کریم کی طرف سے ان دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ انسان اپنے محسن کے مقابلہ میں نہایت نیک نیتی سے شکر کی زبان کہوئے اور ہر طریقے اور صورتوں سے شکر کے ہیں وہ عمل میں لائے۔

### منبر چہارم

اگر انسان خاکی بنیاد پر اپنی حیثیت اور حالت پر غور کرے تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ اس کی حیثیت اور حالت جیسے وہ دنیا کے بڑے بڑے کاموں اور جگہوں اور کھیلوں کو سربراہ ٹھاتا ہے اور اپنے واسطے ایسی مضبوط بنیادیں کھڑی کرتا ہے کہ جو اس کے ذہن کے موافق دنیا کے اخیر تک کام دیکھنے کی بالکل ناکارہ اور بے اثر ہو ایک کاغذ اور ایک بودی لکڑی اور ایک مٹی کی اینٹ کی زیادہ مضبوطی اور بنیاد

ہوتی ہے مگر اس حالت اور حیثیت کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی ذرا سے درو یا ایک چھوٹی سی ٹکڑی سے انسان زندگی کو ایک دہائی خیال کرتا ہے نہ حوصلہ رہتا ہے نہ ہمت بہادری کی بہادری شجاعہ کی شجاعت اصحاب ہم کی ہمت عالموں کی علمیت فاضلوں کے فضیلت فلاسفوں کی فلسفیت حکیموں کی حکمت طبیبوں کی طبابت یا حاکموں کی حکومت کیم کا فخر ہو جاتی ہے ادنیٰ ادنیٰ سہارے بڑے بڑے مضبوط وسیلے خیال کیے جاتے ہیں۔ عقل و فراست حیرانی کے وادی پر فروغ میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں ایسے انقلاب ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی بنیادیں بڑی ہی ضعیف اور بودی ہیں اور انسان بہت ہی جلد ہی نیست اور نابود ہو جانے والی شے ہے۔ جب انسان کا یہ حال ہے تو گھنٹہ اور تکبر مارو کہے بچ و دنیا دو کہہ گئی۔ انسان کو لازم ہے کہ خدا کے پاک درگاہ میں بڑے انکسار اور تذلل اور دلی فروتنی سے ٹکرتے کا سر جھکائے۔ وہ کچھ بھی نہیں تھا اسی کی خاص عنایتوں سے دنیا کے سیدان میں آکر انسان کھلایا اسی کی انہی توجہ سے وہ اوروں کی نسبت اشرف المخلوقات بنا۔ ہر روز اس کے نعمتوں افضال نامتناہی کا دریا بہہ رہا ہے ہر دم اس کی عنایتیں اور توجہات اپنا لطف دکھا رہی ہیں کتنے عجب اور کتنے کفران نعمت کی بات ہے کہ ہم باوجود اس قدر احسانات اور انعامات کی خاموش ہو رہیں۔ کچھ بھی قدر نہ کریں جو محکوم اپنے حاکم اور جو مملوک اپنے مالک اور جو غلام اپنے آقا اور جو کردیدہ حسن اپنے محسن کو یاد نہ رکھے وہ انسان کیا حیوان بھی نہیں ہے کیونکہ حیوان بھی اپنے محسن کو یاد رکھتے ہیں کسی پر کوئی مہربانی کرتا ہے تو وہ اس کو مرتے دم تک نہیں بھولتا خدا کا شکر کرنے کی جو سوئی سوئی صورتیں ہیں ہم ان کو ہر یہ ناظرین کرتے ہیں اور صورتیں خود کھل جائیگی۔ (۱) اپنی مخصوص اوقات میں سے کوئی وقت خدا کی عبادت اور اس کے واسطے خاص کرنا اور اس وقت خاص میں اپنے خالق کی مہربانیوں کو یاد کر کے

اپنی ناجیز اور نابود ہونے والی ہستی کو پیش نظر رکھنا کہ یاد اور اس کی عبادت کرنا  
 انسان کا ایک ایسا تزلزل پذیر فعل اور عمل ہے کہ اس کی گہرے دل اور غور و خیر کی کوڑھ  
 کے واسطے تیشہ و لادنی کا اثر رکھتا ہے۔ ہماری نابودی ہی کو دنیا بہت سہاوت نگاہ میں  
 وہ شراب سے پیہ ہے اور تخیل میں کہ انسان کو ایک ہی دم میں تکلیف دہ انسان پر ہجرا کر  
 خاک سیاہ کر کے تحت افتر زمین پہنچا دیتے ہیں۔ فخر و غرور ایک ایسا ہی ہے جتنا شہر کی  
 ایک آدمی کا بچہ بچہ جیسے اور انسان تھے ویسے ہی وہ تھے۔ مگر انسان کا بچہ بچہ ہی  
 پڑھو تو قہر میں معلوم ہو جاوے گا کہ ان عین شہر و دیں۔ نہ ان کو اور ان کے  
 پر دون میں کس قسم کی تیز اور جلدانے والے دھواں و دھار شعلہ پیدا کر کے پھیر  
 اور ان کی نابود ہونے والی ہستی کس دہی اور بے بنیاد بانی پر چڑھتی ہے۔ جو دل جہم  
 اور پروا بار ہوتا ہے۔ اسی سے غصہ اور ظلم و ستم کو شعلہ نکلتے ہیں ان دونوں کا گار  
 ایک ہی مگر عمل جدا جدا باب اور مان ایک ہی ہوتے ہیں۔ مگر اولاد کے لڑکیاں  
 جدا جدا طبیعتوں کے نکلنے ہیں۔ جوں کا توں کا نیک ہوتا ہے۔ اور کو اچھا کہا جاتا ہے  
 اور جو بُرا نکلتا ہے وہ بدنام ہو کر مختلف طبعیتوں کا سوز و گھٹا سزا دیتا ہے۔ وہ دانا  
 باب کو اوس نالائق لڑکے کو بُرا سمجھتے ہیں مگر ادنیٰ درستی اور اصلاح کے  
 فرض کو ہاتھ سے نہیں دیتے ہر وقت اوس کو روکتے رہتے ہیں۔ اسے عزیز و رابط  
 تم اپنے دل کی اوس بُرے خیال کو جو تم کو خدا کے یاد اور عبادت سے روکتا ہے ہر وقت  
 سرزنش اور ملامت کرتے رہو وہ تمہارا ایک نالائق خیال ہے اگر تم اوس کو روکو گے  
 نہیں تو وہ ضرور نالائق لڑکے کی طرح خراب کرے گا۔ میں جانتا ہوں بلکہ میرا یقین ہے  
 کہ خدا کو ہمارے اور تمہارے عباد و تون یادداشت کی کچھ کیا ایک ذرہ بہرہ ہی پورا  
 اور حاجت نہیں وہ ازل سے ہی غنی اور لا پروا رہے مگر عجز و خیال کر دے کہ اگر تمہارے  
 مالک کو ہمارے خرابی و ناری اور اطاعت کی حاجت اور پورا ہوا تو کیا ہلو بہ حیثیت ہلو

ہونی کے لازمی اور ضروری نہیں ہے کہ ہم سچے دل سے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کو ظاہر کریں تمام انسانوں کے دل تو زور سے گواہی دیتے کہ ضرور حکو اپنی طرف سے فرمانبرداری اور اطاعت کرنی چاہیے جبکہ ایک چند روزہ مالک کو مقابلہ میں ہمارا یہ خیال اور یہ خیال ہے تو پھر اس قادر مطلق جی دائم مالک الملک کو روبرو سے اگر ہم اپنی ناجور ہونے والے دل اور سر کو نہ جھکا دیں تو اور کسکے آگے اس رسم کو پورا کریں اگر انسانوں میں ایسا کوئی غیث دل والا اور قبیح الطبیعت بھی ہے کہ جو بغاوت کا خیال رکھتا ہے تو یقین جانو کہ اوسکے دل کو دائمی خباثت اور طبعی کفران نعمت کا جزم ہو گیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ اوسکو انسان کہا جاوے۔

(۲) خدا نے اپنی نعمتوں میں سے انسان کو جو کچھ عطا کیا ہے اوس سے اور سمجھاؤں کے مختلف طریقوں سے مدد کرنا بھی ایک قسم کا شکر آتی ہے عبادت الہیہ بدنی اور روحانی شکر ہے اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے اوروں کی مدد کرنا ایک مالی اور عملی شکر ہے۔ روحانی شکر سے صرف اپنی ذات کو ہی فائدہ پہونچتا ہے مگر مالی اور مالی شکر سے اور اپنا جس کو بھی ایک خاص قسم کا فائدہ اور مدد حاصل ہوتی ہے یہ نہ خیال کرو کہ شکر آتی صرف زبان اور روح سے ہی ادا ہو سکتا ہے نہ نہیں اگر تم یہ خیال کرو گے تو بڑی بھول میں پڑ جاؤ گے۔ زبان ہاتھ مال کلام تو جہ غیر سے بھی شکر کی ڈیوٹی ادا ہے اور پوری ہوتی ہے خدا کے بخشی ہوئی نعمتوں میں سے کسی دوسرے کی مدد کرنا بھی ایک اعلیٰ درجہ کا شکر ہے گویا صاحب نعمت یہ ظاہر کرتا ہے کہ شمع حقیقی نے جھک کر جو نعمتیں عطا کی ہیں میں اوند کو چپ سے ہضم کرنا نہیں چاہتا بلکہ اوس میں اور دن کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں شمع حقیقی کی درگاہ میں یہ عمل ایک اعلیٰ درجہ کا شکر خیال کیا جاوے گا اگرچہ شمع حقیقی کے خاص ذات کو اس عمل کا سہارا اور فائدہ نہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے عملوں پر خوش اور



راضی ہے کیونکہ اوسکی قدرت کا یہ مقتضا ہے کہ میرے انعام اور اعمال کو وہ  
 نہ رکھا جاوے۔۔۔ (۳) کسی دوسرے کو نصیحت کرنا یا اوسکا ساتھ نہ ہونے  
 کرنا ہی ایک شکر الہی ہے خدائے ایک انسان کو جو تندرستی اور عقل و سلب کی نصیحت  
 اور نعمت و عطا کی ہے اوسکا اعتضا یہ ہونا چاہیے کہ اور دن کو اپنی اور  
 دیا جاوے حصہ دینا ہی ہے کہ اونکے ساتھ ہمدردی کیجائے اور غصہ و رنج و  
 اور نصیحتوں سے اونکو محروم نہ رکھا جاوے ایک عالم یا ایک غلامی یا ایک  
 دوسرے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے وہ دراصل ایک بڑا شکر ادا کر رہا ہے زبان اور  
 مال کا شکر تو کچھ محدود ہے یہ شکر تو ان دونوں سے کسی درجہ بڑھا ہوا ہے زبان اور  
 مال کا شکر چند دنوں کے بعد معدوم ہو جاتا ہے مگر اس شکر کی مشہور بنیادیں بڑا  
 نام قائم اور ثابت رہتی ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک انسان کا دوسرا انسان کیونکر شکر ادا کرے۔ (۱) جب  
 ایک شخص پر کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی مہربانی یا عنایت یا توجہ خاص کرے تو اس  
 شخص کو لازم ہے کہ اوسکی عنایت اور توجہ خاص کا سچے دل سے اتنا رازے اور وہ  
 محض غمخشاہ اور معنادی چاہو سی کا ہے نہ تو نہ ہو بلکہ اوسین سچائی رستی کوٹ کوٹ کر  
 بہری ہو صرف لبوں اور زبان سے ہی نہ ہو بلکہ دل اور روح کے اقرار سے یہ نشانیں  
 کہ نعم مجازی کے سامنے میراثیوں کی طرح کوئی لبنی چوڑی بجا جت آمیز تقریر کیجاوے بلکہ  
 ایسی سادگی سے کہ نعم مجازی کو تو کیا سارے دیکھنے والے کو آئینہ نما حجاب میں سچے  
 شکر کا ثبوت لمجاوے اور سب لوگ اس اعتقاد پر جم جائیں کہ فلان شخص کسی خاص  
 احسان مروت مہربانی کو رایگانہ نہیں دیتا شکر کرنے والے دل اور آنکھیں میشان  
 جدا ہی ہوتی ہیں کون کتنا بہتر ہے کہ فلان فلان نے مجھ پر توجہ اور مہربانی کی ہے  
 بہتر اور ثابت کر دیتا ہے کہ فلان شخص میراثیوں سے یہ مست خیال کرے کہ میں مگوز بافی



یہ ہے ہوسکے ویسا ہی ہو سکرنا چاہیے ان اگر ہم طاقت بہت ہی کم درجہ پر  
مہین تو بہ ضرور گمان فاسد ہے۔ اپنے منہ کے ساتھ کسی موقع پر احسان  
کرنا ایک قسم کا سچا شکر ہے۔

(۳) جب کوئی شخص کسی پر احسان کرنا ہے تو اس کے اہم خاص غرض ہو سکتی ہیں  
یعنی احسان کسی خاص محل پر کیا جاتا ہے بے محل نہیں ہوتا۔ جب احسان کرنا  
اوسکو لازم ہے کہ محل احسان کو باقی نہ دے اگر ہاتھ سے دیدیگا تو بہر گویا وہ  
ناشکر ثابت ہوگا ایک ہمارے حسن نے ہکو ایک گھوڑا سواری کے واسطے دیا  
اوسکو تو اس کی واسطے تیس روپیہ کوچی ڈالا ہمارا یہ عمل کمال درجے کی ناشکری  
پر دلالت کرتا ہے۔ اس عمل سے صرف ہماری ناشکری اور بقیدری ہی ثابت  
نہیں ہوتی بلکہ اسکے ساتھ حسن کی بے تحشی پر بھی ایک دلیل قائم ہوتے ہے  
کو گ خیال کرتے ہیں کہ حسن کو محل احسان کی تیز کرنی نہیں آتی اسی کے  
ضمن میں یہ بھی سمجھ لو کہ اگر ہم اپنی جسمانی طاقتوں اور قولوں کو جو قادر مطلق نے  
ہکو عطا کی ہیں ادنیٰ مرکز پر استعمال نہ کریں گے تو ہم خدا کی درگاہ میں ناشکر  
تھہریں گے خدا نے ہکو جو طاقتیں عطا کی ہیں وہ اس واسطے نہیں کہ اونکو حیا  
پر استعمال میں لایا جاوے بلکہ اس واسطے ہیں کہ اونسے وہی کام اور وہی خدمتیں  
لیجائیں کہ جنکے واسطے قدرت نے اونکو ہماری محدود اور نابود ہونے والے  
اجسام میں ودیعت کر رکھا ہے۔



خدا ہی تعالیٰ اور ہزار شہر۔ صف اول کتاب اخلاق احمدی ختم ہوا غفر  
انشاء اللہ تعالیٰ حصہ میں اس کی مختلف مضامین پر جو کہ ملاحظہ شائقین میں